تصوف کے روشن حقائق

مصنف

حضرت شیخ عبدالقادر عیسیٰ الشاذلی رحمۃ اللہ تعالیٰ

مترجم

(الاستاذ) محمد اکرم الازہری

بسم الله الرحمن الرحيم

Marfat.com

حَقَائِق عَنِ التَّصَوُّف

تصوف کے روشن حقائق

تصوف کا خوبصورت اور جامع تعارف اللہ رب العزت تک پہنچنے کے راستوں کی توضیح، پیر و مرید کا باہمی تعلق تصوف پر اعتراضات کا انتہائی مسکت اور ناقابل تردید ازالہ، جدید ذہن کے اشکال کا جواب ایک عارف باللہ اور عالم ربانی کے قلم سے عصر رواں کی ایک اہم ترین کتاب۔

مصنف

حضرت شیخ عبدالقادر عیسیٰ الشاذلی رحمہ اللہ تعالیٰ

مترجم

(الاستاذ) محمد اکرم الأزہری

(فاضل بھیرہ شریف)

Marfat.com

جملہ حقوق محفوظ ہیں

زیر اہتمام

صوفی سیف الرحمٰن نقشبندی

چیف ایگزیکٹو بلال انجینئرنگ 13-N گلبرگ II لاہور
0092-42-35753636

محمد رضاء الدین صدیقی

چیئرمین زاویہ فاؤنڈیشن (رجسٹرڈ) لاہور
0300-4355534

اس وثیقۂ علمی کی طباعت معروف ادارے بلال انجینئرنگ لاہور کے ذوق خدمت اور حسن اہتمام کا ثمرہ ہے۔ یہ ادارہ جہاں وطن عزیز کی صنعتی ترقی میں روح رواں کی حیثیت رکھتا ہے۔ وہیں بے شمار مثبت علمی و روحانی سرگرمیوں کا سرپرست و معاون بھی ہے۔ اس کتاب کے جملہ محاصل بھی زاویہ فاؤنڈیشن کے تحقیقی اور روحانی مقاصد کے لیے وقف کیے گئے ہیں۔ اللہ رب العزت اپنے حبیب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے طفیل ان کی اس مساعی کو قبولیت سے سرفراز فرمائے۔

سن طباعت	تعداد	ہدیہ
۲۰۱۱ء	۱۱۰۰	۸۰۰

زاویہ فاؤنڈیشن

C-8 دربار مارکیٹ لاہور
Ph# (0092)(42)37117152-37113553-03004360320
E-mail: zaviafoundation@hotmail.com
www.zaviainternational.com

Marfat.com

نذر عقیدت

عظیم مرشد، اہل عرفان کے مربی، سالکان راہ حقیقت کے راہنما، استاذ گرامی:

سید محمد الہاشمی رحمۃ اللہ علیہ

''اور وہ اہل ایمان جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے آپس میں محبت کرتے ہیں..... ان کے درمیان کوئی رشتہ داری ہوتی ہے، نہ مالی منفعت..... کل روز قیامت جب اور لوگ لرزیدہ ہوں گے تو انہیں کوئی ڈر ہوگا نہ خوف..... جب اور لوگوں کے چہروں پر ملال کے آثار ہویدا ہوں گے تو ان کے چہروں پر نصرت و تازگی اور وقار و طمانیت کا نور چھلکتا ہوگا..... یہی ہیں دوست خدا کے..... یہی اولیاء ہیں''

کی بارگاہ میں! المؤلف

عبد القادر عیسیٰ الشاذلی

Marfat.com

باب اوّل

تصوف کی تعریف

تصوف کا مادہ اشتقاق
علمِ تصوف کا آغاز و ارتقاء
تصوّف کی اہمیت

باب دوم

تصوف کا عملی منہاج

تقدیم
صُحبتِ شیخ
صحبت کی اہمیت اور فوائد و آثار
صحبت کی اہمیت پر قرآنی دلائل
صحبت کی اہمیت اور اس کے آداب کے بارے میں فقہا اور محدثین کے اقوال

Marfat.com

ابن حجر ہیثمی

۱۔ ابن حجر ہیثمی
۲۔ امام فخر الدین رازی
۳۔ شیخ ابراہیم الباجوری
۴۔ حضرت ابی حمزہ
۵۔ ابن قیم جوزیہ

۶۔ عبدالواحد بن عاشر
۷۔ شیخ طیبی (صاحب حاشیہ کشاف)

صحبت کے فوائد اور اس کے آداب کے متعلق صوفیاء کی آراء

۱۔ امام ابو حامد غزالی
۲۔ الامیر عبدالقادر الجزائری
۳۔ ابن عطاء اللہ اسکندری
۴۔ سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی
۵۔ شیخ عبدالوہاب شعرانی
۶۔ شیخ ابو علی ثقفی
۷۔ شیخ ابو مدین
۸۔ شیخ احمد زادق
۹۔ شیخ علی خواص
۱۰۔ شیخ محمد ہاشمی

شیخ کامل کی تلاش :

مرشد کامل کی علامات

Marfat.com

بیعت :
بیعت کا ثبوت
مردوں کی بیعت
اجتماعی تلقین
عورتوں کی بیعت
نابالغ بچوں کی بیعت
صحابہ کرام کا خلفائے راشدین کے دستِ مبارک پر بیعت کرنا
سلسلہ بیعت و اذن
آدابِ مریدین
آدابِ باطنی
آدابِ ظاہری
پیر بھائیوں کے متعلق آداب
ناصح کی شرائط :
منصوح کی شرائط :
علم :
قرآن اور فضیلتِ علم
احادیثِ نبویہ

Marfat.com

حصولِ علم کا حکم

وہ علوم جن کا حاصل کرنا فرض ہے

وہ علوم جن سے منع کیا گیا ہے

علوم مستحبہ

مجاہدہ اور تزکیۂ نفس

مجاہدہ کی تعریف

کتاب و سنت اور مجاہدہ نفس

مجاہدہ کا علم

کیا انسانی صفات کو تبدیل کرنا ممکن ہے

مجاہدہ کا طریقہ

مجاہدہ کے متعلق عارفین اور مشائخ عظام کے اقوال

مجاہدہ کے متعلق شبہات کا رد

ذکر:

ذکر کے معنی

کتاب و سنت سے دلائل

ذکر کی فضیلت میں علمائے کرام کے اقوال

۱: حضرت عبداللہ بن عباس

Marfat.com

۲۔ ابن عطاء اللہ سکندری
۳۔ امام ابو القاسم قشیری
۴۔ ابن قیم الجوزیہ
۶۔ امام فخرالدین رازی
۶۔ شیخ احمد زروق
۷۔ شیخ احمد عجیبہ

ذکر کی اقسام :

ذکر سری اور جہری
ذکر بالجہر کی فضیلت
دل اور زبان کا ذکر
انفرادی اور اجتماعی ذکر
انفرادی ذکر کے آداب
اجتماعی ذکر بالجہر کے آداب
ذکر مقید اور ذکر مطلق
ذکر الٰہی کے مختلف کلمات
صرف لفظ ”اللہ“ کے ذکر کا حکم
ترک ذکر پر تنبیہہ

Marfat.com

دورانِ ذکر جذب و وجد
مسجد میں سماع اور اشعار کا حکم
سماع اور صوفیائے کرام
ذکر کے فوائد (اجمالاً)
عوام اور خواص کے ذکر میں فرق ؛
اورادِ صوفیا اور قرآن و سنت

مذاکرہ ؛
مذاکرہ کی تعریف
مذاکرہ اور نصاریٰ کے اعتراف میں فرق
مذاکرہ اور اعلانیہ معصیت میں فرق

خلوت
خلوت کی تعریف
خلوت کا طریقہ
وساوس کی قسمیں اور ان سے بچنے کا طریقہ
خلوت کی شرعی حیثیت
قرآن سے خلوت کا ثبوت
حدیث سے خلوت کا ثبوت
ایک اعتراض اور اس کا جواب
خلوت کی اہمیت
خلوت کے بارے میں علما کے اقوال

Marfat.com

علامہ فیروز آبادی صاحب قاموس
امام شافعی
امام غزالی
شیخ اکبر ابن عربی
ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی
عماد الدین الواسطی
ابن عجیبہ
(خلوت کے دس فوائد)
خلاصہ کلام

باب سوم

اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا راستہ

تمہید کلام
توبہ
محاسبہ
خوف
رجاء
صدق
اخلاص

Marfat.com

صبر

ورع

زھد

رضا

توکل

شکر

باب چہارم

تصوف کے ثمرات

حُبِّ الٰہی

محبت کی دلیل اور اس کی فضیلت

اسبابِ محبت

محبت کی علامات

محبت کے مراتب

کشف :

کشف کی تعریف

رسول اللہ ﷺ اور کشف

قرآن اور کشف

صحابہ کرام اور کشف

صوفیائے کرام کشف

کشفِ قبور

Marfat.com

الہام :
تعریف

اللہ کی طرف سے الہام

علمِ حدیث
تاریخ
تصوّف
صُوفیائے کرام کے ارشادات کی تاویل
وحدۃ الوجُود، حلول اور اِتحاد
حقیقی صُوفیائے کرام اور جعلی پیر
تصوّف کے مخالفین
تصوّف کے بارے میں علماء کی آراء

امام اَبُو حنیفہؒ
امام مالکؒ
امام شافعی
امام احمد
امام محاسبی
عبدالقاہر بغدادی
امام قشیری

Marfat.com

امام غزالی
امام فخرالدین رازی
العزبن عبدالسلام
امام نووی
ابن تیمیہ
امام شاطبی
ابن خلدون
تاج الدین سبکی
جلال الدین سیوطی
ابن عابدین
شیخ محمد عبدہ
امیر شکیب ارسلان
شیخ رشید رضا
شیخ محمد راغب طباخ
احمد شرباصی
یسری عابدین
محمد ابو زہرہ

Marfat.com

امام احمد رضا خان بریلوی

پیر محمد کرم شاہ الازہری

ڈاکٹر پیر محمد حسن

ڈاکٹر برہان احمد فاروقی

شیخ الحدیث محمد عبد الحکیم شرف قادری

ہمارے شیخ محمد الہاشمی

ولادت و پرورش

ان کا اخلاق و سیرت

دعوت و ارشاد

انکی تالیفات

اجازت

سلسلہ شاذلیہ کی سند

Marfat.com

مقدمہ

اے پروردگار! تیری حمد وثناء ہے کہ تو نے صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق ارزانی فرمائی، بہترین آقا ہے اور عمدہ چارہ ساز ہے اور تیرے حبیب اعظم رحمت للعالمین، انسانیت کے نجات دھندہ وہادی سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں ہدیہ درود وسلام پیش کرتے ہیں جو اسوۂ حسنہ اور مثالی نمونہ ہیں۔ اور آپ ﷺ کی آل پر اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام پر جو تزکیہ نفس کی دولت سے بہرہ ور ہو کر کامیابی وکامرانی سے ہمکنار ہوئے۔ انہوں نے اپنے بھائیوں کو نصیحت کی تو انہیں بھرپور فائدہ پہنچایا۔

اے پروردگار! ہمیں ان کے اعزاز واکرام سے عزت عطا فرما، ان کی راہنمائی سے مستفید ہونے کی توفیق اور ان کے زمرۂ کرم میں شامل اور سرکار دو عالم ﷺ کے پرچم تلے ان کے ساتھ ہمیں بھی جمع فرما۔ تو ہی بہترین امید گاہ ہے۔

جب سے فجر اسلام طلوع ہوئی ہے اسے انتہائی شدید مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے، مخالفوں نے مختلف اسالیب ووسائل کے ذریعے اس کی پرشکوہ بلند وبالا عمارت کے انہدام کے لئے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ آج بھی ہمیں الحادی موجوں کا سامنا ہے جو مشرق ومغرب سے ابھر رہی ہیں اور بھیانک انجام کے ذریعے ہمارے فکری واعتقادی مستقبل کو تہہ وبالا کر رہی ہیں۔ ہماری قوم ایک خطرناک گڑھے میں گرا چاہتی ہے، ایک

Marfat.com

سنگین شر کی نذر ہو رہی ہے۔ اسی فکری انحطاط کی فضا میں ہمارے لئے رب ذوالجلال کی رسی کو مضبوطی سے تھامنے، فروعی اجتہادی اختلافات سے دست کش ہونے اور دلوں کو تجلیات انوار الٰہیہ کا مہبط و محور بنانے کے سوا چارہ کار نہیں ہے۔ تاکہ ہم اس سے قوت و طاقت، سکون و طمانیت، عزت و افتخار اور اعزاز و کرامت حاصل کر سکیں۔

مخلص داعیان اسلام کے لئے بند دروازے کھولیں، ہر دور اور ہر زمانہ میں صوفیاء نے اہل اسلام کو ظل رحمت یزداں سے بہرہ ور کرنے، اس کی مناجات کی نعمتوں اور قرب کی سعادتوں اور سرفرازیوں اور اسلام کی روحانیت لوٹانے میں کوشاں رہے ہیں۔

دشمنان اسلام نے اس رخ زیبا کو داغدار کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا ہے۔ انہوں نے اس پر جمود کا الزام دھرا ہے۔ اس کے فداکاروں پر رجعت پسندی کا گھٹیا بہتان باندھا ہے۔ اسی طرح انہوں نے مختلف انداز سے نت نئے طریقوں سے حملے کئے ہیں، کبھی لوگوں کو ان کے فقہی مذاہب میں شکوک و شبہات کا شکار کیا ہے، کبھی رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام راویان احادیث کو مطعون کرنے میں بھی کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ ان حرکات شنیعہ کا ارتکاب انہوں نے دعائم اسلام کی بیخ کنی کے لئے کیا ہے۔ امت کے عقائد خراب کرنے کے لئے ایمانیات کے مسائل میں طرح طرح کے شبہات پیدا کرتے رہتے ہیں۔

جب ہم یہ سب کچھ مختلف ادوار میں دیکھ رہے ہیں تو جو چیز ہمارے لئے تازیانہ کا باعث ہے وہ تصوف اسلامی پر خطرناک حملے اور طعن و تشنیع ہے اور یہ تصوف اسلامی تو اسلام کا جوہر ہے۔ اس کی زینت اور بہار ہے۔ اس کی روح اور جان ہے۔ باطل پسندوں نے اس کے معالم اور صورت کو خیالی فلسفی تصرف، کمزوری، زہد و خلوت، بے ہودہ بدعت اور زندگی کی دوڑ دھوپ سے فرار جیسے الزامات سے داغدار کرنے کی ہر ممکن کوشش کی ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی حفاظت، اس کی بقاء اپنے ذمہ کرم پر لے رکھی ہے۔ ان کے قلم ٹوٹ گئے، ان کے دعاوی کے غباروں کی ہوا نکل گئی اور سالکان جن کے لئے تصوف مینارہ نور بنا ہوا ہے، اسلام کی نشر و اشاعت اور اس کی عمارت کو مضبوط کرنے کا اہم ذریعہ ہے۔

Marfat.com

اسی لئے اسلام کے دفاع، کھرے کھوٹے میں امتیاز، حقائق حق کی سربلندی اور باطل کی سرکوبی کے لئے اپنی کتاب پیش کر رہا ہوں۔ میں نے اسے کتاب اللہ آقائے نامدار، مدنی تاجدار جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت، ائمہ اربعہ، ان کے پیروکار، فقہاء محدثین و اصولیین، تصوف وطریقت کے ائمہ اور اصحاب فکر سے مستند و مزین کیا ہے جنہوں نے اسلام کی خاطر جلیل القدر اور عظیم خدمات انجام دی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اسلام کی خدمت کرنے اور ایسے کام کرنے کی توفیق ارزانی فرمائے جن سے اس کی رضا و خوشنودی حاصل ہو۔

۲۴ رمضان ۱۳۸۱ھ (الشیخ) عبدالقادر عیسیٰ

Marfat.com

باب اوّل

تصوف کی تعریف

Marfat.com

تصوف کی تعریف

☆ شیخ الاسلام حضرت زکریا انصاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:
''تصوف وہ علم ہے جس کے ذریعہ ان احوال کو پہچانا جاتا ہے جو تزکیہ نفوس، تصفیہ اخلاق اور دائمی خوش بختی کے حصول کی خاطر ظاہر و باطن کی تعمیر کے متعلق ہوں''۔[1]

☆ شیخ احمد زروق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:
تصوف وہ علم ہے جس کا مقصد دلوں کی اصلاح کرنا، اور ان کو محض اللہ کے لیے خاص کر دینا ہے۔ اور فقہ، عمل کی اصلاح اور پورے نظام کی حفاظت اور احکام میں مضمر حکمتوں کو آشکارا کرنے کا نام ہے۔ اور علم توحید کا مقصد یہ ہے کہ مقدمات کو براہین و دلائل سے ثابت کیا جائے اور ایمان کو یقین کے زیور سے آراستہ کیا جائے۔ جیسا کہ طب کا مقصد اجسام کی حفاظت کرنا ہے اور علم نحو کا مقصد زبان کا اغلاط سے محفوظ کرنا ہے۔[2]

☆ شیخ الامام حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:
تصوف یہ ہے کہ ہر اچھی عادت اور طریقہ کو اپنایا جائے اور ہر برے طریقہ اور عادت کو ترک کیا جائے۔

کسی بزرگ کا فرمان ہے کہ تصوف سراپا اخلاق ہے۔ پس جس نے تیرے اخلا

Marfat.com

میں اضافہ کیا، اس نے تجھے تصوف پر عمل پیرا کر دیا۔

☆ حضرت ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:
''تصوف نفس کو عبودیت کے سانچے میں ڈھالنے، اور اسے احکام ربوبیت کی طرف لے جانے کا نام ہے۔[3]

☆ ابن عجیبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تصوف وہ علم ہے کہ جس کے ذریعہ بارگاہ خداوندی تک رسائی، باطن کی رذائل سے صفائی اور اس کو مختلف فضائل سے آراستہ کرنے کی کیفیت معلوم ہو۔ اس کی ابتداء: علم، وسط: عمل اور انتہاء: عنایت خداوندی ہے۔[4]

☆ صاحب ''کشف الظنون'' فرماتے ہیں: ''یہ وہ علم ہے جس میں اہل کمال کی منازل سعادت میں ترقی کرنے کی کیفیت معلوم ہو۔
آپ فرماتے ہیں کہ علم تصوف وہ علم ہے جسے عقلمند اور صاحب حال ہی جان سکتا ہے، اسے وہی شخص جان سکتا ہے جسے اس کا مشاہدہ حاصل ہو۔ اور کور چشم سورج کی روشنی کا کیسے مشاہدہ کر سکتا ہے۔[5]

☆ شیخ زروق رحمۃ اللہ علیہ ''قواعد تصوف'' میں فرماتے ہیں کہ علم تصوف پر تقریبا دو ہزار تالیفات کی گئی ہیں، اور ان تالیفات کا لب لباب صدق دل سے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا ہے اور اسی کی مختلف صورتیں ہیں۔
تصوف کا دارومدار مادی آلائشوں سے دل کو صاف کرنے پر ہے اور اس کی بنیاد خالق حقیقی سے بندے کے تعلق قائم کرنے پر ہے۔ پس صوفی وہ ہے جس کا دل پاک اور اللہ تعالیٰ سے معاملہ صاف ہو، اور اس کی بارگاہ سے اسے خاص انعام و اکرام حاصل ہو۔

تصوف کا مادۂ اشتقاق

تصوف کے مادۂ اشتقاق میں بہت سے اقوال:

Marfat.com

☆ بعض نے کہا ہے کہ یہ ''صوف'' سے مشتق ہے کیونکہ صوفی اللہ تعالیٰ کے سامنے اس طرح ہوتا ہے جس طرح روئی ہو۔ کیونکہ وہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیتا ہے۔

☆ کسی نے کہا، کہ یہ ''صفت'' سے مشتق ہے کیونکہ تصوف صفات حسنہ سے متصف ہونے اور اوصاف مذمومہ کو ترک کرنے کا نام ہے۔[٦]

☆ بعض فرماتے ہیں کہ یہ ''صفا'' سے مشتق ہے حتیٰ کہ ابوالفتح بستی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

تنازع الناس فی الصوفی واختلفوا
وظنه البعض مشتقا من الصوف
ولست امنح هذا الاسم غير فتى
صفا فصو فی حتی سمی الصوفی

(i) لفظ صوفی میں لوگوں کا تنازع اور اختلاف ہے بعض نے گمان کیا ہے کہ یہ ''صوف'' سے مشتق ہے۔

(ii) اور میں یہ نام اکامل الصفات شخص کو عطا کرتا ہوں جو ہر عیب سے صاف ہو یہاں تک کہ اس کا نام صوفی رکھ دیا جائے۔

☆ بعض بزرگوں نے فرمایا ہے کہ یہ ''صفہ'' سے مشتق ہے، کیونکہ صوفی ان تمام اوصاف میں اصحاب صفہ کے تابع ہوتا ہے جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاصْبِرْ نَفْسَکَ مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّھُمْ. (کہف ۲۸)

''اور روکے رکھیے اپنے آپ کو، ان لوگوں کے ساتھ جو پکارتے ہیں اپنے رب کو''۔

اصحاب صفہ، صوفیاء کرام کی وہ پہلی جماعت ہے جن کی خالص زاہدانہ زندگی کو بعد میں آنے والے صوفیاء نے اپنے لئے مشعل راہ بنایا۔

Marfat.com

☆ امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ ''صفوۃ'' سے مشتق ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ ''صف'' سے ماخوذ ہے کیونکہ صوفیاء کرام اپنے مولیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہونے اور تمام عبادات کو بجالانے کے لیے صف اول میں ہوتے ہیں۔ اسی طرح بعض نے فرمایا کہ تصوف، سخت اونی کپڑے پہننے کی طرف منسوب ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ صوفیاء کرام اپنے زہد وتقویٰ کی وجہ سے اس لباس کو ترجیح دیتے تھے۔

بہر حال لفظ تصوف اس قدر مشہور ہو چکا ہے کہ اس کی تعریف کے لیئے کسی لفظی قیاس اور کسی اشتقاق کی ضرورت نہیں۔ اور بعض لوگوں کا محض اس وجہ سے انکار کرنا کہ یہ لفظ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور تابعین کے میں نہیں سنا گیا، یہ قول مردود ہے۔ کیوں کہ بہت سی اصطلاحات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ کے بعد معرضِ وجود میں آکر مستعمل ہوئیں۔ جیسا کہ نحو، فقہ اور منطق وغیرہ۔

بہر حال ہمیں لفظی تعبیرات کی بجائے حقائق کی طرف توجہ دینی چاہیئے کیونکہ جب ہم لوگوں کو تصوف کی دعوت دیتے ہیں تو اس سے ہمارا مقصد تزکیہ نفوس، تصفیہ قلوب، اصلاح اخلاق اور مرتبہ احسان تک رسائی حاصل کرنا ہوتا ہے۔ اور اسی کو ہم تصوف کا نام دیتے ہیں۔ اس کو اسلام کا روحانی، اخلاقی اور احسانی پہلو بھی کہا جا سکتا ہے یا اس کی حقیقت اور جوہر سے تعلق رکھنے والا کوئی دوسرا نام بھی ہو سکتا ہے۔ مگر علمائے امت کو سلف صالحین سے تصوف کا نام ہی ورثہ میں ملا ہے۔ اور یہی نام ان میں مشہور ہو گیا ہے۔

علم تصوف کا آغاز وارتقاء

ڈاکٹر احمد علوش فرماتے ہیں کہ بہت سے لوگ سوال کرتے ہیں کہ ابتداء اسلام میں تصوف کے عدم پھیلاؤ کا کیا سبب ہے۔ صحابہ وتابعین کے دور میں یہ دعوت ظاہر کیوں نہ ہوئی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان کے زمانہ میں اس کی ضرورت نہ تھی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس دور کے لوگ متقی و پرہیزگار، اصحاب مجاہدہ اور فطرتی طور پر عبادت پر کامل توجہ دیتے تھے۔ کیونکہ ان کا زمانہ حضور پاک ﷺ کے زمانہ سے متصل وقریب تھا۔ وہ تمام امور میں نبی

Marfat.com

پاک ﷺ کی اتباع میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ان کی تربیت کے لئے کسی ایسے علم کی ضرورت نہ تھی جوان کی ان اعمال کی طرف راہنمائی کرتا جن کو وہ فطرتی طور پر انجام دے رہے تھے۔ان کی مثال اس خالص النسل عربی کی طرح تھی جسے عربی زبان اپنے آباؤاجداد سے ورثہ ملی ہو۔اس کو عربی زبان میں اتنی مہارت ہوتی ہے کہ وہ فطری طور پر شعر کہنے لگتا ہے حالانکہ وہ لغت، اعراب اور نظر و شعر کے قواعد کو نہیں جانتا اس قسم کے آدمی کے لیئے ضروری نہیں کہ وہ علم نحو اور بلاغت سیکھے کیونکہ ان علوم کو جاننا اس وقت ضروری ہوتا ہے جب لغت کی آغلاط عام ہو جائیں اور ضعف تعبیر غالب ہو جائے۔ یا اس عجمی کیلئے قواعد کا جاننا ضروری ہے جو عربی زبان کو سیکھنا اور سمجھنا چاہتا ہے، یا یہ علوم اس وقت ضروری ہوتے ہیں جب یہ معاشرہ کی ضرورت بن جاتے ہیں اور علم تصوف بھی دوسرے علوم کی طرح ہے جو مناسب اوقات میں معرض وجود میں آئے۔

صحاب کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین اگرچہ متصوفین کے نام سے موسوم نہیں تھے لیکن حقیقت میں وہ صوفی تھے۔اور تصوف کا سب سے بڑا مقصد انسان کا اپنے رب کے لئے زندگی بسر کرنا ہے نہ کہ اپنے نفس کیلئے۔اور اپنے آپ کو زہد، دائمی عبادت اور ہر لحظہ روح اور قلب کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کرنا، اور ان تمام کمالات سے اپنے آپ کو متصف کرنا ہے جن کی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین نے اعلیٰ روحانی درجات کو حاصل کیا۔انہوں نے ایمان اور فرائض اسلام کو ادا کرنے میں صرف اقرار پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اقرار کو ذوق اور وجدان کے ساتھ ملا دیا۔ او فرائض ادا کرنے کے ساتھ ساتھ ان نفلی عبادات پر مواظبت اختیار کی جن کا حکم حضور پاک ﷺ نے فرمایا تھا۔وہ مکروہات کے قریب تک نہ گئے چہ جائیکہ محرمات۔حتیٰ کہ ان کی بصیرت روشن اور تابناک ہو گئی۔ان کے دلوں سے حکمت کے سرچشمے پھوٹے اور اسرار ربانیہ کی ان پر بارش ہوئی۔یہی حال تابعین اور تبع تابعین کا تھا۔یہی تینوں ادوار تاریخ اسلام کے بہترین اور خوبصورت ادوار ہی۔انہی ادوار کے متعلق حضور پاک ﷺ نے فرمایا:

Marfat.com

خیر القرون قرنی ھذا فالذی یلیہ والذی یلیہ (بخاری ومسلم)

''بہترین زمانہ میرا یہ زمانہ ہے اس کے بعد متصل آنے والا اور پھر اس کے بعد متصل آنے والا زمانہ ہے''۔

پھر جب کافی وقت گزر گیا اور دین اسلام میں مختلف قومیں داخل ہوئیں۔ اور علوم کا دائرہ وسیع ہو گیا۔ اور یہ علوم ہر علم کے ماہرین کے درمیان تقسیم ہو گئے تو ہر فریق نے ان علوم وفنون کی تدوین کی جن میں انہیں مہارت حاصل تھی صدر اول میں نحو کی تدوین کے بعد علم فقہ، علم توحید، علوم حدیث، اصول دین، تفسیر، منطق اور علم میراث کی تدوین ہوئی۔ کچھ عرصہ بعد یہ روحانی اثر بتدریج کم ہو گیا۔ اور لوگوں کی توجہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور روحانیت سے ہٹنے لگی تو ارباب ریاضت وزہد نے یہ ضرورت محسوس کی کہ وہ بھی علم تصوف کو مدون کریں۔ اور تمام علوم پر اس کی فضلیت اور شرف وعظمت کو ثابت کریں بعض مستشرقین کی یہ رائے غلط ہے کہ صوفیاء کرام نے دیکھا کہ علماء دوسرے علوم کی تدوین میں مشغول ہو گئے ہیں۔ انہوں نے احتجاجا علم تصوف کی تدوین کی بلکہ اس علم کی تدوین روحانی کمی کو پورا کرنے اور زندگی کے ہر میدان میں ضروریات دین کو پورا کرنے کیلئے ضروری تھی۔ کیونکہ نیکی اور پرہیزگاری کے اسباب مہیا کرنے کے لیے باہمی تعاون بھی ضروری ہے۔[٦]

متقدمین صوفیاء کرام نے تصوف کی بنیاد خاص اصولوں پر استوار کی۔ اور یہ تاریخ سے ثابت شدہ حقیقت ہے۔ تصوف کی تاریخ شیخ محمد صدیق غماری کے اس فتویٰ سے واضح ہوتی ہے۔ آپ سے تصوف کے مؤسس اول کے بارے میں سوال کیا گیا۔ اور دریافت کیا گیا کہ کیا اس کی بنیاد آسمانی وحی ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ طریقت کی بنیاد آسمانی وحی پر ہے۔ جس طرح کہ دوسرے کامل دین محمدی ﷺ کی بنیاد آسمانی وحی پر ہے۔ کیونکہ یہ بلاشبہ وہی مقام احسان ہے جو دین کے تین بنیادی ارکان سے ہے جن کو حضور پاک ﷺ نے دین قرار دیا ہے۔ ارشاد فرمایا:

ھٰذَا جِبْرَائِیْلُ عَلَیْہِ السَّلَام اَتَاکُمْ یُعَلِّمُکُمْ دِیْنَکُمْ

''یہ جبریل علیہ السلام ہیں اور یہ تمہیں تمہارا دین سکھانے آئے ہیں''۔

Marfat.com

اس حدیث پاک میں دین سے مراد اسلام، ایمان اور احسان ہے۔ اسلام اطاعت اور عبادت کا نام ہے۔ اور ایمان نور اور عقیدہ کا نام ہے..... اور احسان، مراقبہ اور مشاہدہ کا نام ہے۔ یعنی تو اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرے گویا کہ تو اسے دیکھ رہا ہے۔ اور اگر تو اسے دیکھ نہیں رہا تو یہ تصور ہو کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔

شیخ محمد صدیق غماری اپنے رسولہ میں فرماتے ہیں کہ اسلام تین ارکان کا مجموعہ ہے جس نے مقام احسان (جسے طریت بھی کہا جاتا ہے) ترک کیا، اس کا دین بلا شبہ ناقص ہے۔ کیونکہ اس نے ارکان اسلام میں سے ایک رکن کو ترک کر دیا۔ ایمان اور اسلام کی تصحیح کے بعد مقام احسان ہی وہ غایت ہے جس کی دعوت اہل طریقت دیتے ہیں۔ ے

ابن خلدون فرماتے ہیں کہ علم تصوف کا شمار جدید علوم شرعیہ میں ہوتا ہے۔ صوفیاء کرام کا طریقہ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تابعین اور بعد میں آنے والے سلف صالحین کے نزدیک طریقہ حق اور ہدایت ہے۔ تصوف کا مقصد اصلی یہ ہے کہ انسان عبادت کی طرف متوجہ ہو کر کلیۃً اللہ کا ہو جائے۔ دنیا و مافیھا کی لغویات سے کنارہ کشی اور لذت دنیا، مال و جاہ جس کا عام دنیا دار حریص ہوتا ہے۔ اس سے اعراض کرے، اور مخلوق کو چھوڑ کر عبادت کیلئے گوشہ نشینی کو پسند کرے۔ یہ تمام خوبیاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور سلف صالحین میں عام تھیں لیکن جب دوسری صدی ہجری اور اس کے بعد لوگ دنیا کے شیدائی اور حریص ہو گے۔ تو لفظ تصوف عبادت گزار لوگوں کا طرۂ امتیاز بن گیا۔ ۸ے

ابن خلدون کی اس عبارت میں ہمارا مقصود آخری جملہ ہے جس میں انہوں نے ثابت کیا ہے کہ تصوف اور صوفیاء کرام کا ظہور لوگوں کے دنیا کی طرف متوجہ ہونے کا نتیجہ تھا۔ اور دوسری صدی ہجری میں صوفیاء کرام کی جماعت موجود تھی۔ اور یہ ان حالات کا تقاضا تھا کہ یہ عبادت گزار لوگ کسی ایسے اسم کے ساتھ متصف ہوتے جو نہیں ان عوام الناس سے ممتاز اور مخصوص کر دیتا جن کو اس فانی دنیا نے غافل کر دیا تھا۔

شیخ محمد صدیق غماری فرماتے ہیں کہ ابن خلدون نے لفظ تصوف کے بارے میں

Marfat.com

میں جو کچھ لکھا ہے اس کی تائید کندی کے قول سے ہوتی ہے۔ اس نے اپنی کتاب ''ولاۃ مصر'' میں دوری صدی ہجری کے واقعات میں ذکر کیا ہے کہ سکندریہ میں ایک جماعت ظاہر ہوئی ہے جو اپنے آپ کو صوفیہ کہتے ہیں یہ لوگ نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں۔ اسی طرح مسعودی نے ''مروج الذہب'' میں یحییٰ بن اکثم سے نقل کیا ہے کہ وہ ایک دن خلیفہ مامون کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک اس کا حاجب علی بن صالح آیا اور کہنے لگا: ''دروازے پر ایک آدمی کھڑا ہے جس نے سفید موٹے کپڑے پہنے ہیں اور مناظرہ کے لیے داخلے کی اجازت چاہتا ہے''۔ یحییٰ بن اکثم کہتا ہے کہ میں نے جان لیا کہ وہ صوفیاء میں سے ہے۔

یہ دونوں حکایتیں نشاۃ تصوف کی تاریخ کے بارے میں ابن خلدون کے قول کی مؤید ہیں اور ''کشف الظنون'' میں ذکر کیا گیا ہے کہ سب سے پہلے لفظ صوفی سے مشہور ہونے والے بزرگ ابو ہاشم صوفی (المتوفی ۱۵۰ھ) تھے۔9

صاحب ''کشف الظنون'' نے تصوف کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے امام قشیری کے قول کا ذکر کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ''نبی کریم ﷺ کے بعد مسلمان صحابی کے نام سے متصف تھے کیونکہ صحبت رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر کوئی درجہ نہیں۔ اس لیے انہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نام سے یاد کیا گیا۔ پھر لوگوں کے احوال اور مراتب مختلف ہو گئے۔ وہ خواص جو دین پر سختی سے کاربند تھے۔ انہیں زہاد اور عباد کہا جانے لگا۔ پھر جب بدعتوں کا ظہور ہوا اور مختلف گروہوں کے درمیان کشمکش ہوگئی اور ہر فریق دعویٰ کرنے لگا کہ ان کے گروہ میں زہاد اور عباد لوگ موجود ہیں تو اہلسنت و جماعت کے خواص، مقربین بارگاہ اور غفلت سے اپنے دلوں کی حفاظت کرنے والوں کے ساتھ لفظ تصوف خاص ہو گیا، اور دوسری صدی ہجری سے پہلے ہی اس لفظ سے مشہور ہو گئے۔9

اس مذکورہ بحث سے واضح ہو جاتا ہے کہ تصوف کوئی مستحدث جدید شے نہیں بلکہ نبی کریم ﷺ کی سیرت طیبہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پاکیزہ زندگیوں سے ماخوذ ہے۔ یہ ان اصولوں سے ماخوذ نہیں جن کا اسلام سے کوئی تعلق ہی نہ ہو جیسا کہ اسلام دشمن مستشرقین

Marfat.com

اوران کے شاگرد گمان کرتے ہیں۔ انہوں نے نئے نئے الفاظ وضع کیے ہیں اور وہ تصوف کو کبھی بدھ مت، رہبانیت اور کبھی نصرانی کمانیت اوکبھی ہندی شعبدہ بازی قرار دیتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ بدھ مت، ہندی، نصرانی اور ایرانی یہ تصوف کی مختلف قسمیں ہیں۔

وہ اس سے ایک طرف تو لفظ تصوف کو بدنام کرنا چاہتے ہیں اور دوسری طرف تصوف پر یہ تہمت لگانا چاہتے ہیں کہ اس کا آغاز قدیم اصول اور گمراہ کن فلسفیانہ نظریات سے ہوا۔ لیکن مومن کامل ان کے فکری جذبات کی رو میں نہیں بہتا۔ اور ان کی مکارانہ چالوں میں نہیں پھنستا۔ وہ امور کو سمجھنے اور حقیقت کی تلاش میں غور و فکر سے کام لیتا ہے۔ اس کے نزدیک تصوف کا تعلق صرف اور صرف دین اسلام سے ہے۔

تصوف کی اہمیت

انسان کے متعلقہ وہ احکام شرعیہ جن کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ان کی دو اقسام ہیں:

(۱) وہ احکام جن کا تعلق ظاہری احوال سے ہے۔

(۲) وہ احکام جن کا تعلق باطنی احوال سے ہے۔

بالفاظ دیگر ان دونوں اقسام کو اس طرح بھی تعبیر کر سکتے ہیں کہ ظاہری احوال سے مراد وہ احکام جن کا تعلق بدن اور جسم سے ہے. جبکہ باطنی احوال سے مراد وہ احکام ہیں جن کا تعلق روح اور قلب کے ساتھ ہے۔

جسمانی اعمال کی دو قسمیں ہیں: (۱) اوامر (۲) نواہی

اوامر الٰہیہ یہ ہیں: نماز، روزہ، زکوۃ، حج وغیرہ

اور نواہی سے مراد قتل، گناہ، سرقہ اور شراب خوری وغیرہ ہے۔

اور اسی طرح قلبی اعمال بھی اوامر و نواہی پر مشتمل ہیں۔ اوامر سے مراد اللہ تعالیٰ، ملائکہ، اس کی کتب اور رسل پر ایمان لانا ہے۔ اور اخلاص، رضا، صدق، خشوع اور توکل پر ایمان لانا ہے۔

جبکہ نواہی سے مراد کفر، نفاق، تکبر، خود پسندی، ریاء، غرور، کینہ اور حسد ہے۔

Marfat.com

یہ دوسری قسم جس کا تعلق دل کے ساتھ ہے۔ اس کو شارع علیہ السلام کے نزدیک پہلی قسم سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ کیونکہ باطن، ظاہر کی بنیاد اور اصل ہے۔ اور باطنی اعمال، ظاہری اعمال کی اصل ہیں۔ باطنی اعمال میں خرابی کی وجہ سے ظاہری اعمال کی حیثیت متاثر ہوتی ہے۔ اسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلاً صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖ اَحَدًا. (کہف: ۱۱۰)

''پس جو شخص امید رکھتا ہے اپنے رب سے ملنے کی تو اسے چاہیئے کہ نیک عمل کرے، اور نہ شریک کرے اپنے رب کی عبادت میں کسی کو''۔

اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قلوب کی اصلاح کیلئے خصوصی اہتمام فرمایا کرتے تھے۔ آپ ﷺ انہیں ارشاد فرماتے کہ انسان کی درستگی اور اصلاح اس کے دل کی اصلاح اور پوشیدہ امراض و علل کی شفاء پر موقوف ہے۔ آپ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

الا، وان فی الجسد مضغه اذا صلحت صلح الجسد کله واذا فسدت فسد الجسد کله، الا وهی القلب. (بخاری و مسلم)

''خبردار! بے شک انسانی جسم میں ایک ایسا ٹکڑا ہے جب وہ صحیح ہو تو سارا جسم صحیح ہو جاتا ہے، اور جب اس میں خرابی پیدا ہو جائے تو سارا جسم خراب ہو جاتا ہے۔ خبردار رہو! اور یہ دل ہے''۔

اور اسی طرح آپ ﷺ انہیں یہ درس دیا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے دلوں کو دیکھتا ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

ان الله لا ینظر الی اجسادکم ولا الی صورکم ولکن ینظر الی قلوبکم. (مسلم)

''اللہ تعالیٰ نہ تمہارے جسموں کی طرف دیکھتا ہے اور نہ تمہاری صورتوں کی

Marfat.com

طرف۔ بلکہ وہ تمہارے دلوں کی طرف دیکھتا ہے"۔

انسان کی اصلاح اس کے دل کی اصلاح سے مربوط ہے جو اس کے ظاہری اعمال کا مصدر و منبع ہے۔ اس کیلئے ضروری ہے کہ وہ صفات مذمومہ سے اپنے آپ کو خالی کرے اور ان افعال حسنہ سے اپنے آپ کو آراستہ کرے جن کا حکم اللہ تعالیٰ نے ہمیں دیا ہے۔ تب قلب انسانی صحیح ہو جاتا ہے اور ان صفات کا حامل انسان کامیاب اور نجات پانے والوں میں سے ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَوْمَ لا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ (الشعراء ۸۸،۸۹)

"جس دن نہ مال کام آئے گا اور نہ بیٹے۔ مگر وہ شخص اللہ تعالیٰ کے حضور قلب سلیم لایا"۔

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ دل کا علم اور اس کے امراض یعنی حسد، خود پسندی اور ریا وغیرہ کی معرفت حاصل کرنا امام غزالی کے قول کے مطابق فرض عین ہے۔[۱۰]

دل کا تصفیہ اور تہذیب نفس اہم ترین فرض عین ہے جس کی دلیل قرآن و سنت اور اقوال علماء سے ثابت ہے۔

القرآن

ارشاد خداوندی ہے:

قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَاظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ (الاعراف ۳۳)

"آپ فرمایئے، بے شک حرام کر دیا ہے میرے رب نے سب بے حیائیوں کو جو ظاہر ہیں ان سے اور پوشیدہ ہیں"۔ نیز فرمایا:

وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَاظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ (الانعام ۱۵۱)

"اور مت نزدیک جاؤ بے حیائی کی باتوں کے جو ظاہر ہوں ان سے اور جو چھپی ہوئی ہوں"۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ فواحش باطنہ سے مراد حقد، ریا حسد اور نفاق وغیرہ ہیں۔

Marfat.com

الحدیث

وہ تمام احادیث جن میں حقد، تکبر، ریا اور حسد کہ بارے میں نہی وارد ہوئی ہے، اور اسی طرح وہ تمام احادیث جن میں اخلاق حسنہ اور حسن معاملہ کا حکم ہے۔ کتب احادیث میں اس قسم کی احادیث بکثرت موجود ہیں۔

الایمان بضع وسبعون شعبة فاعلاها قول، لا اله الا الله وادناها اماطة الاذى عن الطريق، والحياء شعبة من الايمان (متفق علیہ)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"ایمان کے ستر سے زائد شعبے ہیں۔ ان میں سب سے بہترین کلمہ توحید لا الہ الا اللہ ہے اور سب سے ادنی راستہ سے اذیت دینے والی چیز کو ہٹانا ہے۔ اور حیا بھی ایمان کا ایک شعبہ ہے"۔

ایمان کا کمال ان تمام شعبوں کے کامل ہونے اور ان سے آراستہ ومزین ہونے سے ہے اور ان صفات کی زیادتی سے ایمان میں اضافہ اور ان کی کمی سے ایمان ناقص ہوتا ہے۔ اور یقیناً باطنی امراض انسان کے اعمال کو ضائع کر دیتے ہیں۔ اگرچہ یہ اعمال بہت زیادہ ہی کیوں نہ ہوں۔

علماء کے اقوال

علماء کرام نے قلبی امراض کو ان کبائر میں شمار کیا ہے جن کیلئے مستقل توبہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ صاحب "جوہرۃ التوحید" فرماتے ہیں:

وامربعرف واجتنب نميمه
ونميه وخصله ذميمه
كالعجب وداء الحسد
وكالمراء والجدل فاعتمد

Marfat.com

''نیکی کا حکم دو، چغل خوری، غیبت اور بری عادت سے بچو''۔

''جیسا کہ خود پسندی، تکبر، حسد کی بیماری اور لڑائی جھگڑا۔ اور اسی پر اعتماد کرو''۔

اس کے شارح مصنف کے قول ''خصلہ ذمیمہ'' کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''یعنی ہر اس عادت سے بچو جو شرعاً مذموم ہو۔ مصنف نے یہاں ان چیزوں کا ذکر کیا ہے جن کا شمار عیوب نفس میں ہوتا ہے کیونکہ ظاہری اصلاح کے ساتھ ان اشیاء کا باقی رہنا نجاست کے ساتھ آلودہ جسم پر کپڑے پہننے کی طرح ہے۔ انہی صفات ذمیمہ میں سے ایک عجب ہے، اور اس سے مراد اپنی عبادت کو بہت زیادہ گمان کرنا ہے، جیسا کہ کوئی عابد اپنی عبادت پر، اور عالم اپنے علم پر، فخر و مباہات کرے تو یہ حرام ہے، یہی حکم ریا کا ہے۔ عجب کی مثل ظلم، بغاوت، تکبر، حسد اور لڑائی جھگڑا صفات مذمومہ ہیں۔[11]

☆ فقیہ اعظم ابن عابدین اپنے مشہور حاشیہ میں فرماتے ہیں:

''اخلاص، عجب، حسد اور ریا کو جاننا فرض عین ہے۔ اور اسی کی مثل دیگر آفات نفس جیسے تکبر، بخل، حقد، دھوکہ دہی، غضب وغصہ، عداوت، بغض طمع، فخر و تکبر، خیانت، مداہنت مخلوق خدا کو حقیر جاننا، درشتگی قلب، طول امل اور ان کے علاوہ دیگر آفات جن کا ذکر ''احیاء العلوم'' مملکات کے ضمن میں آتا ہے۔

آپ فرماتے ہیں کہ بشر ان صفات سے خالی نہیں ہو سکتا، اس لئے ضروری ہے کہ ان میں ان چیزوں کو سیکھے جو اس کے نفس کے لئے ضروری ہیں اور جن کا ازالہ فرض عین ہے اور ان کا ازالہ صرف اس وقت ہی ممکن ہوتا ہے جب انسان ان کی تعریفات، اسباب و علامات اور علاج کو جانتا ہو اور جو شخص شر کو نہیں پہچانتا، وہ اس میں واقع ہو جاتا ہے۔[12]

☆ صاحب ''ہدیہ علائیہ'' فرماتے ہیں کہ حسد، مسلمانوں کو حقیر جاننا، ان کو تکلیف پہنچانے کا ارادہ کرنا، تکبر، خود پسندی، ریا، نفاق اور دل سے متعلقہ جملہ اعمال قبیحہ کی حرمت پر اجماع ہے بلکہ سمع و بصر اور دل میں سے ہر ایک سے ان کے اختیاری اعمال کے متعلق باز پرس ہوگی۔[13]

Marfat.com

☆ صاحب ''مراقی الفلاح'' فرماتے ہیں: ''ظاہری طہارت اسی وقت فائدہ مند ہو سکتی ہے جب باطنی طہارت میں اخلاص شامل ہو۔ اور وہ کینہ، ملاوٹ اور حقد وحسد سے منزہ ہو اور دل اللہ تعالیٰ کے سوا کائنات کی ہر شے سے مبرا ہو۔ اور اس کی عبادت محض اس کی ذات کیلئے ہو، نہ کہ کسی سبب اور علت کے لئے۔ اور اسی کی بارگاہ میں اپنے دامن طلب کو پھیلائے تو وہ اپنے خاص لطف واحسان سے اس کی ضروریات کو پورا کرتا ہے''۔

اے غافل! اس یکتائے روزگار مالک حقیقی کا بندہ بن جا، اس کے علاوہ کوئی شے تجھے اپنی طرف متوجہ نہ کرے، تیری خواہش نفسانی تجھے اس کی بارگاہ کی چاکری سے نہ روکے۔

☆ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

رب مستور سبته شهوته
قدعری من ستره ونهتكا
صاحب الشهوه عبدفاذا
ملك الشهوه اضحى ملكا

''کتنے ہی صاحب پوشاک لوگ ہیں جن کو شہوت نے قیدی بنا رکھا ہے۔ در حقیقت وہ اپنے ستر سے عریاں اور لاغر و ناتواں ہو چکے ہیں''۔

''نفسانی خواہش میں مبتلا ایک غلام کی مانند ہوتا ہے اور جب اپنی شہوت پر قابو پالے تو وہی شہنشاہ بن جاتا ہے''۔

اور جب بندہ اللہ تعالیٰ کے لئے مخلص ہو جاتا ہے اور ان امور کو بجالاتا ہے جن کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے تو ہر حال اور ہر وقت عنایات خداوندی اس کے شامل حال ہو جاتی ہیں اور اللہ تعالیٰ اسے وہ تمام علوم سکھا دیتا ہے جنہیں وہ پہلے نہیں جانتا تھا۔ علامہ طحطاوی اپنے حاشیہ میں فرماتے ہیں۔ اس کی دلیل یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

واتقو االله ويُعَلِّمُكُمُ الله

''اور ڈرا کرو اللہ سے اور سکھاتا ہے تمہیں اللہ تعالیٰ''۔

Marfat.com

جس طرح انسان کے لئے مناسب نہیں ہے کہ وہ نجاست اور گندگی سے آلودہ کپڑوں کے ساتھ لوگوں کے سامنے آئے، اسی طرح یہ مناسب نہیں کہ وہ اپنے دل کو طرح طرح کی پوشیدہ بیماریوں میں مبتلا کردے حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کی توجہ کا محل ہے۔

تطبب جسمک الفانی لیبقی وتشرک قلبک الباقی مریضا

''تو اپنے جسم کا علاج کرتا ہے تاکہ وہ باقی رہے۔ اور باقی رہنے والے دل کو بیماری کی حالت میں چھوڑ دیتا ہے''۔

کیونکہ قلبی امراض اللہ تعالیٰ اور اس کی جنت سے بعد اور دوری کا سبب ہیں اسی لئے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لایدخل الجنة من کان فی قلبه مثقال ذرة من کبر (مسلم)

''وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں ذرا بھر بھی تکبر ہوگا''۔

اس سے ثابت ہوا کہ آخرت میں انسان کی سلامتی اس کے دل کی سلامتی پر موقوف ہے اور اس کی نجات ان مذکورہ امراض سے نجات حاصل کرنے پر ہے۔

کبھی انسان کے نفسانی عیوب بہت پوشیدہ ہوتے ہیں اور اس کے دل کی بیماریاں بھی انتہائی دقیق ہوتی ہیں وہ اپنے آپ کو کامل سمجھنے لگتا ہے حالانکہ وہ کمال سے کوسوں دور ہوتا ہے۔ تو اس صورتِ حال میں ان امراض اور دل کی دقیق بیماریوں کو پہچاننے کا کونسا طریقہ ہے اور ان امراض کے علاج کا کونسا طریقہ ہوگا کہ انسان ان سے چھٹکارا حاصل کر سکے؟

یقیناً اس کا حل تصوف ہی ہے جو قلبی امراض اور تزکیۂ نفس اور اس کی گھٹیا صفات سے نجات دلانے کا کامیاب نسخہ ہے۔

☆ ابن زکوان نے ''فائدة التصوف'' میں فرمایا ہے:

علم به تزکیه البواطن

من کدرات النفس فی المواطن

Marfat.com

''تصوف ایک ایسا علم ہے جس کے ذریعہ نفس کی مخفی اور پوشیدہ کدورتوں سے باطن کا تصفیہ ہوتا ہے''۔

علامہ ہجویری نے اس شعر کی تشریح اس طرح کی ہے کہ تصوف وہ علم ہے جس کی مدد سے باطن کو نفس کی کدورتوں سے پاک اور صاف کرنے کی کیفیت کو پہچانا جاتا ہے۔ اور کدورتوں سے مراد نفس کے عیوب اور اس کی قابل مذمت صفات ہیں۔ مثلاً کینہ، حقد، حسد، دھوکہ دہی، ملاوٹ، خودستائشی کو پسند کرنا، تکبر، ریا، غیض وغضب، لالچ، بخل، تعظیم امراء اور تحقیر غرباء ہے۔ کیونکہ علم تصوف انسان کو اس کے عیوب اور ان کے علاج کی کیفیت سے آگاہ کرتا ہے اور اسی کے ذریعہ نفس کی رکاوٹوں کو دور اور اس کی قابل مذمت عادات اور بری صفات سے پاک کیا جاسکتا ہے حتیٰ کہ دل کو غیر اللہ سے خالی کرکے اس کو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے آراستہ کرنے کی منزل تک رسائی ہوتی ہے۔

صوفیاء کرام کو وراثت نبوی ﷺ میں سے علم وعمل کا وافر حصہ ملا ہے اور یہی وہ لوگ ہیں جو توبہ، تقویٰ، استقامت، صدق، اخلاص، زہد، ورع، توکل، رضا، تسلیم، ادب و محبت اور ذکر ومراقبہ جیسی صفات کاملہ سے اپنے نفس کو آراستہ کرتے ہیں۔

قد رفضوا الاثام والعیوب   وطهروا الابدان والقلوب

وبلغوا حقیقه الایمان   وانتهجوا مناهج الاحسان

(i) ''انہوں نے گناہوں اور عیوب کو ترک کیا، اور اجسام اور قلوب کو پاک کیا''

(ii) ''اور ایمان کی حقیقت تک رسائی حاصل کی۔ اور احسان کی راہوں پر گامزن ہوئے''۔[۱۳]

تصوف نے بدنی اور مالی عبادات کے ساتھ ساتھ اس قلبی پہلو اور عملی طریقہ کی بھی نشاندہی کی ہے جو مسلمان کو ایمان اور اخلاق کے اعلیٰ درجہ پر فائز کردیتا ہے۔

تصوف محض اوراد پڑھنے اور ذکر کے حلقات قائم کرنے کا نام نہیں ہے جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے۔ بہت سے لوگوں کے ذہن سے یہ بات نکل چکی ہے کہ تصوف

Marfat.com

ایک ایسا عملی نمونہ ہے جو ایک عام اور اللہ تعالیٰ سے دور انسان کو ایک کامل مثالی مسلمان بنا دیتا ہے۔ اور اسی وجہ سے اسے ایمان کامل، خالص عبادت، حسن معاملہ اور عمدہ و اعلیٰ اخلاق حاصل ہو جاتے ہیں۔

اس سے تصوف کی اہمیت اور اس کا فائدہ ظاہر ہوتا ہے اور یہ چیز ہمارے لئے بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ تصوف ہی روح اسلام اور اس کا دھڑکتا ہوا دل ہے۔ کیونکہ دین فقط ظاہری اعمال اور امور شکلیہ کا نام نہیں جن میں نہ کوئی روح ہو اور نہ کوئی زندگی۔

مسلمان اس درجہ انحطاط اور ضعف کا شکار ہو چکے ہیں کہ انہوں نے روح اسلام اور اس کے جوہر کو چھوڑ دیا ہے۔ اب ان میں صرف اسلام کی ظاہری شکل ہی باقی رہ گئی ہے اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ غیور اور باعمل علماء لوگوں کو صوفیاء کی بارگاہ میں حاضر ہونے اور ان کی بارگاہ کو لازم پکڑنے کی نصیحت کرتے ہیں۔ تاکہ وہ اسلام کی ظاہریت کے ساتھ ساتھ روح اسلام سے بھی واقفیت حاصل کر سکیں۔ اور صفائے قلبی اور اخلاقی بلندی کے معنے و مفہوم کو سمجھ سکیں۔ نیز اللہ تعالیٰ کی حقیقی معرفت کے حصول اور اس کی محبت، مراقبے اور دائمی ذکر میں مشغول ہو جائیں۔

☆ حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے طریق تصوف کو جانچنے، اس کے نتائج کے حصول اور اس کے ثمرات کو چکھنے کے بعد فرمایا: ''صوفیاء کرام کی جماعت میں داخلہ ہونا فرض عین ہے۔ کیونکہ انبیاء علیہم السلام کے علاوہ کوئی بھی عیب سے خالی نہیں'' [14]

☆ شیخ ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''جو ہمارے تصوف میں داخل نہ ہوا، وہ عدم شعور کی حالت میں کبائر پر اصرار کرتے ہوئے مرا''۔

☆ ابن علان صدیقی فرماتے ہیں کہ شیخ ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ نے سچ فرمایا ہے کیونکہ کونسا شخص ہے جو روزے رکھتا ہو اور اپنے روزوں پر فخر نہیں کرتا ہو۔ اور وہ کونسا نمازی ہے جو اپنے نماز پر فخر نہیں کرتا، اور یہی حال دوسری عبادات

Marfat.com

کا ہے۔اس لئے ایک شیخ کامل ہونا ضروری ہے جو انسان کو ان عیوب سے آگاہ کرتا رہے۔۱۵

کیونکہ یہ راستہ ناقص لوگوں کیلئے انتہائی دشوار گزار ہے۔اس لئے انسان کو چاہیئے کہ بڑے عزم وصبر اور مجاہدہ کے ساتھ اس کو عبور کرے تا کہ اپنی ذات کو اللہ تعالیٰ سے دوری اور اس کے غضب سے بچالے۔

☆ فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''حق کے راستہ کو لازم پکڑو۔اور اس پر چلنے والوں کی قلت سے نہ گھبراؤ۔ باطل کے راستہ سے بچو، اور اس پر چلنے والوں کی کثرت سے دھوکہ نہ کھاؤ۔ اور جب بھی تو تنہائی سے گھبرائے تو اپنے سے سبقت لے جانے والے ساتھی کو دیکھو اور اس کے ساتھ ملنے کی کوشش کرو، اس کے علاوہ اغیار سے آنکھیں بند کرلو۔ یہ لوگ تمہیں کچھ فائدہ نہیں دے سکتے۔ دوران سفر اگر تجھے پکاریں تو ان کی طرف متوجہ نہ ہو کیونکہ جب تو ان کی طرف متوجہ ہوگا تو تجھے پکڑ لیں گے اور سفر سے روک لیں گے۔۱۶

Marfat.com

باب دوم

تصوف کا عملی منہاج

Marfat.com

گزشتہ باب میں تصوف کی اہمیت اور مومن کامل کی شخصیت کی تکوین و تعمیر میں اس کا مقام واضح ہو چکا ہے۔ اور یہ کہ تصوف، دین اسلام کی عملی صورت ہے اور وہ بندہ کی ظاہری اصلاح، باطن کی تعمیر، اس کے اخلاق کی تحسین اور اس کی عبادات کی تصحیح کا اہتمام کرتا ہے۔

صوفیاء کرام محض کلام نظری سے شرع کے احکام اور آداب لوگوں پر واضح کرنے پر ہی اکتفا نہیں کرتے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ سالک کا ہاتھ پکڑ کر ترقی کے تمام مراتب میں اس کے ساتھ چلتے ہیں اور سیر الی اللہ کی تمام منازل میں اس کے ساتھ رہتے ہیں، اور اپنی خصوصی عنایات اور مہربانیوں سے نوازتے ہیں اور ان کے ساتھ محبت سے پیش آتے ہیں اور اپنے حال وقال اور اپنی علو ہمت اور عظمت و صداقت سے اسے پروان چڑھاتے ہیں۔ اگر وہ ذکر سے غافل ہو جائے تو اس کی توجہ ذکر کی طرف مبذول کراتے ہیں۔ اگر صراط مستقیم سے منحرف ہو تو اسے دوبارہ راہ راست پر لاتے ہیں۔ اگر وہ مجلس سے غائب ہو جائے تو اس کی خبر گیری کرتے ہیں جب سست پڑے تو اس کی سستی زائل کر دیتے ہیں۔ اس طرح وہ اس کے لیے ایک ایسا عملی نصاب (طریقہ کار) کی راہنمائی کرتے ہیں۔ جس کے ذریعہ دین کے ارکان ثلاثہ یعنی ایمان، اسلام اور احسان تک اس کی رسائی ہو جاتی ہے۔

صوفیاء کرام ارباب اعمال واحوال ہوتے ہیں نہ کہ ارباب دعویٰ واقوال۔ کلام اور تعلیم تو بہت آسان ہے لیکن اسکے مقابلہ میں عمل اور تطبیق بہت مشکل۔

اس باب میں ہم وہ عملی نصاب بیان کریں گے جس کو صوفیاء کرام رضاء الٰہی اور اس کی معرفت تک رسائی حاصل کرنے کے لئے اختیار کرتے ہیں۔ یہ عملی نصاب کتاب اللہ کی عملی تطبیق اور رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کی اتباع واقتداء پر مبنی ہے۔ صوفیاء

Marfat.com

کرام نے کوئی نیا طریقہ اختراع نہیں کیا اور نہ ہی کسی نئے اسلوب کو اپنایا ہے بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کے قول، عمل اور اخلاق کے متبع ہیں۔

صحبت شیخ

اس عنوان کے تحت مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے درج ذیل موضوعات پر بحث کی ہے:

(۱) صحبت کی اہمیت اور فوائد و آثار۔

(۲) قرآن و سنت سے اس کا ثبوت۔

(۳) صحبت کی اہمیت کے بارے میں علماء محدثین اور عارفین کے اقوال و آراء۔

(۱) صحبت کی اہمیت اور فوائد و آثار

صحبت کا انسان کی شخصیت، طرز عمل اور اخلاق پر گہرا اثر ہوتا ہے۔ صحبت اختیار کرنے والا روحانی اثر اور عملی اتباع سے اپنے صاحب کی صفات کو اخذ کرتا ہے۔ انسان طبعی طور پر معاشرتی واقع ہوا ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ وہ مختلف قسم کے لوگوں سے ملے اور ان میں اس کے دوست واحباب ہوں۔ اگر وہ برے اور فاسق و فاجر لوگوں کو دوست بنائے گا تو وہ اخلاقی انحطاط کا شکار ہوگا اور اس کی اچھی صفات بتدریج ناپید ہو جائیں گی لیکن اسے شعور تک بھی نہیں ہوگا۔ یہاں تک کہ وہ اپنے دوستوں کی طرح ذلت کی انتہائی پستی میں گر جائے گا۔ اسی طرح اگر اس نے کسی صاحب ایمان، متقی اور کسی عارف باللہ کی صحبت کو اختیار کیا تو جلد ہی وہ بلندیوں کے اعلیٰ مقام پر پہنچ جائے گا۔ اور اس سے عمدہ اخلاق، پختہ ایمان، صفات عالیہ اور معارف الٰہیہ حاصل کرے گا اور اپنے نفس کے عیوب اور برے اخلاق سے محفوظ ہو جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ کسی آدمی کے اخلاق کو اس کے دوست واحباب سے پہچانا جاتا ہے۔

اذا کنت فی قوم فصاحب خیارھم
ولا تصحب الاردی فتردی مع الردی
عن المرء لاتسئل وسل عن قرینہ
فکل قرین بالمقارن یقتدی

Marfat.com

☆ ”جب تو کسی قوم میں ہو، تو ان میں سے بہترین لوگوں کی صحبت اختیار کر گھٹیا اور خسیس لوگوں کی سنگت اختیار نہ کر، کہ تو بھی ان کے ساتھ ہلاکت کا شکار ہو جائے۔

☆ کسی انسان کے متعلق نہ پوچھ، بلکہ اس کے دوست کے متعلق پوچھ، کیونکہ ہر دوست اپنے دوست کی پیروی کرتا ہے“۔

صحابہ کرام نے یہ بلند مرتبہ نبی کریم ﷺ کی صحبت و ہم نشینی سے حاصل کیا ہے۔ حالانکہ قبل از صحبت جہالت کی تاریکیوں میں تھے۔ اسی طرح تابعین کو جو یہ عظیم شرف ملا ہے یہ صحابہ کرام کی صحبت اور ملاقات کے ہی طفیل ہے۔ کیونکہ نبی پاک ﷺ کی رسالت عام اور تا قیامت رہنے والی ہے۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ نے علماء و عارفین کو اپنا جانشین بنایا ہے اور انہیں اپنے نبی کریم ﷺ سے علم و اخلاق اور ایمان و تقویٰ ورثہ میں ملا ہے اور یہ ہدایت و ارشا اور دعوت الی اللہ میں اپنے نبی کے نائب ہیں۔ یہ سینۂ نبوت سے نور حاصل کرتے ہیں۔ تاکہ انسانیت کے لئے ہدایت اور حق کے راستہ کو روشن کریں۔ جو شخص ان کی صحبت میں بیٹھتا ہے اس کے دل میں بھی وہ نور سرایت کر جاتا ہے، جو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے حاصل کیا ہے۔ پس جس نے ان کی نصرت و اعانت کی گویا وہ دین کا معین و مددگار رہوا۔ اور جس نے اپنی زنجیر کا حلقہ ان پاکباز لوگوں کی زنجیر سے مربوط کیا تو وہ درحقیقت نبی پاک ﷺ تک جا پہنچا، گویا کہ چشمہ نبوت سے فیض یاب و سیراب ہوا۔

یہی وہ دین محمدی کے وارث ہیں جنہوں نے دین کو لوگوں تک بذریعہ نقل و روایت پہنچایا۔ اور ان کی حرکات و سکنات اور طرز عمل دوسرے لوگوں کے لئے بہترین نمونہ ہے اور یہی وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں نبی پاک ﷺ کا ارشاد ہے:

لاتزال طائفه من امتی ظاهرین علی الحق لایضرهم من خذلهم حتی یاتی امر الله وهم کذلک (بخاری و مسلم)

”ارشاد نبوی ہے کہ میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر قائم رہے گا۔ ان کے مخالفین ہرگز نقصان نہ پہنچا سکیں گے۔ یہاں تک کہ اللہ کا حکم آ جائے تو وہ اسی حالت پر قائم ہوں گے“۔

Marfat.com

مرور زمانہ سے ان کے آثار منقطع نہیں ہوں گے اور کوئی علاقہ ان سے خالی نہ ہو گا۔ یہی وہ جانشین رسول خدا ہیں جن کی صحبت مجرب وتریاق ہے۔ اور ان سے بعد زہر قاتل ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کا ہم نشین کبھی بد بخت نہیں ہوتا۔ ان کی صحبت اصلاح نفوس ،تذیب اخلاق ،عقیدہ کی پختگی اور رسوخ ایمان کے لئے مؤثر عملی علاج ہے۔ کیونکہ یہ امور مطالعہ کتب سے حاصل نہیں ہوتے۔ بلکہ یہ عملی اور وجدانی خصال ہیں، جنہیں اتباع اور پیروی، قلبی تعلق اور روحانی تاثیر سے حاصل کیا جاتا ہے۔

اس کا دوسرا سبب اور وجہ یہ ہے کہ کوئی بھی انسان قلبی امراض اور ایسی پوشیدہ بیماریوں سے خالی نہیں جن کی تشخیص وہ بذات خود نہیں کرسکتا۔ ان قلبی امراض سے مراد ریا، نفاق ،غزور، حسد، انانیت، حب شہرت ،خود پسندی اور بخل وغیرہ ہیں۔ بلکہ انسان تو اپنے آپ کو سمجھتا ہے کہ وہ اخلاق میں سب سے زیادہ کامل اور دین میں سب سے زیادہ راسخ ہے اور یہ جہل مرکب اور واضح گمراہی ہے۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالاً اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِى الْحَيَاةِ الدُّنيا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا (الکہف:۱۰۴)

ترجمہ ”فرمایئے (اے لوگو!) کیا ہم مطلع کریں تمہیں ان لوگوں پر جو اعمال کے لحاظ سے گھاٹے میں ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی ساری جدوجہد دنیوی زندگی کی آراستگی میں کھو کر رہ گئی۔ اور وہ یہ خیال کررہے ہیں کہ وہ بہت بڑا عمدہ کام کر رہے ہیں“۔

جس طرح انسان اپنے چہروں کے عیوب کو صاف ستھرے آئینہ میں دیکھتا ہے جو اس کی حقیقت حال کو واضح کر دیتا ہے۔ اس طرح ایک مومن کے لئے بھی ایک مخلص اور ناصح مومن کی ضرورت ہے جس کا حال اس سے اچھا، اخلاق بلند اور ایمان قوی ہو، وہ اس کی صحبت اختیار کرے۔ تاکہ وہ اس کے نفسانی عیوب اور پوشیدہ قلبی امراض کو اپنے قال یا حال سے واضح کرے۔ اس لئے نبی پاک ﷺ کا ارشاد ہے:

اَلْمُؤْمِنُ مِرْاٰةُ الْمُؤْمِنِ (ابوداؤد)

Marfat.com

"ایک مومن دوسرے مومن کے لئے آئینہ ہے"۔

ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم اس بات کا خیال رکھیں کہ آئینے مختلف انواع و اقسام کے ہوتے ہیں۔ بعض صاف شفاف اور بعض گدلے ہوتے ہیں۔ جو چہرہ کے حسن و جمال کو بگاڑ دیتے ہیں، اور بعض ایسے ہوتے ہیں جو چہرہ کو چھوٹا اور بڑا دکھاتے ہیں اور یہی حال دوستوں کا ہوتا ہے۔ ان میں سے بعض ایسے ہوتے ہیں جو دوست کے نفس کی حالت کو ظاہر نہیں کرتے، بلکہ وہ اس کی مدح وثنا کرتے رہتے ہیں۔ حتی کہ وہ اپنے آپ کو کامل گمان کرنے لگتا ہے۔ اور اس میں غرور اور خود پسندی کا غلبہ ہو جاتا ہے۔ یا وہ اپنے دوست کی مذمت کرتے ہیں یہاں تک کہ وہ اپنے نفس کی اصلاح سے مایوس ہو جاتا ہے۔

مگر کامل مومن وہ مرشد صادق ہوا ہے جو اپنے آئینہ کو کسی مرشد کامل سے صیقل کراتا ہے۔ اور اسی طرح یہ سلسلہ حضور ﷺ تک متصل ہو جاتا ہے اور آپ ﷺ کی ذات ہی وہ آئینہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے انسانیت کے لئے نمونہ قرار دیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ لِّمَنْ کَانَ یَرْجُو اللّٰہَ وَالْیَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَکَرَ اللّٰہَ کَثِیْرًا۔ (الاحزاب ۲۱)

"بے شک تمہاری راہنمائی کے لئے اللہ کے رسول (کی زندگی) میں خوبصورت نمونہ ہے۔ یہ نمونہ اس کے لئے ہے جو اللہ سے ملنے اور قیامت کے آنے کی امید رکھتا ہے اور کثرت سے اللہ کو یاد کرتا ہے"۔

تزکیۂ نفوس اور اخلاقی کمالات سے مزین ہونے کا عملی طریقہ جانشین محمدی کی صحبت ہے۔ یعنی وہ مرشد کامل، جس کی صحبت سے مرید کے ایمان اور تقویٰ اور اخلاق میں اضافہ ہو، اور اس کی مجلس میں حاضری سے قلبی امراض سے شفاء حاصل ہو اور اسکی شخصیت اپنے مرشد کامل کی شخصیت سے اثر قبول کرے۔ جو کہ حضور نبی کریم ﷺ کی مثالی شخصیت کا عکس ہے۔

اس بحث سے ان لوگوں کی غلط فہمی دور ہو جانی چاہئے جو یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ اپنے قلبی امراض کا علاج خود کر سکتے ہیں۔ اور محض قرآن کریم کی تلاوت اور رسول

Marfat.com

کریم ﷺ کی احادیث پڑھ کر اپنے نفس کی بیماریوں کا علاج کر سکتے ہیں۔ کیونکہ کتاب و سنت میں قلبی ونفسانی علاج کے لئے مختلف قسم کی ادویات کا ذکر ہے۔ اس لئے قرآن و حدیث کے ساتھ ساتھ ایک طبیب کا ہونا بھی ضروری ہے جو ہر مرض کی مناسب دوا تجویز کرے، اور ہر بیماری کا صحیح علاج تجویز کرے رسول اللہ ﷺ بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کے قلوب کا علاج فرمایا کرتے تھے اور ان کے نفوس کا بھی اپنے حال وقال سے تزکیہ فرمایا کرتے تھے۔ جلیل القدر صحابی حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو پیش آنے والا واقعہ بھی اسی قبیل سے ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں مسجد میں بیٹھا تھا کہ ایک آدمی آیا اور نماز پڑھنے لگا۔ اس نے نماز میں ایسی قرأت کی جس کو میں نے پسند کیا پھر ایک اور آدمی داخل ہوا جس نے نماز میں ایک دوسری قرأت کی۔ جب انہوں نے نماز ختم کی تو ہم رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے میں نے عرض کیا: ''یارسول اللہ ﷺ! اس آدمی نے ایسی قرأت کی ہے جس کو میں نے پسند کیا ہے۔ اور دوسرے آدمی نے ایک اور قرأت کی ہے''۔ نبی کریم ﷺ نے دونوں کو قرآن پڑھنے کا حکم دیا جب دونوں نے پڑھا۔ تو آپ نے دونوں کی قرأت کی تحسین فرمائی۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں نے یہ صورت حال دیکھی تو میرے دل پر شک وشبہ کے بادل چھا گئے۔ جب نبی کریم ﷺ نے میری اس حالت کا ملاحظہ فرمایا تو میرے سینہ پر دستِ اقدس کو مارا جس کی وجہ سے میں پسینے میں شرابور ہو گیا''۔

اس سے ثابت ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی محض قرآن کریم کی تلاوت سے اپنی نفوس کا علاج نہیں کر سکتے تھے بلکہ وہ بھی محمدی شفاخانہ میں حاضر ہوتے تو آپ ﷺ ان کے نفوس کا تزکیہ اور ان کی تربیت کی نگرانی فرماتے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ (الجمعہ ۲)

ترجمہ: ''وہی اللہ تعالیٰ جس نے مبعوث فرمایا امیوں میں سے ایک رسول انہیں میں سے، جو پڑھ کر سناتا ہے انہیں اس کی آیتیں اور پاک کرتا ہے ان (کے دلوں) کو اور

Marfat.com

سکھاتا ہے کتاب وحکمت‘‘۔

تزکیہ علیحدہ چیز ہے اور تعلیم قرآن علیحدہ۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ’’یزکیھم‘‘ سے مراد آپ کا صحابہ کرام کو حالت تزکیہ عطا کرنا ہے۔ اور علم تزکیہ اور حالت تزکیہ میں بہت بڑا فرق ہے۔ جس طرح کہ علمِ صحت اور حالت صحت میں بڑا فرق ہے، اور ان دونوں کو جمع کرنے سے ہی کمال حاصل ہوتا ہے۔ ہم بہت سے حیران و پریشان لوگوں کے بارے میں سنتے ہی کہ وہ قرآن حکیم کو پڑھتے ہیں اور اس کے علاوہ بھی دوسرے بہت سے علوم سے واقف ہوتے ہیں۔ اور وہ شیطانی وساوس کے بارے میں گفتگو بھی کرتے ہیں، لیکن اس کے باوجود دوران نماز مختلف قسم کے وسوسوں سے نجات نہیں پا سکتے۔

جب طب جدید میں یہ بات ثابت شدہ ہے کہ انسان خود اپنا علاج نہیں کر سکتا خواہ اس نے طب کی کثیر کتب پڑھی ہوں، بلکہ اس کے لئے طبیب ضروری ہوتا ہے جو اس کے پوشیدہ امراض کی تشخیص کرے۔ اور پیچیدہ امراض سے مطلع ہو جو اس کے لئے مخفی تھیں، تو امراض قلبیہ اور نفسانی بیماریوں کو طبیب کی اشد ضرورت ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ بیماریاں زیادہ خطرناک پوشیدہ اور دقیق ہوتی ہیں۔ اس لئے کسی مرشد کامل صاحب اذن سے تزکیۂ نفس اور ان بیماریوں سے چھٹکارا پانا مفید اور ضروری ہوتا ہے اس کے بعد ہم کتاب وسنت فقہاء ومحدثین اور عارفین کے اقوال کو ذکر کریں گے جس سے صحبت کی اہمیت واضح ہو جائے گی اور اس کے اچھے آثار اور عمدہ نتائج سے آگاہی ہوگی۔

صحبت کی اہمیت پر قرآنی دلائل

(۱) ارشاد خداوندی ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِيْنَ (التوبہ ۱۱۹)

ترجمہ: ’’اے ایمان والو ڈرتے رہا کرو اللہ سے اور ہو جاؤ سچے لوگوں کے ساتھ‘‘۔

صادقین سے مراد وہ مخلص مومنین ہیں جن کا ذکر اس آیت میں ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

Marfat.com

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ" صَدَقُوْا مَاعَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْه. (الاحزاب:۲۳)

"اہل ایمان میں سے ایسے جواں مرد ہیں جنہوں نے سچا کر دکھایا جو وعدہ انہوں نے اللہ سے کیا تھا"۔

(۲) ارشاد خداوندی ہے:

وَاصْبِرْ نَفْسَکَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَ الْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰکَ عَنْهُمْ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَاتُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِکْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰاهُ وَکَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا (الکہف:۲۸)

ترجمہ: "اور روکے رکھیئے اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ جو پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح و شام، طلبگار ہیں اس کی رضا کے، اور نہ ہٹیں آپ کی نگاہیں ان سے۔ کیا آپ چاہتے ہیں دنیوی زندگی کی زینت۔ اور نہ پیروی کیجئے اس (بدنصیب) کی، غافل کر دیا ہے ہم نے جس کے دل کو اپنی یاد سے، اور وہ اتباع کرتا ہے اپنی خواہش کی اور اس کا معاملہ حد سے گزر گیا ہے"۔

یہاں خطاب رسول اللہ ﷺ کو ہے اور اس کا مقصد تعلیم امت ہے۔

(۳) ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ. (لقمان:۱۵)

"اور پیروی کرو اس کے راستہ کی جو میری طرف مائل ہوا"۔

☆ فرمان خداوند قدوس ہے:

وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا، يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِيْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا لَقَدْ اَضَلَّنِيْ عَنِ الذِّکْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِيْ وَکَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا (الفرقان:۲۷،۲۸،۲۹)

ترجمہ: "اور اس روز ظالم (فرط ندامت سے) کاٹے گا اپنے ہاتھوں کو (اور) کہے گا کاش میں نے اختیار کیا ہوتا رسول مکرم ﷺ کی معیت میں (نجات کا

Marfat.com

راستہ)۔ ہائے افسوس کاش نہ بنایا ہوتا میں نے فلاں کو اپنا دوست۔ واقعی اس نے بہکا دیا مجھے اس قرآن سے اس کے میرے پاس آ جانے کے بعد اور شیطان تو ہمیشہ سے انسان کو بے یار و مددگار چھوڑنے والا ہے''۔

☆ فرمان الٰہی ہے:

اَلۡاَخِلَّآءُ یَوۡمَئِذٍۭ بَعۡضُهُمۡ لِبَعۡضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الۡمُتَّقِیۡنَ (الزخرف ۶۷)

ترجمہ: ''گہرے دوست اس روز ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے بجز ان کے جو متقی اور پرہیزگار''۔

(۴) ارشاد خداوندی ہے:

ثُمَّ اسۡتَوٰی عَلَی الۡعَرۡشِ اَلرَّحۡمٰنُ فَسۡئَلۡ بِهٖ خَبِیۡرًا (الفرقان ۵۹)

ترجمہ: ''پھر وہ متمکن ہوا عرش پر (جیسے اس کی شان ہے) وہ رحمان ہے سو پوچھ اس کے بارے میں کسی واقف حال سے''۔

هَلۡ اَتَّبِعُکَ عَلٰۤی اَنۡ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمۡتَ رُشۡدًا قَالَ اِنَّکَ لَنۡ تَسۡتَطِیۡعَ مَعِیَ صَبۡرًا۔ (الکہف ۶۶،۶۷)

ترجمہ: ''کیا میں آپ کے ساتھ رہ سکتا ہوں بشرطیکہ آپ سکھائیں مجھے رشد و ہدایت کا خصوصی علم جو آپ کو سکھایا گیا ہے اس بندہ نے کہا (اے موسیٰ!) آپ میرے ساتھ صبر کی طاقت نہیں رکھتے''۔

اہمیت صحبت پر احادیث نبویہ سے دلائل

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

(۱) انما مثل الجلیس الصالح وجلیس السوء کحامل المسک ونافخ الکیر، فحامل المسک اماان یحذیک واما ان تبتاع منه واماان تجد منه ریحاطیبه ونافخ الکیر اماان یحرق الثیاب واما ان تجدمنه وریح نتن. (بخاری مسلم)

Marfat.com

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اچھے اور برے دوست کی مثال کستوری والے اور بھٹی والے کی طرح ہے، کستوری والا یا تو تمہیں عطا کر دے گا یا تم اس سے خرید لو گے۔ یا اس سے اچھی خوشبو پاؤ گے۔ بھٹی والا تو تمہارے کپڑے جلا دے گا یا تم اس سے بدبو پاؤ گے''۔

(۲) **عن ابن عباس رضی اللہ عنه قال قیل یا رسول اللہ ای جلساء ناخیر، قال: من ذکر کم اللہ رویته و زادفی عملکم منطقه و ذکر کم فی الاخرة عمله** (مجمع الزوائد جلد۱۰ص۲۲۶)

ترجمہ: ''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں عرض کی گئی کہ کونسا دوست بہتر اور بہت افضل ہے۔ تو آپ نے فرمایا جس کا دیدار تمہیں اللہ کی یاد دلا دے۔ اور جس کی گفتار تمہارے عمل میں زیادتی کا باعث ہو، جس کا عمل تمہیں آخرت کی یاد تازہ کر دے''۔

(۳) **عن ابی هریره رضی اللہ عنه قال قال رسول اللہ ﷺ الرجل علی دین خلیله فلینظر احد کم من یخالل** (ابوداؤد۔ترمذی)

ترجمہ: ''حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے تم میں سے ہر ایک کو چاہئے کہ وہ دیکھے کہ وہ کس کے ساتھ دوستی قائم کر رہا ہے''۔

(۴) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اللہ کے کچھ بندے ایسے ہوں گے جو نبی ہوں گے نہ شہداء۔ روز قیامت اللہ کے نزدیک ان کے رتبہ کی وجہ سے انبیاء و شہداء ان پر رشک کریں گے''۔ صحابہ رضی اللہ عنھم نے عرض کی کہ ''ہمیں بتائیں وہ کونسے لوگ ہیں''؟ فرمایا: ''یہ وہ لوگ ہیں جو صرف اللہ کے لئے آپس میں محبت کرتے ہیں، ان کے درمیان نہ تو رشتہ داری ہوتی ہے اور نہ ہی کوئی مال کا لین دین۔ قسم بخدا! ان کے چہرے سراپا نور ہوں گے۔ اور نور کے ممبروں پر بیٹھے ہوں گے۔ انہیں کوئی خوف

Marfat.com

نہیں ہوگا جب لوگ خوفزدہ ہوں گے اور نہ وہ غمگین ہوں گے جب دوسرے لوگ غمزدہ ہوں گے'' پھر یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی: ''الاان اولیاء اللہ لاخوف علیھم ولاھم یحزنون''(یونس) ترجمہ: ''سنو بے شک اولیاء اللہ کو نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔''

(۵) عن ابی ذر رضی اللہ عنہ قلت یا رسول اللہ، الرجل یحب القوم ولا یستطیع ان یعمل عملھم، قال انت مع من احببت یا اباذر. (ابوداؤد)

ترجمہ: ''حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرماتے ہیں: میں نے عرض کی ''یا رسول اللہ! کوئی شخص کسی قوم سے محبت رکھتا ہے لیکن ان جیسا عمل نہیں کر پاتا'' تو آپ نے فرمایا: ''اے ابوذر تو اسی کے ساتھ ہوگا جس سے محبت کرتا ہے''۔

(۶) حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا مجھے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ملے تو انہوں نے فرمایا: ''اے حنظلہ تمہارا کیا حال ہے''؟ میں نے کہا: ''حنظلہ منافق ہوگیا'' تو آپ نے فرمایا ''سبحان اللہ یہ کیا کہہ رہے ہو''۔ میں نے کہا: ''جب ہم رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں تو وہ جب جنت اور دوزخ کا ذکر کرتے ہیں تو ایسا لگتا ہے ہم انہیں آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ اور جب آپ کی بارگاہ سے نکل کر گھروں کو جاتے ہیں اور اپنے اہل وعیال اور مال و جائیداد میں مصروف ہو جاتے ہیں تو یہ سب کچھ بھول جاتے ہیں'' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''قسم بخدا! ہماری بھی یہی حالت ہے''۔ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وہاں سے چلے اور حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے میں نے عرض کی: ''یارسول اللہ ﷺ! حنظلہ منافق ہوگیا''، اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''وہ کیسے''؟ میں نے عرض کی ''یا رسول اللہ ﷺ جب ہم آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے ہیں اور آپ ہمیں جنت اور دوزخ کی یاد دلاتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے ہم انہیں آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ جب ہم اپنے گھروں کو جاتے

Marfat.com

ہیں اور اپنے اہل وعیال اور مال و دولت میں مشغول ہو جاتے ہیں تو یہ چیزیں بھول جاتے ہیں"۔ تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "قسم ہے مجھے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ اگر تمہاری حالت ہمیشہ ایسی ہی رہے جیسا کہ میرے پاس اور محفل ذکر میں ہوتی ہے تو فرشتے آرام گاہوں اور راستوں میں تمہارے ساتھ مصافحہ کریں۔ لیکن اے حنظلہ! یہ گھڑی کبھی کبھی میسر آتی ہے"۔ آپ ﷺ نے تین مرتبہ یہی ارشاد فرمایا"۔

یہ حدیث اور بہت سی دیگر احادیث صحبت کی اہمیت کو اجاگر کرتی ہیں تربیت اور اصلاح کا یہی عملی راستہ ہیں۔ خصوصاً حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ کیسے حضور نبی پاک ﷺ کی صحبت ان کے دلوں میں انوار یقین کو اجاگر کرتی تھی اور نفوس میں ایمان کی چنگاری کو روشن رکھتی تھی اور ان کی روحوں کو مقدس فرشتوں کی سطح تک بلند کر کے ان کے دلوں کو مادی آلودگیوں سے پاک کرتی اور ان کے ایمان کو مراقبہ اور شہود کی بلندیوں پر فائز کرتی۔ اور اسی طرح نبی کریم ﷺ کے جانشینوں کی مجلس اور صحبت بھی نفوس کو پاک کرتی اور ایمان میں زیادتی کا باعث اور دلوں کو بیدار کر کے اللہ کی یاد کو تازہ کرتی ہے اور ان سے دوری غفلت کا سبب اور دل کا دنیا میں مشغول ہونے اور اس ناپائیدار زندگی کی طرف رجحان کو بڑھاتی ہے۔

اہمیت صحبت اور اس کے آداب کے بارے میں فقہاء اور محدثین کے اقوال

ابن حجر ہیثمی:

شیخ فقیہ محدث احمد شہاب الدین بن حجر ہیثمی "فتاویٰ حدیثیہ" میں فرماتے ہیں کہ سالک کے لئے بہتر ہے کہ ان معارف کو حاصل کرنے سے قبل ان امور پر کاربند رہے جن کا حکم اس کے شیخ کامل نے دیا ہے۔ کیونکہ اس کا شیخ ہی طبیب اعظم ہے، وہ ہر ایک کو اس کی بیماری اور مزاج کے مطابق دوا تجویز کرتا ہے، تو اسے وہی غذا دیتا ہے جو اس کے لئے فائدہ مند ہو۔

Marfat.com

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ:

امام فخر الدین رازی اپنی مشہور تفسیر میں سورۃ فاتحہ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ بعض بزرگوں نے فرمایا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے "اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ" فرمایا تو اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ فرمایا: "صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ" اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ مرید کے لئے ہدایت اور مکاشفہ کے مقامات تک پہنچنے کا سوائے اس کے کوئی راستہ نہیں کہ وہ کسی ایسے شیخ کامل کی اتباع کرے جو اس کی صراط مستقیم کی طرف راہنمائی کرے۔ اور گمراہی اور ضلالت کے راستے سے بچائے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اکثر مخلوق پر نقص غالب ہے، اور ان کی عقول ادراک حق اور خطاء وصحیح کے درمیان تمیز نہیں کر سکتیں۔ اس لئے ایسے شیخ کامل کا ہونا ضروری ہے جس کی ناقص شخص اتباع کرے۔ یہاں تک کہ اس کی ناقص عقل شیخ کامل سے حاصل کردہ نور سے قوی و پختہ ہو جائے، اور اس طرح وہ بھی مراتب سعادت اور کمالات کی بلندیوں پر فائز ہو جائے۔

شیخ ابراہیم باجوری رحمۃ اللہ علیہ:

شیخ الاسلام ابراہیم باجوری رحمۃ اللہ علیہ "جوہرہ توحید" کی شرح میں فرماتے ہیں۔

وکن کما کان خیار الخلق

حلیف حلم تابعا للحق

"یعنی اخلاق کے ساتھ متصف ہو جا جن پر بہترین لوگ کاربند رہے"

پھر ارشاد فرماتے ہیں کہ کسی شیخ کامل کے ہاتھ پر ریاضت کی منازل طے کرنا زیادہ منافع بخش ہے۔ کیونکہ صوفیاء کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا قول ہے۔ فرماتے ہیں کہ ایک ہزار آدمیوں کے لئے ایک مرد کامل کا حال ایک آدمی کو ہزار آدمیوں کے وعظ سے بہتر ہے۔ سالک کے لئے ضروری ہے کہ وہ ایسے شیخ کامل کی اتباع کرے جو قرآن وسنت کو جاننے والا ہو یعنی بیعت کرنے سے پہلے اسے پرکھ لے۔ اگر وہ قرآن وسنت پر عمل پیرا ہو تو

Marfat.com

اس کی صحبت کو لازم پکڑے، اس کے حضور مؤدب رہے۔ ہوسکتا ہے کہ اس کی توجہ سے اس کا دل صاف ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ ہی ہدایت کا والی ہے۔

حضرت ابی حمزہ رحمۃ اللہ علیہ:

امام ابی حمزہ اندلسی رحمۃ اللہ علیہ حدیث پاک کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ اور جہاد میں شریک ہونے کی اجازت طلب کی، تو آپ نے فرمایا: ''کیا تمہارے والدین زندہ ہیں''؟ اس نے کہا: ''ہاں''! تو آپ نے فرمایا: ''تم انہیں میں جہاد کرو''۔ اس حدیث پاک میں دلیل ہے کہ مجاہدات اور ریاضت شروع کرنے سے پہلے کسی شیخ کامل کی بارگاہ میں حاضر ہو، تاکہ وہ اس کی صحیح راہنمائی کرے۔ کیونکہ اس صحابی نے جہاد پر جانے کا ارادہ کیا تو اپنی ذاتی رائے پر اعتماد نہیں کیا بلکہ اپنی ذات سے زیادہ اکمل و افضل ذات سے مشورہ کیا۔ یہ حال تو جہاد اصغر کا ہے تو جہاد اکبر (جہاد بالنفس) کے لئے اس کی بدرجہ اولیٰ ضرورت ہوگی۔

ابن قیم جوزیہ:

حافظ ابن قیم فرماتے ہیں کہ بندہ جب کسی کی اتباع کرنے کا ارادہ کرے اسے دیکھنا چاہئے کہ آیا وہ اہل ذکر سے ہے یا غافلین میں سے۔ اس پر ہوا و ہوس کا غلبہ ہے یا احکام الٰہی کی اطاعت کا۔ اگر تو اس پر ہوا و ہوس کا غلبہ ہے اور وہ غافلین میں سے ہو تو وہ اس قابل نہیں کہ اس کی اتباع کی جائے۔ پھر فرماتے ہیں کہ آدمی کو چاہئے کہ وہ اپنے شیخ اور مقتداء کو دیکھے اگر تو اس میں ایسی صفات پائی جاتی ہیں جن کا ابھی ذکر ہوا ہے تو وہ اس سے دور ہو جائے۔ اگر اس پر ذکر اللہ اور اتباع سنت کا غلبہ ہے اور اپنے امور میں انتہائی محتاط ہے تو اس کا دامن مضبوطی سے پکڑ لے۔

عبدالواحد بن عاشر:

شیخ عبدالواحد بن عاشر مالکی ''المرشد المعین'' میں صحبت شیخ کی اہمیت اور اس کے آثار کی وضاحت درج ذیل اشعار میں فرماتے ہیں:

Marfat.com

يصحب شيخا عارف المسالک
يقيه فی طريقه المهالک
يذکر الله اذا راه
ويوصل العبد الی مولاه
يحاسب النفس علی الانفاس
ويزن الخاطر بالقسطاس
ويحفظ المفروض راس المال
والفضل ربحه به يوالی
و يکثر الذکر يصفو لبه
والعون فی جميع ذا بربه
يجاهد النفس لرب العالمين
و يتحلی بمقامات اليقين
يصير عند ذاک عارفا به
حرا وغيره خلی من قلبه
فحبه الا اله و اصطفاه
لحضرة القدوس و اجتباه

ترجمہ: (i) ''سالک کو چاہئے کہ وہ شیخ عارف کی صحبت اختیار کرے جو اس کو ہلاکتوں سے بچائے۔

(ii) اس کے دیدار سے خدا یاد آتا ہو اور بندہ کو اپنے مولیٰ تک پہنچائے۔

(iii) اور اپنے ہر ہر سانس کا محاسبہ کرے اور اپنے خواطر کا ترازو سے وزن کرے۔

(iv) فرائض جو کہ راس المال ہے اس کی حفاظت کرے، اور نوافل جو کہ سراسر نفع ہے اس پر مواظبت اختیار کرے۔

(v) خالی الذہن ہو کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے اور ان تمام امور میں اعانت مولیٰ اس کے شامل حال ہوتی ہے۔

Marfat.com

(vi) جورب العالمین کے لئے مجاہدہ نفس کو خاص کرے اور مقامات یقین سے آراستہ ہو۔

(vii) جب اس میں یہ صفات پائی جائیں تو وہ عارف باللہ بن جاتا ہے، اور غیر اللہ سے اس کا دل ودماغ خالی ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے اپنا محبوب و مصطفیٰ بنالیتا ہے اور اپنی بارگاہ کی حضوری کے لئے چن لیتا ہے''

اس نظم کے شارح شیخ محمد بن یوسف معروف بالکافی اپنی کتاب ''نور مبین علی مرشد المعین'' میں فرماتے ہیں کہ شیخ کی صحبت سے حاصل ہونے والے نتائج میں سے ایک یہ ہے کہ شیخ کامل کا دیدار کرنے سے رب یاد آجاتا ہے۔ یعنی شیخ کامل ایک مضبوط واسطہ ہے جس کی وجہ سے مرید اپنے رب کو یاد کرتا ہے۔ کیونکہ وہ شیخ کے چہرہ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ انوار وتجلیات کا مشاہدہ کرتا ہے اور اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو حاکم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے:

افضلکم الذین اذا رؤوا ذکر اللہ تعالی لرویتھم

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے افضل لوگ وہ ہیں جن کے دیدار سے اللہ یاد آجائے''۔

شیخ کامل کی صحبت کا ثمرہ یہ بھی ہوتا ہے کہ بندہ کو اپنے مولیٰ تک پہنچادیتا ہے۔ کیونکہ وہ اس کو اس کے نفسانی عیوب سے آگاہ کرتا ہے۔ اور غیر اللہ کو چھوڑ کر بارگاہ خداوندی میں آنے کی نصیحت کرتا ہے۔ پس سالک اپنی ذات اور تمام مخلوق میں سے کسی سے بھی نفع وضرر کی امید نہیں رکھتا، اور نہ ہی کسی تکلیف کو دور کرنے اور حصول نفع کیلئے کسی مخلوق کی جانب متوجہ ہوتا ہے۔ بلکہ اس کی تمام سکنات وحرکات اور تصرفات محض اللہ کے لئے ہوتے ہیں اور وصول الی اللہ کا یہی مفہوم ہے۔

مرید کو صحبت شیخ کا ایک فائدہ یہ بھی ہوتا ہے کہ وہ مرید کیلئے اللہ سے دور کرنے والے تمام عیوب کو واضح کر دیتا ہے، اور ان عیوب کو مجسم کر کے دکھاتا ہے اور پھر اس کی دوا بھی تجویز کرتا ہے۔ یہ تمام فوائد وثمرات اس کو حاصل ہوتے ہیں جو اپنے آپ کو کلیۃً شیخ کے

Marfat.com

سپرد کر دیتا ہے، اور اپنی ذات کے لئے لازم کرتا ہے کہ وہ اپنے شیخ سے کوئی بات نہیں چھپائے گا۔ کیونکہ اگر اس نے اپنے شیخ سے ایک بات بھی چھپائی تو اس سے فائدہ حاصل نہیں کر سکتا۔

شیخ طیبی (صاحب حاشیہ کشاف)

علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ عالم اگرچہ علم میں متبحر ہو اور اپنے زمانہ کا یکتائے روزگار بن جائے تو بھی اس کیلئے مناسب نہیں کہ وہ صرف اپنے علم پر اکتفا کرے، بلکہ اس پر واجب ہے کہ وہ اہل طریقت کی بارگاہ میں حاضر ہوتا کہ وہ اس کو صراط مستقیم کی طرف راہنمائی کریں، یہاں تک کہ وہ ان لوگوں میں سے ہو جائے جن کے تصفیہ باطن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ انہیں الہام فرماتا ہے۔ اسے چاہئے کہ وہ دنیاوی آلائش سے چھٹکارا حاصل کرے، اور اس کے علم میں جو حرص و ہوا اور نفس امارہ کی آلائش ہو چکی ہے اس سے اجتناب کرے۔ تاکہ اپنے دل کو علم لدنی سے فیض یاب کرنے کے لئے تیار کر لے، اور مشکوٰۃ نبوت کے انوار حاصل کرنے کے قابل ہو جائے۔ یہ عموماً ایسے شیخ کامل کی خدمت میں حاضر ہونے سے حاصل ہوتا ہے۔ جو نفسانی امراض کے علاج اور نفس کو معنوی نجاسات سے پاک کرنے کا طریقہ جانتا ہو۔ تاکہ وہ اسے نفس امارہ کی رعونت اور اس کی خفیہ فریب کاریوں سے نجات دلائے۔

اہل طریقت کا اجماع ہے کہ انسان پر کسی شیخ طریقت کی بیعت کرنا واجب ہے جو اسے ان صفات کو زائل کرنے کا طریقہ بتائے جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حضوری سے مانع ہوں۔ تاکہ وہ تمام عبادات خشوع و خضوع اور حضوری کی کیفیت میں ادا کرے کیونکہ جس چیز پر واجب کا اتمام موقوف ہو وہ بھی واجب ہو جایا کرتی ہے، اور اس میں کوئی ک نہیں کہ باطنی امراض کا علاج واجب ہے۔

پس وہ شخص جس پر یہ امراض غالب ہیں، اس کیلئے ضروری ہیکہ وہ کسی ایسے شیخ کامل کی تلاش کرے جو اس کو اس دشواری اور پریشانی سے نکالے۔ اگر اسے اپنے شہر اور علاقہ میں کوئی شیخ نہ ملے تو شیخ کامل کی تلاش میں سفر کرنا لازمی ہے۔

Marfat.com

فوائد صحبت اور اس کے آداب

(صوفیاء کی نظر میں)

صوفیائے کرام خالص زاہدانہ زندگی کے سب سے زیادہ حریص ہوتے ہیں۔ان کی زندگی کی اساس سمع وطاعت، ناصح کی نصیحت وفرمانبرداری اور مرشد کی توجہ اور راہنمائی پر ہوتی ہے۔اس طرح ان کے درمیان وہ روحانی سلسلے پیدا ہوتے ہیں جو تعلیم وتربیت کے بہترین اسلوب اور شیخ ومرید کے درمیان قوی روحانی تعلقات پر استوار ہوتے ہیں۔اسی وجہ سے صوفیاء کرام ہر اس شخص کو صحبت شیخ کی وصیت کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی معرفت اور رضا حاصل کرنے کے لئے طریقت کو اختیار کرنا چاہتا ہے۔صحبت کا حقیقی فائدہ صوفیاء کرام سے سچے اعتقاد پر موقوف ہے جو ذات باری تعالیٰ کی طرف راہنمائی بھی کرتے ہیں اور واصل باللہ بھی کر دیتے ہیں۔

امام ابو حامد غزالی رحمۃ اللہ علیہ:

حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صوفیاء کرام کی جماعت میں داخل ہونا فرض عین ہے۔کیونکہ انبیائے کرام علیہم السلام کے علاوہ کوئی بھی شخص قلبی امراض اور عیوب سے خالی نہیں۔

آپ فرماتے ہیں کہ میں ابتدا میں آحوال صالحین اور مقامات عارفین کا منکر تھا حتی کہ میں اپنے مرشد یوسف نساج کی صحبت سے فیض یاب ہوا۔وہ مجاہدہ کے ساتھ میرے دل کی صفائی کرتے رہے۔یہاں تک کہ میں واردات سے مشرف ہوا اور میں نے خواب میں اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اے ابو حامد! اپنی مشغولیات کو چھوڑ دو، اور اس قوم کی سنگت اختیار کرو جن کو میں نے زمین میں اپنی توجہ کا مرکز ٹھہرایا۔یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے میری محبت میں دارین (دنیا وآخرت) کا سودا کر دیا''۔میں نے عرض کی: ''باری تعالیٰ! مجھے ان کے بارے میں حسن ظن عطا فرما''۔فرمایا: ''میں نے عطا فرما دیا۔دنیا

Marfat.com

کی محبت میں مشغول نہ ہونا یہی تیرے اور ان کے درمیان دیوار ہے۔اس کی محبت سے خود بخود دستبردار ہو جا۔قبل اس کے کہ تجھے مجبوراً اس سے ہاتھ اٹھانا پڑیں۔اے غزالی! میں نے تجھ پر جوارِ قدس سے اپنے انوار کی بارش کر دی"۔امام غزالی فرماتے ہیں میں خوشی خوشی بیدار ہوا اور شیخ یوسف نساج کی خدمت میں حاضر ہو کر خواب ذکر کیا۔آپ مسکرائے اور فرمایا:"اے ابو حامد! یہ تو ہمارے ابتدائی اشارے ہیں۔اگر تو نے ہماری صحبت جاری رکھی تو تیری بصیرت کو تائید الٰہی کا سرمہ لگا دیا جائے گا"۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سالک راہ حق کے لئے کسی مرشد و مربی کا ہونا ضروری ہے تاکہ اسے راہ حق کی طرف راہنمائی کرے۔اس کے مذمومہ اخلاق کو دور کر کے اسے اخلاق حمیدہ سے آراستہ کرے۔تربیت کا معنی یہ ہے کہ مربی اس کسان کی طرح ہے جو کھیتی کی نگہداشت کرتا ہے۔جب بھی کوئی پتھر یا کوئی نقصان دینے والی بوٹی دیکھتا ہے تو اسے اکھیڑ کر باہر پھینک دیتا ہے۔کھیتی کو بار بار سیراب کرتا ہے یہاں تک کہ وہ اچھی طرح نشوونما پا جاتی ہے وہ اپنی کھیتی کی حفاظت اس لئے کرتا ہے تاکہ وہ دوسری کھیتیوں سے اچھی ہو جائے۔آپ نے جس طرح یہ جان لیا کہ کھیتی کو مربی کی ضرورت اور حاجت ہے، اسی طرح ایک سالک کے لئے مرشد کا ہونا ضروری ہے۔کیونکہ اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو اپنی ہدایت کے لئے بھیجا۔تاکہ وہ صراط مستقیم کی راہنمائی کریں۔نبی کریم ﷺ نے اس دار فانی سے کوچ کرنے سے پہلے خلفاء راشدین کو اپنا نائب اور جانشین مقرر فرمایا تاکہ وہ مخلوق کو اللہ کا راستہ دکھائیں۔یہ سلسلہ قیامت تک اسی طرح جاری و ساری رہے گا اور سالک کبھی بھی اپنے مرشد سے مستغنی نہیں ہو سکتا۔

اسی طرح آپ کا ارشاد ہے کہ مرید کو ایک شیخ اور ایک استاذ کی لامحالہ ضرورت ہوتی ہے۔جس کی وہ اتباع کرے تاکہ وہ شیخ اسے سیدھا راہ دکھائے۔کیونکہ دین کا راستہ نہایت دقیق ہے اور شیطان کے راستے کثیر اور ظاہر ہیں۔اور جس شخص کو ہدایت دینے والا شیخ و مرشد نہیں ہوگا تو لامحالہ شیطان اس کو اپنی راہ پر لے آئے گا۔اور جو شخص ہلاکت خیز

Marfat.com

جنگل میں بغیر محافظ کے چلتا ہے وہ اپنی جان کو خطرہ میں ڈالتا ہے اور صرف اپنی ذات پر بھروسہ کرنے والا اس خودرو پودے کی طرح ہے جو جلد ہی خشک ہو جاتا ہے۔ اور اگر کچھ مدت باقی رہ کر سرسبز بھی ہو جائے تو پھل نہیں دیتا۔ مرید کی پناہ اس کا شیخ ہے۔ اسے چاہیے کہ اس کا دامن مضبوطی سے تھام لے۔

امام غزالی فرماتے ہیں کہ اللہ جل شانہ جب کسی بندے سے بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے اس کے عیوب دکھا دیتا ہے۔ اور جو شخص صاحب بصیرت ہو اس پر کوئی عیب مخفی نہیں رہتا۔ پس جب اسے اپنے عیوب کا علم ہو جاتا ہے تو ان کا علاج بھی ممکن ہو جاتا ہے۔ لیکن اکثر لوگ اپنے عیوب سے غافل ہوتے ہیں، انہیں اپنے کسی بھائی کی آنکھ میں تنکا تو نظر آ جاتا ہے لیکن اپنی آنکھ کا تیر نظر نہیں آتا۔

الامیر عبدالقادر الجزائری رحمۃ اللہ علیہ:

عارف باللہ امیر عبدالقادر جزائری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''المواقف'' میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے اس قول کو بیان کیا ہے جو انہوں نے حضرت خضر علیہ السلام سے کہا تھا یعنی ''هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا'' کیا میں آپ کے ساتھ رہ سکتا ہوں بشرطیکہ آپ سکھائیں مجھے رشد و ہدایت کا خصوصی علم جو آپ کو سکھایا گیا ہے''۔ یہ جاننا ضروری ہے کہ مرید کو شیخ کے علوم اور احوال سے اسی وقت ہی فائدہ ہو سکتا ہے جب مرید شیخ کی کامل اتباع کرے۔ اور شیخ کے حکم کی تابعداری کرے۔ اور اس کے منع کردہ امور سے باز رہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس کا یہ بھی اعتقاد ہو کہ اس کا شیخ بڑا کامل اور افضل ہے۔ کیونکہ شیخ کے احکام کی تابعداری اور اس کی اکملیت کا اعتقاد دونوں ضروری ہیں۔ بعض اپنے شیخ کے کامل ہونے کا تو یقین رکھتے ہیں اور ان کا یہ خیال ہوتا ہے کہ ان کا شیخ حصول مطالب میں کافی ہے، لیکن وہ اس کے حکم کی پیروی نہیں کرتے۔ لیکن ان کا یہ طرز عمل صحیح نہیں ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام انتہائی عظمت بزرگی کے باوجود حضرت خضر علیہ السلام کی ملاقات کے خواہشمند تھے، اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ملاقات کے

Marfat.com

لیے دست سوال دراز کیا اور سفر کی مشکلات و مصائب کو برداشت کیا۔ جس طرح کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَقَدْ لَقِينَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا (کہف: ٦٢)

''بے شک ہمیں برداشت کرنا پڑی ہے اپنے اس سفر میں بڑی مشقت''۔

ان تمام باتوں کے باوجود جب انہوں نے صرف ایک حکم کی پیروی کی۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: '' فلا تسئلني عن شيء حتى احدث لك منه ذكرا'' ''تو مجھ سے کسی چیز کے بارے میں پوچھئے نہیں جب تک کہ میں خود ذکر کروں'' تو حضرت خضر علیہ السلام کے علوم سے فائدہ نہ اٹھا سکے۔ حالانکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یقین تھا کہ حضرت خضر علیہ السلام ان سے زیادہ عالم ہیں۔ کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ ارشاد فرمایا کہ میں نہیں جانتا کہ مجھ سے بڑھ کر بھی کوئی عالم ہو۔ اسی وقت اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ میرا بندہ خضر تجھ کو بڑھ کر عالم ہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے کسی ایک علم کو خاص نہیں کیا۔ بلکہ عمومی طور پر ذکر کیا ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پہلے معلوم نہ تھا کہ آپ کی استعداد حضرت خضر کے علوم کو قبول نہ کرے گی۔ لیکن حضرت خضر نے پہلے ہی مرحلہ میں جان لیا تھا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا (کہف: ٦٧)

''آپ میں یہ طاقت نہیں کہ میری سنگت پر صبر کرسکیں''۔

اور یہ چیز حضرت خضر علیہ السلام کی علمیت کی دلیل ہیں۔ پس عقلمند آدمی کو چاہیے کہ ان دونوں بزرگ ہستیوں کے آداب کو ملحوظ خاطر رکھے۔

حضرت موسیٰ نے فرمایا: ''هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا'' ''کیا میں آپ کے ساتھ رہ سکتا ہوں بشرطیکہ آپ سکھائیں مجھے رشد و ہدایت کا خصوصی علم جو آپ کو سکھایا گیا ہے''۔

یعنی کیا آپ اپنی اتباع کی اجازت دیتے ہیں کہ میں آپ سے کچھ سیکھوں۔ ان

Marfat.com

کلمات میں ادب کی ء جو حلاوت ہے اس کو ہر صاحب ذوق سلیم محسوس کرتا ہے۔اس کے جواب میں حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا: ''فَاِنِ اتَّبَعتَنِیُ فَلَا تَسْئَلنِیُ عَنُ شَیْءٍ حَتّٰی اُحدِثَ لَکَ مِنهُ ذِکْرًا'' ''مجھ سے کسی چیز کے بارے میں پوچھے نہیں یہاں تک میں آپ سے اس کا خود ذکر کروں''۔

حضرت خضر علیہ السلام ''فَلَا تَسْئَلنِیُ '' کہہ کر خاموش نہیں ہوئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حیران و پریشان ہو جاتے۔ بلکہ وعدہ کیا کہ عنقریب وہ ان واقعات کی وضاحت کردیں گے۔

شیخ کا علم وعمل میں اکمل ہونا مرید کو کچھ فائدہ نہیں دے سکتا جبکہ مرید شیخ کے احکام کی پیروی نہ کرے، اوراس کے منع کردہ امور سے اجتناب نہ کرے۔اور شیخ کا کامل ہونا مرید کو اس حیثیت سے فائدہ دیتا ہے کہ وہ اس کو مقصود تک پہنچانے میں مددگار ثابت ہوتا ہے۔ اور اس کو اس کی صلاحیت اور استعداد کار کے مطابق عطا کرتا ہے۔مرید کی استعداد اور صلاحیت اس کی ذات اور عمل میں منحصر ہے۔اور یہ اسی طرح ہے کہ جب کوئی مریض کسی ماہر طبیب کے پاس جاتا ہے تو وہ طبیب اسے بعض دواؤں کے استعمال کا حکم دیتا ہے۔اب اگر مریض ان دواؤں کو استعمال نہ کرے تو ڈاکٹر کی مہارت اسے فائدہ نہ دے گی۔اور مریض کا دوا کو استعمال نہ کرنا اس بات پر دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی شفا کا ارادہ نہیں فرمایا، کیونکہ اللہ تعالیٰ جب کسی چیز کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کے اسباب بھی مہیا کردیتا ہے۔

مرید کے لئے ضروری ہے کہ اکمل اور افضل شیخ کو تلاش کرے۔کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اپنے آپ کو کسی ایسے شیخ کے سپرد کردے جو منزل مقصود پر پہنچانے والے راستے سے ہی ناواقف ہو۔اوراس طرح وہ اسے منزل تک پہنچانے کی بجائے اس کی ہلاکت کا باعث بن جائے۔

ابن عطاء اللہ سکندری رحمۃ اللہ علیہ:

شیخ ابن عطاء اللہ سکندری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص طریقت اور راہ سلوک کو اپنانے کا پختہ عزم رکھتا ہو اسے چاہیئے کہ کسی ایسے شیخ کی تلاش کرے جو اہل تحقیق

Marfat.com

میں سے ہو، اور طریقت کے اسرار و رموز سے واقف اور نفس کا تابع نہ ہو۔ سے مولیٰ کی بارگاہ میں حضوری حاصل ہو، اور جب اسے ایسا مرشد مل جائے جو ان تمام صفات کا جامع ہو، اسے چاہئے کہ وہ اس کے حکم کی اتباع کرے۔ اور جن چیزوں کو وہ ترک کرنے کا حکم دے ان سے رک جائے۔ وہ ارشاد فرماتے ہیں کہ

تمہارا شیخ وہ نہیں جس سے تم نے کچھ سنا ہو، بلکہ تمہارا شیخ وہ ہے جس سے تم نے حاصل کیا ہو۔

تمہارا شیخ وہ نہیں جس کی کلام تم نے سنی ہو، بلکہ تمہارا شیخ وہ ہے جس کا ایک اشارہ تم میں سرایت کر جائے۔ تمہارا شیخ وہ نہیں جو تمہیں دروازہ کی طرف بلائے، بلکہ تمہارا شیخ وہ ہے جو تمہارے تمام حجابات اٹھا دے۔

اور تمہارا شیخ وہ ہے جو تمہیں اپنے حال سے بلند مقام پر فائز کر دے۔

تمہارا شیخ وہ ہے جو تمہیں حرص و ہوا کے قید خانہ سے باہر نکال کر مولیٰ سے ملا دے۔

فرماتے ہیں کہ تمہارا شیخ وہ ہے جو تمہارے دل کے آئینہ کو صیقل کرتا ہے یہاں تک اس میں انوار الٰہی اور اس کی تجلیات کی بارش ہو جاتی ہے، اور تجھے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ تک لے جائے اور اس سفر میں تمہارے ساتھ قدم بقدم چلتا رہے۔ حتیٰ کہ اس بارگاہ قدسی کے انوار میں داخل کر کے کہے ''یہ ہے تمہارا پروردگار''۔

فرماتے ہیں کہ ایسے آدمی کی صحبت اختیار نہ کر جس کا حال تمہاری بلندی درجات کا سبب نہ ہو اور جس کا قال اللہ تعالیٰ کی طرف راہنمائی نہ کرے۔

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ:

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مشہور قصیدہ میں فرماتے ہیں:

وان ساعد المقدور اوساقک القضا
الی شیخ حق فی الحقیقه بارع
فقم فی رضاه واتبع لمراده
ودع کل ما من قبل کنت تسارع

Marfat.com

ولا تعترض فيما جهلت من امره
علیه فان الاعتراض تنازع
ففی قصة الخضر الکریم لفایه
بقتل غلام والکلیم یدافع
فلما اضاء الصبح عن لیل ستره
وسل حساما للغیاهب قاطع
اقام له العذر الکلیم وانه
کذلک علم القوم فیه بلائع

ترجمہ:(i) ''اگر تیرے لئے مقدر سازگار ہو اور قضا تجھے ایسے شیخ کامل کی بارگاہ میں لے جائے جو رموز حقیقت سے آشنا ہو۔

(ii) تو اس کی خوشنودی میں مصروف ہو جا، اس کے حکم کی اتباع کر اور ان تمام امور کو ترک کر دے جن میں پہلے جلد بازی کرتا تھا۔

(iii) اور شیخ کے جن امور سے تو ناواقف ہو۔ ان پر اعتراض نہ کر کیونکہ اعتراض کرنا لڑائی جھگڑے کے مترادف ہے۔

(iv) حضرت خضر علیہ السلام کا قصہ تیرے لئے کافی ہے جب انہوں نے بچہ کو قتل کیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام ان پر اعتراض کرتے تھے۔

(v) جب صبح رات کی تاریکی سے روشن ہوئی اور اس نے اندھیروں کا قلع قمع کرنے والی تلوار سونت لی۔

(vi) تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کے سامنے عذر پیش کیا، اسی طرح صوفیائے کرام کے کلام میں بھی عجیب وغریب نکات ہوتے ہیں۔

شیخ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ:

عالم ربانی شیخ عبدالوہاب شعرانی اپنی کتاب ''العہود المحمدیہ'' میں فرماتے ہیں:

Marfat.com

''حضور نبی کریم ﷺ نے عمومی وعدہ لیا ہے کہ ہم ہر وضو کے بعد دو نفل نماز پر مواظبت اختیار کریں۔اس شرط کے ساتھ کہ امور دنیا میں سے کسی شے کا خیال دل میں نہ آئے۔اور جو شخص اس عہد پر عمل کرنے کا ارادہ کرتا ہے اسے ایک شیخ کی ضرورت ہوتی ہے جو اسے اس راہ پر چلائے۔اور دل میں آنے والے ان خواطر سے بچائے'' آپ فرماتے ہیں ''اے بھائی! کسی شیخ ناصح کی صحبت اختیار کر جو تجھے اللہ کی یاد میں مشغول کر دے، یہاں تک کہ نماز میں آنے والے خیالات کو ختم کر دے۔مثلاً تیرے دل میں یہ خیال آتا ہے کہ فلاں کام کیلئے جاؤں گا، یہ کروں گا، وہ کروں گا۔یا ان کی مثل دیگر خیالات کا آنا لازمی ہے۔تیری ایک نماز بھی اس سے نہیں بچ سکتی۔ان مذکورہ باتوں کو جاننا تیرے لئے ضروری ہے۔اور بغیر شیخ کے اس منزل تک رسائی کیلئے کوشاں نہ ہو، جیسا کہ جاہل لوگوں کا خیال ہے۔ان کی بات ہرگز صحیح نہیں ہے۔

شیخ عبدالوہاب شعرانی فرماتے ہیں کہ بغیر شیخ کے میرے مجاہدۂ نفس کی یہ صورت تھی کہ میں صوفیائے کرام کی کتب (رسالہ قشیریہ، عوارف المعارف، قوت القلوب، احیاء العلوم وغیرہ) کا مطالعہ کرتا تھا۔اور جو کچھ سمجھ آتا تو اس پر عمل کرتا۔پھر کچھ مدت بعد اس امر کے خلاف مجھ پر ظاہر ہوتا، تو میں پہلے عمل کو ترک کر دیتا اور دوسرا عمل شروع کر دیتا۔میری حالت اس آدمی کی طرح تھی جو کسی گلی میں داخل ہوتا ہے مگر اسے معلوم نہیں ہوتا کہ گلی کا راستہ باہر نکلتا ہے یا نہیں۔اگر وہ راستہ پا لیتا ہے تو باہر نکل جاتا ہے وگرنہ واپس لوٹ آتا ہے۔اگر وہ گلی میں داخل ہونے سے پہلے کسی آدمی سے پوچھ لیتا جو اس گلی کے بارے میں واقفیت رکھتا ہو تو وہ اسے حقیقت حال آگاہ کر دیتا اور بے فائدہ تھکاوٹ سے بچا لیتا۔یہی مثال اس شخص کی ہے جس کا کوئی شیخ نہ ہو۔

شیخ کا فائدہ یہ ہے کہ وہ مرید کے لئے ''وصول الی اللہ'' کے راستہ کو مختصر کر دیتا ہے۔جو بغیر شیخ کے اس راستہ پر چلتا ہے وہ بھٹک جاتا ہے اور اپنی تمام عمر صرف کرنے کی باوجود بھی منزل مقصود کو حاصل نہیں کر سکتا۔کیونکہ شیخ اس گائیڈ کی مثل ہوتا ہے جو تاریک راتوں میں حاجیوں کی راہنمائی کرتا ہے۔

Marfat.com

آپ فرماتے ہیں: ''اگر اس منزل کا حصول بغیر شیخ کے صرف کتابوں کے مطالعہ سے ممکن ہوتا تو حجۃ الاسلام امام غزالی، امام عزالدین بن عبدالسلام رحمۃ اللہ علیہم جیسے علماء کو شیخ کی ضرورت پیش نہ آتی۔ حالانکہ وہ طریقت میں داخل ہونے سے پہلے فرمایا کرتے تھے: ''جو شخص بھی یہ گمان کرتا ہے کہ ہمارے اس طریقہ کے علاوہ بھی حصول علم کا کوئی راستہ ہے تو وہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتا ہے'' لیکن جب دونوں طریقت میں داخل ہو گئے تو فرمایا کرتے تھے کہ ہم نے تو اپنی عمر کو بے کاری اور حجاب میں گزار دیا، اور اس طرح انہوں نے صوفیاء کرام کے طریقہ کو ثابت کیا اور اس کی تعریف و توصیف کی۔''

شیخ فرماتے ہیں کہ اہل طریقت کی عظمت کے لئے حضرت خضر علیہ السلام کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قول ''هَلْ اَتَّبِعُکَ عَلٰی اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا'' کافی ہے اسی طرح امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا شیخ ابی حمزہ کی فضیلت کا اعتراف کرنا، اور امام احمد بن شریح رحمۃ اللہ علیہ کا حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا معترف ہونا، اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ حجۃ اسلام ہونے کے باوجود ایسے شیخ کا متلاشی ہونا جو انہیں راہ طریقت کی راہنمائی کرے، اور شیخ عزالدین رحمۃ اللہ علیہ کا سلطان العلماء'' کے لقب سے ملقب ہونے کے باوجود شیخ طریقت کو تلاش کرنا اہل طریقت کی عظمت کے لئے کافی ہے۔ شیخ عزیزالدین بن عبدالسلام فرمایا کرتے تھے کہ میں نے شیخ ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد ہی اسلام کو کامل طور پر جانا ہے۔ جب ان دونوں بزرگوں کو وسعت علم کے باوجود شیخ کی ضرورت محسوس ہوئی تو ہم جیسے عوام الناس کو تو بدرجہ اولیٰ شیخ کی ضرورت ہے۔

شیخ ابوعلی ثقفی رحمۃ اللہ علیہ:

شیخ ابوعلی ثقفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، اگر کوئی شخص تمام علوم وفنون کا جامع ہو اور مختلف قسم کے لوگوں کے ساتھ اس کی صحبت ہو پھر بھی وہ صوفیائے کرام کے مقام و مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا، تاوقتیکہ وہ کسی شیخ سے تربیت حاصل نہ کر لے۔ جو شخص کسی شیخ کامل سے ادب حاصل نہیں کرتا تصحیح معاملات میں اس کی اتباع جائز نہیں۔

Marfat.com

شیخ ابو مدین رحمۃ اللہ علیہ:

شیخ ابو مدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جو متادب شیوخ سے آداب حاصل نہیں کرتا وہ اپنے متبعین کے لئے خرابی عمل کا باعث بنتا ہے۔

شیخ احمد زروق رحمۃ اللہ علیہ:

شیخ احمد زروق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علم وعمل کا مشائخ عظام سے حاصل کرنا دوسرے لوگوں سے حاصل کرنے سے زیادہ بہتر ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(i) بَلْ هُوَ اٰیٰتٌ بَیِّنٰتٌ فِیْ صُدُوْرِ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ (عنکبوت: ۴۹)

(ii) وَاتَّبِعْ سَبِیْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ (لقمان: ۱۵)

ترجمہ (i) ''بلکہ وہ روشن آیتیں ہیں جو ان کے سینوں میں محفوظ ہیں جنہیں علم دیا گیا''۔

(ii) ''اور پیروی کرو اس کے راستہ کی جو میری طرف مائل ہوا''۔

ان آیات کریمہ سے مشائخ کرام سے حصول فیض کا ثبوت ملتا ہے۔ خصوصا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے نبی پاک ﷺ سے فیض حاصل کیا۔ اور تابعین نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے۔ ہر صحابی کے خاص تابعی تھے جیسے ابن سیرین، سعید بن مسیب اور اعرج، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے فیض حاصل کرنے والے تابعی مجاہد تھے۔ اور اسی طرح طاؤس، وہب اور مجاہد نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے علوم سیکھے۔ علم وعمل اس سے اخذ کرنا تو بالکل واضح بات ہے جس طرح کہ ذکر کیا گیا ہے۔ اور جہاں تک ہمت اور حاصل سے افادہ کا تعلق ہے تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اپنے اس ارشاد میں اس طرف اشارہ کیا ہے۔ فرمایا: ''ہم نے نبی پاک ﷺ کو دفن کر کے اپنے ہاتھوں سے مٹی ڈالی تھی کہ ہمارے دلوں کی حالت تبدیل ہوگئی'' یعنی آپ نے اس ارشاد میں واضح کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کا دیدار ان کے دلوں کے لئے نافع تھا۔ کیونکہ جب کوئی شخص کسی مقام کو حاصل کر لیتا ہے تو اس کے متعلقین اس سے محروم نہیں رہتے۔ اسی وجہ سے صالحین کی صحبت اختیار کرنے اور فاسقوں کی صحبت سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے۔

Marfat.com

حضرت علی خواص رضی اللہ عنہ:

حضرت علی خواص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

لا تسلكن طريقا لست تعرفها
بلا دليل فتهوى في ما ويها

''تو اس راستہ ربغیر راہبر کے نہ چل، جسے تو جانتا نہیں وگرنہ اس کے نشیب وفراز میں گر جائے''۔

کیونکہ راہبر اور مرشد سالک کو امن وامان کے ساحل تک پہنچاتا ہے۔ اور اس کو پھسلنے اور راستہ کے خطرات سے بچاتا ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ایک ایسے راہبر کی راہنمائی میں اس راستہ پر چل چکا ہوتا ہے جو اس راہ کے پیچ وتاب سے بخوبی واقف ہوتا ہے۔ وہ اس کے ساتھ ساتھ چلتا ہے یہاں تک کہ اس کو مطلوبہ منزل تک پہنچا دیتا ہے اور پھر اسے دوسروں کی راہنمائی کے لئے اجازت دے دیتا ہے۔

ابن بناء نے اپنی نظم میں اسی طرف اشارہ کیا ہے:

و انما القوم مسافرونا
لحضرة الحق و ظاعنونا
فافتقرو فيه الى دليل
ذى بصر بالسير و المقيل
قد سلك الطريق ثم عاد
ليخبر القوم بما استفاد

(i) ''یہ قوم راہ حق کی مسافر ہے۔ اور کوچ کا ارادہ رکھتی ہے''۔

(ii) ''انہیں ایک راہبر کی ضرورت ہے جو رفتار اور مقام استراحت کے بارے میں صاحب بصیرت ہو۔''

(iii) ''وہ اس راہ پر چلا ہو۔ پھر واپس لوٹا ہوتا کہ قوم کو اپنے تجربات سے مستفید کرے''۔

Marfat.com

شیخ محمد ہاشمی رحمۃ اللہ علیہ:

ہمارے شیخ معظم مربی عارفین شیخ محمد ہاشمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''کسی ایسے شیخ کے دست اقدس میں ہاتھ دو جو باحیات ہو، عارف باللہ، مخلص اور صادق ہو، علم صحیح اور ذوق سلیم کا مالک ہو، بلند ہمت اور مقبول حالت والا ہو۔ اس نے منازل سلوک کو مشائخ کرام کے ہاتھ پر طے کیا ہو۔ بزرگوں سے آداب حاصل کئے ہوں راستہ کے پیچ وخم جاننے والا ہو، تاکہ تجھے ہلاک ہونے سے بچائے۔ اور ماسوئ اللہ سے فرار کی تجھے تعلیم دے۔ منازل سلوک میں تجھے اپنے ساتھ چلائے، یہاں تک کہ تجھے اللہ تعالیٰ تک پہنچادے اور اس کے ساتھ ساتھ تجھے نفس کے نقائص سے آگاہ کرے۔ اور ان احسانات سے آشنائی کرائے جو تجھ پر اللہ کی طرف سے ہیں۔ جب تجھے اس کا عرفان حاصل ہو جائے گا تو اس سے محبت کرنے لگے گا۔ اور جب محبت کرنے لگے گا تو اس کے حصول میں مجاہدہ کرے گا۔ تو وہ تجھے اپنی راہ دکھائے گا۔ اور تجھے اپنی بارگاہ کے لئے منتخب کرے گا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا'' (عنکبوت: ٦٩)

ترجمہ: ''اور جو بلند ہمت مصروف جہاد رہتے ہیں ہمیں راضی رکھنے کے لئے ہم ضرور دکھادیں گے انہیں اپنے راستے''۔

شیخ کی صحبت اور اتباع فرض ہے اور اس کے دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

(i) ''وَاتَّبِعْ سَبِیْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ'' (لقمان: ١٥)

''اور پیروی کر اس شخص کے راستہ کی جو میری طرف رجوع کرتا ہے''

(ii) ''یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوا اللّٰهَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِیْنَ'' (توبہ: ١٩٩)

''اے ایمان والو! ڈرتے رہا کرو اللہ سے، اور ہو جاؤ سچے لوگوں کے ساتھ''۔

شیخ کامل کے لئے یہ شرط ضروری ہے کہ اس کو تربیت خلق کے لئے کسی مرشد کامل اور صاحب بصیرت کا اذن ہو۔ اب یہ نہیں کہنا چاہیے کہ ان صفات کا حامل شیخ کہاں مل سکتا ہے؟ کیونکہ ہمارا بھی وہی قول ہے جو ابن عطاء اللہ سکندری کا ہے۔ آپ ''لطائف المنن'' میں

Marfat.com

فرماتے ہیں: ''اے مخاطب! تیرے لئے مشائخ کاملین کی کمی نہیں۔ صرف ان کی تلاش کے لئے طلب صادق درکار ہے۔ اگر تم طلب صادق سے تلاش کرے گا۔ تو مرشد کامل کو پالے گا''

آپؒ فرماتے ہیں ''ایسے ولی کی اتباع کرنی چاہئے جس کی طرف اللہ تعالیٰ راہنمائی کرے اور ان تمام خصوصیات سے مطلع کردے جو اس نے اس کو عطا فرمائی ہیں اور اس کی ظاہری بشریت کو اس کے وجود کی خصوصیات میں چھپا دیا۔ پس اگر اس کی مثل شیخ کامل مل جائے تو اس کی اتباع کرنی چاہیئے تاکہ وہ لوک کی منازل طے کرائے'' آپ اپنی کتاب ''الحکم'' میں فرماتے ہیں، ''پاک ہے وہ ذات جس نے کسی کو اپنے اولیاء پر دلیل نہیں بنایا مگر اس حیثیت سے کہ وہ خود اس کے لئے دلیل ہو۔ اور اپنے اولیاء تک صرف اسی کو پہنچاتا ہے۔ جس کو پہنچانے کا وہ ارادہ کرے''۔

شیخ کامل کی تلاش

سابقہ بحث سے منازل سلوک میں ترقی اور قلبی امراض کے علاج کے لئے شیخ کامل کی صحبت کی اہمیت واضح ہو چکی ہے لیکن اگر کوئی یہ پوچھے کہ شیخ کامل کی پہچان اور اس تک رسائی کیسے ممکن ہے؟ اور اس کی شرائط واوصاف کیا ہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب طالب کو اس کی اس قدر ضرورت ہوتی ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ عزم مصمم اور نیت خالص کر کے عاجزی اور انکساری کے ساتھ متوجہ الی اللہ ہو۔ رات کی تاریکیوں میں اس کو پکارے اور اپنے سجدوں میں اور نماز کے بعد اس کی بارگاہ میں ی دعا کرے:

''اللھم دلنی علی من یدلنی علیک واوصلنی الی من یوصلنی الیک''

'اے اللہ! میری راہنمائی فرما۔ ایسے بندۂ خدا کے ذریعہ جو مجھے تیری طرف راہنمائی فرمائے اور مجھے ایسے بندہ تک پہنچادے جو مجھے تیری ذات تک پہنچائے۔''

اگر اپنے شہر میں شیخ کامل نہ ملے۔ تو دیگر شہروں میں اسے تلاش کرے۔ جس طرح کہ مریض علاج معالجہ کے لئے دوسرے شہر کا سفر کرتا ہے جب اسے اپنے شہر میں کوئی سپیشلسٹ نہیں ملتا یا اس کے شہر کے ڈاکٹر اس کی بیماری کی تشخیص سے عاجز آجاتے ہیں۔

Marfat.com

جب جسمانی امراض کے علاج معالجہ کے لئے اتنی کوشش کی جاتی ہے تو روحانی علاج کے لئے ماہر اطباء کی تلاش اشد ضروری ہے۔

لوگوں کی راہنمائی کی اہلیت کے لئے مرشد میں چار شرائط کا پایا جانا ضروری ہے:

(i) ہر فرض عین کو جاننے والا ہو۔

(ii) عارف باللہ ہو۔

(iii) تزکیہ نفس کے طریقے اور اس کی تربیت کے وسائل سے باخبر ہو۔

(iv) اسے اپنے شیخ سے تربیت کا اذن ہو۔

پہلی شرط:

اس شخص کے لئے ضروری ہے کہ وہ تمام فرائض عینیہ کو جانتا ہو جیسے نماز، روزہ اور زکوٰۃ کے احکام جبکہ وہ صاحب نصاب ہو۔ باہمی لین دین اور بیع وسراء کے احکام کو جانتا ہو۔ علم کلام کے متعلق عقائد اہلسنت سے واقف ہو اور اسے علم ہو کہ خدا کی ذات کے لئے کونسی چیز واجب، جائز یا مستحیل ہے۔ اسی طرح رسل عظام علیہم السلام کے متعلق تمام عقائد اور اسلام کے بنیادی ارکان سے آگاہ ہو۔

دوسری شرط:

عقیدہ اہلسنت کو علما و درایۃً جاننے کے بعد عملاً اور ذوقاً اس پر کاربند ہو۔ اس کا دل اور روح صحت اور عقیدہ کی گواہی دے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات، صفات اور افعال میں یکتا ہے۔ ذوقاً و شہوداً اسمائے الٰہیہ پر اسے آگاہی ہو۔ ان تمام اسماء کا مرجع اللہ تعالیٰ کی ذات بنائے۔ کثرت اسماء اس کو شک میں نہ ڈالیں کیونکہ تعداد ذات پر دلالت نہیں کرتی۔

تیسری شرط:

شیخ و مرشد کے لئے ضروری ہے کہ وہ منصب شیخ پر فائز ہونے سے پہلے کسی مربی و مرشد سے اپنا تزکیہ نفس کرائے اور وہ مراتب نفس، اس کے امراض اور وساوس سے باخبر

Marfat.com

ہو۔ وہ شیطانی فریب کاریوں اور حملہ کرنے کے راستوں کو جانتا ہو۔ اور منازل سلوک کے مراحل کے آفات سے آشنا ہو۔ اور ہر شخص کی حالت کے مطابق علاج سے آگاہ ہو۔

چوتھی شرط:

مرشد کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے شیخ کی طرف سے تربیت اور منازل سلوک میں اجازت یافتہ ہو۔ کیونکہ جو شخص کسی علم کا دعویٰ کرتا ہے اور اس علم کے ماہرین اس علم کی مہارت میں اس کی تصدیق نہ کریں تو اسے کوئی حق نہیں پہنچتا کہ وہ اس علم میں مہارت کا دعویٰ کرے۔

حصول سند اس بات کی گواہی ہوتی ہے کہ صاحب سند ارشاد و تربیت کا اہل ہے اور تمام صفات حمیدہ کا جامع ہے۔ مدارس اور جامعات کے نظام اسناد کی بھی یہی اصل ہے جیسا کہ ڈاکٹری کی سند رکھنے والا ہی مریضوں کے علاج معالجہ کا کلینک کھول سکتا ہے، اور انجینئر کی سند رکھنے والا کسی عمارت کا نقشہ بنا سکتا ہے۔ اسی طرح اہلیت تعلیم کی ڈگری حاصل کرنے والا ہی مدارس اور جامعات میں پڑھا سکتا ہے۔ بعینہ ارشاد و تربیت کا دعویٰ وہی کر سکتا ہے جسے اپنے مرشد کی طرف سے تربیت کا اذن حاصل ہو اور اس کے مرشد کی سند حضور ﷺ سے متصل ہو۔ جس طرح کہ ایک عقلمند کے لئے مناسب نہیں کہ وہ اپنا علاج کسی ایسے نیم حکیم سے کرائے جو طب سے ناواقف ہو۔ اسی طرح انسان کے لئے مناسب نہیں کہ وہ کسی ناقص اور غیر ماذون شخص کی طرف مائل ہو۔ جس شخص نے قدیم طریقہ تعلیم کا مطالعہ کیا ہو۔ اسے معلوم ہوگا کہ اساتذہ سے علم حاصل کرنے اور ان سے حاصل شدہ اسناد کی کیا قدر و قیمت ہے۔ حتیٰ کہ استاد سے علم حاصل نہ کرنے والے کو وہ لوگ کتابی کہا کرتے تھے۔ کیونکہ اس نے علم کو اساتذہ کے بغیر ہی کتب کے مطالعہ سے حاصل کیا ہے۔

حضرت ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ان هذا العلم دين فانظروا عمن تاخذون دينكم

''یہ علم دین ہے غور کرو کہ علم کس سے حاصل کر رہے ہو؟''

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ نے بھی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کو یہی وصیت فرمائی۔ فرمایا:

''اے ابن عمر! تمہارا دین تمہارے گوشت اور خون کی طرح ہے۔ خوب غور کرو کہ تم یہ دین کس سے حاصل کرتے ہو۔ دین ان لوگوں سے حاصل کرو جو صراط مستقیم پر گامزن رہے نہ کہ ان سے جو سیدھے راہ سے بھٹک گئے۔'' کسی عارف نے کیا خوب فرمایا ہے: ''علم روح ہے جسے انسان کے جسم میں پھونکا جاتا ہے نہ کہ وہ مسائل جن کو نقل کیا جاتا ہے۔ متعلمین کو غور کرنا چاہیئے کہ وہ علم کس کو عطا کرتے ہیں۔''

مرشد کامل کی علامات:

(i) جب تو اس کی مجلس میں بیٹھے تو ایمان کی تازگی اور روحانی کیف و سرور محسوس کرے۔ اس کی گفتگو اللہ کے لئے ہو۔ کلمات خیر کے سوا کچھ نہ بولے۔ وعظ و نصیحت کے علاوہ کچھ گفتگو نہ کرے۔ اس کے کلام کی طرح اس کی صحبت بھی نفع رساں ہو۔ اس کا قرب و بعد نونوں حالتیں نفع سے خالی نہ ہوں۔ اور اس کے الفاظ کی طرح اشارات بھی فائدہ مند ہوں۔

(ii) اس کے متبعین اور مریدین میں ایمان، اخلاص، اور تواضع پائی جائے۔ جب ان سے ملاقات ہو تو وہ محبت، صدق، ایثار اور خالص اخوت کا اعلیٰ پیکر دکھائی دیں۔ ماہر طبیب کی پہچان، اس کے آثار اس کی محنت کے نتائج سے ہوتی ہے۔ یعنی اس سے شفایاب ہونے والے مریض قوی اور صحت مند ہوتے ہیں۔

یہ جاننا چاہیئے کہ مریدوں کی قلت و کثرت شیخ کے کامل اور صالح ہونے کا پیمانہ نہیں بلکہ اس بات کا اعتبار ہوگا کہ اس کے مرید، نیک، پرہیز گار، عیوب و امراض سے پاک اور شریعت پر کس قدر پابند ہیں۔ اس کے مریدین ملک کے مختلف طبقات کی نمائندگی کرتے ہیں۔ کیونکہ اسی طرح نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام تھے۔ ان صفات کا حامل شیخ کامل اگر میسر ہو تو مرید کو چاہیئے کہ اس کے دست اقدس پر بیعت کرنے میں جلدی کرے، اور اس کی بیعت کرنے کے بعد اس کی صحبت کا التزام کرے۔ اس کی بارگاہ میں باادب رہ کر اس کی وعظ و نصیحت کے مطابق عمل پیرا رہے تا کہ اسے دارین کی سعادت اور کامیابی حاصل ہو۔

Marfat.com

بیعت:

سابقہ بحث سے معلوم ہوا کہ طالب حق کو چاہئے کہ کسی ایسے شیخ سے متصل ہو جو اس کی نگہبانی اور طریق حق کی طرف نگرانی کرے۔ اور اس کی زندگی کے تاریک پہلوؤں کو روشن اور تابناک کرے۔ یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت علی وجہ البصیرۃ اور یقین کامل سے کرے۔ مرشد کامل کے دست اقدس پر بیعت کرے اور عیوب سے پاک اور صفات حسنہ سے مزین ہو کر منازل سلوک طے کرنے کا معاہدہ کرے تاکہ مختلف مقامات میں ترقی کرتے ہوئے مقام احسان تک پہنچ جائے۔

بیعت کا ثبوت

قرآن وسنت اور سیرت صحابہ کی روشنی میں:

(i) قرآن کریم: ارشاد باری تعالیٰ ہے!

اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَا یِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ یَدُاللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ فَمَنْ نَّکَثَ فَاِنَّمَا یَنْکُثُ عَلٰی نَفْسِہٖ وَمَنْ اَوْفٰی بِمَاعَاھَدَ عَلَیْہِ اللّٰہَ فَسَیُؤْتِیْہِ اَجْرًا عَظِیْمًا (الفتح: ۱۰)

ترجمہ: ''(اے جان عالم) بے شک جو لوگ تم سے بیعت کرتے ہیں درحقیقت وہ اللہ تعالیٰ سے بیعت کرتے ہیں۔ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔ پس جس نے توڑ دیا اس بیعت کو تو اس کے توڑنے کا وبال اس کی ذات پر ہوگا۔ اور جس نے ایفا کیا اس عہد کو جو اس نے اللہ تعالیٰ سے کیا، تو وہ اس کو اجر عظیم عطا فرمائے گا''۔

چونکہ شیخ کے دست اقدس پر بیعت کرنا فی الحقیقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ بیعت کرنی کی مترادف ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کے توڑنے پر تنبیہ کی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاَوْفُو بِعَھْدِ اللّٰہِ اِذَا عَاھَدْتُّمْ وَلَا تَنقُضُو الْاَیْمَانَ بَعْدَ تَوْکِیْدِھَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰہَ عَلَیْکُمْ کَفِیْلاً (النحل: ۹۱)

Marfat.com

''اور پورا کرو اللہ کے عہد کو جب تم نے اس سے عہد کر لیا ہے۔ اور نہ توڑو اپنی قسموں کو انہیں پختہ کرنے کے بعد، حالانکہ تم نے کر دیا ہے اللہ تعالیٰ کو اپنے اوپر گواہ''۔

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

وَاَوۡفُوۡا بِالۡعَهۡدِ اِنَّ الۡعَهۡدَ كَانَ مَسۡـُٔوۡلاً (الاسراء:۳۴)

''اور پورا کیا کرو اپنے عہد کو، بے شک ان وعدوں کے بارے میں (تم سے) پوچھا جائے گا''۔

سنت مطہرہ:

سنت مطہرہ میں بیعت وتلقین کی کوئی ایک صورت نہ تھی بلکہ مردوں عورتوں، مختلف گروہوں اور نابالغ بچوں سے بھی بیعت لی جاتی تھی۔

(i) مردوں کی بیعت:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ''صحیح بخاری'' میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تم میری بیعت کرو کہ تم

☆ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ گے۔ اسراف وفضول خرچی سے اجتناب کرو گے۔

☆ زنا سے بچو گے۔

☆ اپنی اولاد کو قتل کرو گے۔ اور

☆ آپس میں ایک دوسرے پر بہتان طرازی بھی نہیں کرو گے۔

☆ اچھے کام میں نافرمانی نہیں کرو گے۔

پس جس نے ان تمام احکام کو پورا کیا تو اس کا اجر وثواب اللہ کے ہاں ہے، اور جس نے ان میں کمی کی اور اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا میں ہی سزا دے دی۔ تو یہ اس کے گناہوں کا کفارہ ہوگا۔ اور جس نے کسی برائی کا ارتکاب کیا، دنیا میں اللہ تعالیٰ نے اس کی پردہ پوشی کی تو اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔ اگر وہ چاہے تو معاف کر دے اور اگر

Marfat.com

چاہے تو اسے سزا میں مبتلا کر دے'' پس راوی (حضرت عبادہ بن صامتؓ) فرماتے ہیں کہ ہم نے حضور ﷺ کی ان تمام امور پر بیعت کر لی۔ (بخاری، مسلم)

(ii) اجتماعی تلقین:

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں کہ ہم نبی پاک ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے۔ آپ نے فرمایا: ''تم میں کوئی اجنبی (اہل کتاب) تو نہیں ہے''۔ ہم نے عرض کیا: ''نہیں یا رسول اللہ''! آپ نے دروازہ بند کرنے کا حکم دیا اور فرمایا: ''اپنے ہاتھوں کو بلند کرو اور کہو'' لا الہ الا اللہ '' ہم نے ہاتھوں کو بلند کیا اور کہا: ''لا الہ الا اللہ '' پھر نبی پاک ﷺ نے فرمایا: ''الحمد للہ! اے اللہ!! تو نے مجھے اس کلمہ کے ساتھ مبعوث فرمایا اور مجھے اس کا حکم فرمایا اور اس پر جنت کا وعدہ فرمایا اور بے شک تو وعدہ خلافی نہیں فرماتا''۔ پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تمہیں خوشخبری ہو اللہ تعالیٰ نے تمہیں بخش دیا''۔ (احمد، طبرانی، بزاز) (مجمع الزوائد ج ا ص ۱۹)

انفرادی تلقین

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے عرض کی کہ ''یا رسول اللہ! مجھے کوئی ایسا طریقہ بتائیں جو اللہ تعالیٰ کے قریب ترین اور اس کے بندوں پر آسان ترین اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک افضل ترین ہو'' تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے علیؓ ''سرا و جھرا'' اللہ کے ذکر پر مواظبت اختیار کرو'' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ''تمام لوگ ذکر کرتے ہیں مجھے کوئی خاص ذکر بتائیں''۔ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا: ''سب سے افضل کلمہ جو میں نے اور سابقہ انبیاء نے کہا وہ ''لا الہ الا اللہ '' ہے اگر زمین و آسمان ایک پلڑے میں ہوں اور ''لا الہ الا اللہ '' دوسرے پلڑے میں تو یہ پلڑا دوسرے پر بھاری ہوگا۔ زمین پر جب تک ''لا الہ الا اللہ '' پڑھنے والا ہے۔ قیامت نہیں آئے گی''۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ میں کیسے ذکر کروں''؟ تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''آنکھیں بند

Marfat.com

کرو اور تین دفعہ مجھ سے ”لا الہ الا اللہ“ سنو۔ پھر تم تین دفعہ کہو میں سنتا ہوں“ پھر اسی طرح بلند آواز کے ساتھ ذکر کیا۔

طبرانی، ابونعیم، حاکم، بیہقی اور ابن عساکر نے بشیر ابن خصاصیہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کی ”یا رسول اللہ! آپ کس بات پر میری بیعت لیتے ہیں؟“ رسول اللہ ﷺ نے ہاتھ پھیلایا اور فرمایا کہ: ”تو گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ اور محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ اور پانچ نمازوں کو ان کے صحیح اوقات میں پڑھے۔ زکوۃ مفروضہ کو ادا کرے۔ رمضان کے روزے رکھے۔ حج بیت اللہ کرے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرے۔“ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! دو باتوں کی علاوہ میں سب کو ادا کر سکتا ہوں ان دو کی گنجائش نہیں۔

(i) زکوۃ قسم بخدا! میرے پاس دس اونٹوں کے سوا کچھ نہیں۔

(ii) جہاد، میں بزدل آدمی ہوں لوگ کہتے ہیں کہ جو میدان جنگ سے پیٹھ پھیر کر بھاگے، وہ غضب خداوندی کا مستحق ہوتا ہے۔ مجھے خوف ہے کہ جنگ شروع ہو جائے۔ اور میں ڈر کر بھاگ جاؤں تو اللہ کے غضب کا مستحق ہوں گا“ نبی کریم ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑا اور حرکت دی اور فرمایا! اے بشیر! صدقہ اور نہ جہاد۔ تو پھر جنت میں کیسے داخل ہو گے“ میں نے عرض کی: ”ہاتھ بڑھایئے میں بیعت کرتا ہوں“۔ آپ نے ہاتھ بڑھایا تو میں نے آپ کے دست اقدس پر ان تمام چیزوں پر بیعت کر لی۔

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔ کہ میں نے عرض کی ”یا رسول اللہ! مجھے بیعت کیجئے“۔ آپ نے فرمایا: ”میں تجھے اس شرط پر بیعت کرتا ہوں۔ تو اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کرے۔ نماز قائم کرے۔ زکوۃ ادا کرے۔ مسلمانوں کو نصیحت

Marfat.com

کرے اور شرک سے برأت کا اظہار کرے''۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم جب بھی سمع وطاعت پر بیعت کرتے تو نبی کریم ﷺ ہمیں ارشاد فرماتے کہ ''میں ان چیزوں پر تم سے بیعت لیتا ہوں۔جن چیزوں کی تم طاقت رکھتے ہو'' (بخاری، مسلم)

عورتوں کی بیعت:

حضرت سلمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئی اور انصار کی عورتوں کے ساتھ مل کر بیعت کی۔ نبی کریم نے ہمیں اس شرط پر بیعت کیا کہ:

ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔

نہ چوری کریں نہ زنا۔

نہ اپنی اولادوں کو قتل کریں اور

نہ ہی کسی پر بہتان باندھیں۔

اور نہ ہی نیکی کے کاموں میں نافرمانی کریں اور فرمایا کہ

نہ ہی تم اپنے خاوندوں کو دھوکہ دو'' فرماتی ہیں کہ ہم نے بیعت کی اور واپس لوٹ آئے۔تو میں نے ایک عورت سے کہا کہ واپس جاؤ اور حضور ﷺ سے پوچھو کہ ''ہمارے خاوندوں کے مالوں میں سے کون سی چیز ہمارے لئے حرام ہے''۔فرماتی ہیں کہ میں نے حضور سے پوچھا، آپ نے ارشاد فرمایا: ''خاوند کا مال اس کی اجازت کے بغیر کسی کو ہدیہ دینا۔(مسند احمد، ابویعلیٰ، طبرانی مجمع الزوائد)

حضرت امیمہ بنت زقیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں دوسری عورتوں کے ساتھ نبی کریم ﷺ کے پاس حاضر ہوئی۔تو عرض کی: ''یارسول اللہ! ہم اس شرط پر بیعت کرتی ہیں کہ:

Marfat.com

نہ کسی کو اللہ کا شریک ٹھہرائیں۔

نہ چوری کریں نہ زنا۔

نہ ہی اولادوں کو قتل کریں۔

اور نہ ہی کسی پر بہتان لگائیں۔

اور نہ ہی نیکی کے کام میں نافرمانی کریں۔

تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ان میں سے جس چیز پر تم قدرت اور طاقت رکھتی ہو''۔ تو ہم نے عرض کی ''اللہ اور اس کے رسول ہماری ذاتوں سے زیادہ ہم پر رحم فرمانے والے ہیں۔ تشریف لائیے ہم آپ کے دست اقدس پر بیعت کرتی ہیں''۔ آپ نے فرمایا ''میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا ایک عورت کے لئے میرا ارشاد سو عورتوں کو مخاطب کرنے کے مترادف ہے'' (ترمذی ونسائی)

حضرت امیمہ بنت زقیقہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئیں آپ نے ارشاد فرمایا: ''میں تمہیں اس شرط پر بیعت کرتا ہوں کہ تم اللہ کے سوا کسی کو شریک نہ ٹھہرانا نہ ہی چوری کرنا اور نہ ہی زنا کرنا۔ اور نہ ہی اپنے بچوں کو قتل کرنا نہ ہی کسی پر بہتان لگانا، نہ ہی جاہلیت کی طرح بناؤ سنگھار کرنا'' (نسائی وترمذی)

حضرت عزہ بنت خایل رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ نبی پاک ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ اور ان امور پر بیعت کی کہ۔

نہ زنا کریں گی اور نہ چوری۔

اور نہ اپنے بچوں کو زندہ درگور کریں گی۔ خواہ اعلانیہ ہو یا خفیہ۔

آپ فرماتی ہیں کہ اعلانیہ طور پر زندہ درگور کرنے کو تو میں جانتی ہوں مگر خفیہ طور پر زندہ درگور کرنے کے بارے میں میں نے نبی کریم ﷺ سے نہیں پوچھا اور نہ ہی آپ نے مجھے خبر دی۔ پھر میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ اس سے مراد بچہ کو ضائع کرنا ہے۔ قسم بخدا میں کبھی بھی اپنے بچہ کو ضائع نہیں کروں گی'' (طبرانی، مجمع الزوائد ج ۴ ص ۳۹)

Marfat.com

نابالغ بچوں کی بیعت:

طبرانی میں محمد بن علی بن حسین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت امام حسن، حسین، عبداللہ بن عباس، اور عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہم سے بیعت لی، حالانکہ وہ ابھی چھوٹے تھے۔ اور ان کی داڑھی بھی ظاہر نہیں ہوئی تھی آپ فرماتے ہیں کہ ہمارے علاوہ نبی کریم ﷺ نے کسی اور چھوٹے سے بیعت نہیں لی۔ (مجمع الزوائد ج۹ص۱۴۰)

طبرانی نے عبداللہ بن زبیر اور عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنھم سے روایت کی ہے کہ انہوں نے سات سال کی عمر میں بیعت کی۔ جب حضور ﷺ نے انہیں دیکھا تو آپ نے تبسم فرماتے ہوئے ہاتھ پھیلایا اور بیعت لی۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ صحابہ کرام کی بیعت کی مختلف صورتیں تھیں۔ کبھی وہ اسلام پر بیعت کرتے اور کبھی نیک اعمال، ہجرت، نصرت دین اور جہاد اور سمع وطاعت پر بیعت کرتے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کی خلفائے راشدین کے دست مبارک پر بیعت

ابن شاہین نے ابراہیم بن منتشر سے انہوں نے اپنے والد سے اور انہوں نے اپنے دادا سے روایت کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ نے صحابہ کرام سے اس وقت بیعت لی جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ o (الفتح:۱۰)

"بے شک جو لوگ آپ کی بیعت کرتے ہیں در حقیقت وہ اللہ سے بیعت کرتے ہیں"۔

اور یہ بیعت اللہ تعالیٰ اور حق کی اطاعت کے لئے تھی اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت یہ تھی: آپ نے فرمایا کہ "میں جب تک اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا رہوں تم میری بیعت کرنا"۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور بعد میں آنے والے خلفاء کی بیعت نبی کریم ﷺ کی بیعت کی طرح تھی۔ا

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا

Marfat.com

انتقال ہوا۔ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ خلیفہ منتخب ہوئے تو میں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے عرض کی۔ ''اپنا ہاتھ بڑھائیں تاکہ میں حسب استطاعت سمع و طاعت پر بیعت کروں جیسا کہ آپ سے پہلے خلیفہ اول کی بیعت کی۔''

حضرت سلیم بن ابی عامر سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں کہ حمراء کا وفد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور بیعت کی کہ ''اللہ کے سوا کسی چیز کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ نماز قائم کریں گے اور زکوٰۃ ادا کریں گے۔ قیام رمضان کا اہتمام کریں گے۔ اور مجوسیوں کی عید چھوڑ دیں گے''۔ جب انہوں نے ہاں کہا تو آپ نے ان سے بیعت لی۔ (مسند امام احمد)

صوفیاء کرام نے نبی آخر الزماں ﷺ کے اس طریقہ بیعت کو ہر زمانہ میں اپنایا ہے۔ شیخ ندوی اپنی کتاب ''رجال الفکر فی الدعوۃ فی الاسلام'' میں فرماتے ہیں۔ کہ شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے بیعت اور توبہ کے دروازہ کو کھولا جس میں تمام عالم اسلام کے کونے کونے سے لوگ اسلام میں داخل ہو گئے۔ اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ عہد و میثاق کی تجدید کی اور یہ عہد کیا کہ: ''وہ شرک رکیں گے نہ ہی فسق و فجور اور بدعات کا ارتکاب کریں گے۔ نہ ظلم کریں گے نہ ہی اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں کو حلال سمجھیں گے۔ فرائض کو ترک نہیں کریں گے۔ اور دنیا کو اپنے دل میں جگہ نہیں دیں گے۔ فرائض کو ترک نہیں کریں گے۔ اور دنیا کو اپنے دل میں جگہ نہیں دیں گے۔ اور نہ ہی آخرت کو بھولیں گے''۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے دست اقدس پر جس دروازہ کو کھولا تھا اس میں بے حد و بے حساب مخلوق داخل ہوئی۔ ان کے اعمال و احوال بہتر ہو گئے۔ اور بہترین مسلمان بن گئے۔ حضور غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تربیت و نگرانی اور محاسبہ کا اہتمام کیا۔ آپ کے روحانی شاگرد بیعت توبہ اور تجدید ایمان کے بعد معاشرہ کے ذمہ دار فرد بن گئے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ صوفیائے کرام کی اس بیعت و عہد کا انفرادی اور اجتماعی تزکیہ نفس اور اصلاح میں انتہائی گہرا اثر ہے۔

Marfat.com

سلسلہ بیعت واذن

زمانہ نبوی سے آج تک یہ سلسلہ اذن وتلقین ایک آدمی سے دوسرے آدمی کی طرف منتقل ہوتا ہوا ہم تک یہ متصلا پہنچا ہے۔صوفیائے کرام اس بیعت اذن وتلقین کو قبضہ کا نام دیتے ہیں۔کیونکہ بوقت بیعت ایک آدمی دوسرے کا ہاتھ پکڑتا ہے۔گویا کہ جب پازیٹو اور نیگیٹو دونوں تاریں آپس میں ملتی ہیں تو کرنٹ آجاتا ہے۔اس طرح سند متصل ہو جاتی ہے اور مجرب روحانی تاثیر سرایت کر جاتی ہے۔

صوفیائے کرام جو لوگوں کے دلوں کا رابطہ قائم کر کے ان کو نبی کریم ﷺ کے نور سے ملا دیتے ہیں۔ یہ ان ٹرانسفارمرز کی طرح ہوے ہیں جن کو گرڈ اسٹیشن سے دور نصب کیا جاتا ہے۔ تاکہ یہ گرڈ اسٹیشن سے بجلی لے کر اپنے اردگرد کے ماحول میں پھیلائیں۔ یہ ٹرانسفارمرز بجلی پیدا نہیں کرتے بلکہ تقسیم کرتے ہیں۔ اور جب طویل مسافت کی وجہ سے بجلی کی قوت کم ہو جاتی ہے تو اس کے لئے ایک ٹرانسفارمر کی ضرورت ہوتی ہے۔ جو اس کو دوبارہ چارج کر کے اس کو تقسیم کرے۔ اسی طرح یہ مشائخ کرام اپنے اپنے دور میں نشاط ایمانی کی تجدید کرتے رہے اور یہی معنی حضور ﷺ کے اس ارشاد

Marfat.com

کا ہے: ''العلماء ورثة الانبياء'' (علماء انبیاء کے وارث ہیں)۔ بیعت لیتے کے عمدہ نتائج اور اچھے آثار کا ثبوت عملی تجربہ سے ہوتا ہے۔ اور یہی سب سے بڑی دلیل ہے۔ اسی وجہ سے سلف صالحین اس پر عمل پیرا رہے اور متاخرین صلحاء کو چیزیں وراثت میں ملیں۔ اور جمہور امت بھی اس پر عمل پیرا ہے۔

Marfat.com

آداب مریدین

صحبت کے فوائد اور اس کی اہمیت جاننے کے بعد اور خصوصا اس شیخ کامل کی صحبت جسے اذن تربیت حاصل ہو اور اس نے کسی شیخ کامل کے دستِ مبارک پر منازل سلوک طے کی ہوں۔ جس کا سلسلہ حضور نبی کریم ﷺ تک متصل ہو۔ اور وہ شریعت و حقیقت کا جامع ہو۔ پھر اس کی بیعت اور اس کی بارگاہ کی حاضری کی اہمیت واضح ہو جانے کے بعد اب ہم کچھ آداب ذکر کرتے ہیں جن کا مرید اور طالب صادق میں پایا جانا ضروری ہے۔ تاکہ وہ اپنے مطلوب و مقصد تک پہنچ سکے۔

تمام اولیاء کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جو آدمی بے ادب ہو وہ منازل سلوک نہیں طے کر سکتا۔ اور جب منازل سلوک طے نہ ہوں تو وصول الی اللہ کیسے ممکن ہو؟ بے شک باادب شخص انتہائی قلیل وقت میں اپنے مقصود کو پالیتا ہے۔ اب ہم چند آداب کا ذکر کرتے ہیں:

(i) شیخ کے متعلقہ آداب مرید:

اس کی دو قسمیں ہیں (i) آداب باطنہ (ii) آداب ظاہرہ۔

آداب باطنہ

اس سے مراد یہ ہے کہ مرید اپنے آپ کو شیخ کے سپرد کر دے اور اس کے تمام

Marfat.com

اوامر اور نصائح میں اس کی اطاعت وفرمانبرداری کرے۔ اور اس سے مراد اندھی تقلید نہیں جو انسانی عقل کو بیکار کردے اور اس کی شخصیت کو کالعدم کردے، بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو کسی ماہر اور تجربہ کار طبیب سے سپرد کردے۔ کیونکہ مرید کو اپنے شیخ کے صاحب اذن ہونے، تربیت کے اہل ہونے، ماہر طبیب اور رحم دل ہونے کا پختہ یقین ہوتا ہے۔ اور پھر اسے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس کا شیخ شریعت وحقیقت کا جامع ہے۔ اور یہ بالکل اسی طرح ہے جیسے مریض اپنے آپ کو کلیۃً علاج کے لئے ڈاکٹر کے سپرد کردیتا ہے۔ اس حالت میں مریض کے بارے میں یہ خیال نہیں کیا جاتا کہ اس نے اپنی عقل کو بیکار اور اپنے وجود کو کالعدم کردیا ہے۔ بلکہ اسے بڑا ہی عقلمند اور انصاف پسند تصور کیا جاتا ہے۔ کیونکہ اس نے اپنے آپ کو ماہر ڈاکٹر کے سپرد کیا ہے اور وہ طلب شفاء میں صادق ہے۔

(ii) مرید کو چاہئے کہ وہ اپنے شیخ کے طریقہ تربیت پر اعتراض نہ کرے۔ کیونکہ اس کا شیخ علم ومہارت اور تجربہ کی بنیاد پر اس میدان میں مجتہد کا درجہ رکھتا ہے۔ اسی طرح مرید کیلئے مناسب نہیں کہ اپنے شیخ کے تصرفات پر تنقید کرے۔ کیونکہ یہ چیز شیخ کے اعتماد کو ٹھیس پہنچاتی ہے۔ اور مرید کو خیر کثیر سے محروم کرکے اس کے اور شیخ کے درمیان روحانی امداد اور قلبی تعلق کو قطع کرتی ہے۔

☆ علامہ ابن حجر ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس نے مشائخ کرام پر اعتراض اور ان کے افعال واحوال میں نظر وبحث کا دروازہ کھولا، تو یہ اس کی محرومی اور سوء عاقبت کی دلیل اور نشانی ہے۔ اور وہ شخص کبھی بھی منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتا۔ اسی وجہ سے بزرگوں نے فرمایا ہے کہ جس شخص نے بھی اپنے شیخ پر اعتراض کیا، وہ کبھی فلاں نہیں پا سکتا۔ اور جب بھی شیطان تصرفات شیخ پر مرید کے دل میں شرعی اعتراض وارد کرے تاکہ ان کے دل میں باہمی اعتماد اور قلبی تعلق کو ختم کردے تو مرید کو چاہئے کہ وہ اپنے شیخ پر حسن ظن رکھے، اواس کے بارے میں شرعی تاویل اور فقہی جواز کو تلاش کرے۔ اور اگر یہ نہ کرسکے تو اس پر لازم ہے کہ

Marfat.com

ادب واحترام کوملحوظ خاطر رکھتے ہوئے اپنے شیخ سے اس بارے میں استفسار کرے۔

آپ فرماتے ہیں کہ جو شخص مشائخ کرام کے ظاہرا غیر شرعی امور کی تاویل کرتا ہے۔ اوران کے احوال سے صرف نظر کر کے ان کے احوال کو اللہ کے سپرد کرتا ہے۔ اور اپنے نفس کی حالت کا خیال کرتے ہوئے حسب استطاعت مجاہدہ میں مشغول رہتا ہے۔ تو اس کے منزل مقصود تک پہنچنے اور کامیابی کی قوی امید کی جا سکتی ہے۔

(iii) اپنے شیخ کے متعلق عصمت کا اعتقاد نہ رکھے۔ کیونکہ شیخ ولایت کے درجہ کمال پر فائز تو ہو سکتا ہے لیکن معصوم نہیں ہوتا۔ اس سے بھی کبھی لغزشات کا صدور ممکن ہے۔ لیکن وہ اس پر اصرار نہیں کرتا، اس کا دل ہمیشہ غیر اللہ کے ساتھ مشغول نہیں رہتا۔

کیونکہ جب مرید اپنے شیخ کے بارے میں معصوم عن الخطا ہونے کا عقیدہ رکھتا ہے۔ تو پھر اپنے اعتقاد کے خلاف کوئی عمل دیکھتا ہے تو اضطراب و پریشانی کا شکار ہو جاتا ہے، اور یہ چیز محرومی کا سبب ہے۔ لیکن مرید کے لئے یہ بھی مناسب نہیں کہ وہ اپنے شیخ کے بارہ میں عدم عصمت کا اعتقاد رکھتے ہوئے اس کے ہر ہر فعل وعمل میں خطا کا احتمال رکھے۔ کیونکہ یہ چیز شیخ سے استفادہ کے مانع ہے۔ اور یہ اس مریض کی طرح ہے جو ڈاکٹر کے پاس آتا ہے اور اس کے دل میں خیال ہوتا ہے۔ ممکن ہے کہ ڈاکٹر اس کے علاج میں کوئی غلطی کر جائے، اس وجہ سے اس کا ڈاکٹر پر اعتماد اٹھ جاتا ہے اور اس کے دل میں شک واضطراب پیدا ہو جاتا ہے۔

(iv) مرید کے لئے ضروری ہے کہ وہ یہ اعتقاد رکھے کہ اس کا شیخ کامل ہے۔ اور تربیت وارشاد کی مکمل اہلیت رکھتا ہے۔ یہ اعتقاد تب ہی قائم ہو سکتا ہے جب وہ بیعت کرنے سے پہلے تحقیق اور دقت نظر سے کام لے اور یہ جان لے کہ وہ تمام شرائط جن کا شیخ کامل میں پایا جانا ضروری ہے وہ اس کے شیخ میں موجود ہیں۔ اور اس کی صحبت اختیار کرنے والے ایمان، عبادات، علم واخلاق اور معرفت الٰہی

Marfat.com

میں کمال رکھتے ہیں۔

(v) وہ صحبت شیخ کو صدق واخلاص سے اختیار کرے۔اوراپنی طلب میں سنجیدہ فکراور اغراض ومصالح سے بعید ہو۔

(vi) مرید کو چاہئے کہ شیخ کی خدمت میں حاضر ہو یا غیر حاضر ہو،اس کی انتہائی تعظیم و تکریم کرے۔

حضرت ابراہیم بن شیبان فرماتے ہیں:

''من ترک حرمة المشائخ ابتلی بالدعاوی الکاذبة و افتضح بها''

ترجمہ:''جو شخص شیخ کی تعظیم وتکریم کا تارک ہوتا ہے وہ جھوٹے دعووں میں مبتلا ہو کر رسوا ہو جاتا ہے''۔

☆ شیخ محمد بن حامد ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ تجھے کسی مقام پر فائز کر دے اور صاحب مقام کی عزت وتکریم اور اس مقام سے متلذذ ہونے سے محروم کر دے تو سمجھ لے کہ تو مغرور اور مستدرج ہے۔آپ فرماتے ہیں۔''جو شخص مشائخ کے اوامر اور تادیب پر رضامند نہ ہو وہ کتاب وسنت سے ادب حاصل نہیں کر سکتا''۔

☆ شیخ ابوالعباس مرسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:تتبعنا احوال القوم فما راینا احدا انکر خیرا و مات بخیر۔

''ہم نے صوفیاء کے احوال میں غور وفکر کیا ہے اور ہمارا یہ مشاہدہ ہے کہ جس نے بھی صوفیائے کرام پر زبان اعتراض دراز کی اس کی موت خیر پر نہ ہوئی''۔

☆ حضرت غوث الاعظم جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''من وقع فی عرض ولی ابتلاہ اللہ بموت القلب''

(جو کسی ولی کی بے ادبی کرتا ہے،اللہ تعالیٰ اس کے دل کو مردہ کر دیتا ہے)

(vii) مرید کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے شیخ کے ساتھ انتہائی محبت رکھے بشرطیکہ

Marfat.com

دوسرے شیوخ کو ناقص گمان نہ کرے۔ اور نہ ہی محبت میں اتنا غلو کرے کہ اسے حدود بشریت سے بالاتر ماننے لگے۔

اوامر ونواہی میں اطاعت شیخ اور منازل سلوک کی معرفت سے ہی مرید کی محبت قوی ہو سکتی ہے۔ شیخ کی اطاعت اور موافقت کے ذریعہ مرید کی شخصیت نمایاں ہو گی۔ اور اس طرح اسے معرفت میں بھی درجہ کمال حاصل ہو گا۔

(viii) مرید کو چاہئے کہ اپنے شیخ کے علاوہ کسی دوسرے کی طرف متوجہ نہ ہو تا کہ اس کا دل دو شاخوں میں متفرق نہ ہو۔ اس مرید کی مثال اس مریض کی طرح ہے جو بیک وقت دو ڈاکٹروں سے علاج کرواتا ہے اور اس طرح تردد اور پریشانی کا شکار ہو جاتا ہے۔

آداب ظاہرہ:

ظاہری آداب درج ذیل ہیں:

(i) مرید اپنے شیخ کے اوامر ونواہی کی پابندی اور موافقت کرے۔ جس طرح مریض طبیب کے اوامر ونواہی کا پابند ہوتا ہے۔

(ii) اپنے شیخ کی مجلس میں سکون اور وقار کا التزام کرے۔ کسی چیز پر تکیہ لگا کر نہ بیٹھے نہ ہی جماہی لے۔ نہ سوئے اور نہ ہی بغیر سبب کے ہنسے۔ اپنی آواز کو شیخ کی آواز سے بلند نہ کرے اور اس کی اجازت کے بغیر گفتگو نہ کرے۔ کیونکہ یہ شیخ کے عدم احترام اور عدم اہمیت کے مترادف ہے۔ جو بغیر ادب و احترام کے صحبت شیخ اختیار کرتا ہے وہ اس کی صحبت کے فیض سے محروم رہ جاتا ہے۔

(iii) مرید کو چاہئے کہ وہ حسب استطاعت شیخ کی خدمت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے (کیونکہ ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد)

(iv) اس کے مجلس کی حاضری پر دوام اختیار کرے۔ اگر شیخ کسی دور دراز شہر میں ہو تو

Marfat.com

حسب موقع شرف ملاقات سے مشرف ہوتا رہے۔ بزرگوں کا فرمان ہے کہ زیارت شیخ ترقی اورنشوونما کا سبب ہوتی ہے۔ صوفیائے کرام کے نزدیک سلوک کی بنیاد تین اصولوں پر ہے: (۱) اجتماع (۲) استماع (۳) اتباع۔ اور انہیں سے ہی منزل مقصود حاصل ہو جاتی ہے۔

(v) مرید کے لئے ضروری ہے کہ وہ شیخ کے تربیتی طرز عمل پر صبر کرے مثلاً شیخ اگر جفا اور اعراض کرے تو مرید کو چاہئے کہ صبر کرے۔ کیونکہ شیخ اس طرز عمل سے مرید کے قلبی امراض اور نفسانی رعونتوں کا علاج کرنا چاہتا ہے۔ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بہت سے ایسے لوگ ہیں کہ توفیق ان کے شامل حال نہیں ہوتی۔ جب وہ اپنے شیخ یا استاذ کی طبیعت میں شدت دیکھتے ہیں تو وہ اس سے متنفر ہو جاتے ہیں۔ اور اس پر ایسی برائیوں اور نقائص کا الزام لگاتے ہیں۔ جن سے وہ بری ہوتا ہے۔ سالک کو ان چیزوں سے بچنا چاہئے۔ کیونکہ نفس تو ہمیشہ ان کو ہلاک کرنے کے درپے ہوتا ہے۔ اسے چاہئے کہ وہ اپنے شیخ سے اعراض، اور دور رہنے سے اجتناب کرے۔

(vi) مرید پر لازم ہے کہ وہ لوگوں کے سامنے اپنے شیخ کا کلام ان کی عقل وفہم اور سمجھ بوجھ کے مطابق بیان کرے تا کہ کسی قسم کی غلط فہمی پیدا نہ ہو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

حدثوا الناس بما يعرفون اتحبون ان يكذب الله ورسوله

''لوگوں کے سامنے ان کی سمجھ بوجھ کے مطابق بات کیا کرو، کیا تم پسند کرتے ہو کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی تکذیب کی جائے''۔

یہ تمام امور اس مرید حقیقی سے مطلوب ہیں جو معرفت الٰہی کا طالب ہو، مگر وہ مجازی مرید جس کا مقصد فقیروں کا لباس پہن کر ان میں شامل ہونا ہوتا ہے۔ اس کے لئے

Marfat.com

یہ آداب وشروط لازم نہیں۔اس قسم کے شخص کیلئے کسی دوسرے سلسلہ میں شامل ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں۔جیسا کہ اس آدمی کے اپنے سلسلہ سے دوسرے کی طرف منتقل ہونے میں کوئی حرج نہیں، جوکہ حصول برکت کیلئے کسی دوسرے سلسلہ میں شامل ہونا چاہتا ہے۔اور یہ صوفیائے کرام میں معروف ہے۔

پیر بھائیوں کے متعلق آداب:

(i) سالک کو ان کی عزت واحترام کا لحاظ رکھنا چاہئے خواہ وہ غائب ہوں یا حاضر۔نہ کسی کی غیبت کرے، اور نہ کسی پر عیب لگائے کیونکہ علماء اور صلحاء کی غیبت کی طرح ان کی غیبت میں بھی ہلاکت کا خطرہ ہوتا ہے۔

(ii) ان کو نصیحت کرے، اور ان میں سے جاہلوں کو تعلیم دے، کمزوروں کو قوی اور طاقتور بنائے۔نصیحت کی چند شرائط ہیں جن کی پابندی لازم ہے۔جن میں سے تین شرائط ناصح کیلئے اور کچھ منصوح کیلئے ہیں۔

ناصح کے لئے شرائط:

درج ذیل ہیں:

(۱)نصیحت سرا ہو(۲)نرمی اور مہربانی کے ساتھ ہو(۳)اور اس کے ساتھ کسی دوسرے پر غلبہ حاصل کرنا مقصود نہ ہو۔

منصوح کے لئے شرائط:

درج ذیل ہیں:

(۱)وہ نصیحت کو قبول کرے(۲)ناصح کا شکریہ ادا کرے(۳)نصیحت کو اپنے اوپر نافذ کرے(۴)سالک کو چاہیئے کہ وہ اپنے پیر بھائیوں سے عدل وانصاف سے پیش آئے۔اور حتی الامکان ان کی خدمت کرے۔(۵)ان کے بارے میں حسن ظن رکھے۔

Marfat.com

اور ان کے معاملات کو سپرد خدا کرے (۶) ان کا عذر قبول کرے، جب وہ عذر پیش کریں (۷) جوان کے درمیان لڑائی جھگڑا ہو جائے تو صلح کرائے (۸) ان کا دفاع کرے جب انہیں اذیت پہنچائی جائے یا ان کی عزت کو خطرہ لاحق ہو۔ (۹) ان پر سرداری اور برتری کا طالب نہ ہو۔ کیونکہ عہدہ کی خواہش رکھنے والے کو ولایت وحکمرانی نہیں ملا کرتی۔

یہ چند آداب ہیں جن پر سالک کا عمل پیرا ہونا ضروری ہے۔ حتیٰ کہ بعض بزرگوں نے فرمایا ہے کہ تمہارا عمل نمک کی مانند اور ادب آٹے کی مانند ہونا چاہئے۔

ابو حفص نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

التصوف كله آداب، لكل وقت آداب ، ولكل حال آداب، ولكل مقام آداب، فمن لزم الادب بلغ مبلغ الرجال، ومن حرم الادب فهو بعيد من حيث يظن القريب مردود من حيث يظن القبول

فرماتے ہیں کہ "تصوف سراپا آداب ہے، ہر وقت، ہر حال اور ہر مقام کے لئے خاص آداب ہیں۔ جس نے آداب کو لازم پکڑا اس نے کاملین کے مقام کو پالیا۔ اور جو ادب سے محروم رہا وہ اس منزل اور مقام سے بہت دور ہے جس کو وہ انتہائی قریب گمان کرتا ہے۔ اپنے آپ کو مقبول سمجھنے والا درحقیقت مردود ہوتا ہے۔"

المختصر یہ کہ مرید کے وہ آداب جو اس کے مرشد اور پیر بھائیوں کے متعلق ہیں ان کا کوئی حد وشمار نہیں۔ بہت سے مشائخ عظام نے اس موضوع پر الگ الگ تصنیفات مرتب کی ہیں۔

شیخ سہروردی، ابن عربی، شعرانی، احمد زروق، اور ابن عجیبہ رحمہم اللہ کی تصنیفات اس موضوع پر موجود ہیں۔

Marfat.com

علم

علم، اعمال کی بنیاد، ان کا پیش رو اور ان کے صحیح ہونے کا ضامن ہے۔ جس طرح علم، بغیر عمل کے فائدہ نہیں دیتا۔ بعینہٖ عمل بغیر علم کے فائدہ نہیں دیتا۔

وعالم بعلمه لم يعملن
معذب من قبل عباد الوثن
اذ كل من بغير علم يعمل
اعماله مردوده لا تقبل

(i) ''کتنے ہی عالم ہیں جو اپنے علم پر عمل پیرا نہیں ہوتے، انہیں بتوں کے پجاریوں سے پہلے عذاب دیا جائے گا۔''

(ii) ''کیونکہ جو بغیر علم عمل کرتا ہے اس کے اعمال مردود اور غیر مقبول ہوتے ہیں''۔

علم اور عمل دونوں لازم و ملزوم ہیں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوسکتے۔ سالک، ایمان، معرفت الٰہی اور حصول رضا کے کسی مقام و منزل میں علم سے مستغنی نہیں ہوسکتا۔

سلوک کی ابتداء میں عقائد، عبادات اور معاملات کے علم کا حصول ضروری ہے۔ اور منازل سلوک کے وسط میں سالک دل کے احوال، حسن اخلاق اور تزکیہ نفس کے علم سے مستغنی نہیں ہوسکتا۔ اسی بنا پر تصوف کے عملی نصاب میں علم ضروری کے حصول کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ کیونکہ تصوف اسلام کے تمام ظاہری و باطنی پہلوؤں کی عملی تطبیق کا نام

Marfat.com

ہے۔ہم یہاں کچھ آیات کریمہ اور احادیث نبویہ ﷺ ذکر کرتے ہیں جو علم کی عظمت شان اور علو مرتبہ پر دلالت کرتی ہیں۔

قرآن اور فضیلت علم:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(i) اِنَّمَا یَخۡشَی اللّٰہَ مِنۡ عِبَادِہِ الۡعُلَمٰٓؤُا(فاطر: ۲۸)

''اللہ کے بندوں میں سے صرف علماء ہی (پوری طرح) اس سے ڈرتے ہیں''۔

(ii) ہَلۡ یَسۡتَوِی الَّذِیۡنَ یَعۡلَمُوۡنَ وَالَّذِیۡنَ لَا یَعۡلَمُوۡنَ (الزمر: ۹)

''آپ پوچھئے، کیا برابر ہو سکتے ہیں علم والے اور جاہل۔''

(iii) یَرۡفَعُ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡکُمۡ وَالَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ دَرَجٰت (مجادلہ: ۱۱)

''اللہ تعالیٰ ان کے جو تم میں سے ایمان لے آئے جن کو علم دیا گیا درجات بلند فرمادے گا''۔

احادیث نبویہ:

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو انسان حصول علم کیلئے کسی راستہ پر چلتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کیلئے جنت کے راستہ کو آسان فرما دیتا ہے۔ ملائکہ اس کے عمل سے خوش ہو کر اپنے پر بچھا لیتے ہیں۔ زمین و آسمان کی مخلوق عالم کیلئے استغفار کرتی ہے۔ حتیٰ کہ پانی کی مچھلیاں۔ عالم کو عابد پر اسی طرح فضیلت ہے جس طرح چاند کو ستاروں پر۔ بے شک علماء ہی انبیاء کے وارث ہیں۔ انبیاء درہم و دینار کا وارث نہیں بناتے، بلکہ علم کا وارث بناتے ہیں۔ پس جس نے علم حاصل کیا۔ اس نے وافر حصہ پایا۔ (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، آپ نے فرمایا کہ نبی

Marfat.com

کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اے ابوذر! تیرا ایک آیت کو سیکھنا سو رکعتیں پڑھنے سے بہتر ہے۔ اور تیرا علم کے ایک باب کو سیکھنا ہزار رکعتیں پڑھنے سے بہتر ہے۔ خواہ اس پر عمل ہو یا نہ ہو''۔ (ابن ماجہ)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: یشفع یوم القیامہ ثلاثہ: الانبیاء، ثم العلماء، ثم الشھداء (ابن ماجہ)

''قیامت کے دن تین طرح کے لوگ شفاعت کریں گے: پہلے انبیاء، پھر علماء پھر شہداء۔''

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اذا اراد اللہ بعبد خیرا فقھه فی الدین، ، والھمه رشده

''جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ سے بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے دین کی سمجھ عطا فرما دیتا ہے۔ اور رشد و ہدایت کا الہام کرتا ہے۔'' (طبرانی۔ بزار)

حضرت ابی بکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے: ''عالم بن جاؤ یا متعلم۔ یا علم کا سامع یا اس سے محبت رکھنے والا۔ ان چار کے علاوہ پانچواں شخص نہ بننا ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے''۔

حضرت عطا فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے مجھ سے فرمایا کہ تو نے ہمارے لئے پانچویں شخص کی وضاحت کی ہے جس کا مجھے علم نہیں تھا۔ اور اس سے مراد یہ ہے کہ ''علم اور صاحب علم کے ساتھ بغض رکھے''۔ (طبرانی۔ بزار)

حصول علم کا حکم:

شرعی حکم کے اعتبار سے علم کی تین اقسام ہیں:

(i) مامور بہ (وہ علم جس کے حصول کا حکم دیا گیا ہو) (ii) منھی عنہ (وہ علم جس سے روکا گیا ہو) (iii) مستحب

Marfat.com

(ا) مامور بہ:

اس کی دو قسمیں ہیں (ا) فرض عین ۔ (۲) فرض کفایہ

فرض عین وہ ہوتا ہے جو مکلف کے بذات خود ادا کرنے سے اس سے ساقط ہوتا ہے۔

مکلف پر فرض عین علوم کو ذکر کرنے سے پہلے اس موضوع کے متعلق بعض بنیادی قواعد ذکر کرتے ہیں:

قاعدہ نمبر ا: وہ چیز جس کے بغیر واجب کی تکمیل نہ ہو پس وہ بھی واجب ہو جاتی ہے۔

قاعدہ نمبر ۲: علم معلوم کے تابع ہوتا ہے۔ لہٰذا جو علم کسی فرض کی ادائیگی کا وسیلہ اور سبب ہو، وہ فرض ہوگا۔ اور جو واجب کی ادائیگی کا وسیلہ ہو، واجب اور جو سنت کی ادائیگی کا وسیلہ ہوگا وہ سنت ہوگا۔

ان قواعد کو بنیاد بناتے ہوئے ہم بعض ان علوم کو بیان کرتے ہیں جو ہر مکلف پر فرض ہیں۔

(i) عقائد اہلسنت اور اس کے اجمالی دلائل کو جاننا، تاکہ انسان ملحدین کی تشکیک اور گمراہ کن لوگوں کے مغالطوں سے ایمان کی حفاظت کر سکے۔

(ii) ان مسائل کو جاننا جن کے ذریعہ مکلف فرضی عبادات مثلاً نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کو ادا کر سکے۔

(iii) اور جس شخص کا واسطہ معاملات یعنی خرید و فروخت وغیرہ کے ساتھ ہو اس پر ان احکام کا سیکھنا فرض ہے جن کے ذریعہ حرام سے بچ سکے اور شرعی حدود کا التزام کر سکے۔

(iv) احوال قلب یعنی توکل، خشیت اور رضا وغیرہ کو جاننا کیونکہ مسلمان کو اپنی زندگی میں ان تمام احوال سے واسطہ پڑتا ہے۔

Marfat.com

(v) تمام اخلاق حسنہ اور سیہ کو جاننا، تا کہ اخلاق حسنہ سے اپنے آپ کو آراستہ کرے۔ اور اخلاق سیہ سے اجتناب کرے۔ اور ان اخلاق کو ترک کرنے کے لئے مجاہدۂ نفس کرے۔ کیونکہ مجاہدہ ہر مکلف پر فرض ہے۔ اور اس کا حصول اسی وقت ممکن ہوسکتا ہے سالک تمام اخلاق حسنہ اور سیہ کو جاننے کے ساتھ ساتھ مجاہدات کے انِ تمام طریقوں کو بھی جان لے جن میں صوفیاء کرام مشغول رہے۔

اسی لئے شیخ ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص ہمارے علم یعنی تصوف میں داخل ہوئے بغیر مرگیا، وہ بہت سے کبائر پر اصرار کرتے ہوئے مرا جس کا اسے شعور تک بھی نہ تھا۔ یہ جاننا چاہیئے کہ بعض کبائر اور فواحش ظاہری ہوتے ہیں جیسے زنا، شراب نوشی۔ اور بعض باطنی جیسے تکبر اور نفاق وغیرہ۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان دونوں سے روکا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَاظَهَرَ مِنْهَا وَمَابَطَنَ (انعام: ۱۵۱)

ترجمہ: ''اور مت نزدیک جاؤ بے حیائی کی باتوں کے جو ظاہر ہوں ان سے اور جو چھپی ہوئی ہوں''۔

ظاہری فواحش کا مرتکب تو توبہ کرلیتا ہے۔ کیونکہ وہ اس کے گناہ پر متنبہ ہوتا ہے۔ مگر فواحش باطنی کا ارتکاب کرتے ہوئے انسان زندگی گزار لیتا ہے۔ توبہ کی فکر نہیں کرتا۔ کیونکہ وہ اس کے حکم سے ناواقف ہوتا ہے۔ یا اسے شعور ہی نہیں ہوتا کہ وہ گناہ کررہا ہے۔

(ii) دوسری قسم فرض کفایہ ہے۔ فرض کفایہ وہ ہوتا ہے جس کو بعض لوگ ادا کردیں تو دیگر سے ساقط ہوجاتا ہے۔ اور اگر کسی ایک نے بھی ادا نہ کیا تو تمام لوگ گنہگار ہوں گے۔ فرض کفایہ عموماً وہ ہوتا ہے جس پر امت کی اصلاح موقوف ہوتی ہے، جیسا کہ علم فقہ میں گہرائی تک جانا اور اسی طرح علم تفسیر، حدیث، اصول فقہ، اصول اعتقاد، علم حساب، علم طب، علم صنعت اور علم اسلحہ سازی وغیرہ۔

Marfat.com

(ب) علوم منہیہ:

(i) وہ علوم جن سے منع کیا گیا ہے گمراہ کن مذاہب، مشکک افکار اور عقائد زائفہ کی گہرائی تک جانا منع ہے۔ لیکن ان کی تردید کیلئے اور ان کے خطرات سے بچنے کے لئے انہیں پڑھنا منع نہیں ہے۔

اسی طرح ان کی کجی کو دور کرنے کے لئے، اور ان کے شبہات کو دور کرنے اور دین کی حفاظت کے لئے ان کو سیکھنا فرض کفایہ ہے۔

(ii) مسروقہ مال، خزانوں کی تلاش اور اسی طرح گمشدہ چیزوں کی تلاش کے لئے علم نجوم کا سیکھنا جائز نہیں۔ کیونکہ اس کا تعلق کہانت سے ہے۔ اور شرع نے ان لوگوں کی تکذیب کی ہے اور ان کی تصدیق کو حرام قرار دیا ہے۔ لیکن علمی تحقیقات، نماز کے اوقات جاننے اور قبلہ شریف کی سمت جاننے میں کوئی حرج نہیں۔ جادو سے بچنے کے لئے جادو کا علم جائز ہے۔ برائی کا علم برائی سے بچنے کے لئے ہو، نہ کہ اس پر عمل پیرا ہونے کے لئے۔ کیونکہ جو شخص برائی کو نہیں جانتا وہ اس میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

(ج) علوم مستحبہ:

جسمانی اور قلبی فضائل، سنن ونوافل اور مکروہات اور فرائض کفایہ کو جاننا مستحبات سے ہے۔ اسی طرح علم فقہ اور اس کی فروعات، عقائد اور اس کے تفصیلی دلائل کی معرفت بھی اسی قبیل سے ہے۔

خاتمہ:

سابقہ بحث سے دین میں علم کی اہمیت اور حصول علم کا حکم، اور یہ بات بھی روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ علم کے متعلق صوفیاء کا موقف بالکل واضح ہے۔ اس کے

Marfat.com

لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔ درحقیقت صوفیاء کرام ہی وہ صاحب علم وعرفان لوگ ہیں جن کے قلوب روشن اور روحیں بالیدہ اور ایمان کامل اور ایمان واسلام اور احسان کو جامع ہوتے ہیں۔ پس صوفی علوم عینیہ کے حصول کے بعد ان کے عملاً نفاذ کے لئے کوشاں ہوتا ہے۔ اور اصلاح قلب اور تزکیہ نفس کرنے کے بعد سچے دل سے متوجہ الی اللہ ہو جاتا ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ اپنی رضا، رضوان، معرفت اور غفران سے نوازتا ہے۔

Marfat.com

مجاہدہ اور تزکیۂ نفس

تمہید:

اہمیت تصوف کی بحث میں ہم نے ذکر کیا ہے کہ نفس کی بعض صفات ذمیمہ اور خبیثہ ہوتی ہیں، ان کا ازالہ فرض عین ہے۔ جیسے فقہائے کرام کا موقف ہے۔ لیکن نفس کی صفات رذیلہ محض خواہش اور اس کے حکم کو جان لینے اور تصوف و اخلاق کی کتب پڑھے سے زائل نہیں ہوتیں۔ بلکہ ان امور کے ساتھ ساتھ مجاہدہ، عملی تزکیہ اور نفس کو اس کی شدید اور سرکش شہوات سے چھٹکارا دلانا بھی ضروری ہے۔ علامہ بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا ہے:

النفس کالطفل ان تہملہ شب علی

حب الرضاع ان تفطمہ تفطم

''انسانی نفس بچہ کی طرح ہوتا ہے، اگر تو اس کو اپنی حالت پر چھوڑ دے گا تو یہ دودھ کی محبت پر جوان ہو جائے گا۔ اور اگر تو اکا دودھ چھڑائے گا تو یہ چھوڑ دے گا''۔

مجاہدہ کی تعریف:

راغب اصفہانی اپنی کتاب ''مفردات قرآن'' میں فرماتے ہیں: **الجهاد والمجاهده استفراغ الوسع فی مدافعه العدو۔**

''جہاد اور مجاہدہ دشمن کے مقابلہ کے لیے اپنی پوری قوت صرف کرنے کا نام ہے''۔

Marfat.com

جہاد کے تین اقسام ہیں:

(۱) ظاہری دشمن کے ساتھ جہاد۔

(۲) شیطان کے ساتھ جہاد۔

(۳) نفس کے خلاف جہاد۔

اور یہ تینوں اقسام اس ارشاد باری تعالیٰ سے مراد ہو سکتی ہیں:

(i) وَجَاهِدُوا فِي اللهِ حَقَّ جِهَادِهِ (حج: ۷۸)

اللہ تعالیٰ کی راہ میں سر توڑ کوشش کرو جس طرح کوشش کرنے کا حق ہے

(ii) وَجَاهِدُوا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِي سَبِيْلِ اللهِ (توبہ: ۴۱)

''اور جہاد کرو اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں۔''

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جَاهِدُوا اَهْوَائَكُمْ كَمَا تُجَاهِدُوْنَ اَعْدَائَكُمْ (المفردات فی غریب القرآن ص ۱۰۱) (راغب اصفہانی)

''اپنی خواہشات کے ساتھ جہاد کرو۔ جس طرح تم اپنے دشمنوں کے ساتھ جہاد کرتے ہو''۔

مجاہدہ نفس سے مراد نفس کی مذموم صفات چھڑانا اور اللہ کی شرع کو اس پر نافذ کرنا ہے۔

کتاب وسنت اور مجاہدۂ نفس:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (عنکبوت: ۶۹)

''اور جو بلند ہمت مصروف جہاد رہتے ہیں ہمیں راضی رکھنے کے لئے ہم ضرور دکھادیں گے اپنے راستے''۔

حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

Marfat.com

اَلْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهُ فِي اللهِ (ترمذی)

''مجاہد وہ ہے جو اللہ کی اطاعت کے لئے اپنے نفس سے جہاد کرتا ہے''۔

مجاہدہ کا حکم:

تزکیہ نفس فرض عین ہے، جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا۔ اور تزکیہ نفس، مجاہدہ کے بغیر ممکن نہیں ہوتا۔ اس طرح مجاہدہ بھی فرض عین ہے کیونکہ جس چیز پر واجب کی تکمیل موقوف ہو، وہ بھی واجب ہوتی ہے۔

شیخ عبدالغنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجاہدۂ نفس عبادت ہے اور علم کے بغیر اس کا حصول ممکن نہیں۔ اور یہ ہر مکلف پر فرض عین ہے۔

کیا انسانی صات کو تبدیل کرنا ممکن ہے؟

بلا شک وشبہ انسان کی ناقص صفات اور مذمومہ عادات کو تبدیل کرنا ممکن ہے۔ کیونکہ اگر ایسا کرنا ناممکن ہوتا، تو نبی کریم ﷺ کی بعثت کا کوئی فائدہ نہ ہوتا۔ اور نہ ہی آپ ﷺ کے بعد آنے والے علماء، عاملین، صوفیاء اور صلحاء کی کوئی ضرورت تھی۔ جب بھی بہت سے خونخوار درندوں اور پرندوں کو سدھانا اور ان کی صفات کو تبدیل کرنا ممکن ہے تو وہ انسان جس کو اللہ تعالیٰ نے احسن تقویم کا تاج پہنایا ہے وہ بدرجہ اولیٰ اس کا مستحق ہے۔

مجاہدۂ نفس سے مراد ان صفات کو یکدم جڑ سے اکھاڑ دینا نہیں ہے بلکہ اس سے مراد صفات سیئہ کو آہستہ آہستہ صفات حسنہ میں تبدیل کرنا ہے۔ اور رضائے الٰہی کے حصول کے لئے اکو صراط مستقیم کی راہ پر گامزن کرنا ہے۔

غصہ اس وقت صفت مذمومہ ہے جب انسان اپنی ذات کے لئے غصہ میں آئے۔ لیکن جب وہ اللہ تعالیٰ کے لئے غصہ میں آئے تو یہی صفت ممدوح ہو جاتی ہے۔ جس طرح رسول اللہ ﷺ اس وقت جلال کا اظہار فرماتے، جب اللہ تعالیٰ کی حرمات کی بے ادبی ہوتی یا حدود اللہ میں سے کسی حد کو معطل کیا جاتا۔ لیکن جب آپ کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں

Marfat.com

تکلیف دی گئی اور طائف میں آپ ﷺ کی ایڑی مبارک کو لہولہان کر دیا گیا، تو آپ ﷺ نے اپنی ذات کے لئے غصہ نہیں فرمایا، بلکہ اذیت دینے والوں کے لئے ہدایت کی دعا فرمائی۔ اور ان کے لئے اللہ کی راہ میں عذر خواہ ہوئے۔ اور اللہ کی بارگاہ میں عرض کی اَللّٰھُمَّ اِھْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ (بخاری)

''اے اللہ! میری قوم کو ہدایت فرما دہ میری حقیقت کو نہیں جانتے''

اسی طرح تکبر بھی صفت مذمومہ ہے۔ جبکہ مسلمان اپنے مسلمان بھائی پر تکبر کرے، مگر جب ایک مسلمان متکبر کافر کے مقابلہ میں تکبر کرے گا، تو یہی صفت ممدوح ہو جائے گی۔ کیونکہ اب یہ اللہ کے راستہ اور شرعی حدود کے ضمن میں داخل ہے۔ اسی طرح اکثر صفات مذمومہ مجاہدہ کے ساتھ تبدیل ہو کر ممدوحہ بن جاتی ہیں۔

مجاہدہ کا طریقہ:

مجاہدہ کا پہلا مرحلہ یہ ہے کہ سالک نفس کی کسی خواہش پر راضی نہ ہو۔ اور اس کے خالق و مالک نے نفس کے بارے میں جو خبر دی اس پر کامل یقین رکھے۔ ارشاد خداوندی ہے:

اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوْءِ

''بے شک نفس تو حکم دیتا ہے برائی کا''۔

اور اسے معلوم ہونا چاہیے کہ نفس ہی وصول الی اللہ کے لئے سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس تک پہنچانے کا سب سے بڑا ذریعہ بھی ہے۔ یہ نفس رکاوٹ اس وقت ہوتا ہے جب نفس امارہ ہو۔ اور گناہوں اور حکم الٰہی کی مخالفت سے لطف اندوز ہو۔ لیکن مجاہدہ اور تزکیہ کے بعد یہی نفس راضیہ اور مرضیہ بن جاتا ہے۔ اب اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کے حکم کی پیروی اور اس کی ذات سے انس و محبت کے علاوہ اسے کوئی چیز اچھی نہیں لگتی۔

مومن جب اپنے نفسانی عیوب کا سراغ لگالیتا ہے اور ان کے علاج کا سچا ارادہ

Marfat.com

کر لیتا ہے تو لوگوں کے عیوب میں مشغول ہونے اور ان کی غلطیوں کو شمار کرنے میں اپنا وقت ضائع نہیں کرتا۔ اور جب تم کسی کو دیکھو کہ وہ دوسروں کی غلطیاں شمار کرنے میں مشغول اور اپنے نفس کے عیوب سے غافل ہے۔ تو جان لو کہ وہ احمق اور جاہل ہے۔

حضرت شیخ ابو مدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

لا تلم المرء علی فعله
وانت منسوب الی مثله
من ذم شیئا اتی مثله
فانما دل علی جهله

(i) ''تو کسی کو اس کے عمل پر ملامت نہ کر جب کہ تو ہی اس قسم کا عمل کرنے والا ہو''۔

(ii) ''جو کسی عمل کی مذمت کرتا ہے اور پھر اس کو اختیار کرتا ہے تو یہ اس کی جہالت کی دلیل ہے''۔

اسی لئے کہا گیا ہے:

لاتری عیب غیرک مادام فیک عیب
والعبد لا یخلو من عیب ابدا

''جب تک تجھ میں عیب موجود ہے تو کسی غیر کے عیب کی طرف نہ دیکھ۔ اور بندہ کبھی عیب سے خالی نہیں ہوتا''۔

جب انسان اپنے نفسانی عیوب کو جان لیتا ہے تو پھر اپنے نفس کی ناجائز خواہشات اور بری عادات کو ترک کرنے میں مشغول ہو جاتا ہے۔ اور اپنے نفس کو عبادات اور طاعات میں مصروف کر لیتا ہے۔ اپنی رفتار کے مطابق بتدریج مجاہدہ کو جاری رکھتا ہے۔

وہ ابتداء ان گناہوں کو ترک کر دیتا ہے جن کا تعلق زبان، کان، آنکھ، ہاتھ، پاؤں، پیٹ اور فرج سے ہوتا ہے۔ پھر ان سات اعضاء کو ان عبادات کے ساتھ مزین و آراستہ کرتا ہے جو ان کے مناسب ہوں۔ یہ سات اعضاء دل کی طرف جانے والے سات

Marfat.com

راستے ہیں۔اب انسان چاہے تو اس میں گناہ اور معصیت کی تاریکیوں کو داخل کر کے اس کو آلودہ اور بیمار کر دے، چاہے تو اطاعت اور عبادات کر کے اس کو شفاف اور منور کر دے۔

پھر صفات باطنہ کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور ناقص صفات یعنی تکبر، ریا، اور غضب وغیرہ کو صفات کاملہ میں تبدیل کرتا ہے۔ کیونکہ مجاہدہ کا راستہ انتہائی دشوار گزار اور پر پیچ ہے۔اس لئے مرید کا تنہا اس میں داخل ہونا انتہائی مشکل ہے۔ بہتر یہی ہے کہ وہ کسی ایسے مرشد کی صحبت اختیار کرے جو نفس کے عیوب سے باخبر اور اس کے علاج معالجہ کے طریقے جانتا ہو۔ تاکہ مرید اس کی صحبت سے تزکیہ نفس اور اس کے مختلف اسالیب کا عملی تجربہ کرے۔اور اس کے ساتھ ساتھ اپنے مرشد و شیخ سے روحانی فیض بھی حاصل کرے جو مرید کی شخصیت اور ذات کی تکمیل میں معاون ہو۔ اور اسے برائیوں سے دور کر کے اعلیٰ درجہ پر فائز کرے۔

رسول اللہ ﷺ وہ مرشد اول اور مزکی اعظم تھے جنہوں نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تربیت کی اور اپنے حال وقال سے ان کے نفوس کا تزکیہ کیا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد میں نبی کریم ﷺ کی صفات بیان کی ہیں۔ارشاد الٰہی ہے:

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ(الجمعه: ۲)

ترجمہ:"وہی (اللہ) جس نے مبعوث فرمایا امیوں میں ایک رسول انہیں میں سے، جو پڑھ کر سناتا ہے انہیں اس کی آیتیں اور پاک کرتا ہے ان کے دلوں کو، اور سکھاتا ہے انہیں کتاب اور حکمت۔اگرچہ وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے"۔

اپنے آپ کو مرشد کے سپرد کرنا پھر اس کی صحبت پر استقامت اختیار کرنا ہی مرید کے لئے نفع مند ہے۔ جس طرح کہ مریض اپنے آپ کو ڈاکٹر کے سپرد کر دیتا ہے۔ لیکن

Marfat.com

جب شیطان مرید کے دل میں غرور اور حد سے بڑھ کر خود اعتمادی کی بیماری داخل کر دے اور وہ اپنی ذات پر بھروسہ کرنے لگے، اور اپنے شیخ کی صحبت سے مستغنی ہو جائے تو محرومی اس کا مقدر بن جاتی ہے۔ اس کا سفر وہیں موقوف ہو جاتا ہے۔ حالانکہ اس کا گمان ہوتا ہے کہ وہ منزل کی طرف رواں دواں ہے۔ وہ اس سلسلہ سے منقطع ہو چکا ہوتا ہے جبکہ اس کا یہ گمان ہوتا ہے کہ وہ اس سے متصل ہے۔

شیخ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر ''روح البیان'' میں فرماتے ہیں کہ درمیانہ طبقہ کے بہت سے سالکین کو دوران سلوک کثیر آفات اور مصائب سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ جب ان کا نفس کثرت مجاہدات اور ریاضت سے اکتا جاتا ہے تو شیطان ان کے دلوں میں وسوسہ ڈال دیتا ہے کہ وہ سلوک کی اس منزل تک پہنچ چکے ہیں کہ جہاں شیخ کی صحبت اور اس کے احکام کو تسلیم کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس لئے وہ اپنے شیخ کو چھوڑ دیتے ہیں اور اپنی خواہشات کی اتباع کے راستہ پر چل نکلتے ہیں۔ اور مختلف قسم کی مشکلات اور شیطان کے پھندہ میں پھنس جاتے ہیں۔

مجاہدہ کے متعلق عارفین اور مشائخ عظام کے اقوال:

☆ ابو العثمان مغربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، جس نے یہ گمان کیا کہ بغیر مجاہدہ کے اس کو مقام حاصل ہو گیا ہے یا اس پر کوئی چیز منکشف ہوئی ہے تو وہ غلطی پر ہے۔

☆ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کو فرماتے ہوئے سنا ہے۔ وہ فرماتے ہیں: ''اے گروہ جوانان! محنت کرو قبل اس کے کہ تم میری عمر کو پہنچ جاؤ اور کمزور ہو جاؤ اور تمہارے اعمال میں کمی آ جائے، جیسے میں کمزور ہو گیا ہوں اور میرے اعمال میں کمی واقع ہو گئی ہے'' حالانکہ اس عمر میں بھی کوئی نوجوان عبادت میں آپ کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔

جو انسان اپنے نفس کو اچھا گمان کرتا ہے وہ اپنے نفس کے عیوب کو نہیں پہچان سکتا۔ اپنے نفس کے عیوب کو وہی پہچان سکتا ہے جو تمام احوال میں اپنے نفس کو متہم کرتا ہے۔

Marfat.com

☆ حضرت ابوعلی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس نے ظاہر کو مجاہدہ کے ساتھ مزین وآراستہ کیا تو اللہ تعالیٰ اس کے باطن کو مشاہدہ کے ساتھ عمدہ بنا دیتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا

''اور جو بلند ہمت مصروف جہاد رہتے ہیں ہماری رضا کے لئے ہم انہیں ضرور دکھادیں گے اپنے راستے''۔

جان لو کہ جو شخص آغاز میں صاحب مجاہدہ نہ ہو تو اس کا طریقت کے قریب تک سے بھی گزر نہ ہوا۔

☆ امام برکوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنے عیب کو نہیں جانتا وہ بہت جلد ہلاک ہو جاتا ہے۔ کیونکہ گناہ کفر کے قاصد اور نامہ بر ہوتے ہیں۔

☆ شیخ الاسلام زکریا انصاری فرماتے ہیں کہ نفس کی نجات اسی میں ہے کہ بندہ اس کی خواہشات کی مخالفت کرے۔ اور اس کو ان اشیاء پر برانگیختہ کرے جن کا حکم اس کے رب نے دیا ہے۔ امام برکوی فرماتے ہیں کہ مجاہدہ یہ ہے کہ ہر وقت نفس کی مخالفت کی جائے۔ یہ عابدوں کا سرمایہ، زاہدین کا راس المال اور نفوس کی درستگی اور اس کی تذلیل کا دارومدار ہے۔ اور ارواح کی تقویت اور تزکیہ اور اللہ کی بارگاہ میں پہنچنے کا سبب اور وسیلہ ہے۔

اے سالک! تجھ پر لازم ہے کہ نفس کو خواہشات سے روکے۔ اور اس کو مجاہدہ میں مشغول کرے۔ اگر تو اللہ سے ہدایت کا طالب ہے۔ کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(ا) وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا.

''اور جو بلند ہمت مصروف جہاد رہتے ہیں ہماری رضا کے لئے، ہم انہیں دکھادیں گے اپنے راستے''۔

Marfat.com

(ii) وَ مَنْ جَاهَدَ فَإِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ (عنکبوت: ٦)

''اور جو شخص کوشش کرتا ہے وہ اپنے فائدہ کے لئے ہی کوشاں ہے۔''

☆ ابن عجیبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مرید کے لئے ابتداء طریقت میں داخل ہونے کے لئے مجاہدہ، مشقت اور صدق وتصدیق کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ آخری منازل کو ظاہر اور روشن کرتا ہے۔ جس کا آغاز روشن ہو اس کی انتہا بھی روشن ہوتی ہے۔ اگر ہم کسی شخص کو دیکھیں کہ وہ طلب حق میں اپنی جان، روح اور عزت ومرتبہ کو قربان کر دیتا ہے اور یہ چاہتا ہے کہ وہ مقام عبودیت تک پہنچ سکتا ہے۔

مجاہدہ کے بارے میں شبہات کا رد

اگر کوئی کہے کہ صوفیائے کرام ان لذات کو حرام قرار دیتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیا ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(i) قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللهِ الَّتِیْ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ (اعراف: ۳۱)

''آپ فرما دیجئے کس نے حرام کیا اللہ کی زینت کو جو پیدا کی اس نے اپنے بندوں کیلئے اور (کسی نے حرام کئے) لذیذ پاکیزہ کھانے''۔

(ii) يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوا طَيِّبَات مَآ اَحَلَّ اللهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْ اِنَّ اللهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ (مائدہ: ۸۷)

''اے ایمان والو! نہ حرام کرو پاکیزہ چیزوں کو جنہیں حلال فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے، اور نہ حد سے بڑھو، بے شک اللہ تعالیٰ نہیں دوست رکھتا حد سے تجاوز کرنے والوں کو''۔

تو ہم اس کا جواب دیتے ہیں کہ صوفیائے کرام نے حلال کو حرام نہیں بنایا۔ کیونکہ ان کی زندگی کا اعلیٰ ترین مقصد اللہ تعالیٰ کی شرع کے ساتھ مقید رہنا ہے۔ لیکن جب انہوں نے جان لیا کہ تزکیہ فرض عین ہے اور یہ بھی جان لیا کہ نفس کی صفات سیئہ انسان کو ہلاکت

Marfat.com

میں ڈال دیتی ہیں اور مراتب کمال میں ترقی سے روکتی ہیں تو انہوں نے اپنے اوپر لازم کر لیا کہ وہ اپنے نفوس کو مہذب اور ان کو خواہشات کی قیس سے آزاد کرائیں گے۔

عظیم صوفی حکیم ترمذی اس شبہ کا رد فرماتے ہیں کہ ان آیات سے استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ ہم اس سے کسی چیز کو حرام کرنے کا ارادہ نہیں کرتے۔ بلکہ ہمارا مقصد تو تادیب نفس ہے۔ یہاں تک کہ نفس ادب سے آراستہ ہو جائے۔ اور جان لے کہ اس نے کیسے عمل کرنا ہے۔ کیا آپ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی طرف نہیں دیکھتے:

اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَاظَهَرَ مِنْهَا وَمَابَطَنَ وَالْاِثْمَ وَ الْبَغْیَ بِغَیْرِ الْحَقِّ (اعراف: ۳۲)

''بے شک حرام کر دیا ہے میرے رب نے سب بے حیائیوں کو جو ظاہر ہیں ان سے اور جو پوشیدہ ہیں اور (حرام کر دیا) گناہ کو اور سرکشی کو بغیر حق کے''۔

حلال چیزوں میں حد سے تجاوز کرنا حرام ہے۔ اسی طرح فخر ومباہات، ریا اور اسراف حرام ہے۔ اور سالک کو ان چیزوں سے اس لئے روکا گیا ہے تاکہ اس کے دل میں خرابی پیدا نہ ہو جائے۔ جب میں نے ایک کہ نفس اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور رزق کو حاصل کرنا ہے۔ اور مباہات کا ارادہ کرتا ہے تو میں نے جان لیا کہ اس نے حرام کو حلال کے ساتھ ملا لیا ہے، اور شکر کو ضائع کر دیا ہے۔ اس کو تو رزق اس لئے عطا کیا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے نہ کہ کفر۔ جب میں نے اس کا سواء ادب دیکھا تو اس کو ان چیزوں سے منع کر دیا۔ حتیٰ کہ وہ ذلیل اور تابع ہو گیا، اور میرے رب نے جب مجھے اپنی ذات میں مجاہدہ کرتے ہوئے دیکھا تو مجھے اپنے راہ میں ہدایت فرمائی۔ جیسا کہ اس نے خود ارشاد فرمایا:

وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا، وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ (عنکبوت: ۶۹)

ترجمہ: ''اور جو بلند ہمت مصروف جہاد رہتے ہیں ہمیں راضی کرنے کیلئے ہم

Marfat.com

ضرور دکھادیں گے انہیں اپنے راستے اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ محسنوں کے سات ہے''۔

میں مجاہدہ کی وجہ سے اس کے نزدیک محسن ہو گیا اور مجھے اللہ کی معیت حاصل ہو گئی۔ اور جسے اللہ تعالیٰ کی معیت حاصل ہو جائے، وہ ایسے گروہ کے ساتھ ہو جاتا ہے جو کبھی مغلوب نہیں ہوتا۔ اور ایسے چوکیدار کے ساتھ ہوتا ہے جو کبھی نہیں سوتا۔ اور ایسے ہادی کے ساتھ ہوتا ہے جو کبھی نہیں بدلتا۔ پھر اللہ تعالیٰ اس کے دل میں ایک نور پیا کر دیتا ہے جو اسے جلد ہی آخرت کے ثواب کی طرف لے جاتا ہے، جیسا کہ حضور پاک ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''جب کسی بندہ کے دل میں نور القا کر دیا جائے، تو اس کا دل کشادہ اور وسیع ہو جاتا ہے۔'' عرض کی گئی: ''رسول اللہ ﷺ! کیا اس کی علامت بھی ہے''؟ تو فرمایا: ''ہاں! اس کی علامت دار غرور سے پہلوتہی اور دار الخلود کی طرف رجوع اور قبل از وقت اس کی تیاری کرنا ہے''۔

دل میں نور آ جانے کی وجہ سے سالک فانی دنیا سے پہلوتہی کرتا ہے۔ اور اس نور کے ذریعہ دنیا کے عیوب، مصائب و آفات اور فریب کاریوں کو جان لیتا ہے۔ اس وجہ سے اس کے دل سے بدکاری، ریا فخر و مباہات اور حسد و تکبر نکل جاتا ہے۔ یہ تمام برائیاں اس وقت جنم لیتی ہیں جب انسان دنیا کی تعظم و محبت اور حلاوت کو دل میں بٹھالے۔ ان تمام آفات سے نجات کا ذریعہ صرف اور صرف مجاہدہ نفس ہے جس کی وجہ سے انسان اپنی تمام خواہشات کو ترک کر دیتا ہے۔

بعض لوگ جہالت اور جلد بازی سے کام لیتے ہوئے یہ گمان کرتے ہیں کہ تصوف کے مجاہدات بدھ مت یا ہندو مت سے ماخوذ ہیں۔ اور اس کی اصل نصرانی مذہب کی اس بے راہ روی سے ملتی ہے جس میں جسم کو عذاب دینا روح کی بالیدگی اور ترقی کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔ بعض نے کہا کہ تصوف کا تعلق اس رہبانی رجحان سے ہے جو ان تین افراد میں ظاہر ہوا جنہوں نے نبی کریم ﷺ کی عبادت کے بارے میں پوچھا، جب انہیں

Marfat.com

بتایا گیا تو شاید انہوں نے اس کو قلیل گمان کیا۔ اور ان میں سے ایک نے گمان کیا کہ میں صوم دہر رکھوں گا۔ دوسرے نے کہا، میں ساری رات قیام میں گزار دوں گا۔ اور تیسرے نے کہا، میں عورتوں سے عزلت اختیار کروں گا۔ اور شادی نہیں کروں گا۔ جب نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں انکا معاملہ پیش کیا گیا تو آپ نے ان کے افکار کی تصحیح کی، اور صراط مستقیم کی طرف ان کی راہنمائی کی۔ ان سب اعتراضات کا جواب یہ ہے کہ تصوف اسلامی کو کسی بھی دور میں مستقل شریعت اور جدید دین کی حیثیت حاصل نہ تھی۔ بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کے دین کو نافذ کرنے کی عملی صورت اور نبی کریم ﷺ کی کامل اتباع کا نام ہے ان معترضین کو یہ شبہ اس وجہ سے لاحق ہوا۔ کیونکہ انہوں نے دیکھا کہ تصوف میں دین حنیف کی حدود اور شرعی بنیادوں پر تزکیہ نفس اور اس کی تربیت اور مجاہدہ کا بڑا اہتمام کیا جاتا ہے۔ پس انہوں نے بغیر کسی سوچ و بچار کے نصرانیوں کی بے راہ روی پر تصوف کو قیاس کیا۔ حالانکہ دینی حدود میں مقید مجاہدہ کے دوران اور دینی غلو، انحراف اور حرام کو حلال کرنے اور تعذیب جسم میں بہت بڑا فرق ہے۔

اور یہ انتہائی ظلم وافتراء ہے کہ جو بھی مجاہدہ اور تزکیہ نفس کا ارادہ کرے اس پر حکم لگا دیا جائے کہ اس کا رجحان بدھ مت یا ہندومت کی طرف ہے۔ جس طرح کہ مستشرقین اور ان کے متبعین کا خیال ہے یعنی ان پر یہ حکم لگا دیا جائے کہ یہ ان افراد کی پیروی کرتے ہیں۔ جنہوں نے نبی پاک ﷺ کی عبادت کو قلیل گمان کیا ہے۔ جس طرح کہ بعض جلد باز اور سطحی قسم کے لوگوں کا خیال ہے۔ حالانکہ نبی کریم ﷺ نے ان تینوں کی اصلاح فرما دی تھی۔ اور وہ آپ کی سنت اور ہدایت پر عمل پیرا ہو گئے تھے۔

اگر پوری تاریخ تصوف میں کوئی ایسا شخص پایا جائے جس نے حلال کو حرام کیا ہو یا نصرانی راہبوں کی طرح اپنے جسم کو عذاب میں مبتلا کیا ہو تو وہ بدعتی ہے اور تصوف سے اس کا دور کا بھی واسطہ نہیں۔ اس لئے تصوف اور صوفی کے درمیان فرق کرنا چاہیئے۔ کیونکہ کوئی بھی

Marfat.com

صوفی ذاتی انحرافات سے مکمل طور پر تصوف کی نمائندگی نہیں کرتا، جس طرح مسلمان اپنے غلط کردار کی وجہ سے اسلام کی نمائندگی نہیں کرتا۔ معترضین نے صوفی اور تصوف، مسلم اور مسلمان کے درمیان فرق ملحوظ خاطر نہیں رکھا۔ بلکہ ان دونوں کو لازم ملزوم سمجھ کر کاملین کو منحرفین پر قیاس کرتے ہوئے ان کی بے ادبی کے مرتکب ہوئے ہیں۔

سالکین کے نزدیک سب سے محبوب چیز نفوس کی ترقی ہے۔ اگر وہ اس میں کامیاب ہو جائیں تو اپنے مطلوب ومقصود تک پہنچ جاتے ہیں۔ نفس مجاہدہ اور ریاضت سے ترقی کرتا ہے۔ اور تدریجاً امارہ سے لوامہ، ملھمہ، راضیہ، مرضیہ اور مطمئنہ کی منازل طے کرتا ہے۔ وصول الی اللہ کے تمام مراحل میں سالک کے لئے مجاہدہ انتہائی ضروری ہوتا ہے۔ ان مراحل میں آخری درجہ عصمت کا ہے یہ صرف انبیاء ومرسلین کا خاصہ ہے۔

اس بحث سے ہمیں ان سالکین کی خطا کا پتہ چلتا ہے۔ جو منازل سلوک کی لازمی شرط مجاہدۂ نفس میں پختہ نہیں ہوتے۔ پھر اپنے لئے مقام محبت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اور محبین کا کلام گنگناتے رہتے ہیں۔ اور اپنے دعویٰ کی تائید میں سلطان العاشقین حضرت ابن فارض رحمۃ اللہ علیہ کا کلام پیش کرتے ہیں:

وعن مذهبي في الحب مالي مذهب

وان ملت يوما عنه فارقت ملتي

''محبت کے متعلق میرا مذہب پوچھنے والو، سن لو، محبت میں میرا کوئی مذہب نہیں۔

اور ایک دن بھی محبت سے دور ہو جاؤں تو اپنی ملت سے خارج ہو جاؤں''

حالانکہ یہ لوگ نہیں جانتے کہ شیخ ابن فارض رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مجاہدات کی ابتداء کیسے کی۔ یہاں ہم ان کا کچھ کلام ذکر کرتے ہیں جس میں انہوں نے دوران سلوک اپنے مجاہدات کا ذکر کیا ہے۔ اور یہ کلام مجاہدہ کی اہمیت پر دال ہے۔ مگر یہ جاننا چاہیئے کہ آپ نے اپنے مجاہدات کی ابتداء نفس لوامہ سے کی ہے نہ کہ نفس امارہ سے۔ وہ فرماتے ہیں کہ وہ سالک جو مجاہدہ میں مشغول نہ ہو نہ تو اس کے سلوک کی کوئی حیثیت ہے، اور نہ ہی اس کی محبت کا دعویٰ صحیح:

Marfat.com

فنفسی کانت قبل لوامه متی

اطعها عصت، اواعص کانت مطیعتی

فاردتها ماالموت ایسربعضه

واتعبتها کیما تکون مریحتی

فعادت و مهما حملته تحملت

به منی وان خففت عنها تاذت

واذهبت فی تهذیبها کل لذاه

بابعادها عن عادها فاطمانت

ولم یبق هول دونها مارکبته

واشهد نفسی فیه غیر زکیه.

ترجمہ: (i) ''میرا نفس لوامہ تھا، جب بھی میں اس کو مطیع بناتا تو نافرمانی کرتا۔ اور جب اس کی بات نہ مانتا تو یہ مطیع ہو جاتا''۔

(ii) ''میں نے اس کو مجاہدات میں داخل کیا، لیکن اس پر قابو پانا آسان نہیں تھا۔ میں نے اس کو تھکایا تاکہ مجھے راحت پہنچائے''۔

(iii) ''پھر اس کی یہ حالت ہوگئی کہ اس پر جو بھی بوجھ ڈالتا وہ اٹھا لیتا اور اگر بوجھ کو کم کرتا ہوا اس کو تکلیف ہوتی۔''

(iv) ''اس کو مہذب بنانے کے لئے اسے ہر لذت سے بچائے رکھا۔ اور اس کو خواہشات سے دور رکھا تو مطمئن ہو گیا۔''

(v) ''اس سے بڑھ کر کوئی مصیبت نہیں جس سے میں دوچار ہوا ہوں۔ اور میں اپنے نفس کی پاکیزگی کی گواہی نہیں دیتا''۔

اسی وجہ سے شیخ ابن فارض رحمۃ اللہ علیہ محبت کے ان جھوٹے دعویداروں کی طرف اشارہ کرتے ہیں جنہوں نے نہ تو دنیا کو ترک کیا، نہ ہی مجاہدہ کو اپنایا۔ آپ فرماتے ہیں:

Marfat.com

رضوابالامانی وابتلوا بعظوظهم

وخاضوابحار الحب عوی فما ابتلوا

فهم فی السری لم یبرحوامن مکانهم

وما ظعنوا فی الیسر عنه وقد کلوا

ترجمہ:(i) ”بعض لوگ آرزؤں سے راضی ہیں اور دنیا کی محبت میں مبتلا ہیں۔ محبت کے سمندر میں غوطہ زنی کا دعویٰ ہے۔ لیکن ابھی تک ان کا پہلو بھی تر نہیں“۔

(ii) ”رات کے سفر میں اپنی جگہ سے نہیں ہٹے، نہ ہی کوچ کی تیاری کی حالانکہ تھکاوٹ سے نڈھال ہو چکے تھے“۔

مجاہدہ سلوک کے تمام مراحل اور منازل میں بنیادی شرط ہے۔ لیکن منازل میں ترقی کے مطابق سالک کے مجاہدہ کی صورت بدلتی رہتی ہے۔ اس کی مثال اس طالبعلم کی سی ہے جو پہلے پرائمری کے درجہ میں داخل ہوتا ہے، پھر ترقی کر کے مڈل، ہائی، انٹر اور گریجویشن تک پہنچ جاتا ہے، حالانکہ پرائمری اور گریجویشن کے مدارج میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اور اسی طرح برائی کا حکم دینے والے اور خواہش کی طرف مائل ہونے والے نفس اور نفس مطمئنہ راضیہ اور مرضیہ کے درمیان واضح فرق ہے۔

خلاصہ کلام

مجاہدہ صوفیائے کرام کے طریقہ کی اصل ہے۔ اسی لئے انہوں نے فرمایا ہے: ”جس نے اصل کو اپنایا، اس نے مطلوب کو پالیا۔ اور جس نے اصل کو ترک کر دیا، وہ مطلوب سے محروم رہا“ اسی طرح وہ فرماتے ہیں کہ جس کی ابتدا مجاہدہ سے نہ ہو، تو اس کی انتہا روشن اور منور نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ ابتداء، انتہا اور انجام کے لئے دال اور مشید ہوا کرتی ہے۔

Marfat.com

ذکر

ابتدائی مقام سے لے کر مقام توحید تک تمام مقامات ذکر کا ہی ثمرہ ہیں۔ اسی طرح تمام احوال و معارف جن کے حصول کیلئے سالک محنت اور کوشش کرتا ہے، وہ اسی کا ثمرہ ہیں۔ ذکر کے شجر سے ہی ان تمام ثمرات کا حصول ممکن ہے۔ اور یہ شجر جتنا بڑا ہوگا اور اس کی جڑیں جتنی مضبوط ہوں گی اتنا ہی زیادہ ثمر یار ہوگا۔ اور یہی شجر تمام مقامات کی اصل اور بنیاد ہے۔ جس پر ان تمام مقامات کی عمارت تعمیر ہوتی ہے۔ یہ بعینہ اسی طرح ہے جس طرح بنیاد پر دیوار اور دیوار پر چھت کی تعمیر ہوتی ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ بندہ جب تک غفلت سے بیدار نہ ہو، اس کیلئے ان منازل سلوک کا طے کرنا ممکن نہیں جس کے لئے اس کی تخلیق ہوئی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ (ذاریات: ٥٦)

ترجمہ: ''اور نہیں پیدا کیا میں نے جن وانس کو مگر اس لئے کہ وہ میری عبادت کریں''۔

اور انسان ذکر کے ذریعہ ہی غفلت سے بیدار ہوتا ہے۔ اور غفلت دل کی نیند یا موت کا نام ہے۔

صوفیائے کرام نے اپنے مولیٰ کے کثرت ذکر کے حکم کی پیروی کر کے اپنی زندگیوں کو فرشتوں کی زندگیوں کی طرح بنالیا ہے۔ ان کے دلوں میں نہ تو دنیا کا خیال آتا ہے اور نہ ہی یہ دنیا محبوب سے دور کر سکتی ہے۔ وہ اپنے رب کی ہم نشینی کی وجہ سے اپنا آپ کو

Marfat.com

بھول گئے۔حتی کہ وہ ماسوئی اللہ ہر چیز سے ماوری ہو گئے اور جب انہوں نے اس ذات کو پالیا،توان پر وجد کی کیفیت طاری ہوگئی۔

ذکر تک لا انی نسیتک لمحة

والیسر ما فی الذکر ذکر لسانی

''میں نے تجھ کو یاد کیا اس وجہ سے نہیں کہ میں بھول گیا تھا۔اور سب سے آسان ذکر میری زبان کا ذکر ہے''۔

صوفی لحہ بہ لحہ اپنے رب کو یاد کرتا ہے اور اس کو ذکر کے طفیل انشراح صدر،اور بالیدگی روح حاصل ہوتی ہے۔کیونکہ اسے اپنے رور دگار کے ساتھ ہم نشینی کا شرف حاصل ہوتا ہے۔جیسا حدیث قدسی ہے:

اهل ذکر اهل مجالستی (مسند امام احمد)

''اہل ذکر میرے ہم نشین ہیں''۔

عارف وہ ہوتا ہے جو ذکر پر دوام اور ہیشگی اختیار کرتا ہے۔اور اس فانی دنیا سے لطف اندوز ہونے سے اپنے دل کو پھیر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے تمام احوال کی ذمہ داری اپنے ذمے لے لیتا ہے۔اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔کیونکہ جو صبر کرتا ہے،کامیابی اس کے قدم چومتی ہے۔اور جو بار بار دروازہ کھٹکھٹاتا ہے اس کے لئے دروازہ کھل ہی جاتا ہے۔

ذکر کے معانی:

قرآن کریم اور احادیث طیبہ میں لفظ ذکر کئی معانی میں استعمال ہوا ہے۔

(۱) کبھی تو اس لفظ سے قرآنِ کریم مراد ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ (حجر: ۹)

ترجمہ: بے شک ہم ہی نے اتارا اس ذکر (قرآن مجید) کو اور یقیناً ہم ہی اس کے محافظ ہیں''۔

Marfat.com

(۲) بعض اوقات اس سے نماز جمعہ مراد لیا گیا ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ (جمعہ: ۹)

ترجمہ: ''اے ایمان والو! جب تمہیں بلایا جائے نماز کی طرف جمعہ کے دن تو دوڑ کر جاؤ اللہ کے ذکر (نماز) کی طرف''۔

(۳) اور کسی مقام پر لفظ ذکر بول کر علیم مراد لیا گیا ہے، ارشاد خداوندی ہے:

فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (انبیاء: ۷)

''پس (اے منکرو!) پوچھو اہل علم سے اگر تم (خود حقیقت حال کو) نہیں جانتے''

(۴) لیکن اکثر عبادات میں لفظ ذکر سے تسبیح و تحلیل، تکبیر اور نبی کریم ﷺ کی ذات پر درود و سلام مراد لیا جاتا ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(i) فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ (نساء: ۱۰۳)

''جب تم ادا کر چکو نماز تو ذکر کرو اللہ تعالیٰ کا کھڑے ہوئے اور بیٹھے ہوئے اور اپنے پہلوؤں پر''۔

(ii) يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا (انفال: ۴۵)

''اے ایمان والو! جب جنگ آزما ہو کسی لشکر سے تو ثابت قدم رہو اور ذکر کرو اللہ تعالیٰ کا کثرت سے''۔

(iii) وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا (مزمل: ۸)

''اور ذکر کیا کرو اپنے رب کے نام کا اور سب سے کٹ کر اسی کے ہو رہو''۔

اسی طرح درج ذیل احادیث نبوی ﷺ میں بھی ذکر سے یہی معنی مراد لیا گیا

Marfat.com

ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ان اللہ عزوجل یقول : انا مع عبدی اذا ھو ما ذکر نی تحر کت بی شفتاہ (ابن ماجہ، کتاب الادبو (ابن حبان) مسند امام احمد)

''اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے، میں اپنے بندہ کے ساتھ ہوتا ہوں جب وہ میرا ذکر کرتا ہے۔ اور جب اس کے ہونٹ میرے ذکر کے لئے ہلتے ہیں''۔

حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نبی پاک ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا، اور عرض کی: ''یا رسول اللہ ﷺ اسلام کے احکام کثیر ہیں۔ کوئی ایسی چیز بتایئے جس کو میں مضبوطی سے تھام لوں'' اور آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا،

لایزال لسانک رطبامن ذکر اللہ (ترمذی)

''تو ہمیشہ اللہ کے ذکر میں رطب اللسان رہے''۔

بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ لفظ ذکر سے مراد حلال وحرام کا علم ہے اس کا جواب یہ ہے کہ لفظ ذکر قرآن، صلوٰۃ، علم اور ذکر اللہ میں مشترک ہے اور لفظ مشترک میں اس معنی کا اعتبار ہوگا جو عرف میں غالب استعمال ہو۔ اس کے علاوہ اگر دوسرا معنی مراد لینا ہو تو لفظی یا حالی قرینہ پایا جانا ضروری ہے۔ اور لفظ ذکر کا غالب استعمال ذکر اللہ میں ہی ہوتا ہے۔ اور اس کے علاوہ کبھی کبھی لفظ ذکر بول کر مراد ہوتا ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَاسْئَلُوْا اَھْلَ الذِّکْرِ

''اور پوچھ لیا کرو اہل علم سے''۔

اس آیت کریمہ میں ذکر سے علم اس لئے مراد لیا گیا ہے کیونکہ یہاں سوال کا قرینہ موجود ہے۔

کتاب وسنت سے دلائل:

بہت سی آیات کریمہ کر کی اہمیت پر دلالت کرتی ہیں۔ یہاں چند آیات کو

Marfat.com

ذکر کیا جاتا ہے۔

اللہ رب العزت اپنی لاریب کتاب قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

(۱) فَاذْكُرُونِيٓ اَذْكُرْكُمْ

''سو تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا۔''

(۲) اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ (آل عمران:۱۹۱)

''وہ لوگ اللہ کا ذکر کرتے ہیں کھڑے بیٹھے اور پہلوؤں پر''

(۳) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا

(احزاب: ۴۰: ۴۱)

''اے ایمان والو! یاد کرو اللہ تعالیٰ کو کثرت سے اور اس کی پاکی بیان کرو صبح وشام''

(۴) اَلذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ، اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا

(احزاب: ۳۵)

''اور کثرت سے اللہ کو یاد کرنے والے اور یاد کرنے والیاں۔ تیار کر رکھا ہے اللہ نے ان سب کے لئے مغفرت اور اجر عظیم''۔

(۵) وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ (آل عمران: ۴۱)

''اور یاد کرو اپنے پروردگار کو بہت۔ اور پاکی بیان کر اس کی صبح وشام''

(۶) اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ، اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (الرعد: ۲۸)

''جو لوگ ایمان لائے اور مطمئن ہوتے ہیں جن کے دل ذکر الٰہی سے، دھیان سے سنو اللہ کی یاد سے ہی دل مطمئن ہوتے ہیں''۔

(۷) وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا (دھر: ۲۸)

''اور یاد کرتے رہا کرو اپنے رب کے نام کو صبح وشام''

Marfat.com

(۸) وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلاً (مزمل: ۸)

''اور یاد کرتے رہا کرو اپنے رب کے نام کو اور سب سے کٹ کر اسی کے ہو رہو''

(۹) وَلَذِكْرُ اللهِ اَكْبَرُ

''اور واقعی اللہ کا ذکر سب سے بڑا ہے''۔

(۱۰) فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ

''جب تم ادا کر چکو نماز تو ذکر کرو اللہ تعالیٰ کا کھڑے ہوئے اور بیٹھے ہوئے اور اپنے پہلوؤں پر (لیٹے ہوئے)''

(۱۱) فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِى الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللهِ وَاذْكُرُوْا كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ

''پھر جب پوری ہو چکی نماز تو پھیل جاؤ زمین میں اور تلاش کرو اللہ کے فضل کو اور کثرت سے اللہ کی یاد کرتے رہا کرو تاکہ تم فلاح پاؤ''

(۱۲) وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ (بقرہ: ۱۱۴)

''اور کون زیادہ ظالم ہے اس سے جو روک دے اللہ کی مسجدوں سے کہ ذکر کیا جائے ان میں اس کے نام کا''۔

(۱۳) فِىْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللهُ اَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ (نور: ۳۶)

''ان گھروں میں (جن کے متعلق) حکم دیا ہے اللہ نے کہ بلند کیے جائیں اور لیا جائے ان میں اللہ کا نام''

(۱۴) يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللهِ (منافقون: ۹)

''اے ایمان والو! تمہیں غافل نہ کر دیں تمہارے اموال اور نہ تمہاری اولاد اللہ کے ذکر سے''

Marfat.com

(۱۵) وَالذّٰاكِرِيْنَ اللهَ كَثِيْرًا وَالذّٰاكِرَات، اَعَدَّاللهُ لَهُمْ مَغْفِرَةً وَاَجْرًا عَظِيْمًا (احزاب: ۳۵)

''اور کثرت سے اللہ کو یاد کرنے والے اور یاد کرنے والیاں۔ تیار کر رکھا ہے اللہ نے ان سب کیلئے مغفرت اور اجر عظیم''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''الذّٰاكِرِيْنَ اللهَ كَثِيْرًا'' سے مراد یہ ہے کہ وہ نمازوں کے بعد اور صبح وشام اور نیند سے بیداری کے وقت اور اپنے گھر میں داخل ہوتے اور نکلتے ہوئے اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔

حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ بندہ کثیر ذکر کرنے والوں میں اس وقت شمار ہوگا جب بیٹھتے، اٹھتے لیٹتے ہر حالت میں اللہ کا ذکر کرے۔

ذکر کے علاوہ تمام عبادات کی صحت کے لئے شرائط ہیں لیکن ذکر، طہارت اور بغیر طہارت، قیام وقعود بلکہ تما احوال میں جائز ہے۔ اسی وجہ سے امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تمام علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ دل اور زبان کا ذکر بے وضو، جنبی، حیض و نفاس والی عورت کے لئے بھی جائز ہے اور اس ذکر سے مراد تسبیح وتہلیل، تحمید، تکبیر اور درود وسلام اور دعا مراد ہے۔

ذکر، دلوں کا صیقل اور فیض ربانی کی چابی اور دلوں پر تجلیات کے نزول کا راستہ ہے۔ اس کی وجہ سے انسان صفات الٰہیہ سے متصف ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ذکر سے غفلت کی وجہ سے سالک پر غم وحزن طاری ہو جاتا ہے۔ اور اگر وہ اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہو جائے، تو وہ خوشی محسوس کرتا ہے اور اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ ذکر خوشی ومسرت کی کلید ہے، جس طرح غفلت، غم وحزن کی کلید ہے۔

سنت:

(۱) حضرت ابوموسیٰ اشعری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے

Marfat.com

ارشاد فرمایا: مثل الذی یذکر ربہ والذی لایذکر ربہ مثل الحی والمیت
آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا "اپنے رب کا ذکر کرنے والے، نہ کرنے والے کی مثال زندہ اور مردہ کی طرح ہے"۔

(۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "بے شک اللہ تعالیٰ کے بعض فرشتے راستوں میں چکر لگاتے ہوئے اہل ذکر کو تلاش کرتے ہیں۔ جب کسی قوم کو اللہ کے ذکر میں پاتے ہیں تو ایک دوسرے کو ندا دیتے ہیں کہ اپنے مقصد کی طرف آؤ۔ فرمایا، وہ فرشتے اس مجلس کو اپنے پروں کے ساتھ آسمان کو گھیر لیتے ہیں۔ پھر فرمایا، ان کا رب عزوجل ان سے پوچھتا ہے حالانکہ وہ خوب جاننے والا ہے کہ میرے بندے کیا کہتے ہیں۔ فرشتے عرض کرتے ہیں، تیری عظمت و بزرگی کا اظہار کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے، کیا انہوں نے مجھے دیکھا ہے۔ فرشتے عرض کرتے ہیں: نہیں قسم بخدا انہوں نے آپ کو نہیں دیکھا۔ تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے، اگر وہ مجھے دیکھ لیتے تو ان کی حالت کیا ہوتی؟ فرشتے عرض کرتے ہیں، اگر وہ لوگ آپ کو دیکھ لیتے تو اس سے بھی زیادہ عبادت وعظمت اور بزرگی کا اظہار کرتے۔ پھر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ وہ مجھ سے کس چیز کا سوال کرتے ہیں؟ فرشتے عرض کرتے ہیں وہ آپ سے جنت کا سوال کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے، کیا انہوں نے جنت کو دیکھا ہے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: قسم بخدا نے اس کو نہیں دیکھا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے اگر وہ جنت کو دیکھ لیتے تو اس سے بھی زیادہ اس کے طالب اور رغبت رکھنے والے ہوتے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے، وہ کس چیز سے پناہ مانگتے تھے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں، جہنم کی آگ سے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے، کیا انہوں نے اسے دیکھا ہے؟ تو فرشتے عرض کرتے ہیں، نہیں، قسم بخدا انہوں نے اسے نہیں دیکھا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے اگر وہ اسے دیکھ لیتے تو ان کیا حالت ہوتی؟ فرشتے عرض کرتے ہیں، کہ اگر وہ دیکھ لیتے تو اس سے بھی زیادہ اس سے بھاگتے

Marfat.com

اور خوفزدہ ہوتے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے، اے فرشتو! میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے انہیں بخش دیا۔ ایک فرشتہ اللہ کی بارگاہ میں عرض کرتا ہے، کہ فلاں آدمی تو ان میں سے نہیں ہے۔ وہ تو اپنے کسی کام کے لئے آیا تھا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ ان اہل مجلس کا ہم نشین کبھی بد بخت نہیں ہوسکتا۔ (بخاری)

اس حدیث پاک میں مجالس ذکر، اہل ذکر اور ذکر کے لئے اجتماع کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ اور یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اہل ذکر کا ہم نشین بھی ان نوازشات میں شامل ہوتا ہے جن کو رب کریم اہل مجالس پر نازل فرماتا ہے۔ اگر چہ وہ اصل ذکر میں شامل نہ ہو لیکن اہل ذکر کی ہم نشینی کے باعث وہ خوش بخت بن جاتا ہے۔ کیونکہ جو کسی کی معیت اختیار کرتا ہے۔ بشرطیکہ اس کی نیت صحیح ہو تو اس کا شمار بھی انہیں میں ہوتا ہے۔

(۳) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اذا مررتم برياض الجنه فارتعوا، قالوا، يارسول الله ﷺ! ما رياض الجنة؟ قال، حلق الذكر (ترمذی)

''آپ ﷺ نے ارشا فرمایا: ''جب تم باغات جنت کے قریب سے گرو، تو اس میں سے کچھ کھالیا۔ کرو'' صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ! باغات جنت سے کیا مراد ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، محافل ذکر''۔

(۴) حضور ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''ليبعثن الله اقواما يوم القيامه في وجوههم النور على منابر اللولو، يغبطهم الناس، ليسوا بانبياء ولا شهداء، قال فجشى اعرابى على ركبتيه، قال، يارسول الله ﷺ حلهم لنانعرفهم قال هم المتحابون فى الله من قبائل شتى وبلا دشتى يجتمعون على ذكر الله يذكرونه (طبرانی)

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''قیامت کے دن کچھ لوگوں کو اس حال میں اٹھایا

Marfat.com

جائے گا کہ ان کے چہرے سراپا نور ہوں گے اور وہ موتیوں کے منبروں پر براجمان ہوں گے۔لوگ ان پر رشک کریں گے۔ یہ نہ تو انبیاء ہوں گے اور نہ ہی شہداء''

راوی فرماتے ہیں کہ یہ بات سن کی ایک بدو اپنے گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔اور عرض۔''یارسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ ہمیں ان کا حلیہ بان کیجئے تا کہ ہم ان کو پہچان لیں'' آپ ﷺ نے فرمایا:''یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کیلئے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔مختلف قبائل اور علاقوں سے جمع ہو کر اللہ کا ذکر کرتے ہیں''۔

(۵) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مکہ کے کسی راستہ سے گزر رہے تھے کہ آپ ﷺ کا گزر جمدان پہاڑ کے قریب سے ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ جمد ان پہاڑ ہے مفردون سبقت لے گئے''،عرض کی گئی یارسول اللہ ﷺ! مفردون کون ہیں؟فرمایا:''اللہ سے محبت کرنے والے۔اللہ کا ذکر ان کے بوجھوں (گناہوں) کو اتار دے گا۔اور وہ قیامت کے دن ہلکے پھلکے بارگاہ الٰہی میں حاضر ہوں گے''۔

اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو ذکر کے انتہائی حریص اور مشتاق ہوتے ہیں۔اس پر مواظبت اختیار کرتے ہیں۔انہیں جو کچھ بھی کہا جائے۔یا ان سے جو کچھ بھی سلوک کیا جائے۔تو اس کی پرواہ نہیں کرتے۔(مسلم۔ترمذی)

(۶) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا،

الا انبئکم بخیر اعمالکم و از کاھا عند ملیکم و ارفعھا فی درجاتکم و خیر لکم من انفاق الذھب والورق. وخیرلکم من ان تلقوا عدوکم فتضربوا اعناقھم ویضربوا اعناقکم؟ قالو، بلی، قال: ذکر اللہ فقال: معاذبن جبل رضی اللہ عنہ ماشیئی انجی من عذاب اللہ .(ترمذی)

''آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کیا میں تمہیں تمہارے افضل ترین عمل کے بارے میں آگاہ نہ کردوں جو تمہارے رب کے نزدیک زیادہ پاکیزہ اور تمہارے درجات کو بلند

Marfat.com

کرنے والا ہے۔اورتمہارے سونا اور چاندی کے خرچ کرنے سے بھی زیادہ افضل ہے۔اور اس سے بھی زیادہ بہتر ہے کہ تم دشمنوں کے ساتھ مقابلہ کرو۔تم ان کی "گردنیں اڑاؤ اور وہ تمہاری گردنیں آڑائیں"۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: ہاں! ضرور بتائیے" تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "یہ عمل اللہ کا ذکر ہے"۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ذکر الٰہی سے بڑھ کر عذاب خداوندی سے بچانے والی کوئی چیز نہیں

(۷) حدیث قدسی ہے:

انا عند ظن عبدی بی وانامعه اذاذکرنی، فان ذکرنی فی نفسه ذکرته فی نفسی، وان ذکرنی فی ملاذکرته فی ملاخیر منهم، وان تقرب الی شبر اشبر اتقربت الیه ذراعا، وان تقرب الی ذراعا تقربت الیه باعا، وان اتانی یمشی اتیته هروله.

حدیث قدسی ہے،اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

"میں اپنے بندہ سے ویسا ہی سلوک کرتا ہوں جیسا وہ میرے متعلق گمان رکھتا ہے۔جب وہ میرا ذکر کرتا ہے تو اسے میری معیت حاصل ہوتی ہے۔اگر وہ میرا ذکر اپنے دل میں کرے تو میں بھی اسی طرح اسے یاد کرتا ہوں۔اور اگر وہ میرا ذکر کسی مجلس میں کرے تو میں اسکا ذکر اس سے بہتر مجلس میں کرتا ہوں۔اگر وہ ایک بالشت میرے قریب آئے تو میں ایک ذراع اس سے قریب ہوتا ہوں۔اگر وہ ایک ذراع میرے قریب آئے تو میں دو ہاتھ اس کے قریب ہوتا ہوں۔اگر وہ چل کر میری بارگاہ میں حاضر ہو تو میری رحمت دوڑ کر اس کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔(مسلم، کتاب الذکر۔بخاری، کتاب التوحید۔ترمذی، کتاب الدعوات)

(۸) **عن ابی سعید الخدری رضی الله عنه ان رسول الله ﷺ قال: یقول الله عزوجل یوم القیامه :سیعلم اهل الجمع من اهل الکرم، فقیل**

Marfat.com

ومن اهل الکرم یا رسول اللہ ﷺ ! قال! اهل مجالس الذکر فی المساجد.
(مسند امام احمد . ابو یعلی. صحیح ابن حبان. سنن بیهقی)

حضرت ابوسعید خدری رضی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
''قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا۔ آج تمام لوگ جان جائیں گے کہ اہل کرم کون ہیں'' عرض کی گئی: یا رسول اللہ ﷺ! اہل کرم کون لوگ ہیں''؟ تو ارشاد فرمایا، مسجدوں میں محافل ذکر کا انعقاد کرنے والے''۔

(۹) عن انس رضی اللہ عنه عن رسول اللہ ﷺ، قال: مامن قوم اجتمعوا یذکرون اللہ عزوجل لا یریدون بذلک الاوجهه، الانا داه منادمن السماء ان قوموا مغفورا لکم وقد بدلت سیناتکم حسنات (مسند امام احمد بن حنبل . مجمع الزوائد، ج ۱۰، ص ۷٦)

''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، کہ جو قوم بھی اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لئے جمع ہوتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے سوا ان کا کوئی مقصد نہیں ہوتا۔ آسمان سے ایک منادی ایک ندا دیتا ہے کہ تم اس مجلس سے اس حال میں اٹھو کہ تمہارے گناہ بخش دیئے جائیں گے اور تمہاری برائیوں کو نیکیوں میں بدل دیا جائے گا۔''

(۱۰) عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنه قال، قال رسول اللہ ﷺ : یقول الرب تبارک وتعالیٰ: من شغله قراء ة القرآن وذکری عن مسئالتی اعطیته افضل ما اعطی السائلین (ترمذی)

''حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے'' جس شخص کو تلاوت قرآن اور میرے ذکر نے مجھ سے سوال کرنے سے مشغول کر دیا، تو اس کو میں سوال کرنے والوں سے بھی زیادہ عطا کرتا ہوں''۔

اس کے علاوہ بھی کر فضیلت، اس کے لئے اجتماع اور ذکر جہری وسری کے بارے میں بہت سے احادیث وارد ہیں۔

Marfat.com

ذکر کی فضیلت میں علمائے کرام کے اقوال:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ

آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جب بھی کسی عبادت کو فرض کیا تو اس کی ایک معلوم حد متعین کر دی۔ اور حالت عذر میں معذوروں کو رخصت دی سوائے اللہ تعالیٰ کی ذکر کے۔ کہ اس کی نہ کوئی حد متعین کی اور نہ ہی اس کے ترک کرنے میں کسی کو معذور جانا سوائے مجنون کے۔ اس کے علاوہ اپنے بندوں کو تمام احوال میں ذکر کرنے کا حکم دیا۔ اللہ جل شانہ نے ارشاد فرمایا:

فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ (نساء:۱۰۳)

''ذکر کرو اللہ تعالیٰ کا کھڑے ہوئے اور بیٹھے ہوئے اور اپنے پہلوؤں پر (لیٹے ہوئے)''

ایک دوسرے مقام پر فرمایا:

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا (احزاب:۴۱)

''اے ایمان والو! یاد کیا کرو اللہ تعالیٰ کو کثرت سے''۔

یعنی اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو رات میں، خشکی اور تری میں، سفر اور حضر میں، غنا اور فقر میں، صحت اور بیماری میں، پوشیدہ اور علانیہ طور پر۔ اور حتیٰ کہ ہر حال میں۔ (نور التحقیق ص ۱۴۷)

ابن عطاء اللہ سکندری رحمۃ اللہ علیہ:

ابن عطاء اللہ سکندری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ذکر سے دل کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دائمی حضوری حاصل ہوتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ نسیان اور غفلت سے چھٹکارا بھی۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ذکر اللہ تعالیٰ کے اسم ذاتی یا اس کی کسی صفت کو بار بار دہرانے کا نام ہے۔ اسی طرح اس کے کسی حکم، فعل یا اس کے علاوہ دوسرے امور جو قرب الٰہی کے باعث ہوں۔ یہ تمام ذکر میں شامل ہیں۔ (مفتاح الفلاح، ص ۴)

Marfat.com

امام ابوقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ:

آپ فرماتے ہیں کہ ذکر ولایت کا منشور، وصال کا منارہ، راہ سلوک پر چلنے کی علامت اور منزل تک پہنچنے کی دلیل ہے۔ ذکر سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں۔ تمام خصائل حمیدہ جو ذکر کی طرف ہی راجع ہیں تمام کا منبع ذکر ہی ہے۔

☆ابن قیم الجوزیہ:

ابن قیم الجوزیہ فرماتے ہیں: ''بلاشک وریب چاندی اور تانبے کی طرح دل بھی زنگ آلود ہو جاتا ہے۔ اور اس کی صفائی ذکر سے ممکن ہے۔ ذکر الٰہی دل کو چمکتے ہوئے آئینہ کی مانند کر دیتا ہے۔ اور جب ذکر ترک کر دیا جاتا ہے تو دل پھر زنگ آلود ہو جاتا ہے۔ جبکہ زنگ لگنے کے دو سبب ہیں:

(i) غفلت (ii) گناہ

اور اس کی صفائی بھی دو چیزوں سے ہوتی ہے:

(۱) استغفار (۲) ذکر

کثرت غفلت سے قلب انسانی پر دبیز تہہ جم جاتی ہے۔ اور جب قلب زنگ آلود ہو جاتا ہے تو معلومات کی حقیقی تصاویر اس میں منعکس نہیں ہوتیں۔ تو پھر اس کے نزدیک حق و باطل میں تمیز نہیں رہتی۔ اور وہ حق کو باطل اور باطل کو حق سمجھنے لگتا ہے۔ کیونکہ جب اس کے دل پر زنگ تہہ در تہہ جم جاتا ہے تو اس کا دل تاریک ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ حقائق کی اصلی تصاویر ظاہر نہیں ہوتیں۔ پھر مزید سیاہ ہو کر اس پر رین جم جاتا ہے۔ اس کا تصور اور ادراک فاسد ہو جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے نہ تو وہ حق کو قبول کرتا ہے اور نہ ہی باطل کا انکار کرتا ہے۔ اور یہ دل کے لئے سخت ترین سزا ہے اور اس کا سبب غفلت اور خواہشات نفسانیہ ہیں۔ کیونکہ یہ دونوں چیزیں نور دل کو مٹا کر بصیرت کو اندھا کر دیتی ہیں۔

Marfat.com

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا

(کھف: ۲۸) الوابل الصیب، ص۵۲، (ابن قیم)

ترجمہ: ''اور نہ پیروی کیجئے اس (بدنصیب) کی غافل کر دیا ہے جس کے دل کو اپنی یاد سے اور وہ اتباع کرتا ہے اپنی خواہش کی اور اس کا معاملہ حد سے گزر گیا ہے''۔

☆ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ:

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں آیا ''للہ الاسماء الحسنی'' کے تحت فرماتے ہیں: ''جہنم میں داخل ہونے کا سبب ذکر اللہ سے غفلت ہے۔ اور عذاب جہنم سے چھٹکارا ذکر اللہ سے ہی ممکن ہے''۔ اصحاب ذوق ومحبت فرماتے ہیں: ''جب قلب ذکر اللہ سے غافل ہوتا ہے، اور دنیا اور اس کی خواہشات کی طرف متوجہ ہو کر حرص وحرمان میں واقع ہو جاتا ہے۔ اور پھر ایک رغبت سے دوسری رغبت کی طرف، اور ایک طلب سے دوسری طلب کی جانب منتقل ہوتا رہتا ہے۔ حتی کہ تاریکیوں میں گر جاتا ہے۔ اور جب اس کے دل پر اللہ کے ذکر اور معرفت کا دروازہ کھلتا ہے تو ان تمام آفات اور مصائب سے چھٹکارا حاصل کر کے اسے رب تعالیٰ کی معرفت کا شعور حاصل ہو جاتا ہے۔

(تفسیر کبیر۔ امام رازی۔ جلد نمبر ۴ ص ۲۷)

☆ شیخ احمد زورق رحمۃ اللہ علیہ:

آپ فرماتے ہیں کہ اقوال، افعال اور اعیان کے خواص ایک ثابت شدہ حقیقت ہیں۔ لیکن ذکر کے خواص ان سب سے بڑھ کر واضح ہیں۔ اور کوئی عمل، ذکر اللہ سے بڑھ کر عذاب الٰہی سے بچانے والا نہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے مختلف قسم کی دواؤں اور معجونوں کے خواص مقرر کیئے ہیں۔ جس طرح طبیب ہر مریض کو اس کی طبیعت کے موافق دوائی دیتا

Marfat.com

ہے۔اسی طرح شیخ بھی مرید کی ضرورت کے مطابق وظائف واوراد مختص کرتا ہے۔

(قواعد تصوف۔احمد زورق،ص ۳۷)

☆ شیخ احمد بن عجیبہ رحمۃ اللہ علیہ:

آپ فرماتے ہیں کہ بندہ اس وقت ہی مقام رضا تک رسائی کرتا ہے جب وہ سلوک کے ابتدائی تین مراحل کو عبور کرے:

(۱) کہ وہ اسم جلالت (اللہ) کے ذکر میں مستغرق ہو۔ یہ اسی کیلئے ممکن ہے جسے مرشد کامل سے ذکر کی اجازت ہو۔

(۲) کہ اسے ذاکرین کی صحبت میسر ہو۔

(۳) کہ وہ شریعت محمد یہ ﷺ علی صاحبہا افضل الصلوات والتسلیمات، پر سختی سے کار بند ہو۔(شرح الاجرومیہ۔ابن عجیبہ)

خلاصہ بحث:

تمام صوفیاء کرام اپنے مریدین کو منازل سلوک طے کرنے کے لیے ذکر کی نصیحت کرتے ہیں اور یہ واضح کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کی رضا تک پہنچنے کا عملی طریقہ تمام احوال میں کثرت ذکر اور صحبت ذاکرین ہے۔ کیونکہ ان کی صحبت نفس امارہ کی شہوات کا قلع قمع کر دیتی ہے۔

ذکر کی اقسام

ذکر کی مختلف اقسام ہیں:

(۱) ذکر سری و جہری

ذکر الٰہی یقیناً مشروع ہے خواہ سراً ہو یا جہراً۔ اور رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں قسموں کی طرف رغبت دلائی ہے۔ لیکن علمائے شریعت فرماتے ہیں کہ ذکر بالجہر اس وقت

Marfat.com

افضل ہے جب وہ ریا اور نمازی، قاری قرآن اور سونے والے کی اذیت سے خالی ہو۔ اور انہوں نے اپنے موقف پر درج ذیل حدیث سے استدلال کیا ہے:

(i) **عن ابی هریره رضی الله عنه : قال رسول الله ﷺ :یقول الله: انا عندظن عبدی بی وانامعه اذاذکرنی ، فان ذکرنی فی نفسه ذکرته فی نفسی، وان ذکرنی فی ملاذکرته فی ملا خیر منهم۔**

(ترمذی۔النسائی)

ترجمہ: ''میرا اپنے بندے کے ساتھ برتاؤ ویسا ہوتا ہے جیسا وہ میرے متعلق گمان رکھتا ہے۔ اور میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں جب وہ میرا ذکر کرتا ہے۔ اگر وہ اپنے دل میں میرا ذکر کرے تو میں اپنی شان کے مطابق اس کا ذکر کرتا ہوں۔ اور اگر وہ میرا ذکر کسی جماعت میں کرے تو میں اس سے افضل جماعت میں اس کا ذکر کرتا ہوں'' (الحدیث)

اس حدیث پاک میں جماعت میں ذکر کا تذکرہ آیا ہے اور یہ ذکر، ذکر بالجہر ی ہوسکتا ہے۔

(ii) **قال ابن الادرع رضی الله عنه انطلقت مع النبی ﷺ لیله، فمربرجل فی المسجد یرفع صوته، قلت : یا رسول الله ﷺ! عسی ان یکون مرائیا. قال: لا ولکنه اواه.(رواه البیهقی)**

ترجمہ: حضرت ابن ادرع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ ایک رات میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھا۔ آپ ﷺ کا گزر ایک ایسے آدمی سے ہوا جو مسجد میں باآواز بلند ذکر کر رہا تھا۔ میں نے عرض کی: ''یارسول اللہ ﷺ! ممکن ہے کہ یہ شخص ریا کار ہو'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں! بلکہ وہ تو انتہائی مخلص اور رقیق القلب ہے''۔ (الحدیث)

(iii) **قال:ان رفع الصوت بالذکرحین ینصرف الناس من المکتوبه کان**

Marfat.com

علی عهدالنبی ﷺ. قال ابن عباس کنت اعلم اذاانصرفوابذلک اذاسمعته. (بخاری)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں فرضی نمازوں کے بعد ذکر بالجہر معروف تھا۔آپ فرماتے ہیں کہ جب میں ذکر کی آواز سنتا تو مجھے معلوم ہوجاتا کہ لوگ نماز سے واپس آرہے ہیں۔(الحدیث)

(۱۷) قال شداد بن حاکم: انا لعند النبی ﷺ، اذقال: ارفعوا ایدیکم فقولوا: لا اله الا الله، ففعلنا، فقال: اللهم انک بعثتنی بهذه الکلمه وامرتنی بهاو اعدتنی بها الجنه. انک لا تخلف المیعاد، ثم قال: ابشروا، فان الله قدغفرلکم. (المستدرک للحاکم)

ترجمہ: حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر تھے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:''اپنے ہاتھوں کو بلند کرو۔اور کہو،''لاالہ الا اللہ'' ہم نے آپ ﷺ کے حکم کی تعمیل کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے اللہ! تو نے مجھے اس کلمہ کے ساتھ مبعوث فرمایا، اوراس کا مجھے حکم دیا اوراس پر جنت کا وعدہ فرمایا۔ یقیناً تو اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔ ''پھر آپ نے ارشاد فرمایا:''تمہیں خوشخبری ہو۔ اللہ تعالیٰ نے تمہاری مغفرت فرمادی''(الحدیث)

(۵) عن سائب ان رسول الله ﷺ قال: جائنی جبریل ، قال مرا صحابک یرفعوا اصواتهم بالتکبیر. (ابوداود۔ترمذی،مسنداحمد)

ترجمہ: حضرت سائب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے پاس جبریل آئے اورعرض کی، کہ اپنے صحابہ کوحکم دو کہ وہ بلند آواز سے تکبیر کہیں۔(الحدیث)

Marfat.com

ان کے علاوہ اور بھی احادیث کثیرہ ذکر بالجہر پر دلالت کرتی ہیں۔ان میں سے پچیس احادیث کو امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ ''**نتیجه الفكر في الجهر في الذكر**'' میں رقم کیا ہے۔آپ ارشاد فرماتے ہیں: ''تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔اور سلام ہو اس کے منتخب بندوں پر، اللہ تعالیٰ تجھے عزت سے نوازے، تو نے صوفیائے کرام کے مروجہ حلقات ذکر اور مساجد میں ذکر بالجہر کے متعلق سوال کیا ہے کہ کیا یہ مکروہ ہے یا نہیں؟

الجواب: اس میں کسی قسم کی کراہت نہیں۔ کیونکہ بہت سی ایسی حادیث وارد ہوئی ہیں جو ذکر بالجہر کے استحباب کی متقضی ہیں۔اور اسی طرح ایسی احادیث بھی ہیں جو ذکر سری کے استحاب پر دلالت کرتی ہیں۔ ان ہر دو اقسام میں تطبیق اس طرح ممکن ہے کہ ذکر کا حکم حالات اور اشخاص کے تبدیل ہونے سے بدلتا رہتا ہے، اور ان میں سے ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ بیان کیا جاتا ہے۔ پھر آپ نے وہ تمام احادیث ذکر فرمائیں جو ذکر بالجہر پر دلالت کرتی ہیں پھر آخر میں فرماتے ہیں: ''ان تمام احادیث سے معلوم ہوا کہ ذکر بالجہر میں کچھ کراہت نہیں بلکہ بعض احادیث تو اس کے استحباب پر صراحۃً یا کنایۃً دلالت کرتی ہیں۔ جیسا کہ میں نے پہلے بیان کیا ہے۔اور حدیث ''**خير الذكر الخفي**'' ذکر بالجہر کے معارض نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ یہ تو اسی طرح ہے، جس طرح کہ بعض احادیث میں بلند آواز سے اور بعض میں پست آواز سے پڑھنے کا حکم دیا ہے۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے ان دونوں کے درمیان تطبیق اس طرح کی ہے کہ ذکر سری اس وقت افضل ہے جب ذاکر کو ریا کا خوف ہو یا، اس سے نمازیوں یا سونے والوں کو تکلیف ہو۔اور اس کے علاوہ باقی تمام صورتوں میں ذکر بالجہر افضل ہے کیونکہ اس میں عمل کثیر ہوتا ہے اور اس کا فائدہ سننے والوں کو بھی پہنچتا ہے۔ ذکر کرنے والے کو بیدار رکھتا ہے۔اور اس کے کانوں کو ذکر کی طرف متوجہ کرتا ہے، نیند دور کرتا ہے، اور نشاط میں

Marfat.com

اضافہ کرتا ہے۔ بعض بزرگوں نے فرمایا ہے: ''تلاوت کا کچھ حصہ سراً اور کچھ جہراً ہونا چاہیے کیونکہ سراً تلاوت کرنے والا کبھی اکتا جاتا ہے۔ اسے چاہیے کہ وہ جہر سے انس حاصل کرے اور اسی طرح ذکر بالجہر کرنے والا جب اکتا جائے تو اسے چاہیئے کہ ذکر سری سے راحت حاصل کرے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ

(اعراف: ۲۰۵)

''اور یاد کرو اپنے رب کو اپنے دل میں عاجزی کرتے ہوئے اور ڈرتے اور زبان سے بھی چلائے بغیر''۔

میرے نزدیک اس کے تین جوابات ہیں:

جواب نمبر ا: یہ آیت مکی ہے جس طرح کہ سورہ اسراء میں ہے:

''وَلَا تَجْهَرْ بِصَلٰوتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا'' (اسراء: ۱۱۰)

ترجمہ: اور نہ تم بلند آواز سے نماز پڑھو اور نہ بالکل آہستہ پڑھو۔

یہ آیت مکی ہے۔ یہ آیت کریمہ اس وقت نازل ہوئی جب نبی کریم ﷺ بلند آواز سے تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ اور مشرکین مکہ اس کو سن کر قرآن اور صاحب قرآن کو گالیاں دیا کرتے تھے۔ اس لئے آپ کو سد ذرائع کے طور پر با آواز بلند تلاوت سے روک دیا گیا۔ جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے اسی وجہ سے بتوں کو گالی دینے سے روکا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ

(الانعام: ۱۰۸)

ترجمہ: ''اور نہ برا بھلا کہو انہیں جن کی یہ پرستش کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا، کہ وہ

Marfat.com

بھی برا بھلا کہنے لگے اللہ کو زیادتی کرتے ہوئے جہالت سے‘‘۔

لیکن اب یہ علت ختم ہو چکی ہے۔ ابن کثیر نے بھی اپنی تفسیر میں اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔

جواب نمبر۲: بہت سے مفسرین جن میں عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم جو کہ امام مالک کے شیخ ہیں اور ابن جریر وغیرہ نے فرمایا ہے: اس آیت میں قرآن کریم کی تلاوت کے وقت ذاکر کو پست آواز سے ذکر کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور یہ حکم قرآن کریم کی تلاوت کی تعظیم کی وجہ سے ہے کہ اس کی تلاوت کے وقت ذکر کی آواز اس سے بلند نہیں ہونی چاہیئے۔ ان دونوں آیات کا متصل ہونا اس احتمال کو مزید تقویت دیتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاِذَاقُرِیءَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْالَهٗ وَاَنْصِتُوْا ۔ (الاعراف: ۲۰۴)

ترجمہ: ’’اور جب پڑھا جائے قرآن مجید تو کان لگا کر سنوا سے اور چپ ہو جاؤ‘‘۔

میں کہتا ہوں کہ مکلّف کو جب بوقت تلاوت قرآن خاموشی کا حکم دیا گیا تو خوف پیدا ہو گیا کہ کہیں وہ اس خاموشی پر دوام اختیار نہ کر جائے۔

اس لئے اسے تنبیہ کی گئی کہ اگر چہ اسے زبان کے ساتھ خاموش رہنے کا حکم ہے لیکن قلبی ذکر کی صورت تو باقی ہے حتیٰ کہ وہ کسی حالت میں بھی ذکر الٰہی سے غافل نہ ہو۔ اسی وجہ سے اس قول کے ساتھ آیت کو ختم کیا گیا۔ ارشاد خداوندی ہے: **ولا تکن من الغافلین۔**

’’مت ہونا غافلوں میں سے‘‘۔

جواب نمبر۳: صوفیائے کرام نے فرمایا ہے کہ اس آیت کا حکم نبی کریم ﷺ کے ساتھ، جو کہ کامل و مکمل تھے، خاص تھا۔ لیکن آپ ﷺ کے علاوہ دوسرے لوگ جو مختلف وساوس اور ناپسندیدہ خواطر قلبیہ سے دوچار رہتے ہیں تو انہیں ذکر بالجہر کا حکم ہے۔ کیونکہ یہ طریقہ ان کو وساوس سے نجات دلانے میں انتہائی موثر ہے۔

Marfat.com

میں کہتا ہوں کہ حضرت بزاز کی معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کردہ حدیث بھی اسی مفہوم کی موید ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''من صلی منکم باللیل فلیجھر بقرئته. فان الملائکة تصلی بصلوته وتسمع بقرئته وان مومنی الجن الذین یکونون فی الھواء وجیرانه معه فی مسکنه یصلون بصلوته ویستمعون قراته وانه ینطرد بجھره بقرائته عن داره وعن الدور التی حوله فساق الجن ومرده الشیاطین''

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تم میں سے جو رات کو نماز پڑھے۔ اسے بلند آواز سے قرآت کرنی چاہیئے۔ کیونکہ فرشتے اس کے ساتھ نماز پڑھتے، اور قرآت سنتے ہیں۔ اور اسی طرح مومن جن جو کہ ہوا میں رہتے ہیں، اور اس کی بلند قرآت سے اس کے گھر اور اس کے اردگرد کے گھروں کے فاسق جن اور سرکش شیطان بھاگ جاتے ہیں۔''

اور اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اُدْعُوْا رَبَّکُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْیَةً ۔ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ (اعراف:۵۵)

ترجمہ: ''پکارو اپنے رب کو گڑگڑاتے ہوئے اور آہستہ آہستہ، بے شک اللہ تعالیٰ نہیں دوست رکھتا حد سے بڑھنے والوں کو۔''

اور اعتداء کی تفسیر بلند آواز سے کی گئی ہے۔ میں کہتا ہوں کے جواب کی دو صورتیں ہیں:

(۱) اس کی راجح تفسیر یہ ہے کہ دعا مانگنے والا ماموربہ سے تجاوز کرے یا ایسی دعا مانگے جس کی شرع میں کوئی اصل نہ ہو۔ اور اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس کو ابن ماجہ اور حاکم نے حضرت ابونعامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ حضرت عبداللہ مغفل رضی

Marfat.com

اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کو سنا کہ وہ دعا مانگ رہا ہے: ”اے اللہ! تیری بارگاہ میں جنت کے دائیں طرف سفید محل کا طالب ہوں“۔ تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا۔ کہ میری امت میں کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو دعا کرنے میں حد درجہ بڑھ جائیں گے۔ (الحدیث)

تو یہ صحابی کی تفسیر ہے اور وہی معنی کو بہتر جانتے ہیں۔

(۲) اگر ہم اس آیت کے ظاہری معنی کو تسلیم کر لیں تو بھی یہ آیت کریمہ دعا کے بارے میں نازل ہوئی ہے، اور دعا میں افضل اصرار ہے کیونکہ وہ قبولیت کے زیادہ قریب ہے۔ اسی لئے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِذْ نَادٰی رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا (مریم:۳)

ترجمہ: ”جب اس نے پکارا اپنے رب کو چپکے چپکے“۔

اسی وجہ سے نماز میں بالاتفاق سرا پڑھنا مستحب ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے بعض لوگوں کو مسجد میں بلند آواز سے ذکر کرتے ہوئے دیکھا۔ آپ نے ارشاد فرمایا: ”میرے خیال کے مطابق تم لوگ بدعتی ہو“۔ حتی کہ ان کو مسجد سے نکال دیا۔

میں کہتا ہوں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی اثر کی سند کی تحقیق ضروری ہے اور یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ کن کن محدثین نے اس کو روایت کیا ہے۔ بالفرض اگر یہ ثابت بھی ہو تو یہ ان بہت سی احدیث کے معارض ہے جن کو ہم نے ذکر کیا ہے۔ اور تعارض کے وقت یہ احادیث صحیحہ ان پر مقدم ہیں۔ پھر میں نے ایسی روایت بھی دیکھی ہے جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس عمل کے برعکس ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے ابو وائل سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں: ”یہ لوگ گمان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ذکر سے روکا کرتے تھے حالانکہ جس مجلس میں مجھے

Marfat.com

ان کے ساتھ بیٹھنے کا اتفاق ہوا تو دیکھا کہ وہ ذکر اللہ ضرور کرتے تھے"۔ اسی طرح امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے "کتاب الزہد" میں ثابت بنانی سے روایت کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ اہل ذکر جب اللہ کے ذکر کے لئے بیٹھتے ہیں۔ ان پر پہاڑوں کی مثل گناہ ہوتے ہیں اور جب وہ اللہ کے ذکر سے اٹھتے ہیں تو ان پر کوئی گناہ باقی نہیں رہتا۔

(الحوی للفتاوی، ج ۱ص ۳۴۹۔ امام جلال الدین سیوطی)

علامہ شیخ محمود الوسی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں اس آیت "وان تجهر بالقول فَاِنَّهٗ یَعْلَمُ السِّرَّ والحفی" کے تحت فرماتے ہیں کہ کہا گیا ہے کہ بلند آواز سے ذکر اور دعا سے منع کیا گیا ہے، اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد "وَاذْکُرْ رَّبَّکَ فِیْ نَفْسِکَ تَضَرُّعًا وَّ خِیفَةً دُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ" اس کی دلیل ہے۔

معلوم ہونا چاہیئے کہ بلند آواز سے ذکر اور دعا سے، نہی اپنے اطلاق پر نہیں۔ امام نووی اپنے فتاویٰ میں ذکر کرتے ہیں کہ ذکر بالجہر شرعاً ممنوع نہیں ہے بلکہ مشروع اور مستحب ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب میں اخفاء سے افضل ہے اور یہی امام حنبل کا ظاہر مذہب، اور امام مالک سے ایک روایت میں مروی ہے۔ جس کو حافظ ابن حجر نے "فتح الباری" میں نقل کیا ہے۔ اور یہی قول قاضی خان کا ہے۔ وہ اپنے فتاویٰ کے باب "غسل المیت" میں ذکر کرتے ہیں۔ کہ ذکر کی آواز بلند کرنا مکروہ ہے، پھر فرماتے ہیں۔ یہ اس شخص کے لئے ہے جو جنازہ کے ساتھ چل رہا ہو۔ جیسا کہ شوافع کا مذہب ہے۔ مطلقاً ذکر کی آواز کو بلند کرنا مکروہ نہیں۔ شیخ آلوسی فرماتے ہیں کہ "دون الجہر سے مراد ضرورت سے زائد آواز کو بلند کرنا ہے۔ اس وجہ سے معتدل جہر اور بقدر ضرورت جہر مامور بہ میں داخل ہے۔ کیونکہ بیس سے زائد احادیث سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ اکثر و بیشتر ذکر بالجہر کیا کرتے تھے"۔ اسی طرح حضرت ابو زبیر رضی اللہ عنہ سے صحیح مروی ہے کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

Marfat.com

كان رسول الله اذاسلم من صلوته يقول بصوته الاعلى، لا اله الاالله وحده لا شريک له له الملک وله الحمد وهو علی کل شی قدير ولاحول ولاقوه الابالله العلی العظيم .ولا نعبد الاایاه له النعمة ولہ الفضل

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ جب نماز سے سلام پھیرتے تو بلند آواز سے فرماتے: ''لا اله الا الله وحده لاشريک له ''الی آخرہ۔(الحدیث)

علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ شیخ ابراہیم کورانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ کی تحقیق میں دوعظیم رسالے لکھے ہیں۔ پہلے کا نام ''نشرالزھر فی الذکر بالجھر'' اوردوسرا رسالہ ''اتحاف المنیب الاواہ بفضل الجھر بذکراللہ'' ہے۔(روح المعانی، ج۱٦،ص۱۴۸، شیخ محمود آلوسی)

ذکر بالجہر کی افضلیت

علامہ طحطاوی رحمۃ اللہ علیہ ''مراقی الفلاح'' پر اپنے حاشیہ میں لکھتے ہیں: ''اس میں اختلاف ہے کہ ذکرخفی افضل ہے یا ذکر جہر؟ کیونکہ اس کے بارے میں بہت سی احادیث وارد ہیں۔جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد پاک ہے:

خير الذكر خفي و خيرالرزق مايكفي.

''بہترین ذکر'ذکرخفی ہی ہے،اور بہترین رزق وہ ہے جو کفایت کرے''۔

کیونکہ ذکرخفی میں زیادہ اخلاص پایا جاتا ہےاور یہ قبولیت کے زیادہ قریب ہوتا ہے۔بعض نے کہا ہے کہ ذکر جہرافضل ہے، کیونکہ اس کے بارے میں بہت سی احادیث وارد ہیں۔ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔نبی کریم ﷺ جب نماز سے سلام پھیرتے توبلندآواز سے فرماتے: لااله الا الله وحده لا شريک له، وله الحمد وهو على كل شی قدير ولا حول ولا قوة الا بالله العلی العظيم۔(الحدیث)

رسول اللہ ﷺ مسجد میں قرآن پڑھنے والے کو بلند آواز سے قرآن پاک پڑھنے

Marfat.com

کا حکم فرماتے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ قاری کو حکم دیتے کہ وہ بلند آواز سے قرآن پاک پڑھے تا کہ وہ اوران کے ساتھی اسے سنیں۔ کیونکہ یہ زیادہ ثواب کا باعث، اور قرآنی آیات میں تدبر کا مؤثر ذریعہ ہے۔ پھر غافلین کے دلوں کو بیدار کرنے کے لئے بھی نفع مند ہے۔

ان احادیث میں تطبیق اس طرح کی گئی ہے کہ اشخاص اور احوال کے مطابق اس کا حکم تبدیل ہوتا رہتا ہے۔ جس شخص کو ریا کا خوف ہو یا اس کی بلند آواز سے کسی کو تکلیف پہنچتی ہو تو اس کے لئے ذکر سری افضل ہے۔ اور جس شخص کو ان اشیاء کا خطرہ نہ ہو۔ اس کے لئے ذکر بالجہر افضل ہے۔ فتاویٰ قاضی خان میں ہے کہ مساجد میں ذکر بالجہر سے منع نہ کیا جائے تا کہ ایسا ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے زمرہ میں نہ آ جائیں۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ (بقرہ: ۱۱۴)

ترجمہ: ''اور کون زیادہ ظالم ہے اس سے جو روک دے اللہ کی مسجدوں سے کہ ذکر کیا جائے ان میں اس کا نام''۔

اور اسی طرح فتاویٰ بزازیہ میں ہے۔ امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''علمائے خلف وسلف کا اس بات پر اجماع ہے کہ مساجد وغیرہ میں حلقے کی صورت میں ذکر کرنا مستحب ہے۔ مگر جب ذکر سونے والوں، نمازیوں اور تلاوت قرآن کرنے والوں کے لئے تشویش کا باعث بنے، جیسا کہ کتب فقہ میں اس چیز کا ثبوت ہے''۔

(حاشیہ طحطاوی صفحہ نمبر ۲۰۸)

ابن عابدین اپنے مشہور حاشیہ میں فرماتے ہیں کہ ''فتاویٰ خیریہ'' کے ''باب الکراھیہ والاحسان'' میں منقول ہے کہ بہت سی احادیث ذکر بالجہر کی مقتضی ہیں جیسے:

ان ذکرنی فی ملاذ کرتہ فی ملا خیر منہ (رواہ الشیخین)

ترجمہ: ''اگر وہ میرا ذکر کسی جماعت میں کرتا ہے تو میں اس سے کہیں بہتر جماعت میں اس کا ذکر کرتا ہوں''۔ (الحدیث)

Marfat.com

اس کے علاوہ بعض احادیث ایسی ہیں جو ذکر سری کا تقاضا کرتی ہیں۔ان دونوں کے مابین تطبیق اس طرح کی گئی ہے کہ یہ حکم اشخاص اور احوال کے تبدیل ہونے سے مختلف ہوتا رہتا ہے۔جس طرح کہ ان احادیث میں تطبیق کی گئی ہے جن میں بلند اور پست آواز سے قرآن پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ذکر بالجہر کے معارض یہ حدیث۔

''خیر الذکر الخفی ''نہیں ہوسکتی۔کیونکہ یہ اس صورت میں ہے جب ریا کا خوف ہو یا نمازیوں یا سونے والوں کی اذیت کا اندیشہ ہو۔اس صورتوں کے علاوہ اہل علم کے نزدیک ذکر بالجہر افضل ہے کیونکہ اس میں عمل زیادہ ہے اور اس سے سامعین بھی مستفید ہوئے ہیں۔اور ذاکر کے دل کو بیدار اور اس کی قوت سماعت کو اپنی طرف متوجہ کرتا ہے۔نیند کو دور،اور نشاط میں اضافہ کا باعث بنتا ہے۔اسی طرح'' حاشیہ الحموی'' میں امام شعرانی سے منقول ہے:''علمائے خلف وسلف کا مساجد میں اجتماعی ذکر کے استحباب پر اجماع ہے۔جبکہ ان کی بلند آواز سونے والوں،نمازیوں اور تلاوت قرآن والوں کے لئے تشویش کا باعث نہ ہو'' (حاشیہ ابن عابدین، ج۵،ص۲۶۳)

شیخ عبدالوہاب شعرانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:''میں نے اپنے بھائی افضل الدین رحمتہ اللہ علیہ سے سنا ہے کہ فرماتے ہیں کہ ذکر باللسان اکابر اور اصاغر سب کے لئے مشروع ہے۔کیونکہ حجاب عظمت کسی بھی منکشف نہیں ہوا۔حتیٰ کہ انبیاء کیلئے بھی یہ حجاب ہوتا ہے لیکن انتہائی رقیق ہوتا ہے۔(المیزان' ج۱ص۱۶۰'عبدالوہاب شعرانی)

امام نووی فرماتے ہیں کہ علماء کا اجماع ہے کہ بے وضو،جنبی اور حیض ونفاس والی عورتوں کے لئے قلبی اور لسانی ذکر جائز ہے اور یہ ذکر تسبیح وتہلیل اور تکبیر، نبی پاک ﷺ پر درود ودعا کی صورت میں ہوسکتا ہے۔وہ فرماتے ہیں کہ ذکر،قلب کے ساتھ بھی ہوسکتا ہے اور لسان سے بھی۔لیکن افضل ذکر یہ ہے کہ دل اور زبان دونوں سے ایک ساتھ کیا جائے۔ان دونوں میں سے افضل قلبی ذکر ہے۔لیکن اس کے ساتھ ساتھ ذکر کرنے والا اپنا مطلوب

Marfat.com

ومقصود رضائے خداوندی رکھے۔

فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''لوگوں کی وجہ سے کسی عمل کو ترک کرنا ریا شمار ہوتا ہے۔ اگر انسان اعمال خیر میں لوگوں کی فضول تا نک جھانک اور ظنون باطلہ میں الجھ جائے تو بہت سی نیکیوں سے محروم ہو جائے۔ اور بہت سے اہم دینی امور کو ترک کر دے۔ اور یہ عارفین کا طریقہ نہیں۔

غافل کے دل پر ایک پردہ حائل ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ ذکر اور دیگر عبادات میں لذت سے محروم ہو جاتا ہے۔ اسی وجہ سے کہا گیا ہے:

لا خیر فی ذکر مافی قلب غافل ساہ

ترجمہ: ''غافل اور بے خبر دل کے ساتھ ذکر کا کوئی فائدہ نہیں''۔

اس سے ہماری یہ مراد نہیں ہے کہ وہ حالت غفلت میں ذکر کو ترک کر دے۔ بلکہ بلند ہمت انسان کو چاہیئے کہ وہ اپنے نفس کے سات مجاہدہ کرے اور بار بار اپنے دل کی نگرانی کرے۔ یہاں تک کہ وہ حالت غفلت سے حالت حضور میں منتقل ہو جائے۔ اور یہ اس تیر انداز کی طرح ہے جو پہلی مرتبہ نہیں، بلکہ بار بار کوشش کرنے سے ہدف تک پہنچتا ہے۔

اسی طرح انسان اپنے دل کے ساتھ ذکر میں بار بار کوشش کرتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کا دل عادی، اور اللہ کی بارگاہ میں اسے حضوری حاصل ہو جاتی ہے۔

حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اہل بصیرت پر یہ بات منکشف ہوئی ہے کہ اعمال میں سب سے افضل ذکر ہے، لیکن اس کے تین غلاف ہیں ان تین غلافوں کے بعد اصل مغز ہے۔ لیکن ان غلافوں کو اس وجہ سے فضیلت حاصل ہے کیونکہ یہ اس اصل تک پہنچنے کا راستہ ہیں:

(۱) صدف لسانی ذکر

(۲) قلبی ذکر: جبکہ دل کو اس کی موافقت کی ضرورت ہو۔ یہاں تک کہ وہ ذکر کے

Marfat.com

ساتھ حاضر ہے۔ اگر دل کو اپنی حالت پر چھوڑ دیا جائے تو وہ افکار کی وادیوں میں گم ہو جائے۔

(۳) دل میں ذکر اس قدر پختہ اور غالب ہو جائے کہ اس کو کسی غیر کی طرف متوجہ کرنے کے لئے تکلف کی ضرورت ہو، جس طرح کہ دوسری صورت میں دل کو ذکر کی طرف متوجہ کرنے کے لیے تکلف کی ضرورت ہوتی ہے۔

یہ ان تینوں صورتوں کا لب لباب اور حاصل ہے۔ اور اس سے مراد یہ ہے کہ مذکور، دل میں گھر کر جائے اور ذکر مخفی ہو جائے اور اس کا اثر زائل ہو جائے۔ اور یہی اصل مقصود ہے۔ اور اس سے مراد یہ ہے کہ ذاکر نہ ذکر کی طرف متوجہ ہو اور نہ دل کی طرف۔ بلکہ مذکور میں مستغرق ہو جائے۔ اور اسی اثناء میں اگر ذاکر کی توجہ ذکر کی طرف ہو جائے تو یہ حجاب متصور ہوگا۔ اور عارفین کے نزدیک یہ فنافی اللہ کا مقام ہے۔ پھر آپ فرماتے ہیں: ''یہی اس ذکر کا حاصل اور ثمرہ ہے۔ اس کی ابتداء لسانی ذکر سے، پھر تکلفاً ذکر قلب سے، پھر طبعاً ذکر قلبی سے ہوتی ہے۔ پھر آخر میں مذکور دل میں متمکن ہو جاتا ہے۔ اور دل سے ذکر کا اثر زائل ہو جاتا ہے۔

(کتاب الاربعین فی اصول الدین۔ صفحہ نمبر ۵۲/۵۵۔ امام غزالی)

انفرادی اور اجتماعی ذکر

اجتماعی عبادت، انفرادی عبادت کے مقابلہ میں افضل و اعلیٰ ہے۔ کیونکہ اجتماعی عبادت میں مختلف قلوب باہم ملتے ہیں۔ باہمی تعاون کی فضا سازگار ہوتی ہے۔ ضعیف، قوی سے اور تاریک، روشن سے، کثیف، لطیف سے اور جاہل، عالم سے استفادہ کرتا ہے۔ حدیث پاک ہے:

عن انس رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ ﷺ قال، اذا مررتم بریاض الجنة، فارتعوا، قالوا: وما ریاض الجنة، قال حلق الذکر (الترمذی، کتاب الدعوات)

Marfat.com

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم جنت کے باغوں سے گزرو، تو کچھ کھا لیا کرو"۔ عرض کی گئی کہ "جنت کے باغ کون سے ہیں؟" فرمایا: "وہ ذکر کے حلقات ہیں"۔ (الحدیث)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اللہ تعالیٰ کے بعض فرشتے چل پھر کر زمین میں مجالس ذکر کو تلاش کرتے ہیں۔ اور جب کسی مجلس ذکر کو پالیں تو آسما تک اس مجلس ذکر کو اپنے پروں سے ڈھانپ لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے "تم کہاں سے آئے ہو؟" فرشتے عرض کرتے ہیں۔ "ہم تیرے ان بندوں کے پاس سے آئے ہیں، جو تیری تسبیح وتحمید بیان کرتے تھے۔ تیری بارگاہ میں دامن طلب دراز کرتے تھے، اور تجھ سے پناہ مانگتے تھے"۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: "وہ کس چیز کا سوال کرتے تھے؟" حالانکہ وہ خود بہتر جانتا ہے۔ وہ عرض کرتے ہیں: "اے مولیٰ! وہ تجھ سے جنت کا سوال کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا کیا انہوں نے اسے دیکھا ہے"؟ وہ عرض کریں گے۔ نہیں، یارب!" تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: "اگر وہ جنت کو دیکھ لیتے تو ان کی کیا حالت ہوتی۔" پھر اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: وہ کس چیز سے پناہ مانگتے تھے؟ جبکہ وہ خود بہتر جانتا ہے۔ وہ عرض کریں گے: آگ سے۔" ارشاد ربانی ہوگا: "کیا انہوں نے اس کو دیکھا ہے"؟ فرشتے عرض کریں گے: "نہیں" وہ فرمائے گا: "اگر وہ دیکھ لیتے تو ان کی کیا حالت ہوتی؟" پھر اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: "اے فرشتو! گواہ رہنا، میں نے اس کو بخش دیا۔ اور ان کو میں نے عطا کر دیا جس کا انہوں نے سوال کیا۔ اور ان کو پناہ دی جس سے انہوں نے پناہ مانگی" فرشتے عرض کریں گے: یا باری تعالیٰ! ان میں ایک گناہ گار آدمی تھا جو ان کے ساتھ بیٹھ گیا، جبکہ ان میں سے نہیں تھا"۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا "میں نے اسے بھی معاف کر دیا۔ کیونکہ وہ ایسے لوگ ہیں جن کا ہم نشین کبھی بد بخت نہیں ہوسکتا"۔

(مسلم۔ ترمذی۔ مستدرک)

Marfat.com

اورحدیث پاک ہے:

عن ابی هریرة، وعن ابی سعید الخدری رضی الله عنه قال، قال رسول اللهﷺ مامن قوم یذکرون الله الاحفتهم الملائکه و عشیتهم الرحمة و نزلت علیهم السکینه و ذکرهم الله فمن عنده . (مسلم . ترمذی)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ اور ابوسعید خدری رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ نبی کریمﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ذکر کرنے والے لوگوں کو اللہ کے فرشتے ڈھانپ لیتے ہیں، اللہ کی رحمت ان پر سایہ فگن ہوتی ہے۔ اطمینان وسکون ان پر نازل ہوتا ہے اللہ تعالیٰ ان کا ذکر اپنے فرشتوں میں کرتا ہے۔ (الحدیث)

عن معاویه رضی الله عنه ان النبیﷺ خرج علی حلقة اصحابه فقال، ما یجلسکم. قالوا، جلسنا نذکر الله ونحمده فقال! انه اتانی جبریل، فاخبرنی. ان الله یباهی بکم الملائکه. (المسلم. ترمذی)

ترجمہ: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریمﷺ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہما کے ایک حلقہ میں تشریف لائے۔ اور فرمایا: ''تم یہاں کس لئے بیٹھے ہو؟ انہوں نے عرض کیا: ہم یہاں بیٹھے اللہ کا ذکر اور اس کی حمد وثنا کر رہے ہیں'' تو آپﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ابھی ابھی میرے پاس جبرائیل آیا ہے۔ اس نے مجھے خبر دی کہ اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں میں تم پر فخر کرتا ہے''۔ (الحدیث)

حدیث پاک ہے:

عن انس رضی الله عنه قال ، قال رسول اللهﷺ ان الله سیاره للملائکة یطلبون حلق الذکر ، فاذااتوا علیهم حفوا بهم۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے بعض فرشتوں کی ڈیوٹی ہے کہ وہ اہل ذکر کے حلقات کی تلاش میں رہتے ہیں۔ اصحاب

Marfat.com

ذکر کی محفل ملنے پر اسے ڈھانپ لیتے ہیں"۔(الحدیث)

علامہ ابن عابدین اجتماعی ذکر کی بحث کے ضمن میں اپنے حاشیہ میں تحریر کرتے ہیں کہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے انفرادی اور اجتماعی ذکر کو تنہا اذان اور بہت سے اذان دینے والوں سے تشبیہ دی ہے۔کثیر اذانیں دینے والوں کی آواز ہوا کا سینہ چیر کر دور دراز تک پہنچ جاتی ہے اسی طرح اجتماعی ذکر رفع حجابات کیلئے بڑا موثر ذریعہ ہے۔

(حاشیہ ابن عابدین، ج ۵،ص ۲۶۳)

انفرادی ذکر دل کی صفائی، اس کو بیدار کرنے، اپنے رب کے ساتھ انسیت کا عادی بنانے اور اس کے مناجات میں مشغولیت اور اس کے قرب کا انتہائی موثر ذریعہ ہے۔ مومن کیلئے ضروری ہے کہ وہ خلوت میں ذکر کیلئے اپنا وقت مختص کرے اور قبل از ذکر اسے اپنے نفس کا محاسبہ، اور اپنے عیوب اور خطایا میں غور وفکر کرے۔اگر اسے کوئی گناہ نظر آئے تو توبہ کرے، اور اگر کوئی عیب نظر آئے، تو اس سے چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش کرے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سات آدمیوں کو اپنے عرش کے سائے کے نیچے پناہ دے گا جس دن اس کے سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا۔اور ان میں سے ایک وہ آدمی ہوگا جس نے تنہائی میں اللہ کا ذکر کیا تو اس کے آنسو بہہ نکلے"۔

انفرادی ذکر کے آداب:

ذاکر کو چاہیے کہ صفات کاملہ کا جامع ہو۔اگر وہ بیٹھ کر ذکر کر رہا تو اسے چاہیے کہ قبلہ جانب منہ کرے۔اپنے سر کو جھکا کر بڑے سکون و وقار کے ساتھ بحالت عاجزی و انکساری ذکر کرے۔اگر اس حالت کے علاوہ کسی حالت میں ذکر کرتا ہے تو یہ بھی جائز ہے اور کوئی کراہت نہیں۔لیکن بلا عذر اس حالت کو ترک کرنا خلاف اولیٰ ہے۔اسی طرح مجلس ذکر صاف اور شور وغل سے خالی ہو۔کیونکہ یہی ذکر اور مذکور کے احترام کیلئے موزوں ہے۔

Marfat.com

اسی وجہ سے مساجد اور بابرکت مقامات میں ذکر کی مدح کی گئی ہے۔ اسی طرح ذاکر کا منہ بھی صاف ہونا چاہیئے۔ جب اس کی ظاہری صفائی و نظافت مستحب ہے تو دل جو کہ رب کی نظر کا محل ہے، اس کی صفائی زیادہ اہم ہے۔ دل کو حقد و حسد، بخل، تکبر اور ریا اور دنیاوی روابط و مشاغل اور اغیار ایسی نجاسات سے پاک ہونا ضروری ہے۔ حتی کہ رب تعالیٰ کی ہم نشینی کا اہل ہو سکے۔ اور فیوضات ربانیہ سے ہمیشہ مستفید ہوتا رہے۔

ذکر تمام احوال میں محبوب و پسندیدہ ہے اور ذکر سے مراد حضور قلب ہے۔ ذاکر کو چاہئے کہ وہ اس بات کا خیال رکھے اور ذکر کے معانی میں غور و فکر کرے۔ اگر وہ استغفار کر رہا ہے تو اسے چاہیئے کہ وہ قلبی طور پر اللہ تعالیٰ سے توبہ و مغفرت کا طالب ہو۔ اور اگر وہ نبی کریم ﷺ پر درود پاک پڑھ رہا ہے تو اسے چاہیئے کہ وہ اپنے قلب میں رسول اللہ ﷺ کی عظمت کو اجاگر کرے۔ اور اگر وہ نفی و اثبات (یعنی لا الہ الا اللہ) کا ذکر کر رہا ہے تو اللہ تعالیٰ سے دور کرنے والی ہر شے کی نفی کرے۔

بہر حال ذاکر کو چاہیئے کہ عدم حضور قلب کی وجہ سے ذکر کو ترک نہ کرے۔ بلکہ اپنی زبان کے ساتھ ذکر اللہ کرتا رہے اگرچہ دل غافل ہی ہو کیونکہ ذکر سے انسان کا غافل ہونا اللہ تعالیٰ سے کلیۃ اعراض کرنے کے مترادف ہے۔ زبان کو ذکر میں مشغول کرنا، اطاعت خداوندی میں مصروف رکھنا ہے۔ اور اگر لسانی ذکر کو بھی ترک کر دیا جائے تو زبان، غیبت، چغل خوری اور اس طرح کی دیگر معاصی میں مبتلا ہو جاتی ہے۔

ابن عطاء اللہ سکندری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''ذکر اللہ میں حضور قلبی حاصل نہ ہونے کی وجہ سے ذکر کو ترک نہ کرنا چاہیئے۔ کیونکہ تیرا اس کے ذکر سے کلیۃ غافل ہونا اس کے ذکر میں عدم حضور قلب سے زیادہ نقصان وہ ہے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے غفلت والے ذکر سے بیداری کے ذکر کی طرف، اور بیداری کے ذکر سے حضور قلب کی طرف، اور پھر حضور قلب سے ایسے ذکر کی طرف منتقل کر دے جس میں اللہ کے سوا کسی اور

Marfat.com

چیز کا تصور تک نہ ہو۔اور ایسا کرنا خدا کیلئے مشکل نہیں ہے۔

(ایقاظ الھمم فی شرح الحکم، ج۱،ص۹۷۔ابن عجیبہ)

الختصر یہ کہ انسان لسانی ذکر کو جاری رکھے یہاں تک کہ اس کا دل کھل جائے،اور پھر اللہ کی بارگاہ میں حضوری حاصل ہو جائے۔

اجتماعی ذکر بالجہر کے آداب:

ذکر بالجہر کے تین آداب ہیں:

(۱) آداب سابقہ (۲) آداب مقارنہ (۳) آداب لاحقہ

ان تین قسموں میں سے ہر ایک کے دو حصے ہیں: (i) ظاہری (ii) باطنی

(۱) قبل از ذکر ظاہری آداب:

یہ درج ذیل ہیں:

۱۔کپڑے پاک ہوں۔II۔باوضو ہو۔III۔خوشبو وغیرہ لگائے۔۴۔حرام کی غذا اور کمائی سے محفوظ ہو۔

(۲) قبل از ذکر باطنی آداب:

یہ بھی مختلف قسم کے آداب ہیں۔

(i) سچی توبہ کے ساتھ اپنے دل کو پاک کرے۔

(ii) تمام امراض قلبیہ سے نجات حاصل کرے۔

(iii) اپنی قوت پر بھروسہ نہ کرے۔

(iv) انتہائی عاجزی وانکساری سے اللہ تعالیٰ کے فضل واحسان پر بھروسہ کرتے ہوئے بارگاہ ایزدی میں حاضر ہو۔

Marfat.com

دوران ذکر ظاہری آداب:

اگر لوگ پہلے سے بیٹھے ہوئے ہیں تو جہاں جگہ مل جائے وہیں بیٹھ جائے، اور اگر کھڑے ہوں تو ان کے پیچھے کھڑے کھڑے ذکر میں مشغول ہو جائے، حتی کہ اس کے قریب والے ساتھی اس کے لئے حلقے میں وسعت پیدا کر دیں تا کہ وہ ان کے درمیان داخل ہو کر نظم وضبط سے ذکر کر سکے۔ اور اگر بسبب عذر، حلقہ ذکر سے نکلنے کا ارادہ کرے تو اپنے دونوں اطراف سے ذاکرین کو ملا دے تا کہ حلقہ ذکر میں انقطاع نہ ہو۔ ذاکر کو چاہیئے کہ اپنے اصحاب ذکر کے ساتھ موافقت کرے نہ کہ ان کی مخالفت۔ ان کی آوازوں میں اپنی آواز کو مخفی کرنیکی کوشش کرے تا کہ ان کے ساتھ گھل مل جائے۔ اور اپنی آنکھوں کو بند رکھے۔ تا کہ بارگاہ خاوندی میں حضور قلب کے لئے کوئی رکاوٹ نہ ہو۔

دوران ذکر باطنی آداب:

شیطانی وساوس اور نفسانی خواطر کو دور کرنے کے لئے مجاہدہ کرے۔ اپنے دل کو امور دنیا میں مشغول نہ کرے۔ اپنے دل کی ہمت کے ساتھ ذکر میں حضوری کی کوشش کرے۔ بارگاہ ایزدی سے حاصل ہونے والے انوار وتجلیات کیلئے ہمہ تن تیار ہو جائے۔

بعد از ذکر ظاہری آداب:

ذکر کے بعد قرآن کریم کی تلاوت، پند ونصائح اور ارشادات شیخ کو غور سے سنے۔ اور شیخ کی نصیحت اور فرمان اور اس کی تفصیل کی طرف توجہ کرے۔ اور جب تک مجلس ذکر میں موجود رہے تو کسی قسم کی دنیاوی گفتگو نہ کرے۔ خلاف آداب ہر عمل سے پرہیز کرے، اور وہ بعد از اختتام محفل ذکر و دعا، اپنے شیخ اور پیر بھائیوں سے مصافحہ یا ہاتھ چوم کر سلام کرے۔

Marfat.com

بعد از ذکر باطنی آداب:

ذکر کے بعد باطنی آداب درج ذیل ہیں:

اس کا دل مختلف خواطر سے الگ اور التفات غیر سے محفوظ رہے۔ اور وہ عطائے خداوندی کا انتظار کرتا رہے۔ پھر کمر ہمت باندھ کر پختہ ارادہ اور عزم مصمم کر لے کہ وہ اس کے مابعد کی مجالس میں ضرور جائے گا۔

ذکر مقید اور ذکر مطلق:

ذکر مقید: وہ ذکر ہے جس کا وقت اور جگہ نبی کریم ﷺ نے متعین کر دیا ہو۔ جیسا کہ بعد از نماز تسبیح و تحمید اور تکبیر کا ذکر۔ مسافر، کھانے پینے اور نکاح کے اذکار، مصائب و آفات کو دور کرنے والا ذکر، مرض، موت اور ان دونوں کے متعلقہ امراض۔ بعد از نماز جمعہ، جمعرات، روائیت ہلاک، افطار صوم اور حج کے متعلق مختلف اذکار۔ اذکار صبح و شام، سونے، جاگنے اور جہاد فی سبیل اللہ کے اذکار اور اس کے علاوہ بہت سے متفرق اذکار ہیں۔ مرغ کی اذان، گدھے کی آواز سنتے وقت مخصوص دعائیں۔ مرض میں مبتلا کسی شخص کو دیکھ کر پڑھی جانے والی دعا۔

یہ اذکار مقیدہ کی چند ایک صورتیں ہیں اور اس کا تفصیلی بیان اذکار کی تفصیلی کتب میں موجود ہے۔

ذکر مطلق:

یہ وہ ذکر ہوتا ہے جو کسی زماں، مکان، وقت، حال، قیام و قعود سے بالاتر ہوتا ہے۔ ~~مومن سے مطلوب یہ ہے کہ وہ ہر حال میں اپنے رب کا ذکر کرتا رہے~~ اور اس کی زبان اپنے رب کے ذکر میں رطب اللسان رہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کے کثیر مقامات پر ذکر کا حکم دیا ہے۔

Marfat.com

ارشاداتِ خداوندی

(i) فَاذْكُرُوْنِیْ اَذْكُرْكُمْ (بقرہ: ۱۵۲)

ترجمہ: ''سو تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا''۔

(ii) یُسَبِّحُوْنَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ لَا یَفْتُرُوْنَ (انبیاء: ۲۰)

ترجمہ: ''وہ اس کی پاکی بیان کرتے ہیں صبح وشام اکتاتے نہیں''۔

(iii) یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِیْرًا وَسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِیْلًا

(احزاب: ۴۱،۴۲)

ترجمہ: ''اے ایمان والو! یاد کیا کرو اللہ تعالیٰ کو کثرت سے اور اس کی پاکی کیا کرو صبح وشام''۔

(iv) وَالذّٰكِرِیْنَ اللّٰهَ كَثِیْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِیْمًا (احزاب: ۳۵)

ترجمہ: اور کثرت سے اللہ کو یاد کرنے والے اور یاد کرنے والیاں۔ تیار کر رکھا ہے اللہ تعالیٰ نے ان سب کیلئے مغفرت اور اجر عظیم''۔

ان آیات بینات کے علاوہ اور بھی کثیر آیات ہیں جو مطلق ذکر اللہ کی کثرت کی داعی ہیں۔ اور جبکہ زمان و مکان کی کوئی قید نہیں۔ جس طرح کہ نبی کریم ﷺ نے تمام احوال واوقات میں ذکر کا حکم فرمایا ہے۔

احادیث نبویہ سے ثبوت

فقدروی عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ ان رجلا قال، یا رسول اللہ ﷺ! ان شرائع الاسلام قدکثرت علی، فاخبرنی بشئ اتشبث بہ، لا یزال لسانک طبامن ذکرک۔ (ترمذی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، ایک آدمی نے عرض

Marfat.com

اللہ ﷺ کی بارگاہ میں عرض کی: ''یا رسول اللہ ﷺ اسلام کے کثیر احکام ہیں مجھے کوئی ایسا حکم بتائیں جس کو میں مضبوطی سے تھام لوں'' فرمایا: ''تیری زبان ہمیشہ اللہ کے ذکر سے تر رہے''۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ہر وقت اللہ کے ذکر میں مصروف رہتے تھے۔(الحدیث)

رسول اللہ ﷺ نے ہمیں مختلف قسم کے اذکار کا حکم دیا ہے۔لیکن اس کا کوئی وقت مقرر نہیں کہ۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر جب بھی کوئی عبادت مقرر کی تو اس کی ایک حد مقرر کر دی، پھر حالت عذر میں معذورین کو رخصت دی۔لیکن ذکر ایک ایسی عبادت ہے کہ جس کی نہ تو کوئی حد مقرر کی، نہ ہی اس کے ترک کرنے میں کسی کو معذور جانا، سوائے مجنون کے۔اور اپنے بندوں کو ہر حال میں ذکر کرنے کا حکم صادر فرمایا۔جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(i) فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَامًا وَّ قُعُودًا وَّعَلٰى جُنُوبِكُمْ.(النساء: ۱۰۳)

ترجمہ: ''ذکر کرو اللہ تعالیٰ کا کھڑے ہوئے اور بیٹھے ہوئے اور پہلوؤں پر''۔

(ii) يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا(احزاب: ۴۱)

ترجمہ: ''اے ایمان والو! اللہ کا ذکر کثرت سے کیا کرو''۔

یعنی دن میں، رات میں، خشکی وتری، سفر وحضر، غنا وفقر، صحت ومرض، ظاہر ومخفی گویا کہ ہر حال میں اپنے رب کا ذکر کرو۔

صوفیائے کرام اسی طریقہ پر عمل پیرا ہو کر اپنے تمام احوال واطوار میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں۔جس طرح کہ بعض ذکر زمانہ کے ساتھ مقید ہوتے ہیں اور بعض مطلق۔اسی طرح بعض ذکر خاص تعداد کے ساتھ مقید ہوتے ہیں۔اور بعض اس سے مختلف۔ہر نماز کے بعد تسبیح وتحمید، تکبیر وتہلیل کی ایک خاص تعداد مقرر ہے۔

Marfat.com

حدیث پاک ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے ہر نماز کے بعد ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ ۳۳ مرتبہ الحمدللہ اور ۳۳ مرتبہ اللہ اکبر پڑھا ان کو جمع کرنے سے ۹۹ کا ہندسہ بنتا ہے اور ۱۰۰ مکمل کرنے کے لیے لاالہ الااللہ وحدہ لاشریک لہ لہ الملک ولہ الحمدوھو علی کل شی قدیر۔ تو اس کے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ اگرچہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں۔ (مسلم)

حدیث پاک:

عن سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ قال ،کناعند رسول اللہ ﷺ فقال : ایعجز احدکم ان یکسب احدیوم الف حسنہ فسائلہ سائل من جلسائہ . کیف یکسب احدناالف حسنہ قال: یسبح مائہ تسبیحاً. فتکتب لہ الف حسنہ او تحفظ عنہ الف خطیئہ ....(المسلم)

ترجمہ: حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: ہم نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا'' کیا تم میں سے ہر ایک روزانہ ہزار نیکیاں کمانے سے عاجز ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہ میں سے ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے عرض کی ،ہم نیکیاں کیسے حاصل کر سکتے ہیں؟ فرمایا: جو سو مرتبہ تسبیح پڑھے گا تو اس کے نامہ اعمال میں ہزار نیکیاں لکھ دی جائیں گی یا ہزار گناہ مٹا دیئے جائیں گے.........(الحدیث)

حدیث پاک ہے:

عن الاغر بن یسار المزنی رضی اللہ عنہ قال، قال رسول اللہ ﷺ یا ایھا الناس! توبوا الی اللہ واستغفروہ فانی اتوب فی الیوم مائۃ مرۃ (مسلم)

ترجمہ: '' رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے لوگو! اللہ کی طرف رجوع کرو، اور اس سے

Marfat.com

مغفرت طلب کرو۔ میں دن میں سو مرتبہ اللہ کی بارگاہ میں رجوع کرتا ہوں''۔ (الحدیث)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے دن میں سو مرتبہ پڑھا: ''**لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ، لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شی قدیر**''۔ تو اسے دس غلام آزاد کرنے کا ثواب ملے گا۔ اس کے نامہ اعمال میں سو نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں، سو گناہ مٹا دیئے جاتے ہیں، اس دن شیطان سے محفوظ رہتا ہے اور اس سے افضل کسی کا عمل نہیں ہوتا۔ مگر وہ شخص جو اس سے زیادہ اس کلمے کا ورد کرے''..... (بخاری۔ مسلم)

ابن علان اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''سو کا عدد ذکر کرنا، اور ان اذکار کا اس میں محصور کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ اس ثواب کی غایت اور حد ہے، اور پھر آپ کا ارشاد فرمانا کہ جس نے سو سے زیادہ مرتبہ اس کا ورد کیا، اس کو زیادہ ثواب سے نوازا جائے گا۔ تاکہ کہیں یہ گمان نہ ہو کہ مقررہ عدد سے تجاوز کرنا منع ہے اور زیادتی کرنے والے کو ثواب نہیں ملے گا، جس طرح کہ سنتوں کی مقررہ رکعات سے تجاوز کرنا، اور اعضاء وضو کو مقررہ تعداد سے زیادہ دھونا منع ہے۔ اس کی برعکس بعض علماء کا خیال ہے کہ مقررہ عدد پر موقوف ہے۔ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''یہ قول بعید از ثواب اور قابل التفات نہیں ہے بلکہ صحیح یہی ہے کہ کوئی شخص جتنا زیادہ عمل کریگا، اللہ تعالیٰ اتنا زیادہ اس کی نیکیوں میں اضافہ فرما دے گا''۔

ذکر مطلق:

وہ ذکر جس میں کسی خاص عدد کی قید نہ ہو۔ اور اس سے مراد وہ ذکر ہے جس کی کثرت کا حکم اللہ تعالیٰ نے بلا تخصیص عدد دیا ہے جس طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے:

یَاأَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوا اللّٰهَ ذِکْرًا کَثِیْرًا (احزاب: ۴۱)

ترجمہ: ''اے ایمان والو! یاد کیا کرو اللہ کو کثرت سے''۔

Marfat.com

جوں جوں مومن کی ہمت بلند ہوتی ہے اور اللہ کے ساتھ اس کی محبت میں اضافہ ہوتا ہے تو اس کا ذکر کثرت سے کرتا ہے کیونکہ: ''من احب شیئا اکثر ذکرہ'''' جو کسی چیز سے محبت کرتا ہی وہ بکثرت اس کا ذکر کرتا ہے ''

شیخ کا اپنے مرید کے لئے ذکر کی تعداد کو متعین و مقرر کر دینا باعث حرج نہیں ہے۔ اس طرح شیخ اپنے مرید کی ہمت کو بڑھاتا اور اس کے عزم و ارادہ کو پختہ کرتا ہے اور اس سے سستی و کاہلی کو دور کرتا ہے حتی کہ اس کا شمار بکثرت ذکر کرنے والوں میں ہو جاتا ہے۔

ذکر الٰہی کے مختلف کلمات:

ذکر الٰہی کے مختلف کلمات قلبی امراض اور نفسانی بیماریوں کیلئے دوا کا کام کرتے ہیں۔ اور ان اذکار کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں۔ مثلاً لا الہ الا اللہ۔ درود بر نبی ﷺ ، بعض اسماء حسنی اور لفظ اللہ کا ورد یہ تمام دوائیں قرآن وحدیث کے روحانی شفاخانے سے ہی دستیاب ہیں۔

کیونکہ ذکر کے مختلف کلمات ہیں اور ہر کلمے کا ذکر پر ایک خاص اثر و تاثیر ہوتا ہے۔ اس لئے صوفیائے کرام جو کہ دلوں کے طبیب اور تعلیم و تربیت میں رسول اللہ ﷺ کے نائب ہوتے ہیں، وہ اپنے مریدوں کو خاص اور معین ذکر کرنے کی اجازت دیتے ہیں۔ یہ ذکر ان کے احوال اور ضروریات کے مناسب ہوتا ہے۔ اور منازل سلوک کو طے کرنے میں مدد و معاون ہوتا ہے۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح جسمانی طبیب مریض کے لئے مختلف قسم کی دوائیں تجویز کرتا ہے جو اس طبیعت اور مزاج کے موافق ہوتی ہیں۔ پھر صحت مریض کے مطابق دوا میں تبدیلی لاتا رہتا ہے۔ اسی طرح سالک کو بھی چاہئے کہ وہ اپنے مرشد کے ساتھ مضبوط تعلق قائم رکھے۔ اور وقتاً فوقتاً اس سے مشورہ کرتا رہے، اور دوران ذکر جو روحانی فوائد اور فیوض و برکات حاصل ہوں، وہ اپنے شیخ کو بتائے۔ اس طرح وہ منازل سلوک میں ترقی کرتا جائے گا، اور آہستہ آہستہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کو حاصل کرے گا۔

Marfat.com

صرف لفظ ''اللہ'' کے ذکر کا حکم:

صرف لفظ ''اللہ'' کا ذکر جائز ہے، اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

وَاذْکُرِ اسْمَ رَبِّکَ وَتَبَتَّلْ اِلَیْہِ تَبْتِیْلاً. (المزمل: ۸)

ترجمہ: ''اور ذکر کیا کرو اپنے رب کے نام کا، اور سب سے کٹ کر اسی کے ہو رہو''۔

وَاذْکُرِ اسْمَ رَبِّکَ بُکْرَۃً وَّاَصِیْلاً. (الدھر: ۲۵)

ترجمہ: ''اور یاد کرتے رہا کرو اپنے رب کے نام کو صبح بھی اور شام بھی''۔

ارشادات نبوی ﷺ سے ثبوت:

ارشاد نبوی ﷺ ہے:

عن انس بن مالکؓ عن النبی ﷺ، لا تقوم الساعة حتی لایقال فی الارض ''اللہ اللہ''.....

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جب تک روئے زمین پر ''اللہ اللہ'' کا ذکر کرر ہے گا تو اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہوگی''۔ (الحدیث)

اس حدیث میں لفظ اللہ کا ذکر مکرر آیا ہے، اور دوسری روایت میں ہے:

عن انسؓ قال، قال رسول اللہ ﷺ لا تقوم الساعه علی احدیقول ''اللہ اللہ''

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کسی ''اللہ اللہ'' کا ورد کرنے والے پر قیامت قائم نہیں ہوگی''

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: جب اللہ کا ذکر نہیں کیا جائے گا تو لوگوں کی بقا کی حکمت مفقود ہو جائے گی۔ اس سے معلوم ہوا کہ کائنات کی بقا علماء عاملین، اولیائے صالحین اور عام مومنین کی برکت سے ہے اور امام طیبی رحمۃ اللہ علیہ کی بھی یہی مراد ہے۔ وہ اس حدیث پاک کا یہ معنی بیان کرتے ہیں: ''حتی لایذکر

Marfat.com

اسم اللہ و لا یعبد ''''حتی کہ نہ اللہ کے اسم کا ذکر ہوگا، اور نہ ہی اس کی عبادت کی جائے گی''۔

اس کے علاوہ وہ آیات کریمہ اور احادیث طیبہ جو ذکر کے بارے میں وارد ہوئی ہیں، عام اور مطلق ہیں۔ کسی معین ذکر کی تخصیص نہیں کرتیں۔ اور نہ کوئی ایسا حکم وارد ہوا ہے جس نے لفظ ''اللہ'' کے ذکر کو حرام قرار دیا ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ جلد باز لوگ غلطی پر ہیں جو اللہ تعالیٰ کے مفرد ذکر پر اعتراض کرتے ہیں۔ اور ان کی حجت یہ ہے کہ کتاب وسنت میں اس کی کوئی دلیل نہیں۔ مندرجہ بالا سطور میں ہم نے قرآن وسنت سے اس کا ثبوت پیش کیا ہے۔

بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اگر صرف لفظ ''اللہ'' کا ذکر کیا جائے تو جملہ مفیدہ نہیں بنتا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس لفظ مفرد کے ساتھ ذاکر کسی مخلوق کے ساتھ گفتگو نہیں کر رہا، اس لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ اس کا کلام مکمل جملہ مفیدہ ہو۔ کیونکہ وہ تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ذکر کر رہا ہے جو اس کے دل کے اسرار سے بھی آگاہ ہے۔ جمہور علماء نے لفظ ''اللہ'' کے ذکر کے جواز کی تصریح کی ہے۔ یہاں بعض اقوال پر اکتفا کیا جاتا ہے:

☆ علامہ ابن عابدین اپنے مشہور حاشیہ میں فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: لفظ اللہ اسم اعظم ہے''۔

☆ امام طحاوی اور کثیر علماء وصوفیاء نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے حتی کہ وہ فرماتے ہیں کہ صاحب مقام کے لئے لفظ ''اللہ'' کے ذکر سے بڑھ کر کوئی ذکر نہیں۔

☆ علامہ الخادمی لکھتے ہیں کہ لفظ ''اللہ''، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، الکسائی، الشعبی، اسماعیل ابن اسحاق، ابوحفص اور جمہور علماء کے نزدیک اسم اعظم ہے۔ اور یہی عقیدہ صوفیائے کرام اور مشائخ کا ہے اور ان کے نزدیک صاحب مقام کے لئے لفظ ''اللہ'' کے ذکر سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کریم ﷺ کو ارشاد فرماتا ہے: ''قل اللہ ثم ذرھم''

Marfat.com

☆ علامہ مناوی رحمۃ اللہ علیہ حدیث قدسی ''انامع عبدی ماذکرنی وتحرکت بی شفتاہ'' کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''جو دل کے ساتھ رب کا ذکر کرتا ہے، سے اس کی معیت حاصل ہوتی ہے۔ اور جو زبان کے ساتھ اس کا ذکر کرے اسے بھی اس کی معیت حاصل ہوتی ہے۔ لیکن اس کی محبت اور ذکر جب بندے کے روح اور دل پر چھا جاتا ہے تو اسے اپنے رب کی معیت اور ہم نشینی حاصل ہوتی ہے۔ اور ذکر کی تین اقسام ہیں۔

☆ عوام الناس کا ذکر زبان سے، اور خواص کا دل سے ہوتا ہے اور خواص الخواص کا ذکر اپنی ذات کو ذکر میں فنا کرنے اور مذکور کے مشاہدہ میں مستغرق رہنے سے ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ ہر حال میں مشاہدۂ حق میں گم رہتے ہیں۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں: ''منازل سلوک طے کرنے والے کے لئے لفظ ''اللہ'' کے ذکر سے بڑھ کر کوئی نفع مند ذکر نہیں۔ یہ ذکر دل سے محبت غیر کو نکال دیتا ہے۔ ذکر کی حقیقت اور اس کے آثار، انوار وتجلیات کے بارے میں عارفین کے اقوال کو اہل ذوق ہی سمجھ سکتے ہیں۔''

☆ شیخ جنید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''لفظ ''اللہ'' کا ذاکر اپنی ذات سے بے خبر اور اپنے رب کے ساتھ واصل ہوتا ہے۔ وہ احکام الٰہیہ پر سختی سے کاربند اور دل کے ساتھ اس کے مشاہدہ میں مشغول رہتا ہے۔ حتیٰ کہ مشاہدہ کے انوار وتجلیات اس کی بشری صفات کو جلا کر رکھ دیتے ہیں۔

☆ سید ابوالعباس موسوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اے سالک! تجھے ''اللہ، اللہ'' کا ذکر کرنا چاہیے کیونکہ یہ اسم تمام اسماء کا سلطان ہے۔ اس کا آغاز علم اور انتہاء نور ہے لیکن یہ نور بالذات مقصود نہیں ہوتا، بلکہ اصل مقصود وہ کشف اور مشاہدہ ہے جو ذاکر کو حاصل ہوتا ہے، اس لئے اسی اسم کا ذکر بکثرت کرنا چاہیے باقی تمام

Marfat.com

اذکار پر اسے ترجیح دینی چاہیے۔ کیونکہ یہ ذکر کلمہ توحید میں موجود تمام عقائد، علوم، آداب اور حقائق کو شامل ہے"۔

☆ عارف باللہ ابن عجیبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لفظ "اللہ" سلطان الاسماء اور اسم اعظم ہے۔ ذاکر زبان کے ساتھ اس ذکر میں مشغول رہتا ہے یہاں تک کہ یہ ذکر اس کے گوشت اور خون میں شامل ہو جاتا ہے۔ اور اس کے انوار ذاکر کے کلیات و جزئیات میں سرایت کر جاتے ہیں، اور پھر ذکر زبان سے دل کی طرف، اور دل سے روح کی طرف، اور روح سے سر کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ اس وقت زبان ساکت و صامت ہو جاتی ہے، اور ذاکر کو وصال اور مشاہدۂ حق حاصل ہوتا ہے۔

☆ مصنف فرماتے ہیں: "اے مرید صادق! لفظ "اللہ" کے ذکر پر ثابت قدم رہ جبکہ تجھے اس کی کسی مرشد کامل نے اجازت دی ہو۔ کیونکہ یہ ذکر خواہشات نفسانیہ کو ان کی جڑوں سے اکھیڑ دیتا ہے۔ اور بعض اوقات مرید کو ابتداء میں اس ذکر کی وجہ سے حرارت اور تنگی محسوس ہوتی ہے، وجہ یہ ہے کہ اس کا نفس اس ذکر کا عادی نہیں ہوتا۔ کیونکہ یہ ذکر دل سے عالم خلق کو زائل کر دیتا ہے اور اسے کائنات سے خالی کر دیتا ہے۔ اسی وجہ سے بعض مشائخ ابتداء اپنے مرید کو لا الہ الا اللہ کے ذکر کا حکم دیتے ہیں۔ جب ان کے دلوں میں نفی و اثبات پختہ ہو جاتی ہے تو انہیں لفظ اللہ کے ذکر کی تلقین کرتے ہیں۔ اور اس پر دوام اور اس کی تلخی برداشت کرنے کی نصیحت کرتے ہیں۔ اگر مرید ابتداء اس تلخی پر صبر نہ کر سکے اور اس ذکر کو ترک کر دے تو منازل سلوک میں آگے ترقی نہیں کر سکتا۔ اور اپنی کم ہمتی کی وجہ سے خیر کثیر سے محروم ہو جاتا ہے۔ مگر جو مرید صادق اس ذکر کا پختہ ارادہ کر کے صبر و استقامت سے کام لیتا ہے تو یہ اسم اس کے دل میں نقش اور کندہ ہو جاتا ہے۔ غفلت اور کاہلی دور ہو جاتی ہے یہاں تک کہ یہ مبارک اسم اس کی رگوں

Marfat.com

میں سرایت کر کے اس کی روح کے ساتھ مل جاتا ہے۔ پھر مذکور (ذات باری تعالیٰ) ہمیشہ اس کی نگاہوں کے سامنے ہوتا ہے۔ جب لوگ غفلت کریں تو وہ غافل نہیں ہوتا اس وقت وہ مقام احسان پر فائز ہو جاتا ہے جس کی طرف نبی پاک ﷺ نے اپنی اس حدیث پاک میں اشارہ فرمایا ہے:

حدیث پاک ہے: الا احسان ان تعبداللہ کانک تراہ

ترک ذکر پر تنبیہ

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اور رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک کے ذریعے تارکین ذکر کو تنبیہ فرمائی ہے جس طرح کہ مشائخ عظام نے بھی اپنی مریدین کو ترک ذکر پر خبردار کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(i) وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ. وَاِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ. (الزخرف: ۳۶،۳۷)

''اور جو شخص (دانستہ) اندھا بنتا ہے رحمٰن کے ذکر سے، تو ہم مقرر کر دیتے ہیں اس کے لئے ایک شیطان، پس وہ ہر وقت اس کا رفیق رہتا ہے اور شیاطین روکتے ہیں ان (اندھوں) کو راہ ہدایت سے۔ اور یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ وہ ہدایت یافتہ ہیں''۔

(ii) وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّ خِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ. (اعراف: ۲۰۵)

''اور یاد کرو اپنے رب کو اپنے دل میں عاجزی کرتے ہوئے اور ڈرتے ڈرتے اور زبان سے بھی چلائے بغیر (یوں یاد کرو) صبح کے وقت بھی۔ اور نہ ہو جاؤ (یاد الٰہی سے) غافل رہنے والوں سے۔''

منافقین کی مذمت میں ارشاد خداوندی ہے:

Marfat.com

وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلاً (النساء ۱۴۲)

''اور نہیں ذکر کرتے اللہ کا مگر تھوڑی دیر''۔

احادیث رسول ﷺ

عن ابی هریره رضی الله عنه قال : قال رسول الله ﷺ، مامن قوم یقومون من مجلس لا یذکرون فیه الله الاقاموا عن مثل جیفه حمار و کان علیهم حسرة یوم القیامه

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
''جب کوئی قوم اللہ کے ذکر کے بغیر مجلس سے اٹھتی ہے وہ ایسے ہی ہیں جیسے مردار گدھے سے اٹھتے ہیں۔اور قیامت کے دن انہیں حسرت ہوگی'' (الحدیث)

عن ابی هریرة رضی الله عنه قال :قال رسول الله ﷺ من قعد مقعد الم یذکر الله فیه کان علیه من الله تره. ومن اضطجع مضطجعا لا یذکر الله فیه کان علیه من الله تره وما مشی احد ممشی لا یذکر الله فیه الاکان علیه من الله تره. (ابواؤد النسائی، احمد ، صحیح ابن حبان)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
''جو شخص کسی ایسی مجلس میں بیٹھا جس میں اس نے اللہ کا ذکر نہ کیا تو اس کی ذمہ داری اسی پر ہوگی اور جو شخص کسی بستر پر لیٹا اور اللہ کا ذکر نہ کیا، اسے اس پر حسرت رہے گی۔اور جو شخص کسی راستے پر چلا، اور اللہ کا ذکر کیا تو اسے بھی اس پر حسرت رہے گی''۔(الحدیث)

عن ابی هریرة رضی الله عنه قال :قال رسول الله ﷺ ماجلس قوم مجلسالم یذکر الله فیه ولم یصلوا علی نبیهم الاکان علیهم تره فان شاء عذبهم وان شاء غفرلهم .(ترمذی. ابوداود)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

Marfat.com

''جب کوئی قوم کسی مجلس میں بیٹھی اور اس نے نہ تو اللہ کا ذکر کیا، اور نہ ہی اپنے نبی پاک ﷺ پر درود بھیجا۔ انہیں اس پر حسرت وندامت ہوگی۔ اللہ تعالیٰ چاہے تو عذاب دے دے، اور اگر چاہے تو بخش دے''۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اہل جنت ان اوقات پر حسرت کریں گے جن میں انہوں نے ذکر نہیں کیا تھا''۔

صوفیائے کرام کے ارشادات

☆ حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ما اعلم معصیه اقبح من ترک ذکر هذا الرب

''رب کا ذکر ترک کرنے سے زیادہ قبیح معصیت کا مجھے علم نہیں''۔

☆ ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''زبان پر ذکر کا بوجھل ہونا نفاق کی علامت ہے...... اے سالک! اللہ کی بارگاہ میں توبہ کر۔ تا کہ ذکر کو تیری زبان پر خفیف کر دے''۔

انہوں نے یہ مفہوم اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے اخذ کیا ہے جس میں منافقین کی نشانیاں بیان کی گئی ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ یُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِیْلًا (النساء: ۱۴۲)

''بے شک منافق (اپنے گمان میں) دھوکہ دے رہے ہیں اللہ کو۔ اور اللہ تعالیٰ سزا دینے والا ہے انہیں (اس دھوکہ بازی کی) اور جب کھڑے ہوتے ہیں نماز کی طرف، تو کھڑے ہوتے ہیں کاہل بن کر۔ لوگوں کو دکھانے کے لئے اور نہیں ذکر کرتے اللہ تعالیٰ کا مگر تھوڑی دیر''۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ ہر شے کی سزا اور عقوبت ہوتی ہے اور عارف کی عقوبت ترک ذکر ہے۔

Marfat.com

عقلمند کو چاہیئے کہ وہ غفلت سے بیدار ہو، اور وہ ذکر خداوندی سے اپنے دل کو بیدار کرنے میں سنجیدگی سے کوشاں اور ذکر کثیر کرنے والے مومنین کی صفات سے متصف ہو۔اور قلیل الذکر منافقین کی صفات سے نہ ہو۔

دوران ذکر جذب ووجد

ذکر میں حرکت امر مستحسن ہے کیونکہ بدن کو ذکر کیلئے چست کرتی ہے اور اس کی دلیل امام احمد اور حافظ مقدسی کی روایت کردہ حدیث ہے۔حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حبشی لوگ رسول اللہ ﷺ کے سامنے رقص کر رہے تھے اور اپنی زبان میں کہہ رہے تھے: محمد ﷺ نیک بندے ہیں'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ کیا کہہ رہے تھے، عرض کی گئی کہ ''وہ کہہ رہے ہیں کہ محمد ﷺ اللہ کے صالح بندے ہیں''۔ جب آپ ﷺ نے ان کو اس حالت میں دیکھا، تو ناپسند نہیں فرمایا، اور ان کے اس فعل کو ثابت رکھا۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ احکام شرعیہ نبی کریم ﷺ کے قول فعل اور تقریر سے ماخوذ ہیں۔ جب آپ ﷺ نے ان کے فعل کو ثابت رکھا اور اس کو ناپسند نہ کیا تو ثابت یہ ہوا کہ یہ فعل جائز ہے۔اس حدیث پاک میں جھوم جھوم کر نعت رسول ﷺ پڑھنے کی دلیل ہے۔حرکت ذکر کو رقص کا نام نہیں دیا جا سکتا۔ بلکہ یہ جائز ہے کیونکہ یہ جسم کو ذکر کے لئے چست کرتی ہے۔اور دوران ذکر حضور قلب کا باعث ہے۔لیکن شرط یہ ہے کہ بندے کی نیت صحیح ہو کیونکہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ہر شخص کو اس کی نیت کے مطابق اجر ملتا ہے۔

حضرت ابواراکہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ نماز فجر ادا کی۔ سلام پھیرنے کے بعد آپ دائیں طرف متوجہ ہوئے اور کچھ دیر بیٹھے رہے۔آپ کے چہرے پر رنجیدگی کے آثار نمایاں تھے۔ پھر جب سورج ایک نیزے کی مقدار بلند ہوا، تو دو رکعتیں ادا کیں۔اور اپنے ہاتھوں کو ملنے لگے، پھر ارشاد فرمایا:

واللہ لقد رایت اصحاب محمد ﷺ فما اری الیوم شیئا یشبھھم

Marfat.com

لقد كانوا يصبحون صفرا شعثا غبرا بين ايديهم كامثال ركب المعزى، قد باتوا الله سجدا وقياما، يتلون كتاب الله، يترا وجون بين جباهم واقدمهم، فاذا اصبحوا فذكروا الله مادوا كما يميد الشجر في يوم الريح، وهملت اعينهم حتى تنبل والله ثيابهم (البدایہ والنہایہ ج۸ص۶) (الحلیہ ج۱ص۷۶)

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''میں نے رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کو دیکھا ہے لیکن آج کوئی بھی ان کی مثل نظر نہیں آتا۔ بوقت صبح ان کے رنگ پیلے اور بال بکھرے اور گرد آلود ہوتے ہیں۔ رات بھر اللہ کے حضور سجود و قیام میں رہتے۔ قرآن کریم کی تلاوت کرتے اور سجود و قیام سے تسکین اور راحت حاصل کرتے۔ اور علی الصبح ذکر الٰہی کرتے۔ اور اس طرح حرکت کرتے جیسے ہوا میں درخت حرکت کرتا ہے۔ ان کی آنکھوں سے اتنے آنسو رواں ہوتے کہ قسم بخدا ان کے کپڑے تر ہو جاتے''۔

اس ساری عبارت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ جملہ ''مادوا كما يميد الشجر في يوم الريح، وهملت اعينهم حتى تنبل والله ثيابهم'' قابل توجہ ہے کیونکہ یہ دوران ذکر جذب و حرکت پر صراحۃً دلالت کرتا ہے۔ اور جو لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ دوران ذکر حرکت کرنا بدعت محرمہ ہے، ان کے دعویٰ کو باطل کرتا ہے اور مطلقاً ذکر میں حرکت کی اباحت کو ثابت کرتا ہے۔

شیخ عبدالغنی نابلسی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث سے اپنے ایک رسالے میں دوران ذکر حرکت کے مستحب ہونے پر استدلال کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صراحۃً دلالت کرتی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دوران ذکر سخت حرکت کیا کرتے تھے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ دوران ذکر اگر کوئی شخص حرکت کرتا ہے، بیٹھتا ہے یا کھڑا ہوتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ نہ تو اس نے معصیت کا ارتکاب کیا ہے اور نہ ہی اس کا قصد۔ لیکن بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو صوفی ہونے کا دعویٰ تو کرتے ہیں لیکن ان کا

Marfat.com

صوفیاء سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا۔ انہوں نے حلقات ذکر کے جمال کو مسخ کر دیا ہے کیونکہ انہوں نے بہت سی بدعات ضالہ اور ایسے ناپسندیدہ افعال اس میں داخل کر دیئے ہیں، جو شرع مطہرہ کے نزدیک حرام ہیں۔ ان کی محافل گانے بجانے کے آلات، نوخیز لڑکوں اور آلات موسیقی سے مزین ہوتی ہیں۔ اس لئے ان کی محافل تصفیہ قلب اور وصول الی اللہ کا ذریعہ نہیں ہوتیں بلکہ غافلین کے لئے فرحت و سرور اور گھٹیا مقاصد کی تکمیل کے بھرپور مواقع ہوتے ہیں۔

لیکن یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ بعض مدعیان علم مطلقاً حلقات ذکر کو اپنی تنقید کا نشانہ بناتے ہیں اور جعلی صوفیوں اور حقیقی مشائخ میں فرق نہیں کرتے ہیں وہ اللہ سے ہی سنتے ہیں اسی کے مشتاق رہتے ہیں۔

☆ اگر اس کا ذکر کریں تو ان پر آہ و بکا کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔

☆ اور اس کا شکر کریں تو ان کے احوال ظاہر ہو جاتے ہیں۔

☆ اور اگر وہ اس کو پا لیں تو نعرہ مستانہ لگاتے ہیں۔

☆ اگر مشاہدہ حق حاصل ہو جائے تو سکون و راحت میں ہو جاتے ہیں۔

☆ جب ان پر کیفیت وجد غلبہ پذیر ہوتی ہے تو شراب عشق و مستی کے جام نوش کرتے ہیں۔

ان میں سے بعض تو ایسے ہوتے ہیں جن کے دل پر خوف اور ہیبت کی چوٹ زنی ہوتی ہے تو عالم مدہوشی میں گر جاتے ہیں اور واصل بحق ہو جاتے ہیں۔ اور بعض ایسے ہوتے ہیں جن کے دلوں پر لطف و کرم کی کرن درخشاں ہوتی ہے تو وہ عالم فرحت و سرور میں جھومنے لگتے ہیں۔ اور بعض ایسے ہوتے ہیں جن کو مقام قرب سے پیام محبت ملتا ہے تو وہ مدہوشی کے عالم میں اپنی ذات سے بے خبر ہو جاتے ہیں۔ اور میرے نزدیک مذکورہ سوال کا یہی جواب ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

Marfat.com

پھر فرماتے ہیں ''ہمیں ان لوگوں پر کوئی اعتراض نہیں جو ان مخلص مشائخ کی پیروی کرتے ہیں اور ان کے مشرب سے مستفید اور لطف اندوز ہوتے ہیں، اور ان پر خداوند کریم کی محبت اور شوق غالب آجاتا ہے، بلکہ ہمارا اعتراض ان فاسق و فاجر لوگوں پر ہے جو صوفیاء کے لبادہ میں لوگوں کو دھوکا دیتے ہیں'' (مجموعہ رسائل ابن عابدین ص ۱۷۲،۱۷۳)

ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ کے اس کلام سے ظاہر ہوا کہ ذکر میں جذب و وجد جائز ہے اور آپ کا فتویٰ بھی اس کے جواز پر ہے۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''آپ نے ردالمحتار'' کی تیسری جلد میں ان اشیاء کو ممنوع قرار دیا ہے تو یہ ان حلقات ذکر پر محمول ہوگا جن میں خلاف شرع افعال کا ارتکاب کیا جاتا ہے یعنی وہ لوگ اس میں مختلف قسم کے آلات موسیقی استعمال کرتے ہیں۔ اور وہ لوگ جو ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ کے اس کلام سے جذب و وجد کے حرام ہونے پر استدلال کرتے ہیں ایسا لگتا ہے کہ یہ لوگ آپ کے ''مجموعہ رسائل'' تک رسائی نہیں کر سکے۔ اگر وہ مجموعہ رسائل کو پڑھ لیتے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ انہوں نے حقیقی صوفیاء اور لبادہ تصوف اوڑھنے والوں میں فرق کیا ہے، اور حقیقی صوفیاء و مشائخ کے لئے تواجد کو مباح قرار دیا ہے۔ تو اجد جو حقیقی وجد نہیں ہوتا، بلکہ اس میں تکلف اور تصنع ہوتا ہے، اس میں کوئی حرج نہیں جب ذاکر کی نیت صحیح ہو۔ جیسا کہ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ اپنے حاشیہ میں فرماتے ہیں:

مافی التواجد ان حققت من حرج

ولا التمایل ان اخلصت من باس

''اگر تو حقیقت سے آشنا ہے تو تیرے تواجد میں کوئی حرج نہیں، اور اگر تو مخلص ہے تو تیرا جھومنا بھی قابل اعتراض نہیں''۔

جب تواجد شرعاً جائز ہے اور اس میں کوئی مضائقہ نہیں جس طرح کہ فقہاء کرام نے بیان کیا ہے تو وجد بدرجۂ اولیٰ جائز ہوگا۔

Marfat.com

صوفیاء کرام کا وجد اور تواجد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مختلف احوال سے ماخوذ ہے۔ مکہ مکرمہ کے شافعی المذہب مفتی اور عظیم سکالر شیخ احمد زینی دحلان رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہور کتاب ''سیرۃ نبویۃ'' میں اسی قسم کے ایک واقعہ کی منظر کشی کرتے ہیں، فرمایا: ''فتح خیبر کے بعد حضرت جعفر ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھ دوسرے سولہ مسلمان حبشہ سے ہجرت کر کے نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے نبی کریم ﷺ نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے لئے قیام فرمایا، اور جب آپ ﷺ ان سے ملے تو ان کی پیشانی پر بوسہ دیا اور معانقہ فرمایا اور پھر ارشاد فرمایا:

ماادری بایهما افرح بفتح خیبر ام بقدوم جعفر وقال لجعفر: اشبهت خلقی وخلقی۔

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے معلوم نہیں کہ مجھے کس بات کی زیادہ خوشی ہوئی ہے فتح خیبر کی یا آمد جعفر کی''۔ پھر آپ ﷺ نے حضرت جعفر سے ارشاد فرمایا: ''تو شکل و صورت میں، اخلاق میں میرے مشابہ ہے''۔ جب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے یہ ارشاد سنا تو اس خطاب کی لذت میں رقص کرنے لگے۔ نبی کریم ﷺ نے اس پر انکار نہ کیا۔ اور یہی ء صویاء کرام کے رقص کی اصل ہے''۔

علامہ آلوسی اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد ''الذین یذکرون اللہ قیاما وقعودا'' کی تفسیر بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر اور حضرت عروہ ابن زبیر رضی اللہ عنہم اور ان کے ساتھ بہت سے لوگ عید کے دن نماز عید کے لیے نکلے تو راستے میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے تو ان میں سے کسی نے کہا: ''تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد 'یذکرون اللہ قیاما وقعودا'' نہیں سنا۔ تو وہ کھڑے ہو کر ذکر کرنے لگے۔ اور اس سے ان کا مقصد اس آیت کریمہ کے مطابق عمل کرنا تھا۔ شیخ ابومدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وقل للذی ینهی عن الوجداهله

اذا لم تذق معنی شراب الهوی دعنا

Marfat.com

اذا اهتزت الارواح شوقا الی اللقا

نعم ترقص الاشباح یا جاهل المعنی

ترجمہ:(i) ’’کہہ دو اس آدمی کو جو اہل وجد کو وجد کرنے سے منع کرتا ہے۔ اگر تو نے شراب محبت کا ذائقہ نہیں چکھا تو ہمیں اپنی اپنی حالت پر چھوڑ دو‘‘۔

(ii) ’’جب روحیں ملاقات کے لئے بے قرار ہوتی ہیں۔ اے ناواقف اسرار! تو جسم بھی محورقص ہو جاتا ہے‘‘۔

خلاصہ بحث

یہ ہے کہ ذکر میں جذب و وجد شرعاً مباح ہے۔ مزید برآں یہ کہ ذکر کا حکم مطلق ہے اور تمام احوال کو شامل ہے جس نے اللہ تعالیٰ کا ذکر بیٹھے ہوئے، کھڑے ہوئے، چلتے ہوئے، جھومتے ہوئے اور بحالت سکون کیا۔ وہ امر الٰہی کو بجالایا۔ اور جو شخص دوران ذکر وجد و جذب کی حرمت کا دعویٰ کرتا ہے اس پر لازم ہے کہ دلیل پیش کرے۔ کیونکہ وہ مطلق حکم کو بلا دلیل مقید کرنا چاہتا ہے۔

بہر حال مسلمان کا مطمع نظر یہی ہونا چاہیے کہ وہ حلقات ذکر میں داخل ہو کر عبادت ذکر میں مشغول رہے کیونکہ یہ وجد وغیرہ ذکر کے لئے شرط نہیں ہے، بلکہ یہ تو اس عبادت میں نشاط پیدا کرنے کا ذریعہ ہے۔ اور اگر نیت صحیح ہو تو اہل وجد کے ساتھ مشابہت بھی فائدہ مند ہے جیسا کہ کسی شاعر کا قول ہے:

فتشبھوا ان لم تکونوا مثلھم

ان التشبہ بالکرام فلاح

اگر تم ان کی مثل نہیں ہو تو ان سے مشابہت کر لو کیونکہ شرفاء کی مشابہت اختیار کرنے میں کامیابی ہے‘‘۔

Marfat.com

مسجد میں سماع اور اشعار کا حکم

حدیث پاک ہے:

عنابی بن کعب رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ ﷺ قال: ان من الشعر حکمة...... (بخاری. مسلم)

ترجمہ: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''بعض اشعار میں حکمت اور دانائی ہوتی ہے''۔

عن انس رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ ﷺ کان ینقل اللبن مع القوم فی بناء المسجد وھم یرتجزون ویقولون:

اللھم لاعیش الاعیش الاخرة فانصر الانصار والمھاجرة. (بخاری)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر کے دوران اینٹیں اٹھا کر لے جا رہے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رجز پڑھ رہے تھے اور کہہ رہے تھے۔ ''اے اللہ! حقیقی زندگی آخرت کی ہے پس تو انصار و مہاجرین کی مدد فرما''۔

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، آپ فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کی معیت میں خیبر کی طرف نکلے اور رات کا سفر کر رہے تھے۔ پھر کسی شخص نے حضرت عامر رضی اللہ عنہ بن اکوع سے کہا: آپ ہمیں اپنے اشعار سنائیں۔ حضرت عامر رضی اللہ عنہ شاعر تھے آپ اپنی سواری سے اترے اور حدی خوانی شروع کر دی۔ آپ نے ارشاد فرمایا:

اللھم لولا انت ما اھتدینا
ولاتصدقنا ولا صلینا
فاغفر فداء لک ما اقتضینا
وثبت الاقدام ان لاقینا

Marfat.com

والقین　　　سکینة　　　علینا

انا　　اذا　　صیح　　بنا　　اتینا

وبا　　　لصباح　　　اولواعلینا

ترجمہ: (i) اے اللہ تعالیٰ! اگر تو نہ ہوتا تو ہم ہدایت نہ حاصل کرتے اور نہ ہی صدقہ کرتے اور نہ ہی نماز پڑھتے۔

(ii) تو اپنی مہربانی سے ہمارے گزشتہ گناہوں کو معاف فرما اور ہمیں ثابت قدم رکھ اگر ہم دشمن پر حملہ کریں۔

(iii) ہم پر سکون واطمینان نازل فرما۔ دشمن نے جب ہمیں پکارا تو ہم آ گئے۔"

جب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "یہ حدی خواں کون ہے؟" عرض کی "عامر بن اکوع" تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے" تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! اس کی شہادت لازم ہوگئی۔ کاش کہ آپ ﷺ ہمیں کچھ دیر لطف اندوز ہونے دیتے" راوی حدیث فرماتے ہیں کہ عامر رضی اللہ عنہ بن اکوع اسی غزوہ میں شہید ہو گئے۔ (بخاری۔ مسلم)

حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسجد کے قریب سے گزرے۔ آپ نے دیکھا کہ حسان رضی اللہ عنہ بن ثابت مسجد میں بیٹھے اشعار پڑھ رہے ہیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں بھرپور نظر سے دیکھا تو حضرت حسان رضی اللہ عنہ فرمانے لگے۔

"میں تو مسجد میں اس وقت بھی اشعار پڑھتا تھا جب اس میں آپ سے بھی افضل ہستی (رسول اللہ ﷺ) موجود تھی"

پھر حضرت ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور فرمایا: میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں، کیا تم نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے نہیں سنا۔

Marfat.com

اجب عنی اللھم ایدہ بروح القدس، قال نعم

ترجمہ: ''اے حسان تم میری طرف سے انہیں جواب دے دو۔ اور اے میرے پروردگار! تو روح القدس سے اس کی تائید کر''۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے: ''ہاں، سنا ہے''۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے لیے مسجد نبوی میں منبر رکھواتے تھے۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ منبر کھڑے ہو کر نبی کریم ﷺ کے مفاخر بیان فرماتے تو رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے کہ اللہ تعالیٰ جبریل علیہ السلام کے ذریعے حضرت حسان رضی اللہ عنہ کی تائید فرماتا ہے۔ جب تک وہ مفاخر رسول ﷺ بیان کرتے رہتے تھے۔

علامہ سفارینی فرماتے ہیں کہ ابوبکر بن انباری کی روایت میں ہے کہ کعب رضی اللہ عنہ بن زہیر جب توبہ کر کے حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور اپنا مشہور قصیدہ پیش کیا اور جب اس شعر پر پہنچے:

ان الرسول لسیف یستضاء بہ

مھند من سیوف الھند مسلول

ترجمہ: ''بے شک رسول اللہ ﷺ ہندی تلواروں میں سے ایک سونتی ہوئی تلوار ہے جس سے روشنی حاصل کی جاتی ہے''۔

تو رسول اللہ ﷺ نے خوش ہو کر انہیں اپنی چادر عطا فرما دی۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے دس ہزار درہم سے اس چادر کو خریدنا چاہا تو کعب رضی اللہ عنہ بن زہیر نے فرمایا: ''میں رسول اللہ ﷺ کی چادر کو کسی صورت میں بھی نہیں بیچ سکتا۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد آپکے ورثاء سے بیس ہزار دینار میں خرید لی۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ کی رسول اللہ ﷺ کے سامنے قصیدہ پڑھنے اور آپ ﷺ کا انہیں چادر مبارک عطا کرنے سے چند سنتیں ثابت ہوتی ہیں:

Marfat.com

(۱) شعر پڑھنے کا جواز

(۲) مسجد میں اشعار کا سننا

(۳) شاعر کو انعام واکرام سے نوازنا

امام شاطبی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''الاعتصام'' میں ذکر کرتے ہیں کہ حضرت ابوالحسن القرافی حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ بعض لوگ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور شکایت کی کہ ہماری مسجد کے امام صاحب نماز سے فارغ ہونے کے بعد شعر پڑھنے لگتے ہیں۔ آپ نے فمایا: ''وہ کون ہیں''؟ عرض کی گئی کہ ''فلاں شخص ہے''۔ آپ نے فرمایا: ''چلو اس کے پاس چلتے ہیں۔ کیونکہ اگر ہم نے اس کی طرف کوئی آدمی بھیجا تو وہ اس معاملے کو سمجھ جائے گا''۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ مسجد میں اس آدمی کے پاس تشریف لائے۔ اس آدمی نے جب آپ کو دیکھا تو فورا کھڑے ہو کر آپ کا استقبال کیا، اور عرض کی: ''یا امیر المومنین! کس کام اور غرض کی وجہ سے آپ یہاں تشریف لائے ہیں؟ اگر تو ہمارے ساتھ کام تھا، ہمارا زیادہ حق بنتا تھا کہ ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوں۔ اور اگر دین کا کام تھا۔ پھر بھی رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ کی تعظیم ہمارے لئے فرض ہے''۔ آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے تمہارے متعلق مجھے قابل اعتراض بات پہنچی۔'' اس نے عرض کی۔ ''وہ کیا ہے یا امیر المومنین''؟ آپ نے فرمایا: ''تم نماز کے بعد اشعار پڑھتے ہو''۔ اس نے عرض کی: ''نہیں، یا امیر المومنین! یہ تو نصیحت ہے جو میں اپنے نفس کو کرتا ہوں''۔ آپ نے فرمایا'' ان اشعار کو پڑھو، اگر تو اچھا کلام ہوا تو میں تمہارے ساتھ پڑھوں گا۔ اور اگر قبیح ہوئی تو میں تمہیں روک دوں گا''۔

اشعار یہ ہیں:

وفوادی کلما عاتبته

فی مری الھجران یبغی تعبی

Marfat.com

لا اراہ الدھرا لالاھیا
في تمادیه فقد برح بی

یا قرین السوء ماھذا الصبیا
فنی العمر کذافی اللعب

وشباب بان عنی فمضی
قبل ان اقضی منی اربی

ماارجی بعده الاالفنا
ضیق الشیب علی مطلبی

ویح نفسی لا اراھا ابدا
فی جمیل لا ولا فی ادب

ترجمہ:(i) میں نے اپنے دل کو جب بھی ہجر کے بارے میں جھڑ کا تو مجھے تنگ کرتا ہے۔

(ii) میں دیکھتا ہوں کہ وہ ہر وقت اپنی سرکشی میں غافل ہے۔ حتی کہ اس نے مجھے پریشان کر دیا۔

(iii) اے برے ساتھی! یہ کیا بچپنا ہے کہ اسی طرح عمر کھیل کود میں ضائع ہو گئی۔

(iv) جوانی مجھ سے جدا ہو گئی اور کوچ کر گئی قبل اس کے کہ میں اس سے کوئی حاجت پوری کر لیتا۔

(v) اس کے بعد اب مجھے فنا کی امید ہے۔ بڑھاپے نے میرے مطلوب ومقصود کو مشکل کر دیا۔

(vi) ہلاکت ہو میرے نفس کی۔ میں نے اسے کبھی نیکی کے کام میں اور نہ ہی ادب کے کام میں دیکھا ہے۔

اس کلام کا آخری شعر یہ ہے جب امام صاحب نے یہ شعر پڑھا:

نفس لاکنت ولا کان الھوی
راقبی مولاہ وخافی وارھبی

Marfat.com

ترجمہ: ''اے نفس! نہ تو رہے اور نہ تیری خواہشات، اپنے مولیٰ کا خیال رکھ اس سے خوف کھا اور اسی سے ڈر''۔

تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی یہ شعر پڑھنے لگے اور فرمایا: ''جو شعر پڑھنا چاہے تو اسی قسم کے اشعار پڑھے''۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شعر عام گفتگو کی طرح ہے اس میں معیاری اور اچھے اشعار کو اچھا تصور کیا جائے گا اور قبیح کو قبیح۔

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

لاباس بانشاد الشعر فی المسجد اذا کان مدحا للنبوۃ اوالاسلام اوکان حکمہ اوفی مکارم، الاخلاق اوالزھدو نحو ذلک من انواع الخیر (شرح صحیح مسلم۔ امام نووی۔ ج ٦ ص ٤٥)

ترجمہ: ''مسجد میں شعر پڑھنے میں کوئی حرج نہیں جب یہ نبی کریم ﷺ کی نعت ہو یا اسلام کی مدح، حکمت کا ذکر ہو یا مکارم اخلاق کا، زہد ہو یا دیگر افعال خیر''۔

ابوبکر ابن العربی المالکی فرماتے ہیں کہ ''مسجد میں شعر پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ جبکہ یہ اشعار دین اور احکام شرع کی تعریف میں ہو''۔

حدی خوانی

اس کے متعلق حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ ''احیاء العلوم'' میں فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں حدی خوانی عام تھی۔ اور حدی خوانی سے مراد وہ اشعار ہیں جو خاص طرز پر خوبصورت آواز میں پڑھے جاتے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے بھی اس کا انکار نہیں کیا۔ (احیاء العلوم، ج ٢، ص ٢٤٢)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ ایک سفر میں جارہے تھے آپ ﷺ کا ایک غلام انجشہ، عورتوں کی سواریوں کو ہانک رہا تھا اور ساتھ ساتھ حدی

Marfat.com

خوانی کر رہا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اے انجشہ ! سواریوں کو آہستہ ہانکو۔ یہ ورتیں آبگینوں کی مانند ہوتی ہیں۔"

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کا انجشہ نامی غلام حدی خوانی کیا کرتا تھا۔ اس کی آواز انتہائی خوبصورت تھی۔ آپ ﷺ نے اسے فرمایا: اے انجشہ، ذرا آہستہ۔ کہیں آبگینوں کو توڑ نہ دینا"۔

حافظ ابن حجر شرح بخاری میں ابن بطال سے نقل کرتے ہیں کہ آبگینوں سے مراد وہ عورتیں ہیں جو اونٹوں پر سوار تھیں۔ اور حضور ﷺ نے حدی خوان کو آہستہ پڑھنے کا حکم دیا۔ کیونکہ پھر اس کی حدی خوانی سے اونٹ تیز تیز چلتے تھے۔ جس سے عورتوں کے گرنے کا خدشہ تھا۔ آخر میں ابن عبدالبر سے نقل کرتے ہیں کہ حدی خوانی کے جواز پر تمام علماء کا اتفاق ہے۔ بعض حنابلہ نے اس میں اختلاف کیا ہے۔ لیکن یہ اختلاف صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ احادیث صحیحہ میں اس کی واضح دلیل ہے۔

حاجیوں کو حج کا شوق دلانے کے لئے کعبہ شریف اور دیگر مقامات کے متعلق پڑھے جانے والے اشعار اور اسی طرح مجاہدین کو جہاد پر برانگیختہ کرنے والے ترانے بھی اسی کے ضمن میں آتے ہیں۔

شیخ امام طبری، ابن جریج سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عطا سے حدی خوانی، شعر اور غنا کے متعلق پوچھا۔ تو انہوں نے فرمایا: "کوئی حرج نہیں جب تک ان میں فحش نہ ہو۔"

ابن بطال فرماتے ہیں کہ وہ اشعار جن میں اللہ تعالیٰ کا ذکر، اس کی عظمت و وحدانیت، اس کی طاعت وانقیاد کا تذکرہ ہو۔ وہ اچھے اور قابل توجہ ہیں۔ اور اس حدیث "ان من الشعر حکمه" سے اسی قسم کے اشعار مراد ہیں۔ اور اسی طرح اور اشعار جن میں کذب اور بے ہودگی پائی جائے جائز نہیں اور قابل التفات نہیں۔ اس بحث کا حاصل یہ

Marfat.com

ہے کہ نبی کریم ﷺ کی موجودگی میں حدی خوانی ہوتی تھی۔

''احسان یہ ہے کہ تو اس طرح عبادت کر گویا کہ تو اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے''۔(الحدیث)

اور بعض اوقات آپ خود بھی اس کا حکم فرماتے تھے اور حدی خوانی میں بھی اشعار خاص طرز پر پڑھے جاتے ہیں۔ علامہ سفارینی فرماتے ہیں کہ ''الاقناع'' وغیرہ میں ہے کہ وہ حدی خوانی جس کے ساتھ اونٹوں کو ہانکا جاتا ہے اور بدووں کے ترانے مباح ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ صحیح مذہب کے مطابق حدی خوانی بلا کراہت مباح ہے۔ کیونکہ احادیث وآثار میں اس کا ذکر کثرت سے آیا ہے۔ حتیٰ کہ بعض علماء نے اس کی اباحت پر اجماع نقل کیا ہے۔

علامہ الفقیہہ خلیل الخلاوی اپنی کتاب ''الحظر والاباحۃ'' میں ''فتاویٰ خیریہ'' سے نقل کرتے ہیں کہ صاحب ''فتاویٰ خیریہ'' مسئلہ سماع میں علماء کے اقوال اور اختلاف کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ جہاں تک صوفیائے کرام کے اختلاف کا تعلق ہے اس میں کسی کو اختلاف نہیں۔ بلکہ اس سماع کو مستحب کا درجہ حاصل ہے جیسا کہ کثیر محققین نے اس کا ذکر کیا ہے کہ سماع کا اصلی مقصد وعظ ونصیحت اور ارشاد وہدایت ہے۔ کیونکہ سماع فطری طور پر انسانی جذبات ابھارتا ہے۔ اس سے بارگاہ قدسی سے انس اور انوار محمدی تک رسائی حاصل ہوتی ہے۔ صوفیائے کرام کا سماع لھو ولعب اور فضول امور سے خالی ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ صوفیائے کرام کا حال عام لوگوں سے کہیں مختلف ہوتا ہے۔ کیونکہ صوفیائے کرام جو کچھ جانتے اور سمجھتے ہیں عوام الناس کی وہاں تک رسائی نہیں ہوتی۔ ان کا سماع اچھے احوال میں اضافے کا باعث ہوتا ہے۔ یہ وجد کو ظاہر کرتا ہے اور دل کو متحرک کرتا ہے۔ کیونکہ ان کے دلوں کا اپنے رب سے گہرا تعلق اور ربط اور اس کی بارگاہ میں حضوری اور قرب حاصل ہوتا ہے تو یہ سماع ان کی ارواح کو سیراب کرتا ہے۔ اور منازل سلوک کو جلد طے کرنے کا سبب بنتا ہے۔ لیکن کمینے اور گھٹیا لوگوں کا سماع اس کے برعکس ہوتا ہے۔ وہ لہو ولعب اور آلات موسیقی

Marfat.com

سے آراستہ محافل کا اہتمام کرتے ہیں۔ یہ چیز ان کے قلبی فسق وفجور کو ظاہر کر دیتی ہے۔ اور فرائض وواجبات کو بھلا دیتی ہے۔ تو کیا ان فاسقوں اور فاجروں پر اولیائے صالحین کو قیاس کرنا ممکن اور مناسب ہے؟

سماع اور صوفیائے کرام

حضرت مسلم عبادانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس صالح مری، عتبہ الغلام عبدالواحد بن زید اور مسلم سواری تشریف لائے۔ ایک رات وہ ساحل پر بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے ان کے لئے کھانا تیار کر کے انہیں دعوت دی۔ وہ تشریف لائے تو میں نے کھانا ان کے سامنے رکھا تو کسی نے یہ شعر پڑھا۔

وتلهيک عن دار الخلود مطاعم

ولذه نفس غيها غير نافع

ترجمہ: ''تجھے جنت سے غافل کر دیا ہے ماکولات اور نفس کی لذت نے جس کی گمراہی فائدہ مند نہیں''۔

جب انہوں نے یہ شعر سنا تو عتبہ غلام نے ایک چیخ ماری اور بے ہوش ہو کر گر پڑے اور باقی لوگ گریہ کناں ہو گئے۔ اور قسم بخدا کھانا کا ایک لقمہ بھی نہ چکھا (۱)۔

☆ حضرت ابو عثمان نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت الحارث محاسبی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے کسی قوال نے یہ اشعار پڑھے۔

انا في الغربته ابكي ما بكت عين غريب

لم اكن يوم خروجي من بلادي بمصيب

عجبالي و لتركي وطنا فيه حبيبي

ترجمہ: ''میں بحالت سفر روتا ہوں جیسا کہ ایک اجنبی کی آنکھ روتی ہے۔ میرا اپنے وطن سے نکلنے کا فیصلہ درست نہ تھا۔ اور تعجب ہے میرے لئے کہ میں اس وطن کا تارک ہو گیا۔ جہاں میرا محبوب رہتا تھا''

Marfat.com

آپ نے جب یہ اشعار سنے تو وجد میں آ گئے اور رونے لگے حتی کہ تمام حاضرین آپ پر ترس کھانے لگے (۲)۔

جب ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ بغداد تشریف لائے تو بعض صوفیاء اپنے قوال لے آئے اور آپ کے سامنے اشعار پڑھنے کی اجازت طلب کی۔ آپ نے اجازت دے دی تو اس نے درج ذیل اشعار پڑھے۔

صغیر ہواک غذبنی فکیف بہ اذا احتنکا

وانت جمعت فی قلبی ھوی قد کان مشترکا

اما ترثی لمکتب اذا ضحک الخلی بکی

ترجمہ: ''تیری چھوٹی سی محبت نے مجھے عذاب میں ڈال دیا جب یہ پختہ ہو جائے گی تو کیا حال ہو گا؟

تو نے میرے دل میں اس محبت کو جمع کر دیا جو مشترک تھی۔

کیا تجھے اس شکستہ خاطر پر رحم نہیں آتا جو روتا ہے جب فارغ البال۔ ہنستا ہے''۔

☆ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ اشعار سنے تو آپ پر وجد طاری ہو گیا۔ آپ پہلے کھڑے ہوئے پھر منہ کے بل گر پڑے (۳)۔

☆ مروی ہے کہ ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ ایک دعوت میں شریک تھے وہاں ایک علمی مسئلہ میں بحث شروع ہو گئی۔ آپ پہلے خاموش رہے پھر آپ نے اپنا سر اٹھایا اور یہ اشعار پڑھے:

ترجمہ: ''کتنی ہی فاختائیں ہیں جو بوقت چاشت ٹہنیوں میں غمگین گانا گاتی ہیں۔ انہوں نے مجھے میرا محبوب اور گزرا ہوا اچھا زمانہ یاد دلا دیا۔ وہ غم سے روئی اور میرے غم میں اضافہ کر دیا۔ کبھی میرے رونے نے اسے اور کبھی اس کے رونے مجھے بیدار رکھا۔ میں شکوہ کرتا تو اسے نہ سمجھا سکتا، اور اگر وہ شکوہ کرتی تو مجھے نہ سمجھا سکتی۔ لیکن درد دروں کی وجہ سے میں اسے پہچانتا تھا اور وہ مجھے اس درد کی وجہ سے''

Marfat.com

فرماتے ہیں" جب حاضرین نے یہ اشعار سنے تو کھڑے ہو گئے اور ان پر وجد کی حالت طاری ہو گئی۔ یہ وجد کی کیفیت اس علمی بحث کی وجہ سے پیدا نہیں ہوئی جس میں وہ مصروف تھے۔ اگرچہ یہ علم حق وصواب ہے (۴)۔

☆ شیخ سفارینی اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ سماع دل کے پوشیدہ جذبات کو ابھارتا ہے اور حرکت دیتا ہے۔ اور صوفیائے کرام کے دل اللہ کے ذکر سے معمور اور نفسانی خواہشات سے پاک اور محبت الٰہی میں مستغرق ہوتے ہیں۔ اور ان میں ذات باری تعالیٰ کے سوا کوئی چیز نہیں ہوتی۔ شوق، وجد، ہیجان اور اضطراب ان کے دلوں میں اس طرح پوشیدہ ہوتا ہے جس طرح آگ اور یہ چیزیں اسی وقت ظاہر ہوتی ہیں جب دل پر کوئی مناسب چوٹ لگتی ہے اور صوفیائے کرام کے نزدیک سماع کا مقصد بھی یہی ہوتا ہے کہ دوران سماع ان کے دل پر اچانک چوٹ لگتی ہے۔ چوٹ کی شدت سے ان کے دل کی قوت برداشت ختم ہو جاتی ہے۔ اس وجہ سے ان سے بعض اوقات چیخ و پکار صادر ہوتے ہیں حتی کہ بعض پر بے ہوشی طاری ہو جاتی ہے کیونکہ سماع ان کے دلوں میں پوشیدہ جذبات کو ابھار دیتا ہے نہ کہ دلوں میں کوئی نئی چیز پیدا کرتا ہے۔

☆ اسی وجہ سے شیخ ابوالقاسم جنید قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ سماع دل میں کوئی نئی چیز پیدا نہیں کرتا۔ بلکہ دلوں میں پہلے جو کچھ موجود ہوتا ہے اسی کو حرکت دیتا ہے۔ اسی وجہ سے صوفیائے عظام پر وجد کی جو کیفیت طاری ہوتی ہے وہ ان کے دلوں میں پوشیدہ اسرار کی وجہ سے ہوتی ہے نہ کہ کلام شاعر کی وجہ سے۔ کیونکہ وہ کلام کی طرف توجہ نہیں دیتے۔

☆ ابوحلمان صوفی کا واقعہ اسی طرف مشیر ہے آپ نے بیچنے والے کو سنا کہ وہ آواز لگا رہا ہے یاسعتر بری آپ غش کھا کر گر پڑے جب آپ کو افاقہ ہوا تو آپ سے اس بارے میں پوچھا گیا۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے اسے یہ کہتے ہوئے سنا۔

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ ان کے وجد کی حرکت ان کے دل میں پوشیدہ اسرار کی وجہ سے تھی نہ کہ قائل کی ظاہری آواز سے۔

Marfat.com

☆ اسی طرح بعض مشائخ سے مروی ہے انہوں نے کسی کو یہ کہتے ہوئے سنا۔ **الخیار عشرة بحبة** (ایک پیسے کے دس کھیرے) توان پر وجد کی کیفیت طاری ہوگئی۔ جب آپ سے اس کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا **اذا کان الخیار عشرة بحبة فما قیمة الاسرار** ؟ (جب نیکوکار پیسے کے دس ہیں تو بدکاروں کی قیمت کیا ہوگی)

محبت الٰہی میں مستغرق کثیف الفاظ سے لطیف معانی سمجھ لیتا ہے کیونکہ وہ ظاہری صورت اور ترنم کی جانب ملتفت نہیں ہوتا اور جو یہ گمان کرتا ہے کہ سماع عمدہ معانی اور خوبصورت ترنم کا نام ہے۔ تو وہ حقیقت سے بہت دور ہے۔ بزرگ فرماتے ہیں سماع حقیقت ربانیہ اور لطائف روحانیہ ہے۔ جب یہ سماع قلوب میں سرایت کرتا ہے، تو ماسوی اللہ ہر چیز کو مٹا دیتا ہے اور یہی سماع حق ہے۔

مشائخ کا بیان ہے کہ کیفیت وجد طاری ہونے کا سبب یہ ہے کہ صاحب وجد میں واردات برداشت کرنے کی قوت نہیں ہوتی۔ کیونکہ جب اس کے دل پر انوار و لطائف کی کثرت ہوتی ہے تو اس پر وحشت طاری ہو جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے اس کے اعضاء میں حرکت پیدا ہو جاتی ہے، کبھی وہ چیخنے لگتا ہے اور کبھی اس پر بے ہوشی طاری ہو جاتی ہے۔ اور یہ حالت عموماً سلوک کے ابتدائی مراحل میں ہوتی ہے۔ لیکن کاملین پر یہ وجد کی کیفیت طاری نہیں ہوتی بلکہ ان پر سکون و طمانیت غالب ہوتی ہے کیونکہ ان کے قلوب اور سینوں میں اتنی وسعت ہوتی ہے کہ ان تمام چیزوں کو جذب کر لیتے ہیں۔ یہ لوگ بظاہر پرسکون نظر آتے ہیں لیکن ان کے دلوں پر جذبات و ہیجانات کا سمندر موجزن ہوتا ہے۔ شیخ ابوالقاسم جنید رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کی گئی کہ کیا وجہ ہے کہ دوران سماعت حرکت نہیں کرتے۔ آپ نے فرمایا **وتری الجبال تحسبها جامدة وهي تمر مر السحاب**۔ (۵)

ذکر کے فوائد (اجمالاً)

(۱) **عن ابی هریرة و ابی سعید الخدری رضی الله تعالیٰ عنهما، قالا: قال رسول الله ﷺ ما من قوم یذکرون الله حفتهم الملائکة و**

Marfat.com

غشيتهم الرحمة ونزلت عليهم السكينة و ذكرهم الله فی من عنده. (مسلم، ترمذی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے. کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''کوئی قوم اللہ کا ذکر نہیں کرتی مگر فرشتے اس کا احاطہ کر لیتے ہیں۔ اللہ کی رحمت اس پر سایہ فگن ہوتی ہے۔ سکون و اطمینان ان پر نازل ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ فرشتوں میں ان کا ذکر کرتا ہے۔ (الحدیث)

(۲) عن ابی سعید الخدری رضی الله عنه قال، قال رسول الله ﷺ يقول الرب تبارک وتعالی من شغله قراة القرآن وذكری عن مسالتی اعطيته افضل ما اعطی السائلين. (ترمذی. دارمی)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے جو آدمی مجھ سے سوال کرنے کی بجائے تلاوت قرآن اور میرے ذکر میں مشغول رہا، اس کو میں سوال کرنے والوں سے زیادہ عطا فرماتا ہوں''۔

(۳) عن ابی سعید الخدری رضی الله عنه، عن النبی ﷺ قال يقول الرب يوم القيامه سيعلم اهل الجمع اليوم من اهل الكرم؟ فقيل ومن اهل الكرم يا رسول الله قال اهل مجالس لذكر فی المساجد. (مسند احمد، ابن حبان)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ بروز قیامت ارشاد فرمائے گا کہ آج سب لوگ جان لیں گے کہ اہل کرم کون ہیں''؟ عرض کی گئی: ''یا رسول اللہ! یہ اہل کرم کون ہیں''؟ فرمایا: ''مساجد میں محافل ذکر منعقد کرنے والے''۔ (الحدیث)

(۴) عن معاوية رضی الله عنه ان النبی ﷺ خرج علی حلقة من اصحابه

Marfat.com

فقال ما اجلسکم؟ قالوا جلسنا نذکر اللہ و نحمدہٗ فقال اتانی جبرائیل فاخبرنی ان اللہ یباھی بکم الملائکۃ. (مسلم، ترمذی)

ترجمہ: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنے صحابہ کے ایک حلقہ میں تشریف لائے اور ارشاد فرمایا: ''کس چیز نے تمہیں یہاں بٹھایا'' عرض کی ''ہم بیٹھے اللہ کا ذکر اور اس کی حمد و ثناء کر رہے ہیں'' تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ ''جبریل میرے پاس آیا اور مجھے خبر دی کہ اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں میں تم پر فخر کرتا ہے''۔ (الحدیث)

(۵) عن انس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ مامن قوم اجتمعوا یذکرون اللہ الا ناداھم مناد من السماء قوموا مغفورالھم قد بدلت سیئاتکم حسنات . (مسند امام احمد)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ نے ارشاد فرمایا: 'جب بھی کوئی قوم ذکر اللہ کے لئے جمع ہوتی ہے تو آسمان سے منادی ندا دیتا ہے جب تم اس ذکر سے کھڑے ہو گے تو تمہاری مغفرت کر دی جائے گی۔ تمہاری برائیوں کو نیکیوں میں تبدیل کر دیا جائے گا۔'' (الحدیث)

(۶) عن ثابت رضی اللہ عنہ، کان سلیمان رضی اللہ عنہ فی عصابہ یذکرون اللہ فمر النبی ﷺ فکفوا فقال: ماکنتم تقولون؟ قلنا نذکر اللہ قال: انی رایت الرحمۃ نزل فاحببت ان اشارککم فیھا، ثم قال الحمد للہ الذی جعل فی امتی من امرت ان اصبر نفسی معھم. (مسند امام احمد. حاکم)

ترجمہ: حضرت ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت سلیمان رضی اللہ عنہ صحابہ کرام کی ایک جماعت میں ذکر کر رہے تھے۔ نبی کریم ﷺ کا وہاں سے گزر ہوا تو آپ خاموش ہو گئے۔ آپ نے ارشاد فرمایا: ''تم کیا کر رہے تھے'' ہم نے

Marfat.com

عرض کی کہ: ''اللہ کا ذکر کر رہے تھے''۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا: ''میں نے دیکھا کہ رحمت نازل ہو رہی ہے۔ میں نے بھی چاہا کہ میں تمہارے ساتھ شریک ہو جاؤں''۔ پھر فرمایا: ''تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں۔ جس نے میری امت میں ایسے لوگوں کو پیدا فرمایا جن کے بارے میں مجھے حکم دیا گیا کہ میں ان کے ساتھ بیٹھوں''۔ (الحدیث)

ذکر کے فوائد

ابن قیم فرماتے ہیں کہ ذکر کے سو سے زائد فائدے ہیں:

(۱) شیطان کو بھگاتا ہے اور اس کا قلع قمع کر دیتا ہے۔

(۲) ذکر سے رب راضی ہو جاتا ہے۔

(۳) دل سے غم و حزن کو دور کر دیتا ہے۔

(۴) دل کی مسرت و فرحت کا باعث ہے۔

(۵) چہرے اور دل کو منور کرتا ہے۔

(۶) دل و بدن کو قوی کرتا ہے۔

(۷) وسعت رزق کا باعث ہے۔

(۸) ذاکر کو رعب و دبدبہ اور تازگی عطا کرتا ہے۔

(۹) اس محبت کا سبب ہے جو روح اسلام ہے، اور دین کا مرکز ہے۔ اور سعادت و نجات کا جس پر دارومدار ہے۔

(۱۰) اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا کوئی نہ کوئی سبب بنایا ہے اور دائمی ذکر کو اپنی محبت کا سبب بنایا ہے۔ جو اللہ کی محبت کو حاصل کرنا چاہتا ہے اسے چاہئے کہ وہ اس کے ذکر میں مشغول ہو جائے۔ اور ذکر ہی محبت کا دروازہ ہے اور اس کی سب سے بڑی علامت اور مضبوط راستہ ہے۔

وہ ذاکر کو مراقبہ کا اہل بنا دیتا ہے یہاں تک کہ اسے مقام احسان تک پہنچا دیتا

Marfat.com

ہے۔اللہ کے ذکر سے غافل کبھی بھی مقام احسان کو حاصل نہیں کر سکتا۔جس طرح آدمی ایک جگہ پر بیٹھ کر گھر نہیں پہنچ سکتا۔

(۱۱) اوراللہ کی بارگاہ میں بکثرت رجوع کا سبب ہے۔اور جو شخص ذکر کے ساتھ اس کی بارگا میں بکثرت رجوع کرتا ہے۔تو اللہ تعالیٰ تمام احوال میں اس کے دل کو اپنی طرف مائل کر دیتا ہے اور مصائب و آلام میں اس کے دل کا قبلہ وکعبہ اور ملجاؤ ماوی خداوند قدوس کی ذات ہی ہوتی ہے۔

(۱۲) یہ رب قدوس کے قرب کا اہل بنا دیتا ہے۔اور جس قدر وہ اس کا ذکر کرتا ہے اس قدر اسے قرب حاصل ہوتا ہے۔

(۱۳) اس پر معرفت کا عظیم دروازہ کھل جاتا ہے جس قدر زیادہ ذکر کرتا ہے اسی قدر اسے معرفت خداوندی حاصل ہوتی ہے۔

(۱۴) ذاکر پر اللہ تعالیٰ کی ہیبت اور جلال طاری کرتا ہے۔بخلاف غافل کے کہ اس کے دل پر حجاب ہوتا ہے۔

(۱۵) اس کا یہ فائدہ بھی ہے کہ ذاکر کو اللہ تعالیٰ یاد کرنے لگ جاتا ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: (اُذْکُرُوْنِیْٓ اَذْکُرْکُمْ) اور اگر ذکر کا یہی ایک فائدہ ہوتا تو یہ عظمت وشرف کے اعتبار سے خالی نہ ہوتا۔

حدیث قدسی ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ''جو میرا ذکر نماز میں کرتا ہے تو میں اس کا ذکر افضل گروہ میں کرتا ہوں:''

(۱۶) اور یہ حیات قلب کا باعث ہے۔ میں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ قدس اللہ سرہ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ دل کے لئے ذکر ایسے ہے جیسے مچھلی کے لئے پانی، اور مچھلی جب پانی سے جدا ہو تو اس کی کیا حالت ہوگی۔

(۱۷) دل کے زنگ کو دور کرتا ہے۔ ہر چیز کو زنگ لگتا ہے اور دل کا زنگ غفلت اور خواہشات نفسانیہ ہیں۔ذکر، توبہ اور استغفار سے زنگ دور ہو جاتا ہے۔

Marfat.com

(۱۸) خطا کو ختم کر دیتا ہے کیونکہ نیکیاں خطاؤں کو ختم کر دیتی ہیں اور ذکر بہت بڑی نیکی ہے۔

(۱۹) یہ ذکر بندہ ورب کے درمیان اجنبیت کو زائل کر دیتا ہے کیونکہ بندہ اور رب کے درمیان اجنبیت صرف ذکر سے ہی دور ہو سکتی ہے۔

(۲۰) جب بندہ خوشحالی کے دنوں میں رب قدوس کو یاد رکھتا ہے تو تنگی کے ایام میں اللہ تعالیٰ اس کی خبر گیری کرتا ہے۔ایک اثر روایت کی گئی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار اور ذکر کرنے والے بندے کو جب کوئی مصیبت لاحق ہوتی ہے یا بارگاہ الٰہی میں کوئی ضرورت پیش آتی ہے تو فرشتے کہتے ہیں: ''اے پروردگار! یہ تو معروف بندے کی جانی پہچانی آواز ہے'' جب غافل اور ذکر اللہ سے اعراض کرنے والا دعا کرتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں: ''یہ کسی اجنبی بندے کی نامانوس آواز ہے''۔

(۲۱) اللہ کے عذاب سے نجات دلاتا ہے۔ جیسا کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ذکر اللہ سے بڑھ کر عذاب الٰہی سے نجات دلانے والا کوئی عمل نہیں''۔

(۲۲) یہ ذکر نزول رحمت اور سکون واطمینان کا سبب ہے ذاکر کو اللہ کے فرشتے گھیر لیتے ہیں جیسا کہ اس مفہوم کی حدیث گزر چکی ہے۔

(۲۳) زبان کو غیبت، چغل خوری، جھوٹ، فحش اور باطل کلام سے محفوظ کرنے کا سبب ہے۔ کیونکہ بندہ کلام اور گفتگو کے بغیر نہیں رہ سکتا اگر اللہ کا ذکر نہیں کریگا تو اس کی زبان ان لغویات میں مشغول ہو جائے گی۔ زبان کو ان سے محفوظ کرنے کا طریقہ صرف اللہ کا ذکر ہے۔ یہ آزمودہ چیز ہے کہ جس نے اپنی زبان کو اللہ کے ذکر کا عادی کر لیا اس نے اس کو باطل اور لغو کلام سے محفوظ کر لیا اور جس کی زبان اللہ کے ذکر میں مشغول نہ ہوئی وہ باطل اور لغو کلام میں واقع ہوگئی۔ **لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔**

(۲۴) بے شک محافل ذکر، اللہ کے فرشتوں کی محافل ہیں۔ لغو اور باطل امور کی مجالس

Marfat.com

شیطان کی مجالس ہیں۔ بندے کو ان دونوں سے جو اچھی لگے اسے اختیار کر لے۔ وہ دنیا و آخرت میں اپنی اختیار کردہ محفل کے ساتھ رہے گا۔

(۲۵) ذکر، ذاکر اور اس کے ہم نشین کی سعادت مندی کا باعث ہے۔ وہ جہاں بھی ہو گا۔ اللہ کی رحمتوں کے نزول کا مرکز ہو گا۔ اللہ کے ذکر سے غفلت غافل اور اس کے ہم نشین کی بدبختی کا سبب ہے۔

(۲۶) ذکر قیامت کے دن بندے کو ندامت اور حسرت سے بچاتا ہے کیونکہ ہر وہ مجلس جس میں بندہ اپنے رب کا ذکر نہیں کرتا وہ اس کے لئے بروز قیامت حسرت کا باعث ہو گی۔

(۲۷) دوران ذکر خلوت میں رونا، یوم محشر ظل الٰہی کے حصول کا سبب ہے۔

(۲۸) مشغولیت ذکر، اللہ تعالیٰ کے جود و کرم میں اضافے کا ذریعہ ہے جیسا کہ گذشتہ بحث میں حدیث گزری ہے۔

(۲۹) ذکر افضل ترین عبادت ہونے کے باوجود آسان ترین عبادت ہے کیونکہ حرکت لسان باقی اعضاء کی حرکت سے ہلکی اور سہل ترین ہے۔ ایک دن میں زبان کی حرکت کی مقدار کوئی دوسرا عضو حرکت کرے تو اس کے لئے انتہائی دشوار ہے۔ بلکہ یہ ناممکن ہے۔

(۳۰) ذکر جنت کا پودا ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔

قال رسول اللہ ﷺ لقیت لیلة اسری بی ابراهیم الخلیل فقال یا محمد اقری امتک السلام و اخبرهم ان الجنة طیبة توبتها، عذبه الماء و انهاقیعان و ان غیراسها سبحان الله و الحمد الله و لا اله الا الله و الله اکبر.

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اسراء کی رات میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ

Marfat.com

السلام سے ملا۔ انہوں نے فرمایا: ''اے محمد ﷺ! اپنی امت کو میرا سلام کہنا اور انہیں بتانا کہ جنت کی مٹی بڑی عمدہ اور پانی بڑا میٹھا ہے اور یہ خالی میدان ہے اور اس کے پودے سبحان اللہ، والحمدللہ ولاالہ الا اللہ واللہ اکبر ہیں۔

(۳۲) ذکر پر مرتب ہونے والا فضل واحسان ہر عمل سے بڑھ کر ہے۔ صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے دل میں سو مرتبہ کہا لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ، لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شئی قدیر۔ اس کو دس غلام آزاد کرنے کا ثواب ملے گا سو نیکیاں اس کے نامہ اعمال میں لکھ دی جائیں گی اور ۱۰۰ گناہ مٹا دیئے جائیں گے۔ شام تک شیطان سے محفوظ ہو جائے گا اور اس سے افضل کسی کا عمل نہیں ہوگا سوائے اس کے کہ جس نے اس کلمہ کا زیادہ ذکر کیا۔

اور جس نے دل میں سو مرتبہ کہا۔ سبحان اللہ وبحمدہ اس کی خطائیں معاف کر دی جائیں گی۔ اگرچہ وہ سمندر کی جھاگ کی مانند ہوں۔

(۳۲) بندہ دائمی ذکر سے اپنے رب کو بھولنے سے محفوظ ہو جاتا ہے اور اپنے پروردگار کو بھولنا، اس کے لئے دنیا و آخرت میں بدبختی کا سبب ہے۔ کیونکہ اگر وہ اپنے رب کو بھول جائے تو وہ اپنی ذات اور اس کے متعلقہ تمام مصلحتوں کو بھول جاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ اُولٰٓئِكَ) هُمُ الْفٰسِقُوْنَ (الحشر ۱۹)

ترجمہ: ''ان (نادانوں) کی مانند نہ ہو جانا جنہوں نے بھلا دیا اللہ تعالیٰ کو پس اللہ نے انہیں خود فراموش بنا دیا۔ یہی نافرمان لوگ ہیں''۔

(۳۳) ذکر بندے کے عمل کو جاری رکھتا ہے خواہ اپنے بستر میں ہو یا سفر میں، حالت صحت میں ہو یا بیماری میں۔ کوئی عبادت ذکر کی مثل نہیں جو تمام اوقات اور احوال کو شامل ہو۔ حتی کہ وہ بندے کی رفتار عمل کو جاری رکھتا ہے۔ حالانکہ وہ اپنے

Marfat.com

بستر پر سویا ہوتا ہے۔ لیکن غافل جاگنے والے سے سبقت لے جاتا ہے، **ذٰلِکَ فَضۡلُ اللّٰہِ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ۔**

حکایت ہے کہ ایک عبادت گزار بندہ کسی کے پاس بطور مہمان ٹھہرا۔ بندۂ خدا ساری رات عبادت میں مصروف رہا۔ اور میزبان اپنے بستر پر لیٹا رہا۔ صبح ہوئی تو عابد نے اسے کہا: ''قافلہ تجھ سے آگے نکل گیا'' اس نے جواب دیا: ''یہ تو کوئی بڑی بات نہیں کہ انسان ساری رات سفر میں رہے اور علی الصبح قافلے کے ساتھ مل جائے مزہ تو تب ہے کہ ساری رات بستر پر سویا رہے اور صبح قافلہ سے آگے ہو''۔

اس قسم کے واقعات کی صحیح توجیہ بھی ہوسکتی ہے اور غلط بھی۔ جس نے یہ گمان کیا کہ آرام سے سونے والا، شب بھر عبادت کرنے والے سے سبقت لے جاتا ہے۔ اس کا یہ گمان باطل ہے اور اس کی یہ بات اسی وقت صحیح ہوسکتی ہے جس بستر پر سونے والے نے اپنے دل کا تعلق اپنے رب سے ملالیا ہو۔ اور اپنے سویدۂ قلب کو عرش الٰہی سے ملادیا ہو۔ اور اس کا دل ساری رات فرشتوں کے ساتھ طواف عرش الٰہی میں مصروف رہا ہو۔ اور دنیا و مافیھا سے بے خبر ہوگیا ہو۔ اور وہ کسی شرعی عذر کی وجہ سے قیام لیل سے محروم ہوگیا ہو اور بستر پر لیٹے لیٹے یاد الٰہی میں مشغول ہوگیا۔ لیکن اس کے مقابلہ میں ایک اور شخص ہے جو شب بھر تو نماز اور تلاوت میں مشغول رہا۔ اور اس کے دل میں ریا تکبر، طلب جاہ اور دیگر آفات تھیں یا اس کا بدن عبادت میں مصروف تھا لیکن اس کا دل غافل تھا تو اس کی عبادت کرنے والے سے اپنے بستر پر لیٹ کر عبادت کرنے والا کئی درجے بہتر ہے۔

(۳۴) ذکر اصول طریقت کی بنیاد، طریقہ صوفیا اور جسے ذکر کی توفیق میسر آجائے اس کے لئے بارگاہ خداوندی میں حضوری کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ پاک صاف ہوکر اسے رب کی بارگاہ میں حاضر ہونا چاہیئے تاکہ اس کو ہر مراد مل جائے۔ کیونکہ جس نے اپنے رب کو پالیا۔ اس نے ہر چیز کو پالیا۔ اور جو اپنے پروردگار تک رسائی حاصل نہ کرسکا وہ ہر چیز سے محروم ہے۔

Marfat.com

(۳۵) ذکر کے درخت کا ثمرہ معارف اور احوال میں ہے جس کے حصول کے لئے سالکین کوشاں رہتے ہیں۔ ان ثمرات کے حصول کا واحد ذریعہ ذکر کا درخت ہے اور یہ درخت جتنا بڑا، اور اس کی جڑیں جتنی گہری ہوں گی اتنا ہی اس کا ثمرہ عظیم ہوگا۔ ابتدا سے لے کر مقام توحید تک تمام مقامات ذکر کا ثمر ہیں اور ذکر تمام مقامات کی اصل اور بنیاد ہے جس طرح دیوار بنیادوں پر اور چھت اس دیوار پر تعمیر ہوتی ہے۔ بندہ جب خواب غفلت سے بیدار نہ ہو تو منازل سلوک طے کرنا اس کے لئے ممکن نہیں ہے۔ اور بندہ ذکر سے ہی بیدار ہو سکتا ہے جیسا کہ پیچھے بیان کیا جا چکا ہے۔ اور غفلت دل کی نیند اور موت کا سبب ہوتی ہے۔

(۳۶) ذاکر مذکور کے قریب ہوتا ہے اور مذکور اس کے ساتھ ہوتا ہے اور یہ معیت خاص ہوتی ہے اور یہ معیت قرب، ولایت، محبت، نصرت، اور توفیق کی معیت ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے

اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَالَّذِیْنَ ھُمْ مُّحْسِنُوْنَ (نحل: ۱۲۸)

وَاللّٰہُ مَعَ الصَّابِرِیْنَ۔ (انفال: ۶۶)

وَاِنَّ اللّٰہَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ

لَاتَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا (توبہ: ۴۰)

ترجمہ: ’’یقیناً‘‘ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہے جو اس سے ڈرتے ہیں اور جو نیک کاموں میں سرگرم رہتے ہیں۔‘‘

☆ ’’اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔‘‘

☆ ’’مت غمگین ہو۔ یقناً اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔‘‘

ذاکر کو اس معیت سے وافر حصہ ملتا ہے جیسا کہ حدیث قدسی میں ہے۔

’’میں اپنے بندے کے ساتھ ہوتا ہوں جب وہ میرا ذکر کرتا ہے اور جب اس کے ہونٹ میرے ذکر کے لئے حرکت کرتے ہیں‘‘۔ دوسری حدیث میں ہے: ’’اہل ذکر

Marfat.com

میرے ہم نشین ہیں اور میرا شکر کرنے والے میرے فضل واحسان کے اہل ہیں اور میری اطاعت کرنے والے میری جود وسخا کے قابل ہیں اور اپنی نافرمانی کرنے والوں کو مایوس نہیں کرتا۔ اگر وہ توبہ کریں تو میں ان کا حبیب ہوں۔ کیونکہ میں توبہ کرنے والوں اور پاکیزہ بندوں کو پسند کرتا ہوں۔ اگر وہ توبہ نہ کریں تو میں ہی ان کا طبیب ہوں۔ ان کو مصائب و آلام میں مبتلا کرتا ہوں تاکہ ان کو گناہوں سے پاک کردوں"۔

ذاکر کو حاصل ہونے والی معیت کسی دوسری چیز کے مشابہ نہیں ہوسکتی اور یہ محسن اور متقی سے حاصل ہونے والی معیت سے خاص ہے۔ یہ وہ معیت ہے جس کو الفاظ سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا۔ اس کو سمجھنا ذوق پر ہی منحصر ہے۔

(۳۷) اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ معزز وہ متقی ہے جس کی زبان ہمیشہ ذکر سے تر رہے۔ کیونکہ وہ اسکے اوامر ونواہی سے ڈرتا ہے اور اس کے ذکر کو اپنا شعار بنالیتا ہے تو یہ تقویٰ اس کو جنت میں داخل کردیتا ہے اور جہنم سے نجات دیتا ہے۔ یہ اجر وثواب تو اسے ملے گا لیکن اس کے ساتھ ساتھ ذکر قرب الٰہی کا باعث بھی ہے اور مومن کا یہی مقصود ہے۔

(۳۸) ذکر قساوت قلبی کا خاتمہ کردیتا ہے۔ بندے کو چاہئے کہ ذکر الٰہی سے اپنے دل کی سختی کا علاج کرے۔ ایک آدمی نے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے اپنے دل کی سختی کا شکوہ کیا۔ آپ نے فرمایا: "ذکر الٰہی سے اسے نرم کرو۔ کیونکہ قساوت قلبی کا سبب غفلت ہے۔ جب بندہ اللہ کا ذکر کرتا ہے تو قساوت اس طرح پگھل جاتی ہے جس طرح سیسہ"۔

(۳۹) ذکر دل کے لئے شفاء اور علاج ہے اور غفلت اس کی بیماری۔ پس بیمار دلوں کی شفا اللہ کا ذکر ہے قال مکحول: **ذکر اللہ تعالیٰ شفاء" وذکر الناس داء** شیخ مکحول رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "اللہ کے ذکر میں شفاء ہے اور لوگوں کا ذکر بیماری کا باعث ہے۔

Marfat.com

اذا مرضنا تداوینا بذکرکم
و نترک الذکر احیانا فننتکس

ترجمہ: جب ہم بیمار ہوتے ہیں تو تمہارے ذکر کے ساتھ علاج کرتے ہیں اور جب کبھی ذکر کو ترک کر دیں تو پھر بیمار ہو جاتے ہیں''۔

(۴۰) ذکر، محبت الٰہی کی بنیاد ہے اور غفلت عداوت پروردگار کی اصل ہے بندہ اپنے رب کا ذکر کرتے ہوئے اس مقام پر فائز ہو جاتا ہے کہ رب کریم اسے محبت عطا کر کے اپنا دوست بنا لیتا ہے۔ اسی طرح جب بندہ اپنے رب سے غافل ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ ناراض ہو کر اسے اپنا دشمن قرار دے دیتا ہے۔ بندے کی اپنے رب سے سخت ترین دشمنی کی علامت یہ ہے کہ وہ اس کے ذکر کو ناپسند اور اس کے ذاکر کو برا جانتا ہے۔ اور اس کا سبب غفلت ہے۔ اور بندہ اسی غفلت کی وجہ سے ذکر اور ذاکرین کو ناپسند کرتا ہے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ اسے اپنا دشمن بنا لیتا ہے۔ جس طرح کہ ذکر کرنے والے کو اپنا ولی بنا لیتا ہے۔

(۴۱) دائمی ذکر کرنے والا مسکراتا ہوا جنت میں داخل ہوگا۔ جس طرح ابودرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"الذین لا تزال السنتھم رطبة بذکر اللہ عزوجل یدخل احدھم الجنه"

ترجمہ: ''وہ لوگ جن کی زبانیں اللہ عزوجل کے ذکر سے تر رہیں گی وہ جنت میں مسکراتے ہوئے داخل ہوں گے''

(۴۲) ذکر بندے اور جہنم کے درمیان رکاوٹ ہے۔ جب بندہ اپنے کسی عمل کی وجہ سے جہنم کے راستے کی طرف جائے گا۔ تو ذکر اس کے راستے میں رکاوٹ بن جائے گا۔ ذکر جس قدر دائمی اور کامل ہوگا اسی قدر رکاوٹ مضبوط اور محکم ہوگی کہ اس میں سے کوئی چیز گزر نہ سکے گی۔

(۴۳) تمام اعمال کا حکم ذکر الٰہی کو قائم کرنے کے لئے ہی دیا گیا ہے کیونکہ اصل مقصود ذکر الٰہی ہے جیسا کہ ارشاد رب العلیٰ ہے:

Marfat.com

وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ(٦) (طٰہٰ: ۱۴)

''میرے ذکر کے لئے نماز قائم کرو''

ذکر کے متعلق تفصیلی معلومات درج ذیل کتب مل سکتی ہیں:

(۱) کتاب الاذکار: امام نووی۔

(۲) مفتاح الفلاح: ابن عطاء اللہ سکندری۔

(۳) عمل الیوم واللیلہ: امام نسائی امام جلال الدین سیوطی وغیرہ۔

صوفیائے کرام نے اپنے تمام احوال میں ذکر الٰہی پر مواظبت اختیار فرمائی اور ذکر کے فوائد کو محسوس کیا۔ اور پھر یقینی تجربہ کی بنیاد پر اس کے بارے میں گفتگو فرمائی۔ اور دوسرے لوگوں کو بکثرت ذکر کرنے کی نصیحت فرمائی کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

لَایُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبُّ لِاَخِیْہِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِہٖ (بخاری، مسلم)

ترجمہ: ''تم میں سے کسی کا ایمان کامل نہیں ہو سکتا حتی کہ وہ اپنے بھائی کے لئے بھی وہ چیز پسند کرے جو اپنی ذات کے لئے پسند کرتا ہے''۔ (الحدیث)

تابعین کے امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، ''اللہ جل وعلیٰ کے نزدیک پسندیدہ ترین وہ شخص ہے جو اس کا سب سے زیادہ ذکر کرنے والا اور ڈرنے والا ہو''۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''دنیا کا مزہ اس کے ذکر میں اور آخرت کا مزہ اس کے عفو و درگزر میں اور جنت کا مزہ اس کے دیدار میں ہے''۔

حضرت ابوسعید خراز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ نے اولیاء کرام کی ارواح کو اپنے ذکر اور قرب کی لذت سے اور بدنوں کو اپنی مفید اور عمدہ نعمتوں سے نوازا اور انہیں ہر شے کا وافر حصہ عطا فرمایا۔ ان کی جسمانی زندگی اہل جنت کی مثل اور روحانی حیات، ربانیین جیسی ہے'' (۷)

عوام اور خواص کے ذکر میں فرق

عوام کا ذکر اجر و ثواب کے لئے ہوتا ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ بندہ اپنے رب کا

Marfat.com

ذکر کرتا ہے لیکن اس کے باوجود ریاء تکبر وغرور، خود پسندی جیسی صفات مذمومہ اس میں موجود رہتی ہیں۔

خواص کا ذکر حضور قلب سے ہوتا ہے اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ بندہ مخصوص اذکار کو کسی خاص طریقہ سے کرے۔ اور اس کا مقصود اصلی معرفت الٰہی ہو۔ علاوہ ازیں اپنے نفس کو صفات مذمومہ سے پاک کر کے خصائل حمیدہ سے مزین کرے۔ تاکہ جسمانی تاریکی سے نکل کر روحانی اسرار وانوار میں داخل ہو جائے۔ بہتر ہے کہ اوراد واذکار کو شمار کرنے کے لئے تسبیح رکھے۔ کیونکہ اس کے بغیر اوراد کا شمار مشکل ہوتا ہے۔

پس ذکر سالکین کے دلوں کو صاف کرنے کا ذریعہ اور باب فیوضات کی کنجی ہے، اور قلوب پر تجلیات کے وارد ہونے کا راستہ ہے، اور اسی کے ساتھ ایک انسان اپنی ذات کو اخلاق محمدیہ سے مزین کرسکتا ہے۔

اوراد صوفیاء اور قرآن وسنت

''مصباح اللغات'' میں ہے: ''قرآن کریم یا کسی دوسرے ذکر کی وہ معین مقدار جو انسان اپنے ذمہ لازم کر لیتا ہے اس کی جمع اوراد ہے'' اور صوفیائے کرام کے نزدیک اس سے مراد وہ اذکار ہیں جن کا حکم ایک شیخ اپنے مرید کو دیتا ہے عموماً اس کا وقت نماز فجر اور مغرب کے بعد مقرر کیا جاتا ہے۔

وارد

لغت میں وارد دروازہ کھٹکھٹانے والے کو کہتے ہیں اور اصطلاح میں اس سے مراد وہ فیوض و برکات اور انوار وتجلیات ہیں جو اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کے قلوب پر نازل کرتا ہے۔ اس سے ان میں انتہائی قوت پیدا ہو جاتی ہے حتی کہ بعض مدہوش اور اپنی ذات سے بے خود ہو جاتے ہیں۔ یہ کیفیت اچانک پیدا ہوتی ہے اور جلد ہی زائل ہو جاتی ہے (۸)۔

ورد عموماً تین چیزوں پر مشتمل ہوتا ہے اور یہ تینوں شرعاً مطلوب اور قرآن وسنت کے عین مطابق ہیں۔

Marfat.com

(۱) الاستغفار

اولاً گذشتہ لغزشوں پر محاسبہ کرے اور پھر سو دفعہ استغفر اللہ کہے تاکہ اس کا نامہ اعمال صاف ستھرا ہو جائے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں استغفار کا حکم دیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے وَاسْتَغْفِرُوا اللهَ اِنَّ اللهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (المزمل: ۲۰)

رسول اللہ ﷺ تعلیم امت کے لئے کثرت سے استغفار کیا کرتے تھے۔ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا: ''میں روزانہ ستر سے زائد مرتبہ استغفار کرتا ہوں''۔

حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''خوشخبری ہے اس آدمی کے لئے جس نے اپنے نامہ اعمال میں کثیر استغفار پایا۔''

(۲) نبی کریم ﷺ پر سو مرتبہ درج ذیل درود پڑھنا

اللھم صل علی سیدنا محمد عبدک ورسولک النبی الامی وعلی الہ وصحبہ وسلم

آپ ﷺ کی عظمت اور صفات وشمائل کو پیش نظر رکھتے ہوئے ذوق وشوق سے درود پاک پڑھے۔ اور اس کا حکم ہمیں اللہ تعالیٰ نے دیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ اللهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ، يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (احزاب: ۵۶)

ترجمہ: ''بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس نبی مکرم پر اے ایمان والو! تم بھی آپ پر درود بھیجا کرو۔ اور بڑے ادب سے اور محبت سے سلام عرض کیا کرو''۔

اس طرح رسول اللہ ﷺ نے بھی بکثرت درود وسلام کے پڑھنے کی رغبت دلائی ہے۔ آپ کا ارشاد ہے: ''مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ وَاحِدَةً صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ عَشْرًا'' ''جس نے مجھ پر ایک بار درود پاک پڑھا۔ اللہ تعالیٰ اس کے بدلے دس رحمتیں نازل فرماتا ہے''۔ (مسلم، نسائی)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد

Marfat.com

فرمایا: ''جس نے مجھ پر ایک دفعہ درود پاک پڑھا اس پر اللہ تعالیٰ دس رحمتیں نازل فرماتا ہے۔ دس خطائیں معاف اور دس درجے بلند کرتا ہے''۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے: ''بروز قیامت، کثرت سے مجھ پر درود پاک پڑھنے والا میرے قریب ترین ہوگا''۔

(۳) کلمہء توحید کا ورد

بندہ ۱۰۰ مرتبہ یہ کلمہ پڑھے۔ **لا الہ لا اللہ وحدہ لا شریک لہ، لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شئی قدیر.** یا صرف۔ **لا الہ الا اللہ.** سو دفعہ پڑھے۔

دوران ذکر ذہن میں یہ تصور رکھے کہ اللہ کے سوا نہ کوئی خالق ہے اور نہ کوئی رازق، نفع دینے والا ہے نہ نقصان۔ تنگی دینے والا ہے نہ خوشحالی۔ علاوہ ازیں دل سے حب دنیا، نفسانی شہوت، شیطانی وساوس اور علائق دنیوی کو دور کرے۔ حتیٰ کہ دل اللہ کے لئے خاص ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں توحید خالص کی دعوت دی ہے۔ ارشاد فرمایا فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ (محمد: ۱۹)

ترجمہ: ''پس آپ جان لیں کہ نہیں کوئی معبود بجز اللہ کے''۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے بکثرت کلمہ توحید کے ذکر کی رغبت دلائی اور اس کی فضیلت اور ثواب کو بیان فرمایا۔ ارشاد فرمایا: اَفْضَلُ الذِّکْرِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ. (ترمذی)

''سب سے افضل ذکر لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے'' (الحدیث)

علامہ ابن علان اس حدیث کی شرح میں رقمطراز ہیں کہ کلمہ توحید دل کو اوصاف ذمیمہ سے پاک کرنے میں حیرت انگیز تاثیر رکھتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ لَا اِلٰهَ تمام معبودان باطلہ کی نفی کرتا ہے اور اِلَّا اللّٰهُ اس ذات یکتا کا اثبات کرتا ہے جو ہر نقص و عیب سے پاک ہے۔ اس کلمہ کے دائمی ورد سے ذکر، زبان سے دل کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کہ اس میں متمکن ہو کر اسے منور کر دیتا ہے اور اس کی اصلاح کرتا ہے۔ اور پھر تمام اعضاء ظاہری کی اصطلاح و درستگی کر دیتا ہے۔ اسی وجہ سے مریدین کو بکثرت اس کلمہ کے ورد کا حکم دیا جاتا ہے (۹) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے

Marfat.com

فرمایا: ''اپنے ایمان کی تجدید کیا کرو''۔ عرض کی گئی ''یارسول اللہ! ہمارے ایمان کی تجدید کیسے ہوسکتی ہے'' فرمایا بکثرت لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کا ورد کیا کرو''۔ (مسند احمد بن حنبل)

واضح رہے کہ یہ ذکر صبح و شام خلوت میں ہو۔ اس طرح سالک کے دن کی ابتداء ذکر اللہ سے اور انتہاء اس کے ذکر و طاعت پر ہوتی ہے۔ اسطرح ممکن ہے کہ اس کا شمار ان لوگوں میں ہوجائے جن کے متعلق ارشاد رب المجد والعلیٰ ہے:

اَلذّٰاكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَ الذّٰاكِرَاتِ اَعَدَّلَهُمْ مَغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا (احزاب: ۳۵)

ترجمہ: ''اور کثرت سے اللہ کو یاد کرنے والے اور یاد کرنے والیاں، تیار کر رکھا ہے اللہ نے ان سب کے لئے اجر عظیم''۔

☆ مصنف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ اوراد ہم نے اپنے مرشد کامل شیخ محمد ہاشمی رحمۃ اللہ علیہ سے اخذ کئے ہیں جیسا کہ انہوں نے اپنے شیخ سے......

سالک کو چاہئے کہ اپنے اس ورد کو مذکورہ تعداد پر محصور نہ کرے۔ بلکہ اسے بکثرت ذکر کرنا چاہئے۔ کیونکہ ابتداء میں سالک کا دل چھوٹے بچے کی طرح ہوتا ہے۔ جس طرح بچے کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ اس کی خوراک بڑھادی جاتی ہے، اسی طرح سالک کے ذکر کی مقدار بھی بڑھتی رہتی ہے۔ کیونکہ ذکر اس کے دل کی غذا اور زندگی بن جاتا ہے۔

چونکہ ورد وصول الی اللہ کا راستہ ہے اس لئے شیطان اس راستے پر بیٹھ جاتا ہے، اور مختلف حیلے بہانوں سے ذکر سے روکتا رہتا ہے۔ بعض مریدین کثرت عمل اور عدم فراغت کی وجہ سے اپنے اوراد کو ترک کر بیٹھتے ہیں۔ کیونکہ شیطان ان کے دلوں میں وسوسہ ڈال دیتا ہے کہ یہ عذر مقبول ہے۔ جب فرصت ملے گی تو ذکر کرلیں گے لیکن صوفیائے کرام نے اپنے مریدین کو اس سستی و کاہلی اور فارغ اوقات کے انتظار پر تنبیہ فرمائی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ عمر انتہائی تیزی سے گزر جاتی ہے اور انسان ہر روز نئی نئی مصروفیات میں مشغول رہتا ہے اس لئے فارغ وقت کا انتظار حماقت ہے۔

ابن عطاء اللہ سکندری رحمۃ اللہ علیہ ''حِکَم'' میں فرماتے ہیں کہ اپنے اعمال کو فارغ اوقات کے لئے مؤخر کرنا نفس کی رعونت ہے۔ ابن عجیبہ رحمۃ اللہ علیہ اس کی شرح میں

Marfat.com

فرماتے ہیں کہ انسان کے ضروری ہے کہ وہ غیر ضروری رکاوٹوں کو دور کرے اور اپنے نفس کی مخالفت کرے۔''اپنے مولی کی خدمت میں مصروف ہو جائے کسی دوسرے وقت کا انتظار نہ کرتا ہے۔ کیونکہ صوفی کے نزدیک وقت کی بڑی اہمیت ہے''(۱۰)۔

بعض سالکین ذکر کو اس لئے ترک کر دیتے ہیں کہ شیطان ان کے دل میں وسوسہ ڈال دیتا ہے کہ تمہارا ذکر خیالات سے خالی نہیں۔ اس لئے اس کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ حقیقی ذکر تو وہی ہوتا ہے جو حضور قلب سے کیا جائے۔ لیکن مشائخ عظام اپنے مریدین کو اس شیطانی جال سے آگاہ کرتے رہتے ہیں۔

☆ ابن عطاء اللہ سکندری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:''عدم حضور قلب کی وجہ سے ذکر کو ترک نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے غفلت کے ذکر سے بیداری کے ذکر کی طرف منتقل کر دے اور بیداری کے ذکر سے تجھے حضور قلب کے ذکر کی طرف بلند کر دے، اور حضور قلب سے وہ مقام عطا کر دے کہ ذاکر ما سوئی اللہ سے بے خود اور بے خبر ہو جائے۔

بعض سالکین وارد پر اکتفا کرتے ہوئے ذکر کو ترک کر دیتے ہیں۔ کیونکہ معلوم نہیں ہوتا کہ ذکر تقرب الی اللہ کا ذریعہ۔ اور صوفیائے کرام نے انتہائی اعلیٰ مقامات پر فائز ہونے کے باوجود ذکر کو ترک نہیں کیا۔

☆ شیخ ابوالحسن الدراج رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ایک دن شیخ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اہل معرفت کا ذکر فرما رہے تھے اور فرمایا:''یہ لوگ انتہائی اعلیٰ مدارج پر متمکن ہونے کے باوجود اپنے اوراد کو ترک نہیں کرتے تھے'' پھر فرمایا:''عارفین کی عبادت شہنشاہ کے تاج سے بھی بہتر ہے'' ایک شخص نے آپ کے ہاتھ میں تسبیح دیکھ کر عرض کی، کہ''آپ انتہائی کمال مرتبت کے باوجود تسبیح ہاتھ میں رکھتے ہیں''۔ فرمایا:''یہ وہ وسیلہ ہے جس نے ہمیں ان مراتب تک پہنچایا ہے اس لئے ہم ان کو ترک نہیں کرتے''۔

☆ حضرت ابن عطاء اللہ سکندری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ورد کو جاہل ہی حقیر سمجھتا ہے کیونکہ وارد تو آخرت میں بھی پایا جاتا ہے، لیکن ورد کا تعلق اس دار فانی کے ساتھ ہے۔ اس لئے اس چیز کا زیادہ خیال رکھنا چاہیے جس کا کوئی بدل نہ ہو۔ ورد سالک سے مطلوب ہوتا ہے۔ جبکہ وارد کو سالک طلب کرتا ہے۔ اور مطلوب کا مقام طالب سے اعلیٰ ہوتا ہے۔ (۱۱)

Marfat.com

جب مرید کسی وجہ سے اپنے ورد کو ترک کردے تو پھر اس غفلت سے بیدار ہو کر دوبارہ اس میں مشغول ہو جائے تو اسے اپنی سستی اور کوتاہی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہیئے، بلکہ اس کے لئے ضرورت ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرے۔ اور جو اوراد رہ گئے ہیں ان کی قضا کرے۔ کیونکہ دوسری عبادات کی طرح ان کی بھی قضا ہوتی ہے۔

☆ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس آدمی نے دن یا رات کے کسی وقت میں یا نماز کے بعد کوئی وظیفہ مقرر کیا ہو اور پھر کسی وجہ سے اس وظیفہ کو ادا نہ کرسکا تو اسے چاہئے جونہی وقت ملے اسے ادا کرے اور اس میں سستی نہ کرے۔ کیونکہ جب وہ اس وظیفہ کا عادی ہو جائے گا تو اس کو ترک نہیں کرے گا۔ لیکن اگر اس نے اس کی قضا میں سستی کی تو اس کے وقت میں ادا کرنا بھی مشکل ہو جائے گا۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص وظیفہ کرنے سے پہلے سو گیا یا اس کا کچھ حصہ پڑھنے کے بعد سو گیا، پھر اس نے نماز فجر اور ظہر کے درمیان اسے پڑھ لیا تو گویا کہ اس نے رات کو ہی پڑھا ہے'' (۱۲)

مذاکرہ:

مذاکرہ سے مراد مرید کا اپنے شیخ کامل کے ارشادات اور تجربات سے استفادہ کرنا ہے۔ یعنی مرید کو چاہئے کہ وہ عقائد، عبادات اور معاملات کے بارے میں شرعی مسائل کو شیخ کی بارگاہ میں پیش کرے تاکہ شیخ کے ملفوظات سے مستفید ہو۔ اس طرح اسے چاہئے کہ وہ اپنے دل کے حالات، نفسانی اور شیطانی خواطر سے بھی اپنے شیخ کو آگاہ کرے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ یہ چیزیں اس کی سمجھ سے بالاتر ہوں جس کی وجہ سے شکوک و شبہات میں مبتلا ہو کر حیران و پریشان ہو جائے۔ اور اسی طرح اسے چاہئے کہ وہ اپنے قلبی امراض جیسے تکبر، حسد، نفاق، حب جاہ اور اسی طرح رعونت نفسی جیسے اپنی کرامات کا چرچا کرنا شہرت اور تعریف کے لئے ریاکاری کا اپنے شیخ سے ذکر کرے تاکہ ان چیزوں سے چھٹکارا کے لئے راہنمائی فرمائے۔ اس طرح سالک کو چاہئے کہ وہ راہ سلوک میں آنے والی

Marfat.com

رکاوٹوں کو دور کرنے کے لئے شیخ کی بارگاہ میں رجوع کرے۔

کبھی مرید اپنے اعلیٰ احوال و مقامات اور روح کے بارگاہ الٰہی میں مشتاق ہونے اور دل پر وارد ہونے والے رحمانی اور ملکوتی واردات اور قرآنی مفاہیم اور علم لدنی کو اپنے شیخ کی بارگاہ میں پیش کرتا ہے۔ اور اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس کو ان چیزوں کے صحیح ہونے کا یقین ہو جائے۔ تا کہ راہ سلوک کی ہر منزل کو یقین کے ساتھ طے کر سکے۔

مذاکرہ کو راہ سلوک میں بڑی اہمیت حاصل ہے اور یہ راہ سلوک کے پانچ ارکان سے ایک اہم رکن ہے اور یہ پانچ ارکان درج ذیل ہیں:

(۱) ذکر (۲) مذاکرہ (۳) مجاہدہ نفس (۴) علم (۵) محبت

مرید کا اپنے شیخ سے ایسا ہی تعلق ہوتا ہے جیسا مریض کا ڈاکٹر کے ساتھ کہ وہ ڈاکٹر کو اپنی مرض کے تمام احوال سے آگاہ کر دیتا ہے۔ اس کے علاوہ مذاکرہ مرید اور شیخ کے تعلق کو قوی کرتا ہے۔ اس طرح محبت بڑھتی ہے اور باہمی ہم آہنگی میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ مرید اس کے ذریعہ شیخ سے علم حال اور معرفت کا استفادہ کرتا ہے۔ کیونکہ علم اس روح کا نام ہے جو کسی جسم میں پھونک دی جائے نہ کہ نقل شدہ چند مسائل۔ اس سے معلوم ہوا کہ مذاکرہ آداب شرعیہ کی عملی تشکیل ہے اور اسلامی اخلاق کا بنیادی جز ہے۔ اور اس سے مراد وہ شوریٰ ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے مومنین کی مدح فرمائی ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے ''وَاَمْرُھُمْ شُوْرٰی بَیْنَھُمْ'' (الشوریٰ۔ ۳۸)

ترجمہ: ''اور ان کے سارے کام باہمی مشورے سے طے ہوتے ہیں''۔

اسی طرح نبی کریم ﷺ نے اپنے اس ارشاد میں شوریٰ کی اہمیت کو اجاگر کیا ہے آپ نے ارشاد فرمایا: ''المستشار موتمن''

ترجمہ: ''جس سے مشورہ طلب کیا جائے وہ امین ہوتا ہے''۔

شوریٰ سے مراد زندگی کے مختلف شعبوں میں ماہرین کے تجربات سے استفادہ کرنا ہے۔ جس طرح کہ مریض ڈاکٹر کے، معمار انجینئر کے اور مظلوم اور بے گناہ وکیل کے تجربات سے استفادہ کرتا ہے۔ اسی طرح مرید شرعی احکام کے عملی نفاذ کے سلسلہ میں اپنے

Marfat.com

شیخ کے تجربات سے استفادہ کرتا ہے۔اس لئے اللہ تعالیٰ نے استفادہ کی اہمیت کو اپنے اس ارشاد میں واضح فرمایا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

فَسْئَلُوا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (النحل:۴۳)

''پس دریافت کو لو اہل علم سے اگر تم خود نہیں جانتے''

دوسرے مقام پر ارشاد الٰہی ہے

اَلرَّحْمٰنُ فَسْئَلْ بِهٖ خَبِيْرًا (الفرقان:۵۹)

ترجمہ: ''وہ رحمٰن ہے،سو پوچھ اس کے بارے میں کسی واقف حال سے''۔

مذاکرہ اور نصاریٰ کے اعتراف میں فرق:

بعض لوگوں کا یہ وہم ہے کہ مرید کا اپنے شیخ سے مذاکرہ اور نصاریٰ کا اپنے پادریوں کے پاس اپنے گناہوں کے اعتراف کے درمیان مشابہت پائی جاتی ہے،لیکن عقلمند اور انصاف پسند آدمی اس فیصلہ میں جلدی نہیں کرتا۔اور نہ ہی بغیر سوچے سمجھے بے تکی باتیں کرتا ہے، کیونکہ اس دونوں چیزوں میں واضح فرق ہے۔ کیونکہ عیسائی پادری کے سامنے اپنے گناہ اور جرائم کا اعتراف اس لئے کرتا ہے تا کہ اس کی بخشش ہو سکے۔اس کے مقابلہ میں مرید شیخ کو اپنے قلبی امراض اور احوال سے اس لئے آگاہ کرتا ہے تا کہ وہ اسے بچاؤ کا کوئی طریقہ بتائے۔جس طرح کہ مریض اپنے مرض کی حالت ڈاکٹر کے سامنے بیان کر دیتا ہے۔اگر چہ وہ کسی پوشیدہ مرض میں ہی مبتلا ہو۔کیونکہ اس کے بغیر بیماری کی تشخیص اور اس کے لئے نفع مند دوائی تجویز کرنا ممکن نہیں۔

مذاکرہ اور اعلانیہ معصیت کے درمیان فرق:

بعض لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ مرید کا شیخ کو اپنے قلبی امراض اور نفسانی احوال یعنی معاصی وغیرہ سے آگاہ کرنا اعلانیہ معصیت کے مترادف ہے۔

لیکن اگر غور کیا جائے تو واضح فرق نظر آتا ہے اس شخص کے درمیان جو گناہ کا ارتکاب کرنے کے بعد لوگوں کو بڑے فکر اور لذت سے اس کو بیان کرتا ہے،اور اس کی

Marfat.com

طرف دعوت دیتا ہے۔اور اس کے درمیان جو اپنے گناہ پر شرمندہ ہے اور اس سے بچنے کے علاج اور معرفت میں حیران و پریشان ہے۔وہ اپنے مرشد کے پاس اس کے تجربات سے استفادہ کے لئے آتا ہے۔

امام نووی حدیث پاک ''**کل امتی معافاة الا المجاهرین**'' کی شرح بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''اجہار کا معنی یہ ہے کہ آدمی ہر شب کو کوئی کام کرے اور دن کو اللہ تعالیٰ اس پر پردہ ڈال دے اور کہے: ''اے فلاں! میں نے رات کو یہ یہ کام کیا ہے'' حالانکہ اس کے رب نے تو رات کو اگناہ پر پردہ ڈال دیا اور وہ خود صبح کے وقت اس پردے کو ظاہر کر دیتا ہے'' کی شرح بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: ''جب کوئی انسان کسی گناہ میں مبتلا ہو جائے تو اس کے لئے کسی دوسرے کو اطلاع دینا مکروہ ہے۔ بلکہ اسے چاہئے کہ وہ اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرے اور فوراً اس گناہ کو ترک کر کے اپنے گذشتہ گناہ پر شرمندگی کا اظہار کرے، اور یہ عزم کرے کہ دوبارہ اس قسم کی غلطی کا ارتکاب نہیں کرے گا۔یہی توبہ کے تین ارکان ہیں اس کے بغیر توبہ متحقق نہیں ہوتی۔لیکن اگر اس نے اپنی معصیت کا اپنے شیخ یا کسی ایسے شخص کو بتایا جسے امید ہو کہ وہ اسے اس معصیت سے بچنے کا طریقہ بتائے گا، یا اس قسم کی معصیت سے سلامتی کا طریقہ سکھائے گا، اسے وہ سبب بتائے گا جس کی وجہ سے اس نے معصیت کا ارتکاب کیا، یا اس کے لئے دعا کرے گا تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ بلکہ یہ اچھا ہے کیونکہ غیر کو بتانا اس وقت مکروہ ہے کہ جب اس میں مصلحت نہ پائی جائے۔امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی شرح میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے۔آپ ارشاد فرماتے ہیں کہ کسی کو اپنی معصیت سے آگاہ کرنا اس وقت مذموم ہوتا ہے جب وہ ایسا استہزاء کرے مگر جب وہ سوال کے طور پر یا شرعی مسئلہ سے آگاہی کے لئے ایسا کرے گا تو مذموم نہیں ہے۔اور اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں صحابی نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں عرض کرتا ہے کہ ''میں نے روزے کی حالت میں اپنی بیوی سے ہم بستری کر لی ہے'' تو آپ نے اس پر انکار نہیں فرمایا بلکہ اس مسئلے کا شرعی حل بیان فرمایا دیا'' (۱۳)

Marfat.com

خلوت

شیخ احمد رزق رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''قواعد تصوف'' میں فرماتے ہیں: الخلوۃ اخص من العزلۃ ''خلوت عزلت نشینی سے خاص ہے''

اور یہ درحقیقت اعتکاف کی ایک صورت ہے۔ ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ اعتکاف مسجد کے ساتھ خاص ہے اور یہ مسجد کے باہر بھی ممکن ہے۔ صوفیاء کرام کے نزدیک اس کی کوئی حد نہیں ہے۔ لیکن چالیس دن کی خلوت اشارۃ سنت سے ثابت ہے کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے چالیس دن کی خلوت فرمائی تھی۔ درحقیقت انہوں نے تیس دن کی خلوت کا ارادہ کیا تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے دس دن زیادہ کرنے کا حکم فرمایا۔ اسی طرح نبی کریم ﷺ نے غار حراء میں ایک مہینہ کی خلوت نشینی اختیار فرمائی۔ اور اسی طرح آپ نے مہینہ بھر اپنی ازواج مطہرات سے عزلت نشینی کی۔ اسی طرح روزوں کے لئے بھی ایک مہینہ مقرر فرمایا۔ اس کی کم سے کم مدت دس دن ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ رمضان شریف کے آخری عشرہ میں اعتکاف فرمایا کرتے تھے۔

اور یہ کامل کے لئے اس کے حال میں زیادتی کا باعث بنتی ہے۔ اور ناقص کے لئے ترقی کا باعث ہے۔ اور اس کا مقصد میل کچیل سے دل کو پاک کرنا اور اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لئے دل کو خاص کرنا۔

لیکن کسی شیخ کامل کی اجازت کے بغیر خلوت، خطرات سے خالی نہیں ہوتی، اور شیخ کی راہنمائی میں خلوت سے کثیر فیوض و برکات حاصل ہوتی ہے۔ اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں کہ خلوت جن کے لئے موافق نہیں ہوتی اس لئے ہر انسان کو اپنی طبیعت کے مطابق خلوت اختیار کرنی چاہئے (۱۴)۔

المختصر یہ کہ خلوت محدود وقت کے لئے مخلوق سے منقطع ہونے اور دنیاوی امور ترک کرنے کا نام ہے تاکہ دل زندگی کے نہ ختم ہونے والے غم و حزن سے خالی ہو جائے، اور فکر و غم روزگار سے آزاد ہو کر راحت پائے۔ اور پھر حضور قلبی کے ساتھ اللہ کا ذکر ہو۔ اور

Marfat.com

اس کی ان گنت نعمتوں میں غور وفکراور اس میں شیخ کامل کی راہنمائی ضروری ہے، جو اسے ان اسرار ورموز سے آشنا کرے جن سے وہ ناواقف ہے۔ جب وہ ذکر سے غافل ہوتو اس کی توجہ اس کی طرف مبذول کرائے۔ اور جب وہ سستی کرے تو اس کی سستی کا ازالہ کرے۔ اور شیطانی وساوس اور نفسانی خواہشات کو دور کرنے میں مددگار ہو۔

خلوت کا طریقہ:

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے خلوت کا طریقہ اور اس کے مراحل اور مقامات کو بیان فرمایا ہے۔

آپ فرماتے ہیں: ''شیخ کو چاہئے کہ وہ مرید کو خلوت کا حکم دے اور اس پر ایسے شخص کو مقرر کرے جو بقدرِ ضرورت رزق حلال مہیا کرے کیونکہ رزق حلال ہی دین کی اصل ہے، اور پھر اسے مخصوص اذکار کی اجازت فرمائے۔ یہاں تک کہ اس کی زبان اور دل ذکر کرنے میں مشغول ہو جائے۔ اٹھتے بیٹھتے اس کی زبان پر اللہ یا سبحان اللہ کا ورد جاری رہے اور اس ذکر پر مواظبت اختیار کرے یہاں تک کہ اس کا اثر زبان سے دل میں سرایت کر جائے اور ان الفاظ کی صورت دل میں نقش ہو جائے پھر اسی طرح ذکر جاری رہے حتی کہ الفاظ کی صورت دل سے مٹ جائے اور اس کے معنی کی حقیقت اس کے دل میں جاگزیں ہو کر اس پر غالب ہو جائے۔ کیونکہ دل جب کسی چیز میں مشغول ہوتا ہے تو اس کے علاوہ ہر شے سے مستغنی ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جب دل ذکر الہی میں جو کہ مقصود حقیقی ہے، مشغول ہو جاتا ہے تو اس کے علاوہ ہر چیز سے خالی ہو جاتا ہے۔ اس وقت ذاکر کو چاہئے کہ وہ اپنے قلبی وساوس اور دنیا کے متعلقہ خواطر پر نگاہ رکھے اور اپنے گزشتہ احوال یا کسی دوسرے کے احوال کی طرف متوجہ نہ ہو۔ کیونکہ اگر وہ ایک لمحہ کے لئے بھی ذکر سے غافل ہو گیا تو اس لمحہ اس کا دل ذکر سے خالی ہو جائے گا، اور یہ اس کے لئے انتہائی نقصان دہ ہے۔ اس لئے اسے ان وساوس سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے کوشش کرنی چاہئے۔ اور بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ جب ذاکر ان وساوس کو دور کرنے کی کوشش کرتا ہے تو اس کا نفس اس کو اس ذکر کے متعلق وساوس کو دور کرنے کی کوشش کرتا ہے تو

Marfat.com

اس کا نفس اس کو اس ذکر کے متعلق وساوس میں مبتلا کر دیا ہے اور وہ سوچنے لگتا ہے کہ یہ کلمہ (لفظ اللہ) کیا ہے؟ اس کا کیا معنی ہے؟ کس اعتبار سے اللہ تعالیٰ الہ اور معبود ہے۔ اور اس طرح اس کے دل پر مختلف قسم کے خیالات وارد ہوتے ہیں جن کی وجہ سے وہ سوچ بچار میں مشغول ہو جاتا ہے۔ اور بعض اوقات اسے ایسے وساوس میں مبتلا کر دیتا ہے جن کا شمار کفر اور بدعت میں ہوتا ہے۔ لیکن ذاکر جب ان وساوس کو ناپسند کرتے ہوئے ان کو اپنے دل سے دور کرنے میں کوشاں ہو جائے گا تو یہ اسے نقصان نہیں پہنچا سکتے۔

وساوس کی قسمیں اور ان سے بچنے کا طریقہ:

(الف) عموماً یہ وساوس شیطان کی طرف سے ہوتے ہیں۔ شیطان ہی اس کے دل میں مختلف قسم کے وسوسے ڈال دیتا ہے۔ سالک کو یہ یقین رکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اس سے منزہ ومبرہ ہے۔ اس سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں رجوع کرے۔ اور گڑگڑا کر اس کی بارگاہ میں دعا کرے کہ وہ ان وساوس کو دور کر دے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

☆ وَاِمَّا یَنۡزَغَنَّکَ مِنَ الشَّیۡطٰنِ نَزۡغٌ فَاسۡتَعِذۡ بِاللّٰہِ اِنَّہٗ سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ.
(اعراف:۲۰۰)

ترجمہ: اور اگر پہنچے آپ کو شیطان کی طرف سے ذرا سا وسوسہ تو فوراً پناہ مانگئے اللہ سے۔ بے شک وہ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے"۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

☆ اِنَّ الَّذِیۡنَ اتَّقَوۡا اِذَا مَسَّہُمۡ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّیۡطٰنِ تَذَکَّرُوۡا فَاِذَا ہُمۡ مُّبۡصِرُوۡنَ. (اعراف۔۲۰۱)

ترجمہ: "بے شک وہ لوگ جو تقویٰ اختیار کئے ہیں، جب چھوتا ہے انہیں کوئی خیال شیطان کی طرف سے تو وہ خدا کو یاد کرنے لگتے ہیں۔ تو فوراً ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں"۔

(ب) کبھی سالک کے دل میں مختلف قسم کے شکوک وشبہات پیدا ہوتے ہیں۔ ان کا علاج یہ ہے کہ سالک اپنے شیخ کو ان تمام احوال سے آگاہ کرے اور دوسرے لوگوں سے پوشیدہ رکھے۔

Marfat.com

خلوت کی شرعی حیثیت:

خلوت صوفیائے کرام کی اصطلاح نہیں ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو بجالانا اور نبی کریم ﷺ کے حکم کی پیروی ہے۔ نبی کریم ﷺ غار حراء یں خلوت میں عبادت کرتے تے اوراس خلوت کے دوران آپ پر پہلی وحی نازل ہوئی۔

قرآن وحدیث سے خلوت کا ثبوت

قرآن کریم سے دلیل: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

☆ وَ اذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا (مزمل ۸)

ترجمہ: ''اور ذکر کیا کرو اپنے رب کے نام کا اور سب سے کٹ کر اسی کے ہو رہو''۔

علامہ ابوسعود اس کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ دن رات اللہ تعالیٰ کے ذکر پر مواظبت اختیار کرو خواہ تسبیح وتہلیل ہو یا تحمید'' پھر فرماتے ہیں کہ ''اس کا معنی یہ ہے کہ تمام مخلوق سے منہ موڑ کر پوری توجہ اور ہمت سے اس کی بارگاہ میں حضوری کے لئے مراقبہ میں مشغول ہو جائے''۔ آپ فرماتے ہیں ''یہ اسی وقت ممکن ہے کہ جب مراقبہ میں مستغرق ہونے سے مانع تمام رکاوٹوں کو دور کر دیا جائے اور اس ذات کے سوا ہر چیز سے منہ موڑ لیا جائے'' (۱۵)

اور یہ حکم نبی پاک ﷺ کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ تمام امت اس حکم میں شامل ہے۔

حدیث سے ثبوت:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ارشاد ہے کہ نبی کریم ﷺ پر وحی کی ابتداء خواب سے ہوئی۔ آپ جو بھی خواب رات کو دیکھتے اس کی تعبیر روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی۔ پھر آپ کا دل خلوت کی طرف مائل ہو گیا۔ آپ غار حراء میں خلوت کے لئے تشریف لے جاتے۔ آپ کچھ راتیں وہاں عبادت کرے اور پھر اپنے اہل خانہ کی طرف لوٹ آتے۔ اور کھانے پینے کا معمولی سامان لے کر پھر غار حراء میں واپس لوٹ جاتے۔ حتیٰ کہ غار حراء میں ہی آپ پر وحی کا نزول شروع ہوا۔

Marfat.com

حضرت ابی جمرہ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں دلیل ہے کہ خلوت انسان کیلئے عبادت اور اصلاح میں مددگار ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ جب لوگوں کو چھوڑ کر خلوت میں تشریف لے گئے تو آپ پر خیر عظیم کا نزول ہوا۔ اور جو سالک بھی آپ کی پیروی میں خلوت اختیار کرے گا۔ اس کو اس کی قسمت کے مطابق مقام ولایت حال ہوگا۔ اس میں یہ بھی دلیل ہے کہ مبتدین کے لئے خلوت اور گوشہ نشینی ہی بہتر ہے اور اس میں یہ بھی دلیل ہے کہ سالک کی ابتداء اور انتہاء دونوں برابر نہیں ہوتیں۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ پر وحی کی ابتداء خواب سے ہوئی۔ پھر ان درجات میں ترقی ہوتی رہی یہاں تک کہ فرشتہ بیداری کی حالت میں وحی لے کر نازل ہوا۔ اور پھر یہ ترقی کا سلسلہ جاری ہوا۔ یہاں تک کہ آپ قاب قوسین او ادنی کے انتہائی بلند مقام پر فائز ہوئے۔ انبیاء اور رسل جس طرح ترقی کی منازل طے کرتے ہوئے انتہائی بلند مقام پر فائز ہو جاتے ہیں۔ لیکن نبی اور امتی میں فرق یہ ہے کہ امتی مقام نبوت کے علاوہ دوسرے مقامات کو حاصل کر لیتا ہے لیکن مقام نبوت تک اس کی رسائی نہیں ہو سکتی، کیونکہ نبی کریم ﷺ کے بعد نبوت کا دروازہ بند ہو چکا ہے۔ اب اولیاء کرام ترقی کرتے کرتے معرفت اور رضا کے مقام پر پہنچ جاتے ہیں اور یہی مقامات ولایت میں سب سے اعلیٰ درجہ ہے۔

اسی وجہ سے صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ جس نے ایک مقام حاصل کر لیا پھر ادب کے ساتھ اس پر قائم رہا وہ اس سے اعلیٰ مقام میں ترقی کر جاتا ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ابتداء میں خلوت کو اختیار کیا۔ پھر ترقی کرتے کرتے مقام نبوت کو پہنچے اور پھر مقامات نبوت میں ترقی کرتے ہوئے قاب قوسین او ادنیٰ کے مقام پر فائز ہوئے۔ اور یہی حال آپ کے امتیوں کا ہے۔ آپ کا جو امتی کسی مقام پر فائز ہوتا ہے اور پھر ادب کو ملحوظ خاطر رکھتا ہے تو اس کو اس سے اعلیٰ مقام پر ترقی دے دی جاتی ہے، اور اس طرح وہ مقام نبوت کے علاوہ دوسرے اعلیٰ مقامات پر فائز ہو جاتا ہے۔

امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ اسی حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ اس میں عزلت

Marfat.com

نشینی کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ کیونکہ یہ دل کو دنیا کی مصروفیات سے راحت دیتی ہے اور اس کو اللہ تعالیٰ کے لئے خالی کر دیتی ہے۔ پھر اس سے حکمت کے سر چشمے پھوٹ پڑتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ خلوت کا مفہوم صرف یہی نہیں ہے کہ لوگوں سے قطع تعلقی کر کے تنہائی میں بیٹھ جانا، بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اپنے پروردگار کی لگن میں اپنی ذات کو بھی بھول جائے۔ اور جب انسان اس مقام پر پہنچ جاتا ہے تو پھر کہیں اسی کا ظاہری جسم علوم غیبیہ کے لئے گزرگاہ اور اس کا دل ان کے لئے قرارگاہ کے قابل ہوتا ہے۔ (۱۶)

ایک اعتراض اور اس کا جواب:

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ غار حراء کی خلوت بعثت سے پہلے تھی، حالانکہ حکم شرعی تو بعثت کے بعد شروع ہوتا ہے۔ امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ اس کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ ''حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ وحی کی ابتداء خواب سے ہوئی اور پھر آپ کا دل خلوت کی طرف مائل ہو گیا۔ اور یہ چیز اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ خلوت کا حکم وحی پر مرتب ہے، یعنی پہلے وحی آئی اور پھر خلوت۔ کیونکہ ''ثم'' کا کلمہ ترتیب کے لئے آتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے اگر خلوت کا تعلق دین سے نہ ہوتا تو بعد میں اس سے روک دیا جاتا۔ بلکہ یہ آپ پر ظہور حق کا ذریعہ ہے اور اسی طرح آپ کے امتیوں کے لئے بھی۔ لیکن اس کی چند شرائط ہیں جن کا ذکر صوفیاء نے اپنی کتب میں کیا ہے۔ (۱۷)

☆ شیخ انور شاہ کشمیری حدیث پاک کے اس حصہ پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''صوفیائے کرام کے مجاہدات اور خلوت نشینی اس حدیث پاک سے ثابت ہوتی ہے۔ پھر فرماتے ہیں کہ ''میرے نزدیک فقہاء کرام کا اعتکاف اور صوفیائے کرام کی خلوت نشینی دونوں برابر ہیں''۔ (۱۸)

☆ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''تعجب ہے کہ لوگوں نے اعتکاف کو کیسے چھوڑ دیا، حالانکہ رسول اللہ ﷺ بعض اعمال کرتے اور پھر ترک کر دیتے لیکن آپ نے اعتکاف کو ترک نہیں کیا''۔ (۱۹)

Marfat.com

☆ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ اسی حدیث پاک کی شرح میں فرماتے ہیں کہ ''ابوسلیمان خطابی فرماتے ہیں کہ خلوت نشینی آپ کو اس لئے محبوب تھی کیونکہ اس میں بندہ کا دل ہر قسم کی مصروفیات سے خالی ہوتا ہے۔اور اس کے ساتھ ساتھ غور وفکر کا بھی سبب ہے۔اور اس کی وجہ سے انسان اپنی محبوب چیزوں کو ترک کر دیتا ہے اور اس کے دل میں خشوع وخضوع پیدا ہوتا ہے۔

☆ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''آپ کے نزدیک خلوت کے محبوب ہونے میں راز یہ تھا کہ اس میں دل میں ہر قسم کے شواغل سے فارغ ہو کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوتا ہے'' پھر آپ فرماتے ہیں کہ ''آپ کی خلوت کی مدت ایک ماہ تھی اور وہ رمضان کا مہینہ تھا''۔(۲۰)

☆ علامہ محمود عینی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں کہ ''اگر یہ کہا جائے کہ خلوت آپ کے نزدیک کیوں محبوب تھی۔تو اس کا جواب یہ ہے کہ خلوت میں دل ہر قسم کے شواغل سے پاک ہوتا ہے، اور یہ غور وفکر کرنے میں بھی معاون ہے۔اور انسان کی طبیعت بہت زیادہ ریاضت سے تبدیل ہوتی ہے۔آپ کو خلوت اس لئے محبوب ہوگئی تھی تا کہ آپ عام لوگوں کے میل جول سے منقطع ہو جائیں اور اپنے روزمرہ کے معمولات کو بھول جائیں''۔(۲۱)

☆ امام کرمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''خلوت اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی شان اور عارفین کا طریقہ ہے۔آپ کو خلوت اس لئے محبوب تھی، کیونکہ اس سے دل کو فراغت میسر آتی ہے اور انسان دلجمعی کے ساتھ عبادت کر سکتا ہے، اور انسان اپنے بشری تقاضوں کو ترک کر دیتا ہے اور اس کے دل میں خشوع وخضوع پیدا ہو جاتا ہے''۔(۲۲)

یہ محدثین اور شارحین کرام کے تمام اقوال ہیں جس میں خلوت کی تعریف، اس کا شرعی حکم اور اس کے فوائد، اور اس کے بارے میں سلف صالحین کا طریقہ بیان کیا گیا ہے۔ ان علماء ومحدثین کے اقوال کے سامنے معترضین جو چاہیں کہتے رہیں۔ان کے ان اقوال کی کوئی حقیقت نہیں ہوگی۔

امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ کیا خوب فرماتے ہیں:

الف النسک و العبادة و الخلا

وة طلفلا و هکذا النجباء

Marfat.com

''آپ کو بچپن میں ہی زہد عبادت اور خلوت مالوف ہوگئی اور اچھے لوگوں کا یہی طریقہ ہوتا ہے''۔

☆ محمد بن احمد بنیس اس کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ابن اسحاق اور دوسرے محدثین روایت کرتے ہیں کہ ''نبی کریم ﷺ ہر سال ایک ماہ کے لئے غار حراء میں خلوت فرماتے تھے اور اس میں عبادت میں مشغول رہتے''۔

☆ امام منادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ کے نزدیک خلوت اور عزلت نشینی محبوب تھی۔ خلوت کو پسند فرماتے، حتیٰ کہ اپنے اہل وعیال اور مال سے کلیۃ روگردانی کرتے۔ ذکر واذکار کے بحر میں مستغرق ہوگئے۔ جب آپ ان علائق سے منقطع ہوئے تو حصول مراد کی طرف متوجہ ہوگئے۔ پھر آپ کو خلوت میں انس حاصل ہونے لگا اور اس سے خلوت کا تصور آیا۔ پھر آپ کا یہ انس بڑھتا گیا اور آئینہ قلب میں صفائی اور چمک میں مزید نکھار پیدا ہوگیا یہاں تک کہ انتہائی درجہ کمال تک پہنچ گیا تو اس میں نزول وحی کے آثار ظاہر ہوئے تو یہ روشن اور منور ہوگیا اس وجہ سے آپ جس درخت یا پتھر کے قریب سے گزرتے، وہ بڑی فصیح وبلیغ زبان میں کہتا: ''السلام علیک یا رسول اللہ'' (۲۳)

☆ سلیمان الجمل رحمۃ اللہ علیہ اس شعر کی شرح میں فرماتے ہیں کہ ''نبی کریم ﷺ کی عبادت یہ تھی کہ آپ ہر سال ایک ماہ کیلئے غار حراء میں خلوت نشینی فرماتے اور ایک ماہ مکمل ہونے کے بعد گھر میں داخل ہونے سے پہلے طواف بیت اللہ کرتے۔ غار حراء میں آپ ذکر وفکر کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے۔ غار حراء کے علاوہ آپ دوسرے مقامات میں بھی خلوت نشینی فرماتے (۲۴)

غار حراء سے ہی نزول وحی کا نور پھوٹا اور بعثت کی سہانی صبح طلوع ہوئی۔ اور تصوف اسلامی کی ابتدا ہوئی۔ غار حراء کے بعد بھی کریم ﷺ نے خلوت کو ترک نہیں کیا۔ اس کے بعد آپ رمضان کے آخری عشرہ میں خلوت فرماتے۔ فقہاء نے اسے اعتکاف سے موسوم کیا۔

Marfat.com

خلوت کی اہمیت اور اس کے فوائد

﴿علماء کی نظر میں﴾

خلوت کے بے شمار فائدے ہیں۔ ان کو وہی شخص محسوس کر سکتا ہے جس نے اس کی حلاوت کو چکھا ہو۔ یہ نفس کو مہذب بنا کر اس کا تذکیہ کرتی ہے۔ اللہ کی اطاعت کا عادی اور اس کی بارگاہ میں حاضری کا انس پیدا کرتی ہے کیونکہ نفس امارہ کی صفت ہے کہ وہ لوگوں کے ساتھ مجلس اور لہو ولہب کو پسند کرتا ہے۔ خلوت نشینی اور اپنی لغزشوں اور خطاؤں کے محاسبہ سے نفرت کرتا ہے۔ ابتداء میں جب ہم اس کو خلوت کے لئے مجبور کریں گے تو یہ تنگی محسوس کرے گا، لیکن بہت جلد طاعت کی طرف مائل ہو جائے گا، اور پھر اللہ تعالیٰ کے ساتھ انس اور مناجات کی حلاوت چکھ لے گا۔ خصوصاً جب مادے کی قیود سے آزاد ہو کر عالم ملکوت کی سیاحت میں مشغول ہو جائے۔

شاہین انسانی آبادی سے دور پہاڑ کی بلند و بالا چوٹیوں پر بسیرا کرتا ہے۔ پھر جب اس کو شکار کر کے گھر میں قید کر دیا جاتا ہے اور گوشت پر اس کی پرورش کی جاتی ہے، اور اس کے ساتھ نرمی برتی جاتی ہے، اور وہ اپنے مالک سے مانوس و مالوف ہو جاتا ہے۔ اور پھر جب اس کا مالک آواز دیتا ہے تو وہ اس کی آواز پر لبیک کہتا ہے۔ اور پھر جب وہ اس کو شکار کے لئے چھوڑتا ہے تو شکار کر کے اپنے مالک کی رضا و خوشنودی کے لئے واپس آ جاتا ہے، اور اپنے مالک کی خواہش کو اپنے نفس کی خواہشات پر ترجیح دیتا ہے۔

کیا ایک مومن کے لئے یہ بات قابل عبرت نہیں ہے کہ ایک پرندہ تو اپنے مالک کی آواز سنے اور اس کی طاعت کرے، لیکن بندہ مومن اس کی طرف متوجہ نہ ہو۔

خلوت، دل، فکر اور عقل کو دنیاوی مشاغل اور غموں سے راحت پہنچاتی ہے حتیٰ کہ بندہ مومن اس کی وجہ سے ایمان کی حلاوت پا لیتا ہے، اور اسے ایمان اور سکون کی دولت مل جاتی ہے۔

اب ہم خلوت کے متعلق بعض علماء وصلحاء کے اقوال نقل کرتے ہیں:

Marfat.com

فیروز آبادی صاحب ''القاموس''

علامہ فیروز آبادی نزول وحی سے پہلے کریم ﷺ کے احوال کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''جب نزول وحی کے ایام قریب آئے تو رسول اللہ ﷺ خلوت اور عزلت نشینی کو پسند کرنے لگے۔ آپ حراء کے پہاڑ پر تشریف لے جاتے۔ یہ پہاڑ کعبہ سے تین میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اور اس پہاڑ کی چوٹی پر ایک چھوٹی سی غار واقع ہے جو تقریبا چار ہاتھ لمبی اور ڈیڑھ ہاتھ چوڑی ہے آپ نے اس غار کو اپنی خلوت کے لئے منتخب فرمایا۔ خلوت میں آپ کی عبادت کے بارے میں علماء کے دو قول ہیں: بعض فرماتے ہیں کہ آپ کی عبادت غور و فکر پر مشتمل تھی۔ اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ آپ وہاں ذکر الٰہی میں مصروف رہتے تھے۔ اور یہی قول صحیح ہے۔ پہلا قول قابل التفات نہیں۔ کیونکہ طالبین حق کی خلوت کی مختلف صورتیں ہیں:

(۱) ان کی خلوت حق باری تعالیٰ سے مزید علم یقین کی طلب میں ہو۔ اور یہ نظر و فکر سے حاصل نہیں ہوتی۔ کیونکہ جو شخص اپنی خلوت میں کائنات کی کسی چیز سے مخاطب ہوتا ہے، یا اس میں غور و فکر کرتا ہے وہ درحقیقت خلوت میں نہیں ہے۔ کسی شخص نے ایک بزرگ سے عرض کی کہ ''جب آپ خلوت میں اپنے رب کے قریب ہوں گے تو ہمیں بھی یاد رکھنا''۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ ''اگر میں اس وقت آپ کو یاد کروں تو پھر میں خلوت میں نہیں ہوں گا''۔ اور اس سے نبی کریم ﷺ سے اس حدیث قدسی کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے۔ حدیث قدسی ہے۔

انا جلیس من ذکرنی

''میں ذکر کرنے والا کا ہم نشین ہوتا ہوں''

اور اس خلوت کی شرط یہ ہے کہ دل اور روح کے ساتھ ذکر کیا جائے نہ کہ زبان کے ساتھ''۔

(۲) خلوت کی دوسری قسم صفائے فکر کے لئے ہوتی ہے تا کہ معلومات کے حصول میں ان کی نظر و فکر صحیح ہو جائے۔ تو یہ خلوت وہ لوگ اختیار کرتے ہیں جو عقل کے میزان سے علم

Marfat.com

حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ یہ میزان انتہائی لطیف ہوتا ہے۔ معمولی لغزش سے بھی وہ راہ راست سے ہٹ سکتا ہے۔ طالب حق اس قسم کی خلوت کو پسند نہیں کرتے بلکہ ان کی خلوت خالصۃ ذکر الٰہی سے معمور ہوتی ہے۔ نظر وفکر کی طرف وہ متوجہ نہیں ہوتے۔ کیونکہ صاحب خلوت اگر ذکر ونظر میں مشغول ہو جائے تو وہ اہل خلوت سے خارج ہو جاتا ہے۔ اور اس سے بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ مخلص طالب حق نہیں تھا۔ کیونکہ اگر وہ اپنی طلب میں مخلص ہوتا تو عنایت ربانی اسے اس ہلاکت سے بچا لیتی۔

(۳) یہ وہ خلوت ہے جسے بعض اہل دنیا اس وقت اختیار کرتے ہیں جب لوگ کسی وجہ سے انہیں چھوڑ جاتے ہیں۔ وہ دل کو بہلانے کے لئے عزلت نشینی کو اختیار کرتے ہیں۔

(۴) یہ وہ خلوت ہے جو خلوت میں پائی جانے والی لذت کی مزید طلب کے لئے کی جاتی ہے۔

نبی کریم ﷺ کی خلوت کا تعلق قسم اول سے تھا۔ آپ ہر قسم کے مشاغل سے دور تھے۔ حتی کہ مال و دولت اور اہل وعیال کی محبت کو دل سے نکال کر قلبی اذکار کے بحر میں مستغرق رہتے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز سے تعلق منقطع کر لیا تو آپ کو اس خلوت کی وجہ سے انس اور خلوت عطا ہوئی۔ یہ انس کی کیفیت اسی طرح جاری رہی اور قلب مبارک میں مزید صفائی اور نور پیدا ہو گیا۔ حتیٰ کہ آپ نے انتہائی درجہ کمال پا لیا (۲۵)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ:

آپ فرماتے ہیں کہ ”جو شخص چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے دل کے بند دروازہ کو کھول دے اور اسے علم عطا فرمائے۔ اسے چاہئے کہ وہ خلوت اور قلت طعام کو اختیار کرے۔ سفہاء کی مجلس سے اجتناب کرے اور ان اہل علم کی صحبت سے بھی بچے جن میں انصاف اور عدل کی کمی ہوتی ہے“۔ (۲۶)

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ:

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کا فائدہ یہ ہے کہ وہ اپنی سمع وبصر کی حفاظت

Marfat.com

کرتا ہے کیونکہ یہ دونوں دل کی دہلیز ہیں۔ اور دل ایک حوض کی طرح ہے۔ انسانی حواس ظاہری کی نہریں اس میں آلودہ پانی جمع کرتی ہیں۔ خلوت کا مقصد حوض کو اس آلودہ پانی سے خالی کرنا اور اس کے اثرات سے پاک کرنا ہے۔ تاکہ حوض کے اندر سے ہی حکمت کا چشمہ پھوٹے جس سے پاکیزہ اور صاف پانی نکلے۔ اور جب تک یہ نہریں کھلی ہیں حوض کی صفائی کیسے ممکن ہے۔ کیونکہ اس سے جتنا زیادہ آلودہ پانی نکالا جائے گا اس سے زیادہ اس میں داخل ہو جائے گا۔ اس لئے حواس ظاہری کی حفاظت ضروری ہے اور یہ خلوت کے بغیر ممکن نہیں۔ (۲۷)

جب انسان اپنی نفسانی امراض، فضول مصروفیات اور شیطانی وسوسوں سے محفوظ ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے قرب اور اس کے انوار و تجلیات اور علم لدنی کا مستحق ہوتا ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان خلوتوں کے درمیان مجھ پر کچھ ایسے امور منکشف ہوئے ہیں جن کا شمار ممکن نہیں۔ لیکن پھر بھی فائدے کے لئے چند چیزوں کو ذکر کرتا ہوں۔ فرماتے ہیں کہ مجھے یقین ہو گیا کہ صوفیاء کرام کا گروہ حقیقۃً اللہ تعالیٰ کی راہ پر چلنے والا ہے۔ ان کی سیرت بہترین اور طریقہ صحیح ترین اور ان کے اخلاق پاکیزہ اور عمدہ ہیں۔ بلکہ اگر تمام عقلاء کی عقل اور حکماء کی حکمت اور شرعی اسرار و رموز سے واقف علماء کے علم کو جمع کر دیا جائے تب بھی ان کے اخلاق اور سیرت کو تبدیل نہیں کر سکتے۔ کیونکہ ان کی ظاہری اور باطنی تمام حرکات و سکنات مشکوٰۃ نبوت کے نور سے ماخوذ ہیں۔ اور روئے زمین پر نور نبوت سے بڑھ کر کوئی نور نہیں جس سے روشنی حاصل کی جاسکتی ہو۔ (۲۸)

شیخ اکبر ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ:

شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسرار و رموز اور مزید انوار الٰہیہ کا طالب جب خلوت اور ذکر کو لازم پکڑتا ہے، اور اپنے دل کو نظر و فکر سے پاک کر لیتا ہے، اور اپنے پروردگار کے در کا فقیر بن جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے وہ علوم و اسرار اور معارف ربانیہ عطا کر دیتا ہے جو اس نے اپنے خاص بندہ حضرت خضر علیہ السلام کو عطا کئے تھے۔ اور آپ کی تعریف میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

Marfat.com

فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَیْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا(الکھف :۶۵)

ترجمہ:''تو پایا انہوں نے ایک بندے کو ہمارے بندوں میں سے، جسے ہم نے عطا فرمائی تھی رحمت اپنی جناب سے، اور ہم نے سکھایا تھا اسے اپنے پاس سے خاص علم''۔

درج ذیل آیت بھی انہی علوم کی طرف راہنمائی کرتی ہے۔

(i) وَاتَّقُوا اللهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللهُ (البقرہ۔۲۸۲)

ترجمہ: ''اور ڈرا کرو اللہ سے اور سکھاتا ہے تمہیں اللہ تعالیٰ''

(ii) اِنْ تَتَّقُوا اللهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا (الانفال۔۲۹)

ترجمہ: ''اگر تم ڈرتے رہو گے اللہ سے تو وہ پیدا کردے گا تم میں حق و باطل میں تمیز کی قوت''۔

(iii) وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِه. (الحدید:۲۸)

ترجمہ: اور بنادے گا تمہارے لئے ایک نور جس کی روشنی میں تم چلو گے''۔

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کی گئی کہ ''آپ نے یہ تمام مراتب و منازل کیسے حاصل کئے؟ تو آپ نے فرمایا: ''میں یہاں بیٹھ کر تیس سال تک علم حاصل کرتا رہا۔''

حضرت ابو یزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تم نے علم ان راویوں سے حاصل کیا ہے جو اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں، اور ہمارا علم اس ذات سے ماخوذ ہے جو ہمیشہ سے زندہ ہے اور اسے کبھی موت نہیں آئے گی۔

آپ فرماتے ہیں صاحب ہمت کو خلوت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ علوم عطا ہوتے ہیں جن تک علماء اور حکماء کی رسائی نہیں ہوتی بلکہ کوئی بھی صاحب نظر و فکر اس کیفیت کو حاصل نہیں کرسکتا۔(۲۹)

الشیخ سفیرینی رحمۃ اللہ علیہ:

شیخ سفیرینی قصیدہ ''منظومۃ الاداب'' کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ کثیر صوفیاء کرام نے خلوت کی تعریف کی ہے اور سالک کو لوگوں کے ساتھ اختلاط سے روکا ہے۔

Marfat.com

انست بوحدتی و لذمت بیتی
فدام الانس لی ونما السرور (۳۰)

''میں اپنی تنہائی سے مانوس ہو گیا اور میں نے اپنے گھر کو لازم پکڑ لیا تو انس میرا ساتھی بن گیا۔ اور سرور میں اضافہ ہو گیا''۔

ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی:

ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی فرماتے ہیں کہ مبلغ اور عالم دین کے لئے ضروری ہے کہ وہ وقتاً فوقتاً خلوت کے لئے کچھ اوقات خاص کرے جس میں اس کی روح کا اتصال ذات باری تعالیٰ سے ہو۔ اور اس کا نفس اخلاق مذمومہ کی کدورت سے صاف ہو جائے۔ اور اس قسم کی خلوت محاسبہ نفس کی داعی ہوتی ہے۔ جب بھی نفس کسی نیکی کے کام میں کوتاہی کرتا ہے، یا صراط مستقیم اور حکمت کے راستہ سے بھٹکتا ہے، یا لوگوں کے ساتھ لڑائی جھگڑے میں مصروف ہوتا ہے۔ تو خلوت میں محاسبہ نفس کو ان چیزوں سے محفوظ رکھتا ہے، اور اس کو اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ مانوس، اور آخرت، جنت اور دوزخ، موت اور اس کے مصائب و آلام کو یاد دلاتا ہے۔ اسی وجہ سے تہجد اور قیام اللیل نبی کریم ﷺ پر فرض تھا اور آپ کی امت کے لئے مستحب، اس لئے علماء مبلغین کو نماز تہجد کا زیادہ حریص ہونا چاہیئے۔

خلوت اور رات کے آخری حصہ میں نوافل پڑھنے میں جو لذت ہے اس کا ادراک وہی شخص کر سکتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے خصوصی کرم نوازی فرمائی ہو۔ حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ نماز تہجد کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:

نحن فی لذۃ لو عرفھا الملوک لقاتلونا علیھا (۳۱)

ترجمہ: نماز تہجد میں ہمیں ایسی لذت حاصل ہوتی ہے اگر بادشاہوں کو معلوم ہو جائے تو وہ ہمارے ساتھ جنگ و جدل پر اتر آئیں''۔

عماد الدین الواسطی رحمۃ اللہ علیہ:

شیخ الامام عماد الدین الواسطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''ہم سب کے لئے شب

Marfat.com

وروز میں ایک ایسا وقت ہونا چاہئے جس میں ہم اپنے رب کی بارگاہ میں خلوت میں حاضر ہوں اور اپنے تمام غموں کو اس کی بارگاہ میں پیش کریں ۔ دنیا کے مشاغل کو اپنے دل سے نکال دیں اور ماسوی اللہ ہر چیز کو بھول جائیں ۔ اس کے ذریعہ انسان، پروردگار کے ساتھ اپنے حال کو پہچانتا ہے۔ جس شخص کو اس طرح اپنے رب کی معیت حاصل ہو جائے ۔ اسکے عزائم پختہ ہو جاتے ہیں اور اس کا دل حقیقی محبت اور تعظیم کی طرف مائل ہوتا ہے۔ اور پھر وہ بارگاہ الٰہی میں آہوں اور آنسوؤں کا نذرانہ پیش کرتا ہے۔ اور خلوت کی یہ گھڑی دراصل قبر میں بندے کی حالت کا نمونہ ہے، جبکہ وہ اپنے مال واولاد کو چھوڑ کر اس میں قیام پذیر ہوگا۔ اور جو شخص پریشان کن دنیاوی غم واحزان میں اللہ تعالیٰ کے لئے ایک گھڑی نہیں نکال سکتا، اسے جان لینا چاہئے کہ اس کا رابطہ منقطع ہو چکا ہے۔ اور محبت ومحبوبیت اس کے نصیب میں نہیں ہے۔ اسے اپنی اس حالت پر رونا چاہئے اور ہمیشہ اپنے اوقات کا ایک حصہ اللہ تعالیٰ کے قرب اور محبت کے لئے خاص کرنا چاہئے ۔ اگر اس نے اللہ کے لئے کچھ وقت خاص کر دیا تو اس کی برکت سے نماز کی پابندی بھی ہو جائے گی ۔ اور اس میں خشوع وخضوع بھی پیدا ہو جائے گا ۔ اس لئے ہمیں شبانہ روز کے چوبیس گھنٹوں میں سے کچھ وقت اپنے پروردگار کے لئے نکالنا چاہئے تاکہ اس وقت میں یکسوئی سے اس کی عبادت کر سکیں اور پھر اس طریقہ پر نماز ادا کرنے کی کوشش کرے ۔ (۳۲)

ابن عجیبہ رحمۃ اللہ علیہ:

ابن عجیبہ رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابن عطاء اللہ سکندری رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول

''**مانفع القلب شی مثل عزلہ یدخل بھا میدان فکرۃ**''

ترجمہ: ''اس عزلت سے بڑھ کر دل کے لئے فائدہ مند کوئی شے نہیں جس کے ساتھ سالک میدان فکر میں داخل ہوتا ہے''۔

کی شرح میں فرماتے ہیں کہ عزلت کے معنی دل کو اللہ تعالیٰ کے لئے خالی کرنا ہے۔ کبھی عزلت سے مراد وہ خلورت ہوتی ہے جس میں انسان لوگوں سے الگ تھلگ ہو

Marfat.com

جاتا ہے، اور یہاں یہی معنی مقصود ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے لئے دل اسی وقت خالی ہو گا جب اسے خلوت میسر آئے گی۔

اور فکر سے مراد دل کا بارگاہ الٰہی میں حاضر ہونے کی طرف متوجہ ہونا ہے۔ اور اس کی دو اقسام ہیں:

(۱) تصدیق و ایمان میں غور و فکر کرنا۔

(۲) مشاہدہ ربانی کے لئے غور و فکر کرنا۔

اور دل کے لئے اس عزلت نشینی سے بڑھ کر کوئی نفع مند شے نہیں۔ جس میں فکر و تدبر پائی جائے۔

کیونکہ عزلت نشینی پرہیز کی مثل ہے اور فکر و تدبر دوا کے مثل، اور دوا بغیر پرہیز کے فائدہ نہیں دیتی۔ اور اسی طرح بغیر دوا پرہیز میں بھی کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اس سے نتیجہ نکلا کہ ایسی عزلت نشینی میں کوئی فائدہ نہیں جس میں فکر و تدبر نہ ہو۔ اور اسی طرح بغیر عزلت نشینی کے فکر و تدبر بارآور نہیں ہوتا کیونکہ عزلت نشینی کا مقصد حقیقی دل کو مشاغل دنیا سے خالی کرنا ہے، اور دل کو مشاغل دنیا سے خالی کرنے کا مقصد اس کو بارگاہ الٰہی کی طرف متوجہ کرنا اور فکر و تدبر میں مصروف کرنا ہے۔ اور فکر تدبر میں مشغول ہونے سے علم لدنی حاصل ہوتا ہے، اور وہ دل میں متمکن ہو جاتا ہے۔ اور اس علم لدنی کا حاصل ہونا ہی دل کی دوا اور صحت یابی ہے۔ اور یہی وہ دل ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں قلب سلیم سے موسوم کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰہَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ (شعراء:۸۸)

ترجمہ: ''جس دن نہ مال کام آئے گا اور نہ بیٹے، مگر وہ شخص جو لے آیا اللہ تعالیٰ کے حضور قلب سلیم''

بزرگوں کا فرمان ہے کہ دل معدے کی مثل ہے اور معدہ میں جب اخلاط کی کثرت ہو جائے تو یہ بیمار ہو جاتا ہے اور اس وقت پرہیز کے علاوہ اسے کوئی چیز نفع نہیں

Marfat.com

دے سکتی، اور یہ پرہیز کثرت اخلاط اور غذا کی مقدار کو کم کرنا ہے۔ کہتے ہیں **المعدة بيت الداء والحمية راس الدواء** ''معدہ بیماری کا گھر ہے اور پرہیز دوا کی اصل ہے'' اور اسی طرح دل پر جب شیطانی وساوس اور مادیت کا غلبہ ہو جائے تو یہ بیمار ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات تو موت واقع ہو جاتی ہے۔ اس لیے اس حالت میں پرہیز کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں۔ یعنی لوگوں سے عزلت نشینی اختیار کرے اور فکر و تدبر سے کام لے۔ اگر اس نے ایسا کام کیا تو اس کا دل صحت یاب اور مستقیم ہو جائے گا۔ اور اگر اس نے اس کی طرف توجہ نہ دی تو یہ بیمار رہے گا۔ حتیٰ کہ وہ شخص اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بیمار دل لے کر حاضر ہوگا جو شکوک وشبہات اور برے خیالات سے بھرا ہوا ہوگا: **نسأل الله العافيه۔**

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: بہترین مجلس وہ ہے جس میں انسان بحر توحید میں فکر و تدبر کرتا ہے''۔

حضرت ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''عزلت نشینی کے چار بڑے فوائد ہیں''۔

(۱) حجابات منکشف ہو جاتے ہیں۔

(۲) رحمتوں کا نزول ہوتا ہے۔

(۳) محبت حاصل ہو جاتی ہے۔

(۴) انسان، سچائی کا عادی ہو جاتا ہے۔

خلوت کے دس فوائد:

پھر آپ نے خلوت کے دس فوائد بیان فرمائے ہیں:

(۱) انسان زبان کی آفات سے بچ جاتا ہے، کیونکہ جو انسان خلوت میں ہوگا تو کسی سے گفتگو نہیں کر سکے گا اور زبان کی آفات سے غالباً وہی بچ سکتا ہے جو خلوت کو جلوت پر ترجیح دیتا ہے۔

(۲) نظر کی آفات سے بھی بچ جاتا ہے کیونکہ جو شخص لوگوں کو چھوڑ کر کنج تنہائی میں بیٹھ جائے گا اس کی نظر دنیا کی ظاہری زیب و زینت سے محفوظ رہے گی۔ حکماء کا

Marfat.com

قول ہے: ''جو شخص زیادہ ادھر ادھر دیکھتا ہے اس کی حسرت بڑھ جاتی ہے''۔

(۳) اس کا دل ریا کاری اور اس قسم کے دوسرے امراض سے محفوظ رہتا ہے۔

(۴) وہ شخص دنیا میں زہد و قناعت اختیار کرتا ہے اور اسی میں انسان کی عظمت اور اس کا کمال ہے۔

(۵) وہ برے اور گھٹیا لوگوں کی صحبت سے محفوظ رہتا ہے کیونکہ ان لوگوں کی صحبت میں بڑے خطرات ہوتے ہیں۔

(۶) وہ عبادت اور ذکر کے لئے فارغ ہوتا ہے اور تقویٰ و نیکی پر عزم مصمم کرتا ہے۔

(۷) اسے عبادت میں حلاوت محسوس ہوتی ہے، اور اس فراغت اور تنہائی میں مناجات کی لذت سے لطف اندوز ہوتا ہے۔

ابو طالب مکی فرماتے ہیں: ''مرید اس وقت تک صادق ہوتا ہے جب وہ خلوت میں ایسی حلاوت، قوت اور نشاط پاتا ہے جو جلوت میں نہیں پاتا''۔

(۸) دل اور بدن کو راحت حاصل ہوتی ہے کیونکہ لوگوں کے ساتھ اختلاط دل کی تھکاوٹ کا باعث ہوتا ہے۔

(۹) انسانی نفس اور اس کا دین ان خطرات اور برائیوں سے بچ جاتا ہے جو لوگوں کے ساتھ اختلاط کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ خلوت میں انسان غور و فکر کی عبادت کو بخوبی ادا کرسکتا ہے۔ اور خلوت کا یہی مقصود اعظم ہوتا ہے۔ (۳۲)

یہ صوفیائے کرام اور علمائے عظام کے خلوت کے بارے میں چند اقوال ہیں جن سے روز روشن کی طرح واضح ہوجاتا ہے کہ خلوت وہ عملی طریقہ ہے جس کو رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کے لئے سنت بنادیا ہے تاکہ

ان کا ایمان قوی اور مضبوط ہوجائے۔

ان کے دل پاکیزہ ہوجائیں تاکہ وہ تجلیات الٰہیہ کے قابل ہوجائیں۔

کیا نبی کریم ﷺ کا یہ عملی نمونہ خالق سموات والارض کی معرفت کا سبب نہیں ہے؟ کیا یہ صوفیاء کرام کے اذواق جذب و وجد کی اساس اور کشف فیض الٰہی انوار و تجلیات اور صفائے قلبی کا راستہ نہیں ہیں؟ کیا نبی کریم ﷺ نے یہ ارشاد نہیں فرمایا کہ قیامت کے دن

Marfat.com

اللہ تعالیٰ سات اشخاص کو اپنے سایہ تلے جگہ دے گا اور ان میں سے ایک شخص وہ ہے جس نے تنہائی میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا تو اس کی آنکھوں میں آنسو رواں ہو گئے۔

کیا یہ حدیث پاک ذکر الٰہی کیلئے خلوت کے جائز ہونے کے لئے دلیل قاطع نہیں ہے؟ یہی وہ خلوت ہے جس میں صوفی تنہائی میں اپنے رب کو یاد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر انوار و تجلیات کی بارش کر دیتا ہے، اور اسے اپنی بارگاہ میں شرف باریابی عطا فرماتا ہے۔ حدیث قدسی ہے: اہل ذکری اہل مجالستی (۳۴) ''اہل ذکر میرے ہم نشین ہیں'' اور جب وہ تنہائی میں اپنے رب کا ذکر کرتا ہے تو کوئی چیز بھی اس کو اس ذکر سے غافل نہیں کر سکتی۔ یہاں تک کہ وہ اس بارگاہ کی حضوری میں اپنی ذات کو بھی بھول جاتا ہے۔

شیخ ابن فارض رحمۃ اللہ علیہ نے اس حالت کو کیا خوب بیان فرمایا ہے:

ولقد خلوت مع الحبیب و بیننا
سر ارق من النسیم اذا سری
فدھشت بین جمالہ و جلالہ
وغدا لسان الحال عنی مخبرا

ترجمہ: (i) ''مجھے محبوب کے ساتھ ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ ہمارے درمیان چلتی ہوئی بادنسیم سے بھی زیادہ رقیق راز تھا۔

(ii) میں اس کے جمال و جلال میں مدہوش ہو گیا تو زبان حال نے میری مخبری کر دی۔ یعنی جب اسے معرفت الٰہی حاصل ہوئی تو خوشی میں آنسو نکل آئے۔

ولی اللہ لیس لہ انیس
سوی الرحمان فھو لہ جلیس
فیذکرہ و یذکرہ فیبکی
وحید الدھر جوھرہ نفیس

ترجمہ: ''ولی اللہ کے لئے اللہ کے سوا کوئی انیس نہیں اور وہ اسی کا ہم نشین ہوتا ہے۔ وہ اسے یاد کرتے کرتے رو پڑتا ہے۔''

Marfat.com

وہ یکتائے روزگار گناہ گار بندہ جب ان اولیاء کرام کی صف میں شامل ہونا چاہتا ہے تو پہلے نفس امارہ کے ساتھ خلوت نشین ہو جاتا ہے اور اس کی زجر و توبیخ کرتا ہے۔ اور اپنے اس ارادہ میں مخلص ہو جاتا ہے تو اس کا دل نرم ہو جاتا ہے، اور اس کی زجر و توبیخ کرتا ہے۔ اور اس افسوس میں اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں کہ اس کی زندگی لہو لعب میں ضائع ہو گئی ہے۔ بقول شاعر

علی نفسه فلیبک من ضاع عمره

ولیس له فیها نصیب ولا سهم

ترجمہ: ''جس نے اپنی عمر ضائع کر دی اسے اپنے آپ پر رونا چاہیے۔ اب اس کا نہ کوئی حصہ بچا ہے نہ نصیب''۔

اور پھر وہ خواب غفلت سے بیدار ہوتا ہے اور اپنے پروردگار کی مغفرت اور رحمت کی امید کرتے ہوئے اس کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اس کی اطاعت اور عبادت کرنے کا عہد کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی توبہ پر خوشی و مسرت کا اظہار کرتا ہے اور اس کی رحمت اس گناہگار بندہ کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے جیسا کہ حدیث قدسی ہے:

وان تقرب الی شبرا تقربت الیه ذراعا، واذتقرب الی ذراعا تقربت الیه باعا، واذا اتانی یمشی اتیته هروله(۳۵)

ترجمہ: ''اگر میرا بندہ ایک بالشت میری طرف بڑھے تو میں ایک ذراع اس کی طرف بڑھتا ہوں، اور اگر وہ ایک ذراع میری طرف بڑھے تو میں دو ذراع اس طرف بڑھتا ہوں، اور اگر وہ میری بارگاہ میں چل کر آئے تو میری رحمت دوڑ کر اسے اپنے دامن میں لے لیتی ہے''۔

اور وہ نبی کریم ﷺ کی اس بشارت کا مستحق ہو جاتا ہے کہ ''اللہ تعالیٰ قیامت کے دن سخت گرمی میں اسے اپنے عرش کے سایہ تلے جگہ دے گا اور اس وقت لوگ جھلسا دینے والے سورج کی گرمی میں کھڑے ہوں گے''۔

قرآن و حدیث کے واضح دلائل اور علمائے کرام کے اقوال سے خلوت کی مشروعیت ثابت ہوتی ہے۔ یہ کوئی بدعت نہیں ہے اور نہ ہی یہ غایت مقصودہ ہے۔ بلکہ یہ تو

Marfat.com

دل کی بیماریوں کا ایک وسیلہ ہے تا کہ دل بیماریوں سے صحت یاب ہو جائے اور بروز قیامت باعث نجات ہو۔جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَوْمَ لَايَنْفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُوْنَ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ (الشعراء:۸۸)

ترجمہ: ''جس دن نہ مال کام آئے گا اور نہ بیٹے۔مگر وہ شخص جو لے آیا اللہ کے حضور قلب سلیم''

خلوت سے مراد نہ ہی تو دائمی عزلت نشینی ہے اور نہ ہی لوگوں سے سراسر منقطع ہونا ہے۔بلکہ جس طرح ایک مریض کو ایک مدت کے لئے ہسپتال داخل کیا جاتا ہے تا کہ وہ جسمانی بیماریوں سے نجات پائے۔اور پھر صحت مند قوی و توانا ہو کر اپنے کام میں مشغول ہو جائے۔اسی طرح مومن ایک مخصوص وقت خلوت میں گزارتا ہے۔اور پھر عملی زندگی میں مصروف ہو جاتا ہے۔اس خلوت کی برکت سے اس کا اپنے رب سے تعلق مضبوط اور اس کا دل ایمان اور یقین کی دولت سے معمور ہو جاتا ہے۔اور پھر بڑی جوانمردی کے ساتھ دنیاوی مکروفریب کا مقابلہ کرتا ہے۔خصوصاً جب وہ اس فانی زندگی کی حقیقت کو جان لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کو بخوبی سمجھ لیتا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے: کل من علیها فان. (الرحمٰن:۲۶)

ترجمہ: ''جو کچھ زمین پر ہے فنا ہونے والا ہے۔''

ہم اپنے اردگرد کے ماحول میں بہت سے لوگ دیکھتے ہیں جو اپنے فانی جسم کا بہت خیال رکھتے ہیں۔اور اس کی صحت کے اسباب مہیا کرتے ہیں۔اس کو راحت وسکون پہنچانے کے لئے کثیر وقت نکال لیتے ہیں۔لیکن جب ان کو روحانی بیماریوں کی طرف متوجہ کیا جائے تو اس کو بہت عجیب سمجھتے ہیں، اور اس سے اعراض کرتے ہیں۔اور اپنی جہالت کی وجہ سے یہ سمجھتے ہیں کہ اس میں وقت کا ضیاع ہے، اور یہ بدعت ہے جس کی دین میں کوئی اصل نہیں۔ایسے لوگوں پر شاعر کا قول صادق آتا ہے:

تطبب جسمک الفانی لیقی

و تترک قلبک الباقی مریضا

ترجمہ: ''اپنے فانی جسم کا علاج کرتا ہے تا کہ وہ باقی رہے اور تو اپنے باقی رہنے والے دل کو بیمار چھوڑ دیتا ہے''

Marfat.com

اگر یہ اسلام کی حقیقت کو سمجھ لیتا کہ اسلام بدن کے ساتھ ساتھ دل کی اصلاح کا حکم دیتا ہے تو اپنے دل کا خیال کرتا۔ جس طرح وہ اپنے بدن کا خیال رکھتا ہے۔

بقول شاعر:

یا خادم الجسم کم تسعی لخدمته

اتطلب الربح مما فیه خسران

اقبل علی النفس و استکمل فضائلها

فانت بالروح لا بالجسم انسان

ترجمہ: ''اے جسم کے خادم! تو اس کی خدمت کی لئے کس قدر روڑ دھوپ کرتا ہے۔ کیا تو اس چیز سے نفع چاہتا ہے۔ جس میں سراسر گھاٹا ہے۔''

''اپنے نفس کی طرف متوجہ ہو جا اور اس کے فضائل کو مکمل کر، کیونکہ تو روح کی وجہ سے انسان کہلاتا ہے نہ کہ جسم کی وجہ سے''

مومن کے لئے ضروری ہے کہ وہ وقتاً فوقتاً خلوت نشینی اختیار کرے، اپنے رب کی بارگاہ میں حاضر ہو اور اپنے نفس کا محاسبہ کرے۔

میرے شیخ و مرشد محمد ہاشمی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مریدین کو خلوت کی ترغیب دیا کرتے تھے۔ مریدین کے لئے ضروری تھا کہ وہ لوگوں سے الگ تھلگ اور دنیا کے شور و غوغا سے دور کسی مقام پر خلوت نشین ہوں پھر شیخ انہیں لفظ اللہ کے ذکر کی تلقین کرتے تا کہ وہ شب و روز اس ذکر میں مستغرق رہیں اور صرف نماز، کھانے اور سونے کے وقت ذکر میں مشغول نہ ہوں، اور نہ ہی لوگوں کے ساتھ گفتگو میں مشغول ہوں۔ بلکہ ہمیشہ اسی ذکر میں محور رہیں۔ جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے:

وَاذْکُرِ اسْمَ رَبِّکَ وَتَبَتَّلْ اِلَیْہِ تَبْتِیْلًا. (المزمل:۸)

ترجمہ: ''اور ذکر کیا کرو اپنے رب کے نام، کا اور سب سے کٹ کر اسی کے ہو رہو''۔

مرید اپنے دل کی طرف متوجہ ہو کر اور اس میں آنے والے وساوس اور خواطر کو دور کرتے ہوئے ذکر میں مشغول رہتا ہے۔ اور اپنے شیخ کے تجربات، معارف و احوال اور ارشادات کو مدنظر رکھتے ہوئے منازل سلوک طے کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ ذکر اس کے سویدہ

Marfat.com

قلب میں سرایت کر جاتا ہے، اور لفظ ''اللہ'' اس میں نقش ہو جاتا ہے۔ غفلت ختم ہو جاتی ہے، اجنبیت زائل ہو جاتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت اور انس کی حلاوت محسوس کرتا ہے۔ اور پھر اسی طرح سلوک کی منازل طے ہوتی جاتی ہیں کہ جن کو احاطہ تحریر میں لانا مشکل ہے۔

خلاصہ کلام:

خلوت کی دو اقسام ہیں:

(۱) عام خلوت (۲) خاص خلوت

عام خلوت:

وہ ہے جس میں مومن ذکر الہٰی میں مشغول ہو جاتا ہے یا تلاوت قرآن حکیم، محاسبہ نفس، اور زمین و آسمان کی تخلیق میں فکر و تدبر کرتا ہے۔

خاص خلوت

وہ ہے جس کو سالک مراتب احسان اور معرفت کی منازل طے کرنے کے لئے اختیار کرتا ہے۔ اور یہ خلوت کسی شیخ کامل کی نگرانی میں ہوتی ہے۔ وہ سالک کو ایک معین ذکر کی تلقین کرتا ہے۔ اور اس کے ساتھ دائمی رابطہ رکھتا ہے تاکہ اس کے شکوک و شبہات کو دور کر کے اسے معرفت کی حدود میں داخل کر دے۔ اور اس کے دل میں ابھرنے والے وسوسے اور وہم کو دور کرے، اور اس کو ایک منزل سے دوسری طرف منتقل کرتا رہے۔

یہ گمان نہیں کرنا چاہئے کہ یہ سلوک کی آخری منزل ہے، بلکہ یہ تو راہ سلوک کا پہلا قدم ہے۔ اس کے بعد ضروری ہے کہ سالک طویل مجاہدات سے گزرے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس کا مرشد سے قوی رابطہ ہو۔ صبح و شام اور فارغ وقت میں اللہ کے ذکر پر مواظبت اختیار کرے، تاکہ اسے دائمی قرب و وصال حاصل ہو جائے۔ اس طرح وہ احسان کے دونوں مراتب یعنی مراقبہ اور مشاہدہ کو حاصل کر لیتا ہے۔ جن کی طرف نبی کریم ﷺ نے اپنی حدیث پاک میں اشارہ فرمایا ہے:

الاحسان ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک

Marfat.com

باب سوم

اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا راستہ

Marfat.com

اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا راستہ

گزشتہ باب میں ہم نے تصوف کے عملی دستور کو بیان کیا ہے جس کو صوفیائے کرام نے قرآن وسنت سے اخذ کیا ہے۔ اس میں ہم نے صحبت، علم، ذکر اور خلوت وغیرہ کے بارے میں گفتگو کی ہے۔ یہ تمام اعمال اپنے ظاہر کے اعتبار سے بدنی اور روح اور جوہر کے اعتبار سے قلبی ہیں۔ اس لئے اب ضروری تھا کہ ہم راستہ کو بیان کریں جس کا تعلق دل کے احوال اور نفس کی صفات سے ہے۔ یعنی وہ راستہ جس کا تعلق روحانی پہلو سے ہے، کیونکہ تصوف کا مقصد اصلی دل کی اصلاح اور اس کی بیماریوں کا علاج اور پھر اسکو صفات کمال سے آراستہ کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے راستہ سے مراد وہ مقامات ہیں جن کا تعلق دل سے ہوتا ہے۔ جیسے توبہ، محاسبہ، خوف ورجاء اور مراقبہ وغیرہ۔ اس کے علاوہ اس میں صدق، اخلاص اور صبر جیسی اخلاقی صفات کو بھی بیان کیا جائے گا۔ ان سے آراستہ ہو کر سالک معرفت الٰہی کی شاہراہ پر گامزن ہو کر اس مقام احسان تک پہنچ جاتا ہے جس کے مراتب کی کوئی انتہا نہیں۔

یہاں وصال سے عام معنی ومفہوم مراد نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ زمان ومکان کی حدود سے منزہ برتر ہے۔ اس لئے ابن عطاء اللہ سکندری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''وصولک الی اللہ وصولک الی العلم بہ والا فجل ربنا ان یتصل بہ شی اویتصل ھو بشی''[1]

Marfat.com

ترجمہ: ''تیرے اللہ تک پہنچنے کا مقصد یہ ہے کہ تجھے اس کی معرفت تک رسائی حاصل ہو جائے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اس سے بزرگ و برتر ہے کہ کوئی چیز اس کے ساتھ متصل ہو یا وہ خود کسی چیز کے ساتھ متصل ہو''۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''دنیا میں وصال کا معنی یہ ہے کہ انسان دنیا میں اپنی دل کی آنکھ سے اس کا مشاہدہ کرے۔ اور آخرت میں اپنے سر کی آنکھوں سے۔ اور وصال سے مراد ایک ذات کا دوسری ذات سے متصل ہونا نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ اس چیز سے بلند و برتر ہے''[2]

اللہ تعالیٰ کے وصال کی شاہراہ پر گامزن ہونا مومنین اور صالحین کی صفت ہے۔ اسی لئے انبیاء و رسل مبعوث ہوئے۔ علماء و مشائخ بھی اسی سلسلہ کی کڑی ہیں۔ اور ان سب کا مقصد صرف یہی ہے کہ انسان مادہ پرستی اور حیوانیت کی اتھاہ گہرائیوں سے نکل کر انسانیت اور ملکیت کے اعلیٰ درجہ پر ائز ہو کر قرب الٰہی کی لذت سے آشنا ہو سکے۔

تصوف میں بظاہر کثیر سلاسل ہیں، لیکن حقیقت میں ان سب کی منزل مراد ایک ہی ہے۔ اگر چہ وقت اور مکان کے تبدیل ہونے اور اپنے اجتہاد کی وجہ سے انہوں نے اس منزل تک پہنچنے کے لئے مختلف راستے اختیار کئے ہیں۔

اسی مفہوم کی وضاحت کرتے ہوئے ابن قیم فرماتے ہیں کہ لوگوں کی دو قسمیں ہیں: (۱) اعلیٰ درجہ کے لوگ (۲) گھٹیا درجہ کے لوگ۔

اعلیٰ درجہ کے لوگ وہ ہیں جنہوں نے اپنے رب تک پہنچنے کے راستہ کو پہچان لیا۔ پھر اس تک پہنچنے کیلئے اس پر رواں دواں ہو گئے۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت معزز ہیں۔

اور گھٹیا درجہ کے وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب تک پہنچنے کے راستہ کو نہ پہچانا اور نہ ہی اس کے لئے کوشش کی۔ یہی وہ فرومایہ لوگ ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

Marfat.com

وَمَن يُهِنِ اللّٰهُ فَمَالَهٗ مِنۡ مُّكۡرِمٍ (حج:۱۸)

''اور جس کو ذلیل کر دے اللہ تعالیٰ تو کوئی عزت دینے والا نہیں ہے''۔

آپ فرماتے ہیں کہ اللہ تک پہنچنے کا درحقیقت ایک ہی راستہ ہے۔ لیکن بعض علماء کا یہ فرمانا کہ اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کی مختلف راستے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل واحسان سے طبائع اور استعداد کے مختلف ہونے کی وجہ سے یہ طریقے بنا دیئے ہیں۔ اور یہ ہمارے اس قول کے منافی نہیں ہے۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ راستہ ایک ہی ہے اور وہ راستہ ہر اس چیز پر مشتمل ہے جو رضائے الٰہی کا باعث ہو۔ اور وہ اشیاء جو رضائے الٰہی کا باعث ہیں وہ مختلف اور متعدد ہیں۔ تو گویا منزل تو ایک ہی ہے کہ اس کی رضا حاصل ہو جائے۔ لیکن اس کی رضا کے حصول کے طریقے مختلف ہیں۔ اور یہ تمام طریقے وقت، جگہ، اشخاص اور احوال کے تبدیل ہونے سے بدلتے رہتے ہیں اور یہ تمام طریقے اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت اور حکمت کی وجہ سے ان کو مختلف انواع میں تقسیم کر دیا ہے۔ تاکہ ہر شخص اپنی طبیعت کے مطابق ان پر عمل پیرا ہو سکے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ ان تمام کو ایک ہی نوع بنا دیتا تو اس پر بہت کم لوگ چل سکتے۔ کیونکہ لوگوں کے ذہن، عقل اور قوت استعداد مختلف ہے۔ یہی وجہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ان راستوں کو مختلف انواع میں تقسیم کر دیا۔ تاکہ ہر شخص اپنی طبیعت اور استعداد کے مطابق اس پر چل کر اپنی منزل تک پہنچ سکے۔ اسی سے ہم انبیاء سابقین کی شریعتوں کے اختلاف کو سمجھ سکتے ہیں۔ حالانکہ سب کا دین اور معبود ایک ہی ہے۔

صوفیائے کرام نے تصوف کی منازل، مقامات اور راہ سلوک کو طے کرنے کے طریقوں کو بڑی وضاحت سے بیان فرما دیا۔

حضرت ابوبکر کتانی اور ابوالحسن رملی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم نے ابوسعید خراز رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کی کہ ہمیں وصول الی اللہ کی پہلی منزل کے بارے میں بتایئے۔

Marfat.com

آپ نے فرمایا: ''راہ سلوک کی پہلی منزل توبہ ہے، پھر آپ نے اس کی شرائط بیان فرمائیں۔ پھر فرمایا کہ مقام توبہ سے سالک مقام خوف کی طرف منتقل ہوتا ہے اور پھر مقام خوف سے رجاء کی طرف، اور رجاء سے صالحین کے مقام کی طرف، اور مقام صالحین سے مقام مریدین کی طرف، اور مقام مریدین سے مقام مطیعین کی طرف، اور یہاں سے مقام مشتاقین، مقام اولیاء کو طے کرتا ہوا مقام مقربین تک پہنچ جاتا ہے۔

پھر صوفیاء نے ہر مقام کو طے کرنے کے لئے دس شرائط ذکر کی ہیں۔ جب سالک سختی سے ان شرائط پر کاربند ہو جاتا ہے اور اس کا دل اس وادی سے مانوس ہو جاتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور اس کے اکرام و احسان میں غور و فکر کرتا ہے اور وہ ذکر میں مشغول ہو جاتا ہے اور اس کی روح ملکوت کی سیر کرتے ہوئے بحر معرفت میں غوطہ زن ہو کر حریم قدس تک رسائی کر لیتی ہے۔

سالکین جب اس مقام پر پہنچ جاتے ہیں تو انہیں اس قدر قرب الٰہی حاصل ہوتا ہے کہ انہیں دوری کا تصور تک نہیں رہتا۔ اور وہ ایسے بلند مقامات پر فائز ہوتے ہیں کہ انہیں پستی کا خوف نہیں ہوتا۔ پھر ان کی باطنی نگاہ روشن کر دی جاتی ہے تاکہ وہ زمین پر بیٹھ کر جنت کا نظارہ اور سیر کریں۔ اس مقام پر پہنچ کر اپنے معبود کی محبت میں گم ہو جاتے ہیں اور کسی غیر کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ وہ اس مقام قرب کو چھوڑ کر کہا جائیں جس میں وہ امن و سکون کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ یہ سب ان کے مولا کا احسان اور ان کے نیک اعمال کی جزا ہے۔ پس عاملین کو اسی طریقہ پر گامزن ہونا چاہئے۔

منازل سلوک طے کرنے کے لئے ضروری ہے کہ سالک مجاہدۂ نفس کرے اور ذکر پر دوام کے ساتھ ساتھ مراقبہ، محاسبہ اور عزلت نشینی اختیار کرے۔ اللہ تعالیٰ کا وصال محض خواہشات اور آرزوؤں سے نہیں حاصل ہوتا بلکہ اس کے لئے ایمان، تقویٰ، پختہ ارادہ اور انتہائی خلوص کی ضرورت ہے۔ جب یہ تمام شرائط پائی جائیں تو پھر اللہ تعالیٰ سالک کو اپنی

Marfat.com

معرفت کاملہ اور حقیقی سعادت سے نواز تا ہے۔

شیخ اکبر حضرت محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ راہ سلوک کی منازل طے کرنے کے لئے ایمان اور تقویٰ بنیادی عناصر ہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ

''اور جو ڈرتا رہتا ہے اللہ سے، بنا دیتا ہے اللہ اس کے لئے نجات کا راستہ اور اسے (وہاں سے) رزق دیتا ہے جہاں سے اسے گمان بھی نہیں ہوتا'' (طلاق: ۳)

آپ فرماتے ہیں کہ رزق کی دو قسمیں ہیں: (۱) روحانی (۲) جسمانی

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ (بقرہ: ۲۸۲)

''اور ڈرا کرو اللہ سے اور سکھاتا ہے تمہیں اللہ تعالیٰ''۔

آپ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اگر تم تقویٰ اختیار کرو تو اللہ تعالیٰ اپنے خاص فضل واحسان سے تمہیں وہ علوم عطا فرمائے گا جن کو تم دوسرے ذرائع سے حاصل نہیں کر سکتے۔ ۵

شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کے کلام سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ قرب الٰہی کے حصول کیلئے ایمان کامل اور صحیح عقیدہ شرط اول ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی حدود شرعی احکام کی پابندی اور رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ پر عمل پیرا ہونا ضروری ہے۔

اور جو شخص گھٹیا خواہشات اور نفسانی رعونات سے اپنے دامن کو نہیں بچاتا، اس کا منزل تک پہنچنا بہت مشکل ہے۔ بلکہ ایسا شخص تو دوران سفر ہی قافلہ سے بچھڑ کر گمراہ اور بدبخت ہو جاتا ہے۔

علامہ ابن قیم فرماتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کے ظاہری اور باطنی انعامات واکرامات سے پردہ ہٹا دیا جائے تو بندہ کا دل اس کی محبت سے پگھل جائے۔ قلوب کو ان

Marfat.com

کے مشاہدہ سے محجوب کر دیا گیا ہے تا کہ عالم اسباب کی طرف مائل رہیں۔ اور یہ حکیم و دانا اللہ تعالیٰ کی ذات کا فیصلہ ہے۔ کیونکہ جو دل اللہ تعالیٰ کی معرفت اور محبت کی حلاوت چکھ لیتا ہے۔ پھر اس کا کسی غیر کی طرف مائل ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور جس نے معرفت الٰہی کا ذائقہ چکھ کر اور منازل سلوک کو جان کر، پھر اسے ترک کر دیا اور اپنے نفس کی خواہشات اور لذات میں مشغول ہو گیا، تو یقیناً وہ ہلاکتوں کی راہ پر چل نکلا۔ اور اس کے دل کو ظلمات اور تاریکیوں میں مبتلا کر کے اس کو ایسا عذاب دیا جائے گا کہ کائنات میں کسی کو ایسا عذاب نہیں دیا گیا۔

پھر غم و حزن اس کی زندگی کا جزو بن جاتا ہے۔ اور اس کی موت حسرت، اور اس کی آخرت افسوس اور ندامت سے عبارت ہوتی ہے۔ حجاب کی آگ اس کے دل کو جلا دیتی ہے۔ جب وہ اپنے رب سے منہ موڑتا ہے تو ساری کائنات اس سے روٹھ جاتی ہے، اور اس طرح وہ اپنے مقصد تک نہیں پہنچ سکتا۔ بلکہ وہ زمین پر چلتے ہوئے مردہ کی مثل ہوتا ہے۔ اس کی روح جسم میں خوف اور وحشت محسوس کرتی ہے۔ اور دل زندگی سے تنگ آ جاتا ہے۔

فاصبح کا لبازی کا لمنتف ریشه   یری حسرات کلما طار طائر

وقد کان دهرافی الریاض منعما   علی کل مایهوی من الصیدقادر

الی ان اصابته من الدهرنکبه   اذا هو مقصوص الجنا حین حاسر

ترجمہ (i): ''وہ اس باز کی طرح ہو جاتا ہے جس کے پر اکھڑ گئے ہوں۔ جب بھی کوئی پرندہ اڑتا ہے وہ بڑی حسرت سے اسے دیکھتا ہے۔

(ii) وہ بھی کسی زمانہ میں باغوں میں خوش و خرم تھا اور اپنے پسندیدہ شکار پر قادر تھا۔

(iii) ''حتیٰ کہ زمانہ نے اسے اس مصیبت میں مبتلا کر دیا۔ اب اس کے پر ٹوٹے ہوئے ہیں اور سراپا حسرت بن چکا ہے''۔

منازل سلوک کے دوران انقطاع بہت بڑی آزمائش اور عظیم خسارہ ہے اور اس

Marfat.com

کا سبب سالک کا اپنے نفس کی خواہشات کی پیروی، مقامات اور مکاشفات کی خواہش اور اپنے مقصود حقیقی سے اعراض ہے۔ کیونکہ مخلص سالک مقامات، مراتب اور کرامات کا طالب نہیں ہوتا۔ یہ تو محض منازل ہیں جن کو طے کرتے ہوئے اپنے مقصود حقیقی کو پالیتا ہے اور اپنے اس سفر میں دائیں بائیں ملتفت نہیں ہوتا۔

ابن عطاء اللہ سکندری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے:

ما ارادت همة سالک ان تقف عند ما کشفت لهاالا ونادته هواتف الحقیقة الذی تطلب امامک

''سالک کی ہمت جب بھی مکاشفات پر اکتفا کرنا چاہتی ہے تو اسے ہاتف غیبی سے ندا آتی ہے کہ جس کا تو طالب ہے وہ آگے ہے''۔

جس طرح عام راستہ میں خطرات، رکاوٹیں اور ڈاکو ہوتے ہیں، اسی طرح روحانی اور قلبی راستہ میں بھی نشیب و فراز اور رکاوٹیں ہوتی ہیں، جن سے ہوشیار رہنا بہت ضروری ہے۔ اس لئے اس راستہ میں راہنما اور مرشد کی ضرورت ہے جو سالک کا ہاتھ پکڑ کر اسے خطرات اور ہلاکتوں سے بچائے۔ کیونکہ یہ راہ انتہائی دشوار گزار ہے۔ اس لئے شیوخ اور مرشدین سالکین کو اس کی پیچیدگیوں سے متنبہ کرتے رہتے ہیں۔ اس سفر کو مسلسل جاری رکھنے اور پے در پے کوشش اور ہمت سے کام لینے کی تلقین کرتے ہیں تاکہ وہ اپنی منزل مراد قرب الٰہی کی سعادتوں سے بہرہ ور ہو سکیں۔

ابن قیم فرماتے ہیں کہ راہ حق کا مسافر جب راہ سلوک اور منازل کو دیکھتا ہے اور اس میں پیش آنے والے نشیب و فراز اور دشوار گزار راستہ کو دیکھتا ہے تو نصف کامیابی اور سعادت کو پالیتا ہے۔ اور بقیہ نصف کے لئے ضروری ہے کہ مکمل تیاری کر کے سفر کا آغاز کر دے اور یکے بعد دیگرے تمام منازل طے کرتا جائے۔ اور جب بھی کسی ایک منزل کو طے کر چکے تو دوسری منزل کے لئے ہمہ تن تیار ہو جائے۔ اور اپنی منزل کو قریب ہی محسوس

Marfat.com

کرے۔اس طرح سفر کی مشقت اس پر آسان ہو جائے گی۔اور جب بھی اس کا نفس سفر کی صعوبتوں سے اکتائے تو قرب وصال سے اسے دلاسا دے۔اس طرح اس میں از سرِ نو نشاط فرحت اور منزل مقصود تک پہنچنے کی ہمت پیدا ہو جائے گی۔اور اسے کہے:

''اے نفس! تجھے خوشخبری ہو کہ منزل قریب آ گئی۔اب جلد ہی محبوب سے ملاقات ہو گی۔اور منزل مراد کو پانے سے پہلے ہی راہ میں بھٹک نہ جانا کہ یہ چیزیں تیرے اور تیرے محبوب کے درمیان حائل نہ ہو جائیں۔اگر تو نے صبر کیا اور اس سفر کو جاری رکھا تو عنقریب ہی اپنی منزل تک پہنچ جائے گا۔اور پھر تجھے محبوب مختلف قسم کے تحفے تحائف اور انعام واکرام سے نوازیں گے۔تیرے اور تیری منزل کے درمیان ایک گھڑی صبر کا فاصلہ ہے۔کیونکہ یہ ساری دنیا آخرت کے مقابلہ میں ایک گھڑی کی مثل ہے۔ اللہ کو یاد کر۔اس صحرا میں کہیں گم نہ ہو جانا۔ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے''۔

اگر نفس پھر بھی بات نہ مانے تو اسے آگاہ کرے کہ سامنے محبوب انعام واکرام کے ساتھ انتظار میں ہے، اور پیچھے دشمن کثیر مصائب وآلام لئے کھڑا ہے۔اگر تو واپس لوٹا تو دشمنوں سے تیرا پالا پڑے گا۔اور اگر آگے بڑھا تو محبوب سے ملاقات ہو گی۔اور اگر راستہ میں ٹھہر گیا تو دشمن تجھے پکڑ لیں گے۔کیونکہ وہ تیری تلاش میں سرگرداں ہیں۔ان تین صورتوں کے علاوہ کوئی چوتھی صورت نہیں۔اب جو دل چاہے ان میں سے اختیار کر لے۔ محبوب کی یاد کو دل میں بسا لے۔اور اس کے ارشادات اور نور عرفان کو اپنا ہادی اور رہبر بنا لے اور اس کی محبت اور سچی لگن کو اپنی غذا اور دوا بنا لے اور راستہ کی تنہائی سے نہ گھبرائے۔اور دوران سفر پیچھے رہ جانے والوں کی کثرت سے دھوکہ نہ کھائے۔کیونکہ اگر وہ اپنی منزل مقصود کو نہ پاسکا تو اس میں اس کا اپنا ہی نقصان ہے۔اور اگر منزل کو پالیا تو قرب ووصال کی سعادتوں سے وہی بہرہ ور ہو گا۔اس لئے اسے دوسرے لوگوں کی طرف متوجہ نہیں ہونا چاہیئے۔پھر یہ گھبراہٹ اور تنہائی بھی عارضی ہوتی ہے۔کیونکہ جو اپنے سفر کو مسلسل جاری رکھتا ہے اسے جلد ہی اپنے محبوب کے خیموں کے نشانات ظاہر ہو جاتے ہیں۔اور پھر محبوب سلامتی

Marfat.com

سے پہنچنے کی مبارک باد دیتے ہوئے اسے گلے لگالیتا ہے۔اس وقت اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتی ہیں۔اور خوشی کی کوئی انتہا نہیں ہوتی۔وہ اسی خوشی میں یہ نعرۂ مستانہ بلند کرتا ہے:

یالیت قومی یعلمون بما غفرلی ربی وجعلنی من المکرمین

''کاش میری قوم بھی جان لیتی کہ بخش دیا ہے مجھے میرے رب نے اور شامل کر دیا ہے مجھے باعزت لوگوں میں''۔6

راہ سلوک طے کرنے والوں کے مختلف مراتب ہوتے ہیں۔ان میں سے بعض اپنے ذوق اور مشاہدہ کے اعتبار سے وحدت افعال کی راہ پر گامزن ہوتے ہیں حتیٰ کہ ان کے اپنے افعال کی حیثیت ختم ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ان پر صادق آتا ہے:

وَمَارَمَیْتَ اِذْرَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی (انفال:۱۷)

''اور (اے محبوب) نہیں پھینکی آپ نے (وہ مشت خاک) جب آپ نے پھینکی بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی''۔

یہ بھی منزل کو پانے کا ایک مرتبہ ہے:

ان میں سے بعض اپنے ذوق اور مشاہدہ کے اعتبار سے وحدت صفات کی راہ کو اپناتے ہیں۔وہ اللہ تعالیٰ کے درج ذیل ارشاد اور حدیث قدسی کے مصداق ہوتے ہیں:

وَمَا تَشَاؤُنَ اِلَّا اَنْ یَّشَاءَ اللّٰہُ .(دھر:۳۰)

''اور اے لوگو! تم کچھ بھی نہیں چاہ سکتے بغیر اس کے کہ اللہ خود چاہے''۔

حدیث قدسی ہے:

فاذا احببتہ کنت سمعہ الذی یسمع بہ وبصرہ الذی یبصر بہ . (بخاری)

''جب میں اسے اپنا محبوب بنالیتا ہوں تو میں اس کی سماعت بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے،اور اس کی بصارت بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے''۔

اور یہ بھی وصال کا ایک مرتبہ ہے:

Marfat.com

اوران میں بعض وہ ہیں جو فنافی الذات کے مقام پر فائز ہوتے ہیں۔ان کے نزدیک ذات باری تعالیٰ کے مقابلہ میں کسی چیز کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ان پر انوار و تجلیات کی بارش ہوتی ہے۔

ان پر یہ ارشاد نبوی ﷺ صادق آتا ہے:

اصدق کلمة قالها الشاعر کلمة لبید: الا کل شی ماخلا الله باطل

''سب سے اچھا کلام جو کسی شاعر نے کہا ہے وہ لبید کا ہے، اس کا قول ہے غور سے سنو، اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز باطل ہے''۔(بخاری)

اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز فانی ہے۔

صوفیائے کرام کے لئے راہ طریقت میں نبی کریم ﷺ کی ذات منبع رشد و ہدایت ہے۔اورانہوں نے آپ ﷺ کے طریقہ کو اختیار کیا ہے۔کیونکہ آپ ﷺ بت پرستی اور وہاں کے ماحول کی آلودگی اور کدورت کو ترک کر کے غار حراء میں تشریف لے جاتے۔

اوراللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں ارشادفرمایا:

يَا اَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّا اَرْسَلنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا وَّ دَاعِيًا اِلَى اللهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا(احزاب: ۴۵، ۴۶)

''اے نبی (مکرم) ﷺ! ہم نے بھیجا ہے آپ ﷺ کو (سب سچائیوں کا) گواہ بنا کر، اور اور خوشخبری سنانے والا اور برے وقت سے ڈرانے والا، اور دعوت دینے والا اللہ کی طرف اس کے اذن سے اور آفتاب روشن کر دینے والا''

پس صوفیائے کرام اخلاق و عادات اور تمام احوال میں نبی کریم ﷺ کے نقش قدم پر چلتے ہیں۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللهُ وَيَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ

''(اے محبوب ﷺ) آپ ﷺ فرمائیے (انہیں کہ) اگر تم (واقعی) محبت کرتے

Marfat.com

ہو اللہ سے، تو میری پیروی کرو۔ تب محبت فرمانے لگے گا تم سے اللہ اور بخش دے گا تمہارے لئے تمہارے گناہ" (آل عمران:۳۱)

صوفیائے کرام اور ارشاد باری تعالیٰ کے مطابق نبی کریم ﷺ کی کامل اتباع کرتے ہیں۔ اور غیر کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ اور اسی طرح درج ذیل ارشادات عالیہ کی کران پر عمل کرتے ہیں۔ دنیا اپنی زیبائش و آرائش سے انہیں دھوکہ نہیں دے سکتی اور نہ ان کی راہ میں رکاوٹ بن سکتی ہے۔

(i) وانّ هذا صراطی مُستقیمًا فاتّبعُوهُ ولا تتبعوا السّبل فتفرق بکُم عن سبیلهِ (انعام: ۱۵۳)

"اور بے شک یہ ہے میرا راستہ سیدھا، سو اس کی پیروی کرو اور نہ پیروی کرو اور راستوں کی (ورنہ) وہ جدا کر دیں گے تمہیں اللہ کے راستہ سے"۔

(ii) وما خلقتُ الجنّ والانس الّا لیعبُدُون (ذاریات: ۵۶)

"اور نہیں پیدا فرمایا میں نے جن وانس کو مگر اس لئے کہ وہ میری عبادت کریں"۔

اور وہ جب ہاتف غیبی کی یہ ندا سنتے ہیں:

(iii) افحسبتُم انما خلقنٰکُم عبثًا وانکُم الینا لا ترجعُون (مومنون: ۱۱۵)

"کیا تم نے یہ گمان کر رکھا تھا کہ ہم نے تمہیں بے مقصد پیدا کیا ہے، اور تم ہماری طرف نہیں لوٹائے جاؤ گے"۔

تو وہ ان لوگوں کی راہ اختیار کرتے ہیں جو عنقریب اس کی طرف لوٹائے جائیں گے، اور اپنے سفر کو محنت اور کوشش سے جاری رکھتے ہیں۔ حتیٰ کہ اپنے رب کے وصال کی نعمت سے سرفراز ہوتے ہیں۔

اب ہم ان بعض مقامات کی وضاحت کرتے ہیں جن کو سالک وصول الی اللہ کے سفر میں طے کرتے ہیں۔ ان میں سب سے پہلا مقام توبہ ہے۔ کیونکہ جس کی توبہ نہ ہو، اسے اس سفر کا کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ کیونکہ یہ وصول الی اللہ کے سفر کی پہلی سیڑھی ہے۔

Marfat.com

توبہ

توبہ سے مراد یہ ہے کہ سالک شرعی طور پر مذموم امور سے رجوع کر کے محمود امور کو اپنا لے۔ یہ سالکین کے راستہ کی ابتدا، مریدین کی سعادت کی کلید اور منازل سلوک کے سفر کی شرط اول ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کثیر مقامات پر اس کا حکم دیا ہے۔ اور اسے دنیا و آخرت کی فلاح کا سبب قرار دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(i) وَتُوبُوا الی اللہ جمیعًا، ایُّہَ الْمُؤمِنُونَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُونَ (نور: ۳۱)

''اور رجوع کرو اللہ کی طرف سب کے سب، اے ایمان والو! تاکہ تم (دونوں جہانوں میں) بامراد ہو جاؤ''۔

(ii) اسْتَغْفِرُوا رَبَّکُمْ ثُمَّ تُوبُوا اِلَیْہِ (ھود: ۵۲)

''مغفرت طلب کرو اپنے رب سے پھر (دل و جان سے) رجوع کرو اس کی طرف''۔

(iii) یَآیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوبُوا الی اللہ تَوْبَۃً نَّصُوْحًا (تحریم: ۸)

''اے ایمان والا! اللہ کی جناب میں سچے دل سے توبہ کرو''۔

رسول اللہ ﷺ گناہوں سے معصوم ہونے کے باوجود کثرت سے توبہ و استغفار کرتے۔ اس کا مقصد تعلیم امت ہوتا تھا۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

عن الاغر بن یسار المزنی رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ: یا

Marfat.com

ایھا الناس، توبوا الی اللہ واستغفروہ فانی اتوب الیہ فی الیوم مائۃ مرۃ (مسلم)

''حضرت اغر بن یسار رضی اللہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اے لوگو! اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرو اور اس سے مغفرت طلب کرو۔ میں دن میں سو مرتبہ توبہ کرتا ہوں''۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

التوبۃ واجبۃ من کل ذنب

''ہر گناہ سے توبہ کرنا واجب ہے''۔

پھر اگر معصیت ایسی ہو جس کا تعلق بندہ اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہو۔ اور کسی آدمی کے حق کے متعلق نہ ہو تو اس سے توبہ کیلئے تین شرائط ہیں:

(۱) اس معصیت کو ترک کرے۔

(۲) یہ پختہ عزم کرے کہ وہ دوبارہ اس غلطی کا ارتکاب نہیں کرے گا۔

(۳) اس پر ندامت کا اظہار کرے۔

اگر تین شرطوں سے ایک شرط بھی مفقود ہوئی تو اس کی توبہ صحیح نہیں ہوگی۔ اور اگر وہ معصیت کسی آدمی کے حق کے متعلق ہے تو اس کے لئے چار شرطیں ہیں۔ تین یہی مذکورہ شرطیں ہیں اور چوتھی شرط یہ ہے کہ وہ صاحب حق سے برات حاصل کرے۔ اگر تو وہ مال وغیرہ ہے جس کو اس نے غصب یا چوری کیا ہے تو اسے واپس کرے۔ اور اگر اس نے کسی پر تہمت وغیرہ لگائی ہے تو اس سے بھی معافی طلب کرے۔ اور اگر غیبت کی ہے تو اس سے بھی معافی کا خواستگار ہو۔ الغرض تمام گناہوں سے توبہ کرنا واجب ہے۔ کے

توبہ کی یہ بھی شرط ہے کہ وہ برے اور فاسق لوگوں کی صحبت کو ترک کرے جو اس کے لئے معصیت کو مزین کرتے ہیں اور عبادت سے نفرت دلاتے ہیں۔ پھر نیک اور مخلص لوگوں کی صحبت کو اختیار کرے تاکہ ان کی صحبت معافی اور گناہوں کی زندگی کی طرف لوٹنے میں رکاوٹ بن جائے۔ ہمارے لیے وہ صحیح اور مشہور حدیث بڑی سبق آموز ہے جس میں

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کا قصہ بیان کیا ہے جس نے سو افراد کو قتل کر دیا تھا تو اس زمانہ کے ایک عالم ربانی نے اسے آگاہ کیا کہ اللہ توبہ قبول کرتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ تم اس برے ماحول کو ترک کر دو، جس کی وجہ سے تم نے ان جرائم کا ارتکاب کیا ہے، اور اسے ایک اچھے ماحول اور علاقہ کی طرف جانے کا حکم دیا، جس میں اللہ کے نیک بندے بستے تھے تاکہ وہ ان لوگوں سے محبت کرے اور ان کے نقش قدم پر چل کر اپنے گناہوں کا کفارہ ادا کر سکے۔

صوفیائے کرام کسی گناہ کے چھوٹا یا حقیر ہونے کی طرف نہیں دیکھتے بلکہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پیروی کرتے ہوئے اپنے رب کی عظمت کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

انکم لتعلمون اعمالاھی ادق فی اعینکم من الشعر انا کنا نعدھا علی عھد رسول اللہ ﷺ من المھلکات (بخاری)

ترجمہ: ''تم ایسے اعمال کرتے ہو جو تمہارے نزدیک بال سے بھی زیادہ باریک ہیں، حالانکہ ہم رسول اللہ ﷺ کے عہد میں ان کو مہلکات میں سے شمار کرتے تھے۔''

صوفیائے کرام صرف معاصی سے توبہ پر اکتفا نہیں کرتے کیونکہ یہ عوام کی توبہ ہے، بلکہ وہ ہر اس چیز سے توبہ کرتے ہیں جو ان کو اپنے رب کی یاد سے غافل کر دے۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ سے جب توبہ کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:

توبۃ العوام من الذنوب وتوبۃ الخواص من الغفلۃ[8]

''عوام الناس گناہوں سے توبہ کرتے ہیں اور خواص غفلت سے''۔

حضرت عبداللہ تمیمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''توبہ کرنے والوں کے بھی کئی درجے ہوتے ہیں۔ بعض لوگ تو گناہوں اور سیئات سے توبہ کرتے ہیں اور بعض لوگ غفلت اور لغزشات سے۔ اور بعض لوگ تو صرف اس لئے توبہ کرتے ہیں کہ وہ اپنی عبادات

Marfat.com

اور نیکیوں کو زیادہ نہ سمجھنے لگیں۔''

سالک کو جب عرفان الٰہی حاصل ہوتا ہے تو اعمال کی کثرت سے اس کی توبہ میں رقت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور جس کا دل گناہوں کی آلودگی سے پاک ہو جاتا ہے اور اس پر انوار و تجلیات کی بارش ہو جاتی ہے۔ تو اس پر دل کی پوشیدہ بیماریاں مخفی نہیں رہتیں۔ اس لئے جب بھی اس کا دل کسی لغزش کی طرف مائل ہوتا ہے تو فوراً اپنے پروردگار سے حیاء کرتے ہوئے توبہ کر لیتا ہے۔ توبہ کے بعد سالک دن رات کثرت سے استغفار میں مشغول ہو جاتا ہے۔ اس طرح اسے حقیقی عبودیت کا شعور حاصل ہوتا ہے۔ پھر وہ اپنے مولیٰ کے حق میں اپنی تقصیر اور کوتاہی کو محسوس کرتا ہے۔ اس طرح وہ اپنی عبودیت کا اعتراف اور اپنے مولیٰ کی ربوبیت کا اعتراف کرتا ہے۔

پھر جب وہ اللہ کا یہ ارشاد سنتا ہے:

(i) فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا، يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا (نوح: ۱۰-۱۲)

''پس میں نے کہا، معافی مانگ لو اپنے رب سے، بے شک وہ بہت بخشنے والا ہے۔ وہ برسائے گا آسمان سے موسلا دھار بارش اور وہ مدد فرمائے گا تمہاری اموال اور فرزندوں سے، اور بنا دے گا تمہارے لئے باغات اور بنا دے گا تمہارے لئے نہریں''۔

(ii) اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ اٰخِذِيْنَ مَآ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ، اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِيْنَ، كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ (ذاریات: ۱۵،۱۸)

''البتہ اللہ سے ڈرنے والے (اس روز) باغات اور چشموں میں ہوں گے۔ (بصد شکر) لے رہے ہوں گے جو ان کا رب انہیں بخشے گا۔ بے شک یہ لوگ اس سے پہلے

Marfat.com

بھی نیکو کار تھے۔ یہ لوگ رات کو بہت سویا کرتے تھے اور سحری کے وقت (اپنی خطاؤں کی) بخشش طلب کرتے تھے''۔

جب وہ یہ آیات پڑھتا ہے تو اپنی کوتاہیوں اور احکام الٰہیہ کی خلاف ورزی کے افسوس اور حسرت میں اس کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے ہیں۔ اس طرح وہ اپنے عیوب کی طرف متوجہ ہو کر ان کی اصلاح اور اپنی کوتاہیوں کی تلافی کرتا ہے۔ پھر تزکیہ نفس میں مصروف ہو جاتا ہے اور رسول اللہ ﷺ کے ارشادات پر عمل کرتے ہوئے نیکیوں کی کثرت کرتا ہے۔ کیونکہ آپ نے ارشاد فرمایا ہے:

واتبع السیئہ الحسنہ تمصھا. (ترمذی)

''برائی کے بعد نیکی کر، یہ نیکی اس برائی کو مٹا دے گی''۔

شیخ احمد زروق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''کسی مدعی کے دعویٰ کا دارومدار اس کے نتیجہ پر ہوتا ہے۔ اگر اس کا کوئی نتیجہ ظاہر ہو جائے تو اس کا دعویٰ صحیح ہو جاتا ہے ورنہ وہ جھوٹا ہوتا ہے۔ پس ایسی توبہ جس کے نتیجہ میں تقویٰ حاصل نہ ہو، وہ باطل ہے۔ اور ایسا تقویٰ جس سے استقامت حاصل نہ ہو وہ بناوٹی ہے۔ اسی طرح اگر استقامت سے ورع حاصل نہ ہو تو وہ نامکمل ہوتی ہے۔ اور اگر ورع سے زہد میسر نہ آئے تو وہ بھی قاصر ہے۔ اور وہ زہد جو توکل کا سبب نہ بنے تو وہ محض خشک زہد ہے۔ اور وہ توکل جس سے یکسوئی حاصل نہ ہو اس کی حقیقت نہیں۔

توبہ کے صحیح ہونے کی علامت یہ ہے کہ انسان محرمات سے اجتناب کرے۔ اور کامل تقویٰ یہ ہے کہ وہ یہ تصور کرے کہ اللہ تعالیٰ ہر وقت اس کے احوال سے مطلع ہے۔ اور استقامت کی نشانی یہ ہے کہ وہ بدعات سے بچ کر اپنے اوراد کی پابندی کرے۔ اور ورع کی علامت یہ ہے کہ جب اس پر کوئی چیز مشتبہ ہو جائے، اگر تو وہ اسے ترک کر دے تو وہ صاحب ورع ہے ورنہ ورع سے اس کا دور کا بھی واسطہ نہیں۔ 9

Marfat.com

محاسبہ

محاسبہ سے مراد ذہن میں ایسا شعور پیدا کرنا ہے جو اس کو برائیوں سے روکے اور اس کی اس طرح تربیت کرنا ہے کہ اس میں ملامت کی صفت اجاگر ہو جائے جو اس کو ان تمام معاصی سے روک دے جو محبت، ایثار اور اخلاص کی راہ میں حائل ہوتی ہیں۔ صوفیائے کاملین کو اس میں کافی درک حاصل ہوتا ہے۔ حقیقت میں وہ نبی کریم ﷺ کے نقش قدم کی پیروی کرتے ہیں کیونکہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

الکیس من دان نفسہ وعمل لما بعد الموت والعاجز من اتبع نفسہ ھواھا وتمنی علی اللہ الامانی (ترمذی)

''عقلمند اور دانا وہ ہے جس نے اپنے نفس کا محاسبہ کیا اور آخرت کے لئے عمل کیا، اور عاجز وہ ہے جس نے خواہشات نفسانیہ کی پیروی کی (اور عمل کی بجائے) تمنا اور آرزو پہ اکتفا کیا''۔

جو اپنے نفس کا محاسبہ کرتا ہے وہ اسے لہو ولعب میں مشغول ہونے کا موقع نہیں دیتا۔ بلکہ اسے عبادت اور طاعت میں مصروف رکھتا ہے۔ جب وہ کوئی سستی یا کوتاہی کرتا ہے تو خوف خدا کی وجہ سے فوراً اس کو ملامت کرتا ہے۔ اس طرح اس نفس کو لہو ولعب میں مشغول ہونے کا موقع کیسے مل سکتا ہے؟

Marfat.com

شیخ احمد رفاعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ محاسبہ خشیت الٰہی سے پیدا ہوتا ہے اور محاسبہ سے مقام مراقبہ حاصل ہوتا ہے۔ اور مراقبہ سے سالک دائمی ذکر الٰہی میں مشغول ہو جاتا ہے۔[10]

محاسبہ میں صوفیائے کرام نبی کریم ﷺ کے اسوۂ حسنہ پر عمل پیرا ہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ بھی اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی روحانی تربیت کرنے کے لئے انہیں باطنی ملامت کی تربیت دیا کرتے تھے۔

مروی ہے کہ ایک دن حضور پاک ﷺ اپنے کاشانہ اقدس سے باہر تشریف لائے۔ آپ ﷺ کو سخت بھوک لگی ہوئی تھی۔ اسی اثناء میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی آپ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے۔ آپ ﷺ نے نور نبوت ﷺ سے یہ جان لیا کہ ان دونوں کی بھی یہی حالت ہے، اور ان کے پاس بھی پیٹ بھرنے کے لئے کوئی چیز نہیں۔ اسی اثناء میں ایک انصاری صحابی آپ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ اور مومنانہ فراست سے اس معاملہ کو جان لیا اور عرض کی: میں آپ ﷺ کی ضیافت کرنا کرنا چاہتا ہوں'' جب رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب کے ساتھ انصاری کے گھر میں پہنچے اور کھجوریں اور ٹھنڈا پانی نوش فرمایا تو آپ ﷺ نے فرمایا ''اس نعمت کے بارے میں آپ سے سوال کیا جائے۔ ان چند کھجوروں اور ٹھنڈے پانی کے چند گھونٹ کی کیا حیثیت ہے؟'' لیکن اس کے باوجود بھی نبی کریم ﷺ نے اپنے اصحاب کی توجہ مبذول کرانے کے لئے ارشاد فرمایا کہ اس نعمت کے متعلق تم سے سوال کیا جائے گا تاکہ وہ کسی حالت میں بھی اپنے نفس کے محاسبہ سے غافل نہ ہوں۔

محاسبہ خالق و مخلوق کے بارے میں ذمہ داری کا احساس پیدا کرتا ہے۔ اور اسی طرح نفس انسانی میں بھی شعور پیدا کرتا ہے جس کو احکام شرعیہ کا پابند کیا گیا ہے۔ محاسبہ سے انسان میں یہ احساس پیدا ہوتا ہے کہ اس کی تخلیق عبث نہیں، بلکہ ضرور ایک دن اللہ تعالیٰ کے

Marfat.com

سامنے جواب دہ ہونا ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "تم میں سے ہر ایک قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوگا حتیٰ کہ بندہ اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی ترجمان نہیں ہوگا۔ پس جب وہ اپنے دائیں طرف متوجہ ہوگا تو اسے اپنے اعمال صالحہ نظر آئیں گے۔ اور بائیں طرف اپنے برے اعمال دیکھے گا۔ اور اس کے منہ کے سامنے بھڑکتی ہوئی آگ ہوگی"۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "آگ سے بچو۔ اگرچہ کھجور کا ایک ٹکڑا ہی اللہ کی راہ میں صدقہ کرنے سے۔ اور اگر یہ بھی میسر نہ ہو تو پھر پاکیزہ کلام سے"۔ (مسلم۔ ترمذی)

محاسبہ سے سالک کے دل میں توبۃ النصوح کا خیال پیدا ہوتا ہے۔ اس طرح وہ خالق سے دور کرنے والی ہر فانی شے کو ترک کر کے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فَفِرُّوْا اِلَی اللّٰہِ اِنِّیْ لَکُمْ مِّنْہُ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ (ذاریات: ۵۰)

"پس دوڑو اللہ کی طرف (اور اس کی پناہ لے لو) بے شک میں تمہیں اس (کے غضب) سے کھلا ڈرانے والا ہوں"۔

سالک یہ ارشاد باری تعالیٰ سن کر صوفیائے کرام کے مقدس گروہ میں شامل ہو کر منازل سلوک طے کرنے لگتا ہے۔ کیونکہ اس کے پیش نظر یہ ارشاد باری تعالیٰ بھی ہوتا ہے:

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ (توبہ: ۱۱۹)

"اے ایمان والو! ڈرتے رہا کرو اللہ سے اور ہو جاؤ سچے لوگوں کے ساتھ"۔

وانما القوم مسافرون لحضرۃ الحق ظاعنون

ترجمہ: یہ لوگ راہ حق کے مسافر ہیں اور اسی کی طرف کوچ کرنے والے ہیں۔

یہ مسافر منازل طے کرتے ہوئے حریم قدس میں پہنچ جاتے ہیں۔ وہاں ان پر قرب و وصال کی وہ نوازشات ہوتی ہیں۔ جس کا محب طالب ہوتا ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

Marfat.com

فِیْ مقْعد صِدْقٍ عِنْدَ مَلِیْکٍ مُّقْتَدر .(قمر : ۵۵)

''بڑی پسندیدہ جگہ میں عظیم قدرت والے بادشاہ کے پاس (بیٹھے) ہوں گے''۔

شیخ احمد زروق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ محاسبہ سے غفلت نفس کی بربادی کا باعث ہے۔ کیونکہ جب انسان اپنے نفس پر نرمی کرتا ہے تو وہ اس سے خوش رہتا ہے۔ اور جب اس پر تنگی کرتا ہے تو اس سے نفرت کرنے لگتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نفس پر نرمی کرنا اس کو خراب کرنے کے مترادف ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ انسان واضح امور کو ترک نہ کرے۔ مخفی اور پوشیدہ امور کی طرف رجوع نہ کرے۔ اور صوفیائے کرام کے اس فرمان کو ہمیشہ مدنظر رکھے:

من لم یکن یومہ خیرا من امسہ فھو مغبون، ومن لم یکن فی زیادۃ فھو فی نقصان.

''جس کا آج کا دن کل کے دن سے بہتر نہ ہو وہ فریب خوردہ ہے، اور جو ترقی نہ کرے وہ گھاٹے میں ہے۔ اپنے معمولات پر ثابت قدم رہنا ہی ترقی کا باعث ہے''۔

اسی وجہ سے حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، کہ ''اگر کوئی شخص وصول الی اللہ کی منازل ایک سال تک طے کرتا رہے اور پھر ایک لمحہ کے لئے بھی اس سے اعراض کرے تو سال بھر کی محنت ضائع ہو جاتی ہے''۔ [۱]

Marfat.com

خوف

حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مستقبل میں کسی ناپسندیدہ چیز کی توقع کی وجہ سے دل میں جو الم وحزن اور جلن پیدا ہوتی ہے اسے ''خوف'' کہتے ہیں۔ اور یہ خوف کبھی تو گناہوں کے ارتکاب کی وجہ سے ہوتا ہے اور کبھی اللہ تعالیٰ کی ان صفات کی معرفت سے جو خوف کا سبب بنتی ہیں۔ خوف کی یہ قسم اکمل واتم ہے۔ کیونکہ جس کو اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو جائے تو یقیناً اس میں خوف کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء۱۲ (فاطر: ۲۸)

''اللہ کے بندوں میں سے صرف علماء ہی (پوری طرح) اس سے ڈرتے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حکم دیا ہے کہ وہ صرف اسی سے ڈریں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وایای فارھبون (بقرہ: ۴۰)

''اور صرف مجھی سے ڈرا کرو''۔

اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے مومنین کی مدح فرمائی ہے اور انہیں خوف کے ساتھ متصف فرمایا ہے۔ ارشاد فرمایا:

Marfat.com

يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِنْ فَوْقِهِمْ (نحل: ۵۰)

''ڈرتے ہیں اپنے رب کی قدرت سے''۔

اور خوف کو کمال ایمان کی شرط قرار دیا ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وخافُوْن اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (آل عمران: ۱۷۵)

''مجھ سے ہی ڈرا کرو اگر تم مومن ہو''۔

اور اس شخص کو دو جنتیں عطا فرمانے کا وعدہ فرمایا ہے جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرتا ہے۔ یعنی دنیا میں علوم و معارف اور آخرت میں ابدی نعمتوں کی جنت۔ ارشاد فرمایا:

ولِمَنْ خاف مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ. (رحمان: ۴۶)

''اور جو ڈرتا ہے اپنے رب کے روبرو کھڑا ہونے سے، تو اس کو دو باغ ملیں گے''۔

اور اسی طرح اس کیلئے جنت الماویٰ کا وعدہ بھی فرمایا، جیسا کہ یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

واَمَّا مَنْ خاف مَقَامَ رَبِّهٖ ونَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى، فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاوٰى (نازعات: ۴۰)

''اور جو ڈرتا ہوگا اپنے رب کے حضور کھڑا ہونے سے، اور (اپنے) نفس کو روکتا رہا ہوگا (ہر بری) خواہش سے، یقیناً جنت ہی اس کا ٹھکانہ ہوگا''۔

شیخ احمد زروق فرماتے ہیں کہ ''خشیت الٰہی کا وجود عمل پر برانگیختہ کرتا ہے۔ اور خشیت الٰہی سے مراد دل میں اللہ تعالیٰ کی عظمت و وقار کا پیدا ہونا ہے۔ اور خدا کے انتقام سے دل کے سہم جانے کو خوف کہتے ہیں۔[۱۳]

خوف اس شخص میں پیدا ہوتا ہے جو آئندہ پیش آنے والے خطرات کو بھانپ لیتا ہے۔ پھر احکام الٰہیہ کی پابندی کرتا ہے اور کسی حالت میں بھی فرائض کی بجا آوری میں کوتاہی نہیں کرتا۔ بلکہ اس کے لیے اپنی جان کی بھی پرواہ نہیں کرتا۔ اس وقت خوف ظاہری

Marfat.com

جسم سے روح کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔اس حالت میں عارف پر آہ و بکا کی جو کیفیت ہوتی ہے۔اس کا ادراک اہل صفا ہی کر سکتے ہیں۔

شیخ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت رابعہ بصریہ رحمہا اللہ تعالیٰ کو یہ مقام حاصل تھا۔کیونکہ ان پر اکثر آہ و بکا اور حزن کی کیفیت طاری رہتی تھی۔آپ جب بھی نار جہنم کا ذکر سنتیں تو پہروں آپ پر غشی طاری رہتی۔آپ کی سجدہ گاہ آنسوؤں کی کثرت کی وجہ سے چھوٹے سے حوض کی شکل اختیار کر گئی تھی،اور ایسے معلوم ہوتا تھا کہ نار جہنم کی تخلیق صرف آپ کیلئے ہے،درحقیقت آپ پر یہ کیفیت خشیت الٰہی کی وجہ سے طاری رہتی۔اور آپ کو یہ پختہ یقین تھا کہ نار جہنم کے علاوہ ہر چیز آسان ہے،اور اللہ تعالیٰ سے بعد اور دوری کے علاوہ ہر مصیبت سہل ہے۔

صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ محب کو جام محبت اسی وقت پلایا جاتا ہے۔جب اس کا دل خوف کی بھٹی سے گزر کر پختہ ہو جائے۔اور جس کو یہ کیفیت حاصل نہ ہو وہ آہ و بکا کی قدر و قیمت نہیں جان سکتا۔اور جس نے جمال یوسف (علیہ السلام) کا مشاہدہ نہ کیا ہو، وہ یعقوب (علیہ السلام) کے غم و حزن کا اندازہ نہیں لگا سکتا۔

بزرگ فرماتے ہیں کہ خائف وہ نہیں جو رونے کے بعد اپنے آنسوؤں کو صاف کرے، بلکہ حقیقت میں خائف وہ ہے جو ہر چیز کو ترک کر دے جس سے عذاب کا خوف ہو۔

حضرت ابوسلیمان درانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مافارق الخوف قلبا الاخرب [14]

''خوف جونہی دل سے جدا ہو تو وہ برباد ہو جاتا ہے''

تمام خائفین کا ایک ہی مرتبہ نہیں ہوتا۔بلکہ وہ خوف کے مختلف مراتب پر فائز ہوتے ہیں۔ابن عجیبہ رضی اللہ عنہ اس کے تین مراتب بیان فرماتے ہیں:

Marfat.com

(۱) عوام کا خوف:

ان کا خوف عقاب وعذاب اور ثواب سے محرومی کی وجہ سے ہوتا ہے۔

(۲) خواص کا خوف:

یہ عتاب الٰہی اور قرب کی سعادت سے محروم ہونے سے ڈرتے ہیں۔

خاص الخواص کا خوف:

یہ صرف اس لئے ڈرتے ہیں کہ سوءادب کی وجہ سے دیدار کی لذتوں سے محروم نہ ہو جائیں۔

Marfat.com

رجاء

شیخ احمد زروق فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان پر اعتماد کرنے سے دل میں جو سکون کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اسے رجاء کہتے ہیں۔ لیکن رجاء کے ساتھ ساتھ عمل بھی ضروری ہے۔ کیونکہ عمل کے بغیر رجاء خود فریبی ہے۔[15]

اللہ تعالیٰ نے ہمیں رجاء کی ترغیب دی ہے اور مایوسی سے روکا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلْ یاعبادی الَّذِیْن اسرفُوْا علی انْفُسهِمْ لاتقْنطُوْا منْ رّحْمة الله انّ الله یغْفرُ الذُّنُوْب جمیْعًا انّهٗ هُو الْغفُوْرُ الرّحِیْمُ (زمر: ۵۳)

''آپ فرمائیے اے میرے بندو! جنہوں نے زیادتیاں کی ہیں اپنے نفسوں پر، مایوس نہ ہوں جاؤ اللہ کی رحمت سے یقیناً اللہ بخش دیتا ہے سارے گناہوں کو، بلاشبہ وہی بہت بخشنے والا ہے''۔

اور اپنی وسعت رحمت کی بشارت دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

ورحْمتیْ وسعتْ کُلّ شیْءٍ (اعراف: ۱۵۶)

''میری رحمت کشادہ ہے ہر چیز پر''۔

اور اس کی بارگاہ سے رحمت کی امید رکھنے والوں کے بارے میں فرمایا:

Marfat.com

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اُولٰئِکَ یَرْجُوْنَ رَحْمَةَ اللّٰهِ (بقرہ:۲۱۸)

''بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور جہاد کیا اللہ کی راہ میں، تو یہی لوگ امید رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت کی''۔

احادیث طیبہ میں بھی اللہ تعالیٰ کی وسعت رحمت کا بیان ہوا ہے:

(i) عن ابی هریرة رضی الله عنه ، قال قال رسول اللهﷺ، والذی نفسی بیده، لولو تذنبوا لذهب الله بکم وجاء بقوم یذنبون فیستغفرون الله تعالی فیغفرلهم. (مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہﷺ نے ارشاد فرمایا: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ اگر تم گناہوں کا ارتکاب نہ کرو تو اللہ تعالیٰ تمہیں ختم کر کے ایک نئی قوم لے آئے جو گناہ کریں اور پھر اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کریں۔ اور اللہ تعالیٰ انہیں معاف فرما دے''۔

(ii) عن ابی موسی اشعری رضی الله عنه عن النبیﷺ ، قال یجیئی یوم القیامه ناس من المسلمین بذنوب امثال الجبال یغفرها الله لهم ویضعها علی الیهود والنصاری. (مسلم)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی پاکﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''قیامت کے دن بعض مسلمان پہاڑوں کی مثل گناہ لے کر آئیں گے اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کو معاف کر دے گا۔ اور ان گناہوں کو یہود و نصاریٰ پر رکھ دے گا''۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریمﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایک بندہ کو اپنے انتہائی قریب کرے گا اور اس کے گناہوں کا اقرار کرائے گا۔ اسے کہے گا کہ تم اپنے فلاں فلاں گناہ جانتے ہو۔ تو بندہ کہے گا ''ہاں، یا رب!'' اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ''میں نے دنیا میں

Marfat.com

تیرے گناہوں کی پردہ پوشی کی۔ اور آج تیرے ان گناہوں کو معاف کرتا ہوں"۔ پھر اس کو نیکیوں کا نامہ اعمال عطا کر دیا جائے گا۔ (مسلم۔ بخاری)

رجاء اور تمنا میں بہت فرق ہے کیونکہ راجی رضائے الٰہی کا خواہشمند ہونے کے ساتھ ساتھ عبادات اور طاعات کو ترک نہیں کرتا۔ جبکہ تمنا کرنے والا عبادات اور مجاہدات کو ترک کر کے اللہ تعالیٰ سے اجر و ثواب کا منتظر ہوتا ہے۔ اسی کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ "جس نے اپنے نفس کی پیروی کی اور اللہ تعالیٰ سے تمنا اور آرزو پر اکتفا کیا وہ عاجز ہے"۔

کیونکہ جو بھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے رجاء کا طالب ہو اسے چاہئے کہ اخلاص کے ساتھ محنت اور کوشش کرے یہاں تک کہ وہ اپنے مقصود کو پالے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی چیز کی طرف اس آیت کریمہ میں ارشارہ کیا ہے:

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْ لِقَاءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا (کھف: ۱۱۰)

"پس جو شخص امید رکھتا ہے اپنے رب سے ملنے کی، تو اسے چاہیئے کہ وہ نیک عمل کرے اور نہ شریک کرے اپنے رب کی عبادت میں کسی کو"۔

جب بندہ عروج شباب میں گناہوں میں مستغرق، نفسانی خواہشات میں گھرا ہوا ہو تو اسے چاہئے کہ وہ جانب خوف کو رجاء پر غالب رکھے۔ لیکن بڑھاپے میں جانب رجاء ہی غالب ہونی چاہیئے۔ کیونکہ حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ "میں بندہ کے ساتھ ایسا ہی سلوک کرتا ہوں جیسا کہ وہ میرے متعلق گمان رکھتا ہے"۔

اسی طرح حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں:

لا یموتن احدکم الا وھو یحسن الظنا باللہ عزوجل. (مسلم)

"آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "تم میں سے کوئی نہ مرے مگر اس حالت میں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں حسن ظن رکھتا ہو"۔

Marfat.com

سالک جب قرب الٰہی کے حصول کے لئے راہ سلوک کی منازل طے کر رہا ہو۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ خوف ورجاء دونوں کو مدنظر رکھتے۔ نہ تو خوف، رجاء پر غالب ہو کہ اللہ کی ءرحمت سے مایوس ہو جائے۔ اور نہ ہی رجاء، خوف پر غالب ہو کہ وہ معاصی اور گناہوں میں مستغرق ہو جائے۔ بلکہ اسے چاہیئے کہ ان دونوں کے درمیان محو پرواز رہے۔ حتیٰ کہ قرب الٰہی کی سعادتوں سے لطف اندوز ہو سکے۔ اسی کیفیت کی طرف اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں ارشارہ کیا ہے:

تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا (سجدہ:١٦)

''دور رہتے ہیں ان کے پہلو (اپنے) بستروں سے، پکارتے ہیں اپنے رب کو ڈرتے ہوئے اور اُمید کرتے ہوئے''۔

یعنی وہ اپنے رب کی عبادت کرتے ہیں جہنم کے خوف سے، اور جنت کے طمع میں اس سے دوری کے خوف سے، اور اس کے قریب کی خواہش میں اس کی بے رخی کے خوف سے، اور اس کی رضا کی خواہش میں۔

اہل رجاء کے مختلف مراتب ہیں جس طرح کہ ابن عجیبہ رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں: ''عوام کی رجاء یہ ہے کہ وہ حصول ثواب کے ساتھ حسن خاتمہ کے امید کرتے ہوئے''۔

یعنی وہ اپنے رب کی عبادت کرتے ہیں جہنم کے خوف سے، اور جنت کے طمع میں اس سے دوری کے خوف سے، اور اس کے قرب کی خواہش میں اس کی بے رخی کے خوف سے، اور اس کی رضا کی خواہش میں۔

اہل رجاء کے مختلف مراتب ہیں جس طرح کہ ابن عجیبہ رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں: ''عوام کی رجاء یہ ہے کہ وہ حصول ثواب کے ساتھ حسن خاتمہ کے امیدوار ہوتے ہیں۔ اور خواص، رضاء الٰہی اور اس کے قرب کے طالب ہوتے ہیں۔ اور خاص الخواص مشاہدہ حق میں تمکین اور اسرار خداوندی میں ترقی کے طلبگار ہوتے ہیں۔[١٦]

Marfat.com

صدق

وصول الی اللہ اور نجات کے راستہ پر گامزن سالک کا تین اوصاف سے متصف ہونا ضروری ہے:

(i) صدق (ii) اخلاص (iii) صبر

کیونکہ انسان تمام صفات کمال سے اسی طرح آراستہ ہوسکتا ہے جب وہ ان تین صفات سے متصف ہوگا۔ اور اسی طرح تمام اعمال کی قبولیت انہیں پر موقوف ہے۔ اور جب اعمال ان صفات سے خالی ہوں تو وہ درجہ مقبولیت تک نہیں پہنچ سکتے۔ کیونکہ صدق مدارج کمال میں ترقی اور اعمال صالحہ کا باعث ہے۔ اس لئے ابتداءً اس کے متعلق گفتگو کریں گے۔ پھر اخلاص، اور پھر اس کے بعد صبر۔ علمائے کرام نے صدق کی مختلف اقسام بیان فرمائی ہیں۔ حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لفظ صدق چھ معانی میں استعمال ہوتا ہے:

(۱) گفتگو اور کلام میں صدق

(۲) ارادہ اور نیت میں صدق

(۳) عزم میں صدق

(۴) عزم کی تکمیل میں صدق

Marfat.com

(۵) عمل میں صدق

(۶) تمام مقامات دین میں صدق

(۱) کلام اور گفتگو میں صدق

اس سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنی کلام اور گفتگو میں سچ کو اختیار کرے۔ ایفائے عہد اور وعدہ خلافی اسی میں داخل ہے۔

(۲) ارادہ اور نیت میں صدق

اس کا تعلق اخلاص سے ہے، یعنی اس کی تمام حرکات وسکنات خالص اللہ تعالیٰ کے لئے ہونی چاہئیں۔

(۳) عزم میں صدق

اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے تمام اعمال صالحہ کرنے کا پختہ ارادہ رکھتا ہو۔

(۴) عزم کی تکمیل میں صدق

اس سے مراد اس راہ میں آنے والی مشکلات کو آسانیوں میں بدلنے کا عزم مصمم کرے۔

(۵) عمل میں صدق

ظاہری اور باطنی اعمال میں مخلص ہو۔

(۶) مقامات دین میں صدق

مقامات دین سے مراد خوف، رجاء تعظیم، زہد، رضا، توکل اور حب الٰہی ہے۔ [۱۸]

قاضی زکریا انصاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ''صدق سے مراد وہ حکم ہے جو واقعہ کے مطابق ہو اور اس کے تین مقام ہیں: زبان، قلب اور افعال۔

(i) زبان: اس سے مراد یہ ہے کہ انسان واقعہ کی صحیح خبر بیان کرے۔

Marfat.com

(ii) **قلب**: اس سے مراد یہ ہے کہ وہ خبر کو پختہ ارادہ سے بیان کرے۔

(iii) **افعال**: اس سے مراد یہ ہے کہ وہ خبر بیان کرنے میں سستی نہ کرے۔

صدق کا سبب یہ ہے کہ صادق کو خبر پر مکمل اعتماد ہوتا ہے۔ اور اس کا ثمرہ یہ ہے کہ سچ بولنے والا خدا اور اس کی مخلوق کے نزدیک قابل ستائش ہوتا ہے۔ ۱۹

عوام الناس کا صدق صرف زبان تک ہی محدود ہوتا ہے۔ لیکن صوفیائے کرام کا مقام صدق اس سے کہیں بلند ہوتا ہے۔ کیونکہ ان کا صدق زبان کے علاوہ دل، افعال اور احوال کو بھی شامل ہوتا ہے۔

علامہ ابن ابی شریف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صوفیائے کرام کے نزدیک صدق سے مراد یہ ہے کہ ان کا ظاہر اور باطن یکساں ہو۔ یعنی سالک کے احوال اس کے اعمال کے برخلاف نہ ہوں اور اس کے اعمال اسکے احوال کے برعکس نہ ہوں۔ ۲۰

صوفیائے کرام کے نزدیک صدق وہ صفت ہے جس کی وجہ سے مدارج کمال میں ترقی کا عزم وہمت اور حوصلہ پیدا ہوتا ہے۔ اور اسی سے سالک صفات مذمومہ سے دور ہو جاتا ہے۔ اس اعتبار سے صدق سالک کے ہاتھ میں اللہ کی تلوار ہے جس سے راہ سلوک میں حائل ہونے والی تمام رکاوٹوں کو قطع کر دیتا ہے۔ اگر اس کے ہاتھ میں یہ تلوار نہ ہوتی تو کمالات کے مراتب میں ترقی نہ کر سکتا۔ بلکہ ہمیشہ مختلف قسم کے خطرات سے دوچار رہتا۔

علامہ ابن قیم فرماتے ہیں کہ لقاء الٰہی کی تیاری میں صدق، تمام اعمال صالحہ، ایمانی احوال، مقامات سالکین اور منازل سلوک کی چابی ہے۔ ان مقامات کی ابتداء خواب غفلت سے بیداری سے ہوتی ہے۔ پھر اس کے بعد توبہ، انابت، محبت، رجاء، خشیت تسلیم و رضا وغیرہ کی منازل ہیں۔ ان سب کی چابی لقاء الٰہی کی تیاری میں سالک کا صادق ہونا ہے۔ اور یہ چابی اللہ تعالیٰ کے دست قدرت میں ہے جس کے سوا نہ تو کوئی معبود ہے اور نہ ہی پروردگار۔ ۲۱

Marfat.com

جب سالک اپنے آپ کو صفت صدق سے آراستہ کر لیتا ہے تو ایمان کی بلند منازل کو حاصل کرنے میں اس کی رفتار میں تیزی آ جاتی ہے۔ کیونکہ صدق وہ قوت ہے جو اس کو آگے کی طرف دھکیلتی ہے، اور تمام منازل سلوک میں سالک سے متصف رہتی ہے۔ منازل سلوک میں پہلا مرحلہ یہ ہے کہ بندہ اپنے رب کی بارگاہ میں توبہ میں صادق ہو۔ اور سچی توبہ ہی اعمال صالحہ کی بنیاد اور مراتب کمال کا پہلا مرتبہ ہے۔

صدق، نفس امارہ کو مہذب بنانے اور اس کے امراض سے چھٹکارا حاصل کرنے میں بڑا ممد و معاون ہے۔ یہ دل کو خباثتوں سے پاک کر دیتا ہے۔ حتیٰ کہ اسے وہ کیفیت ذوق حاصل ہو جاتی ہے جس کا ذکر نبی پاک ﷺ نے اس حدیث پاک میں کیا ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

ذاق طعم الایمان من رضی باللہ تعالیٰ ربا وبالا سلام دینا و بمحمد نبیا۔ (مسلم، ترمذی)

اس نے ایمان کا ذائقہ چکھ لیا جس نے اللہ تعالیٰ کو اپنا رب، اسلام کو اپنا دین اور محمد ﷺ کو اپنا نبی ﷺ تسلیم کر لیا''۔

صدق کے ذریعہ ہی انسان شیطان کا مقابلہ اور اس کے وساوس سے چھٹکارا حاصل کر سکتا ہے۔ اور اسی کی وجہ سے انسان، شیطان کے مکر و فریب اور شر سے نجات حاصل کر لیتا ہے۔ اور شیطان اس کو گمراہ کرنے سے مایوس ہو جاتا ہے۔

صدق ہی انسان کے دل سے دنیا کی محبت نکالنے کا اہم ذریعہ ہے۔ یہ انسان کو باہمی تعاون اور ایثار اور مسلسل مجاہدہ پر برانگیختہ کرتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ دنیا کی محبت سے چھٹکارا اور دل پر اس کے غلبہ سے نجات حاصل کر لیتا ہے۔

صدق، حصول علم اور جہالت سے چھٹکارے کے لیے بھی ممد و معاون ہے۔ یہ انسان کو طلب علم میں استقامت، لگاتار جد و جہد، مصائب و مشکلات کو برداشت کرنے اور

Marfat.com

شب بیداری پر ابھارتا ہے، تا کہ وہ علم کثیر سے بہرہ ور ہو سکے۔ علمائے متقدمین نے اپنے صدق، اخلاص اور صبر کی وجہ سے ہی بلند مقام حاصل کیا۔

عمل کے میدان میں صدق، علم کا ثمرہ اور اس کی غایت ہے، کیونکہ یہ انسان کی دائمی ترقی اور کمال تک پہنچنے کا سبب ہے لیکن اس میں ازحد اخلاص کی ضرورت ہے۔ وگرنہ سالک میں حب شہرت، ریا اور اس جیسی دوسری امراض پیدا ہو جاتی ہیں۔ جو اس کے مطلوب و مقصود تک پہنچنے میں رکاوٹ بن جاتی ہے۔ لیکن اخلاص اس کے مقصود میں حائل ہونے والے تمام تر امراض کو زائل کر دیتا ہے۔ اور اس طرح انسان اپنا مقصود یعنی رضائے الٰہی اور اس کی معرفت و محبت پا لیتا ہے۔

اس بحث سے صدق کی اہمیت اور اس کے فوائد واضح ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نبوت اور رسالت کے بعد صدق ہی سب سے اعلیٰ درجہ ہے۔

شیخ ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صدق پر تصوف کا دارومدار اور اسی کے ساتھ اس کا نظام اور تکمیل وابستہ ہے۔ اور نبوت کے بعد اسی کا درجہ ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا۔ [21]

"اور جو اطاعت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول ﷺ کی، وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا یعنی انبیاء اور صدیقین اور صالحین، اور کیا ہی اچھے ہیں یہ ساتھی"۔

"یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنین کو اہل صدق کی صحبت اختیار کرنے کا حکم دیا ہے تا کہ وہ ان کے حال سے استفادہ اور ان کے صدق سے نفع حاصل کریں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

Marfat.com

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ. (توبہ:۱۱۹)

''اے ایمان والو۔ڈرتے رہا کرو اللہ سے اور ہو جاؤ سچے لوگوں کے ساتھ۔''

درج ذیل آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے صادقین کی قلت کی طرف اشارہ کیا ہے.اور انہیں مسلمانوں کا ممتاز گروہ قرار دیا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللهَ عَلَيْهِ.(احزاب:۲۳)

''اہل ایمان میں سے ایسے جواں مرد ہیں جنہوں نے سچا کر دکھایا جو وعدہ انہں نے اللہ تعالیٰ سے کیا تھا''۔

حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:''صالحین تو کثیر ہیں لیکن ان میں صادقین کی تعداد انتہائی کم ہے''۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے منافقین کی مذمت کی ہے جو اپنے ایمان اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ وعدہ میں صادق نہیں تھے،فرمایا:

فَلَوْ صَدَقُوا اللهَ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ.(محمد:۲۱)

''تو اگر وہ سچے رہتے اللہ تعالیٰ سے تو ان کے لیے بہتر ہوتا''۔

اللہ تعالیٰ نے اہل صدق کے بارے میں خبر دی ہے کہ قیامت کے دن ان کا صدق ثمر بار ہوگا۔اور اسی کے سبب انہیں نفع اور نجات حاصل ہوگی،جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصَّادِقِيْنَ صِدْقُهُمْ(مائدہ:۱۱۹)

''یہ ہے وہ دن جس میں فائدہ پہنچائے گا سچوں کو ان کا سچ''۔

نبی کریم ﷺ نے صدق کو نیکی تک پہنچانے والا راستہ قرار دیا ہے اور اس نیکی سے مراد وہ تمام کمالات وفضائل ہیں جو بندہ کو جنت میں داخل ہونے کا اہل بنا دیتے ہیں، جیسا کہ آپ ﷺ نے مرتبہ صدیقیت کے حصول کے لیے دائمی صدق کو کلید قرار دیا ہے۔

ارشاد نبوی ﷺ ہے:

Marfat.com

ان الصدق يهدی الی البروان البریهدی الی الجنة ان الرجل لیصدق حتی یکتب عنداللہ صدیقا وان الکذب یهدی الی الفجور، وان الفجور یهدی الی النار، وان الرجل لیکذب حتی یکتب عندا للہ کذابا.

(بخاری، مسلم)

''بے شک صدق نیکی کی طرف لے جاتا ہے اور نیکی جنت کی طرف، اور بے شک آدمی سچ بولتا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ کے ہاں صدیق لکھ دیا جاتا ہے۔ بے شک جھوٹ گناہ کی طرف لے جاتا ہے اور گناہ نار جہنم کی طرف۔ بے شک بندہ جھوٹ بولتا رہتا ہے حتی کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کذاب لکھ دیا جاتا ہے''۔

تمام صادقین کا ایک ہی مرتبہ نہیں ہوتا بلکہ صدیق کا مرتبہ صادق سے اعلیٰ ہوتا ہے۔ شیخ ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''صدق کا سب سے کم مرتبہ یہ ہے کہ انسان کا ظاہر اور باطن یکساں ہو۔ اور صادق وہ ہے جو اپنے اقوال میں سچا ہو۔ اور صدیق وہ ہے جو اپنے تمام اقوال وافعال اور احوال میں سچا ہو۔ ۲۲

پھر صدیقیت کے بھی مختلف مراتب ہیں۔ ان میں سے بعض اعلیٰ اور بعض درجہ کے لحاظ سے کم ہیں۔ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو صدیقیت کا سب سے اعلیٰ درجہ حاصل تھا، جس کی شہادت تو قرآن پاک نے بھی دی ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہی ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖ (زمر: ۳۳)

''اور وہ ہستی جو اس سچ کو لے کر آئی اور جنہوں نے اس سچائی کی تصدیق کی''۔

مقام صدیقیت سے اوپر مقام نبوت ہے اور مقام صدیقیت ہی ولایت کبریٰ اور خلافت عظمیٰ کا مقام ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں انوار وتجلیات کی بارش ہوتی ہے اور نفس کے کامل اور شفاف ہونے کی وجہ سے مشاہدات ومکاشفات حاصل ہوتے ہیں۔

Marfat.com

خلاصہ

جو شخص اپنے باطن کو صدق اور اخلاص کے ساتھ معمور کر لیتا ہے اس کی تمام حرکات وسکنات اس کے قلب کی آئینہ دار ہوتی ہیں۔ پھر اس کے اقوال واعمال اور احوال میں صدق ظاہر ہوتا ہے۔ کیونکہ جب انسان نیک کام کا ارادہ کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے اس کی توفیق عطا فرما دیتا ہے۔

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ راہ حق پر چلنے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے اقوال میں صدق اور اعمال میں اخلاص اور احوال میں صفا کو لازم پکڑے، اور جس میں یہ تمام صفات پائی جائیں وہ ابرار کی صف میں شامل ہو کر رضائے الٰہی کو پالیتا ہے۔ ۲۳

اے سالک! تجھے چاہیے کہ تو اپنے تمام اقوال میں صدق اختیار کرے کیونکہ کذب، منافقین کی صفت ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

آیۃ المنافق ثلاث، اذا حدث کذب، و اذا وعد اخلف، و اذا اوتمن خان. (بخاری، مسلم)

''منافق کی تین نشانیاں ہیں، جب وہ گفتگو کرے تو جھوٹ بولتا ہے۔ جب وہ وعدہ کرے تو اس کی خلاف ورزی کرتا ہے۔ اور جب اسے امین بنایا جائے تو خیانت کرتا ہے''۔ ۲۴

اے سالک! وصول الی اللہ کی طلب میں صادق ہو جا۔ کیونکہ بلند مقاصد کو صرف خواہشات سے حاصل نہیں کیا جا سکتا۔

اسی لیے کہا گیا ہے کہ وہ شخص وصال تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا جس کے دل میں صرف اس کی خواہش ہو، بلکہ محنت اور کوشش کے بغیر اس کا حصول ممکن نہیں، اپنے دل کو صدق کے ساتھ معمور کر لے تاکہ اس منزل مقصود تک پہنچنے کے لیے ہمت اور نشاط

Marfat.com

پیدا ہو سکے۔ اور جب تو ''یا اللہ'' کہے تو سچے دل سے کہہ۔ کیونکہ صدق اس کی بارگاہ میں مقبول ہے۔ اور اپنے مرشد اور ہادی کے ساتھ کئے وعدے پر صدق کے ساتھ قائم رہ۔ کیونکہ یہ تیری ترقی اور منزل مقصود تک جلدی پہنچنے میں مددگار ہے۔ اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کے احکام کی بجا آوری اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کی پیروی میں صدق کا مظاہرہ کر۔ تاکہ تجھے مقام عبدیت حاصل ہو جائے۔ یہ وہ مقام ہے جو تمام مراتب میں سالک کی آرزو ہوتا ہے۔

Marfat.com

اخلاص

تعریف: شیخ ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اخلاص، طاعت اور عبادت ک
قصداً اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص کر دینے کا نام ہے۔ یعنی عبادت کا مقصد صرف قرب الٰہی
حصول ہو۔ مخلوق خدا کے لئے تصنع، لوگوں کی تعریف حاصل کرنے یا اس کے علاوہ کوئی ا
مقصد پیش نظر نہ ہو۔ آپ فرماتے ہیں کہ ''اس کو یوں بھی تعبیر کیا جا سکتا ہے کہ اخلاص، عمل
مخلوق کے ملاحظہ سے پاک کرنے کا نام ہے''۔

☆ حضرت ابوعلی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اخلاص، مخلوق کے ملاحظہ ۔
بچنے کا نام ہے۔ مخلص میں ریا کا شائبہ تک نہیں ہوتا''۔

☆ حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ترک العمل من اجل الناس ریاوالعمل من اجل الناس شرک
والا خلاص ان یعافیک اللہ منھما[۲۵]

''لوگوں کی وجہ سے کسی عمل کو ترک کرنا ریا کہلاتا ہے۔ اور لوگوں کی خاطر عمل کر
شرک کہلاتا ہے۔ اور اخلاص یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے ان دونوں چیزوں سے بچالے''۔

Marfat.com

☆ امام جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''اخلاص اللہ اور بندے کے درمیان ایک راز ہے جس کو نہ تو کوئی فرشتہ جانتا ہے کہ وہ اسکولکھ لے۔ اور نہ ہی شیطان کی اس تک رسائی ہوتی ہے کہ اس کو فاسد کر دے۔ اور نہ ہی خواہش نفس اس کو پا سکتی ہے۔ کہ اس کو اپنی طرف مائل کر لے''۔

☆ شیخ الاسلام زکریا انصاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مخلص کا حق یہ ہے کہ وہ نہ تو اپنے اخلاص کی طرف توجہ دے اور نہ ہی اس پر مطمئن ہو۔ کیونکہ اگر اس نے ایسا کیا تو اس کا اخلاص مکمل نہیں ہوگا، بلکہ بعض نے تو اس کو ریا کا نام دیا ہے'' ۔[۲۶]

اخلاص کے بارے میں ان مختلف اقوال کا مقصد صرف ایک ہی ہے کہ اعمال تعبدیہ میں نفس کا کوئی دخل نہ ہو، خواہ یہ اعمال جسم کے ساتھ تعلق رکھتے ہوں یا دل اور مال کے ساتھ۔ مخلص کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اپنے اخلاص کی طرف متوجہ نہ ہو۔

کتاب وسنت میں اخلاص کی اہمیت:

چونکہ اعمال کی قبولیت اخلاص پر موقوف ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے تعلیم امت کے لئے نبی علیہ السلام کو عبادت میں اخلاص کا حکم دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(۱) قُلْ اِنِّیْ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّیْنَ (زمر:۱۱)

''فرمایئے، مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کروں خالص کرتے ہوئے اس کے لئے (طاعت کو)''۔

(۲) قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهُ دِیْنِیْ ۔(زمر:۱۴)

''فرمایئے، اللہ تعالیٰ کی ہی عبادت کرتا ہوں خالص کرتے ہوئے اس کے لیے اپنے دین کو''۔

(۳)۔ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّیْنَ۔ اَلَا لِلّٰهِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ (زمر:۲)

''پس آپ عبادت کریں اللہ کی خالص کرتے ہوئے اس کے لئے اطاعت کو،

Marfat.com

خبردار! اللہ کے لئے ہے دین خالص"۔

اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو تمام عبادات قولیہ، فعلیہ اور مالیہ میں

اخلاص کا حکم فرمایا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ (البینہ: ۵)

"حالانکہ نہیں حکم دیا گیا تھا انہیں مگر یہ کہ عبادت کریں اللہ تعالیٰ کی، دین کو اس

کے لئے خالص کرتے ہوئے"۔

اللہ تعالیٰ نے واضح بیان فرمادیا ہے کہ قیامت کے دن لقاء الٰہی کا راستہ صرف و

عمل صالح ہے جو خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کیا گیا ہو اور مخلوق کے ملاحظہ سے سا

ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا، وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَ

رَبِّهٖٓ اَحَدًا (کہف: ۱۱۰)

"پس جو شخص امید رکھتا ہے اپنے رب سے ملنے کی تو اسے چاہیئے کہ وہ نیک عمل

کرے اور نہ شریک کرے اپنے رب کی عبادت میں کسی کو"۔

احادیث طیبہ بھی بندہ کو اپنے تمام اعمال میں اخلاص کا درس دیتی ہیں۔ اور اس کو

تنبیہ کرتی ہیں کہ اس کی عبادت کا مقصد لوگوں کی تعریف وتوصیف حاصل کرنا نہیں ہو

چاہیے۔ اور ان میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ ہر وہ عمل جو خالص اللہ کے لئے نہ ہو، وہ قابل

قبول نہیں ہوتا۔ اور احادیث طیبہ یہ بھی واضح کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ بندہ کے ظاہری اعمال کی

طرف نہیں دیکھتا ہے کیونکہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہوتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ریا کو شرک اصغر اور پوشیدہ شرک کا نام دیا ہے۔ اور آپ ﷺ

نے یہ بھی خبر دی ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ریاکار سے بری ہو جائے گا۔ اور اس کو ان

لوگوں کے سپرد کر دے گا جن کو انہوں نے اپنے رب کی عبادت میں شریک بنایا تھا۔

Marfat.com

اب ہم بعض احادیث بیان کرتے ہیں جو اخلاص کی اہمیت کو واضح کرتی ہیں۔

(۱) عن ابی امامة قال: جاء رجل الی رسول اللہ ﷺ فقال: ارایت رجلا غزا یلتمس الاجر والذکر، ماله؟ فقال رسول اللہ ﷺ: لا شیئی له، فاعادها ثلاث مرات، ویقول رسول اللہ ﷺ: لا شیئی له، ثم قال: ان اللہ عزوجل لا یقبل من العمل الا ما کان له خالصا وابتغی به وجهه. (ابوداود نسائی)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ ''مجھے اس شخص کے بارے میں بتائیے جو اجر اور شہرت کے لئے جنگ میں شریک ہوا، اسے کیا ملے گا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اسے کچھ نہیں ملے گا''۔ اس آدمی نے تین دفعہ اس بات کا اعادہ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسے کچھ نہیں ملے گا''۔ پھر فرمایا: ''اللہ عزوجل اسی عمل کو قبول کرتا ہے جو خالص اسی کے لئے ہو اور جس سے اس کی رضا مقصود ہو''۔

(۲) عن ابی هریرة رضی اللہ عنه قال: قال رسول اللہ ﷺ: ان اللہ لا ینظر الی اجسامکم ولا الی صورکم ولکن ینظر الی قلوبکم. (مسلم)

''حضرت ابوھیرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ تمہارے جسم اور صورتوں کی طرف نہیں دیکھتا، بلکہ تمہارے دلوں کی طرف دیکھتا ہے''۔

(۳) عن شداد بن اوس رضی اللہ عنه انه سمع النبی ﷺ یقول: من صام یرائی فقد اشرک، ومن صلی یرائی فقد اشرک، ومن تصدق یرائی فقد اشرک. (بیهقی، الترغیب والترهیب ج ۲، ص ۳۱)

''حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے ریاکاری کے لئے روزہ رکھا اس نے شرک کیا اور جس نے ریاکاری کے لئے نماز پڑھی اس نے شرک کیا اور جس نے ریاکاری کے لئے صدقہ کیا

Marfat.com

اس نے بھی شرک کیا۔

(۴)عن محمود بن لبید قال: خرج النبیﷺ فقال: یا ایھا الناس ایاکم وشرک السرائر. قالوا: یارسول اللہﷺ! وما شرک السرائر؟ قال: یقوم الرجل فیصلی فیزین صلاتہ جاھدالمایری من نظر الناس الیہ، فذلک شرک السرائر. (رواہ ابن خزیمہ فی صحیحہ)

''حضرت محمود بن لبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ نبی کریمﷺ ایک دن اپنے خاشانۂ انوار سے باہر تشریف لائے اور فرمایا: ''اے لوگو! سرائر کے شرک سے بچو''۔ صحابہ نے عرض کی: ''سرائر کا شرک کیا ہے''؟ آپﷺ نے فرمایا کہ ''آدمی نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے اور نماز کو خوبصورت انداز میں ادا کرنے کی کوشش کرتا ہے تا کہ وہ لوگوں کو دکھائے۔ اور یہی سرائر کا شرک ہے''۔

(۵) حضرت محمود بن لبید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تمہارے متعلق سب سے زیادہ جس چیز کا مجھے خوف ہے وہ شرک اصغر ہے''۔ صحابہ نے عرض کی: ''یارسول اللہﷺ! یہ شرک اصغر کیا ہے''؟ آپﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اس سے مراد ریا ہے۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ جب لوگوں کو ان کے اعمال کی سزا دے گا تو ریا کاروں کو حکم دے گا ان لوگوں کی طرف جاؤ جن کیلئے تم دنیا میں ریا کاری کرتے تھے، اور دیکھو، کیا تمہیں ان کے پاس سے جزا ملتی ہے۔ (مسند امام احمد)

(۶) حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریمﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ اولین وآخرین کو جمع فرمائے گا تو ایک ندا دینے والا ندا دے گا: ''جس نے اپنے عمل میں کسی کو شریک ٹھہرایا۔ وہ اسی سے ثواب طلب کرے۔ بے شک اللہ تعالیٰ ان شرکاء سے مستغنی ہے''۔
(ترمذی)

Marfat.com

اخلاص کی اہمیت میں اقوال علماء:

☆ حضرت مکحول رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''جو شخص چالیس دن تک اخلاص پر عمل پیرا رہے تو اللہ تعالیٰ اس کی زبان سے حکمت و دانائی کے چشمے جاری کر دے گا''۔ ۲۷

☆ حضرت سہل بن عبداللہ تستری رضی اللہ عنہ سے عرض کی گئی کہ ''کون سی چیز نفس کے لئے سخت ترین ہے''؟ آپ نے فرمایا: اخلاص۔ کیونکہ اس میں نفس کا کوئی حصہ نہیں ہے''۔ ۲۸

☆ حضرت ابوسلیمان دارانی فرماتے ہیں:

اذااخلص العبد انقطعت عنه كثرة الوساوس والرياء.

''جب بندہ مخلص ہو جاتا ہے تو اس سے وساوس کی کثرت اور ریا ختم ہو جاتے ہیں''۔

☆ ابن عطاء اللہ سکندری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اعمال خالی ڈھانچوں کی مثل ہیں اور ان کی روح اخلاص ہے۔

☆ ابن عجیبہ رحمۃ اللہ علیہ اس کی شرح میں فرماتے ہیں کہ تمام اعمال خالی ڈھانچوں اور جسموں کی مانند ہیں۔ اور ان میں اخلاص کا پایا جانا روح کی حیثیت رکھتا ہے، جس طرح ڈھانچے روح کے ساتھ ہی قائم ہوتے ہیں۔ اگر روح نہ ہو، تو ان پر موت طاری ہو جاتی ہے۔ اسی طرح بدنی اور قلبی اعمال کا قیام اخلاص کے ساتھ ہوتا ہے۔ اگر ان میں اخلاص نہ ہو تو یہ صرف خیالی تصویر کی مانند ہوتے ہیں جن کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ ۲۹

اخلاص کے بارے میں علماء و عارفین کے اقوال شمار سے باہر ہیں۔

اخلاص کے مراتب:

ابن عجیبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اخلاص کے تین درجے ہیں:

(۱) عوام کا اخلاص (۲) خواص کا اخلاص (۳) خاص الخواص

Marfat.com

(۱) عوام کا اخلاص:

یہ ہے کہ یہ اخروی اور دنیوی دونوں نعمتوں کے طالب ہوتے ہیں۔ جیسے صحت، مال، وسعت رزق اور حور وقصور۔

(۲) خواص کا اخلاص:

ان کا اخلاص یہ ہے کہ یہ صرف اخروی نعمتوں کے طالب ہوتے ہیں۔

(۳) خاص الخواص کا اخلاص:

یہ کلیۃ دونوں نعمتوں سے اعراض کرتے ہیں۔ ان کی عبادت خالص اللہ تعالیٰ اور اس کے حکم کی بجا آوری اور اس کے دیدار کے شوق میں ہوتی ہے۔ جس طرح کہ ابن فارض فرماتے ہیں:

لیس سوالی من الجنان نعیما　　غیرانی احبھالا راکا

''جنت کی نعمتیں مجھے مطلوب نہیں، مگر میں ان سے صرف اس لئے محبت کرتا ہوں، تاکہ تیرے دیدار سے بہرہ ور ہوسکوں''۔

کلھم یعبدون من خوف نار　　ویرون النجاۃ حظا جزیلا

اوبان یسکنوا الجنان فیضحوا　　فی ریاض ویشربوا سلسبیلا

لیس لی فی الجنان والناررای　　انالا ابتغی بحبی بدیلا

(i) ''سب لوگ نار جہنم کے خوف سے اس کی عبادت کرتے ہیں۔ اور اس سے نجات کو بہت عظیم گمان کرتے ہیں''۔

(ii) ''یا اس لئے عبادت کرتے ہیں کہ جنتوں میں سکونت اختیار کریں اور باغوں میں سیر کریں اور سلسبیل نوش جان کریں''۔

(iii) ''لیکن مجھے جنت اور دوزخ کا کوئی خیال نہیں اور نہ ہی میں اپنی محبت کا کوئی بدل چاہتا ہوں''۔

Marfat.com

آپ فرماتے ہیں کہ شیخ کامل کے بغیر نفس کی شہوات اور ریاکاری کے دقائق سے چھٹکارا حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ ۲۳ے

صوفیائے کرام کا سب سے اعلیٰ مقصد اپنے اخلاص کے ساتھ بلند درجات میں ترقی کرنا اور ثواب کی خواہش کے بغیر خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے عبادت کرنا ہے۔

فما مقصود هم جنت عدن   ولا الحور الحسان ولا الخيام
سوى نظر الجليل وذامناهم   وهذا مقصد القوم الكرام

(i) ''جنات عدن ان کا مقصود نہیں، نہ ہی خوبصورت حوریں اور خیام''۔

(ii) ''وہ صرف اللہ تعالیٰ کی نظر کرم کے طالب ہیں اور یہ ان کی آرزو ہے اور یہی ان کریم لوگوں کا مقصد ہے''۔

قالت رابعة رحمها الله تعالىٰ ماعبدتك خوفا من نارك ولا طمعاى جنتك وانما عبدتك لذاتك

''حضرت رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا فرماتی ہیں: ''اے اللہ! میں نے تیری عبادت تیری آگ کے خوف سے نہیں کی۔ اور نہ ہی تیری جنت کے لالچ میں کی ہے۔ بلکہ میں نے تیری عبادت محض تیری ذات کے لئے کی ہے''۔

اگر ثواب وعقاب اور جنت ودوزخ کا وجود نہ ہوتا تب بھی اللہ کے محبوب بندے اس کی عبادت سے پیچھے نہ ہٹتے۔ اور نہ ہی اس کی اطاعت سے منہ پھیرتے۔ کیونکہ وہ اللہ کی عبادت صرف اللہ کے لئے کرتے ہیں۔ اور کیونکہ ان کے اعمال ایسے دل سے صادر ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی محبت سے معمور ہے اور وہ اس کے قرب اور رضا کے طالب ہوتے ہیں۔ کیونکہ انہیں اس کی نعمتوں اور انعامات کا ادراک ہوتا ہے اور انہوں نے اس کے احسانات کا ذائقہ چکھ لیا ہوتا ہے۔

اس کا مقصد یہ نہیں کہ وہ جنت میں داخل ہونے کو پسند نہیں کرتے۔ اور نہ ہی

Marfat.com

آگ سے دور ہونے میں رغبت رکھتے ہیں۔ جس طرح کہ بعض احمقوں نے یہ سمجھ لیا ہے بلکہ وہ آگ کو ناپسند کرتے ہیں اور اس سے ڈرتے ہیں۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی، غضب اور انتقام کا مظہر ہے۔ اور وہ جنت کو پسند کرتے ہیں اور اس کو طلب کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی محبت، رضا اور قرب کا مظہر ہے۔ جس طرح کہ حضرت آسیہ سلام اللہ علیہا (زوجہ فرعون) نے فرمایا:

رَبِّ ابْنِ لِیْ عِنْدَکَ بَیْتًافِی الْجَنَّۃِ. (تحریم:۱۱)

''اے میرے رب! بنادے میرے لئے اپنے پاس ایک گھر جنت میں''۔

انہوں نے جنت کو طلب کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے قرب اور عندیت کو طلب فرمایا۔ اور گھر سے پہلے پڑوس کو طلب فرمایا۔

کسی نے کیا خوب فرمایا ہے:

وما حب الديار شغفن قلبی ولكن حب من سكن الديار

''دیار کی محبت نے میرے دل کو مائل نہیں کیا، لیکن اس کی محبت نے جو اس دیار میں سکونت پذیر ہے''۔

یعنی جنت میں ان کی رغبت اللہ تعالیٰ کی رضا، قرب اور محبت کا باعث تھی۔ اسی طرح جب بندہ کی ہمت بلند اور اس کا مقصد اعلیٰ ہوتا ہے تو وہ بدنی لذائذ اور ذاتی نفع سے کنارہ کش ہو جاتا ہے خواہ یہ نفع دنیوی ہو یا اخروی۔ پھر بندہ اپنی تمام عبادات میں اللہ تعالیٰ کی محبت اور قرب کا طالب ہوتا ہے۔ اور خالص عبودیت سے متصف ہو جاتا ہے۔ بندہ کی ہمت کے مطابق ہی اس کا مطلوب و مقصود ہوتا ہے۔

ہمارا یہ مقصد نہیں ہے کہ جو شخص اپنی طاعت اور عبادت سے اخروی نعمتوں کا طالب ہو اور جنت کی لذات سے لطف اندوز ہونے اور نار جہنم سے چھٹکارا حاصل کرنے کا خواہشمند ہو، وہ گمراہ ہے۔ اور نہ ہی یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے وعدوں سے محروم ہے بلکہ وہ تو اطاعت گزار صالح مومن ہے۔ مگر اس کا مرتبہ ان لوگوں سے کم ہے جن کی نیتیں

Marfat.com

صاف اور ہمتیں بلند ہوں۔

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''جو شخص ثواب وعقاب سے بالاتر ہو کر صرف اللہ تعالیٰ کے لئے اس کے احکام کی پیروی کرتا ہے۔ اس کی عبادت خالص اللہ تعالیٰ کے لیے ہوتی ہے برخلاف اس شخص کے جو اللہ کی عبادت حصول ثواب اور عقاب کے خوف سے کرتا ہے۔ اس کی عبادت میں اس کے نفس کا حصہ بھی شامل ہوتا ہے اگرچہ یہ بھی اللہ کے نزدیک محبوب ہوتا ہے، لیکن اس کا شمار ابرار میں ہوتا ہے، جبکہ پہلے شخص کو مقربین کا درجہ حاصل ہوتا ہے۔[۲۴]

شیخ احمد زروق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''اللہ تعالیٰ کے نزدیک معظم چیزوں کی تعظیم ضروری ہے اور ان کو حقیر جاننا کفر کی حد تک پہنچ جاتا ہے، اس لیے صوفیائے کرام کے اس ارشاد ''ماعبدنا خوفامن ناره ولا طمعافي جنته'' (ہم نے اس کی عبادت آتش جہنم کے خوف اور اس کی جنت کے لالچ سے نہیں کی) کو اپنے اطلاق پر نہیں سمجھنا چاہیے۔ کیونکہ اس قول کے دو ہی مفہوم ہو سکتے ہیں: یا تو انہیں (جنت و دوزخ) حقیر جانا گیا، حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قابل تعظیم ہیں۔ اس لیے عام مسلمان سے بھی اس کی حقارت کا گمان نہیں کیا جا سکتا، یا ان سے مستغنی ہونے کی بنا پر یوں کہا گیا۔ حالانکہ مومن کسی حالت میں بھی اپنے مولیٰ کی برکت سے مستغنی نہیں ہو سکتا۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ صوفیائے کرام نے یہ مفہوم مراد نہیں لیا۔ بلکہ انہوں نے عبادت خالص اللہ تعالیٰ کے لئے کی اور اس عبادت کے بدلے میں جنت کا مطالبہ اور آتش جہنم سے نجات کا مطالبہ نہیں کیا۔ اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

انما نطعمکم لوجہ اللہ

ترجمہ: ''ہم تمہیں کھلاتے ہیں صرف اللہ تعلیٰ کی رضا کیلئے''

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی رضا کو عمل کی علت بنایا گیا ہے۔[۲۵]

Marfat.com

حجابات اخلاص:

بعض اوقات سالک کے عمل میں بہت سی آفات داخل ہو جاتی ہیں جو اس کے اخلاص کو عیب دار کر دیتی ہیں۔ اور منزل مقصود تک پہنچنے میں رکاوٹ بن جاتی ہیں۔ اس لیے ان آفات کی وضاحت اور سالکین کو ان کے خطرات سے آگاہ اور ان سے چھٹکارے کا طریقہ بیان کرنا ضروری ہے تاکہ سالک کے تمام اعمال خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہوں۔

حجاب اول:

بعض اوقات سالک اپنے عمل پر نازاں ہوتا ہے اور یہ چیز اس کے لئے حجاب کا باعث ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ اپنی عبادت میں گم ہو کر محبوب سے دور ہو جاتا ہے۔ اس سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ سالک کو چاہیئے کہ وہ اپنے عمل کو اللہ تعالیٰ کے فضل واحسان اور اس کی توفیق کا نتیجہ سمجھے۔ اور یہ ذہن میں رکھے کہ وہ اور اس کا عمل سب کچھ اللہ کے لئے ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاللّٰہُ خَلَقَکُمْ وَمَاتَعْمَلُوْنَ .(الصافات: ۹۶)

''حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں بھی پیدا کیا اور جو کچھ تم کرتے ہو''۔

یعنی تمام اعمال توفیق الٰہی سے سرانجام پاتے ہیں۔ بندہ کی طرف صرف کسب کی نسبت ہوتی ہے۔ جب انسان اپنے نفس کی صفات میں دقت نظر سے غور وفکر کرے اور اسے معلوم ہو جائے کہ اس کے نفس کی وہی حالت ہے جیسا کہ اس کے خالق و مالک نے بیان کی ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

ان النفس لا مارة بالسوء.

''بے شک نفس تو حکم دیتا ہے برائی کا''۔

تو وہ جان لے گا کہ اس سے جو بھی نیکی کا کام ہوتا ہے وہ محض اللہ کے فضل واحسان سے ہی ہوتا ہے۔ اس وقت اس پر اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد ''وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰہِ

Marfat.com

عَلَیْکُمْ وَرَحْمَتُہٗ مَازَکٰی مِنْکُمْ مِّنْ اَحَدٍ'' (نور:۲۱)

''اور اگر نہ ہوتا تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت نہ بچ سکتا تم میں سے کوئی بھی ہرگز'' کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔ حاصل کلام یہی ہے کہ انسان اپنے عمل پر فخر و اعجاب سے اسی وقت بچ سکتا ہے جب اسے اپنے نفس کی رعونات سے مکمل آگاہی ہو۔ لہٰذا انسان کو اس کی معرفت کے حصول کے لئے کوشاں رہنا چاہیئے۔

حجاب ثانی:

سالک کے لئے دوسرا حجاب یہ ہے کہ اپنے عمل پر عوض کا مطالبہ کرے۔ خواہ وہ عوض دنیاوی ہو یا اخروی۔ دنیاوی عوض سے مراد یہ ہے کہ وہ مختلف قسم کی خواہشات کا طالب ہو جیسے شہرت و رفعت مرتبہ کی خواہش وغیرہ۔ احوال، مقامات اور مکاشفات اور معارف کی طلب بھی اس میں داخل ہے۔ اسی لئے عارف باللہ ایسے سالک کو نصیحت فرماتے ہیں جو اپنے مطلوب و مقصود کو چھوڑ کر کسی دوسری چیز کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اے خواہشات اور عبادات کے اسیر! اے مقامات و مکاشفات کے اسیر! تو دھوکے میں ہے۔[۲۵]

اسے ان اشیاء کا اسیر اس لیے کہا گیا ہے، کیونکہ یہ تمام اشیاء غیر اللہ اور عالم خلق سے تعلق رکھتی ہیں اور ان کی طرف متوجہ ہونا، خالق کی معرفت میں رکاوٹ کا باعث ہوتا ہے، کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِلٰی رَبِّکَ مُنْتَھٰھَا (نازعات: ۴۴)

''آپ کے رب تک اس کی انتہا ہے''۔

شیخ عبدالغنی نابلسی رحمۃ اللہ علیہ اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''اگر تو اپنی طلب میں صادق ہوتا تو کسی خواہش، عبادت، مقام یا مکاشفہ کی طرف متوجہ نہ ہوتا، بلکہ تیرا مقصود حقیقی صرف اور صرف اللہ کی ذات ہوتا۔ تیرا عزم و حوصلہ خالص اللہ کے لئے ہوتا اور ماسوی اللہ سے تو اعراض کرتا''۔ پھر فرماتے ہیں کہ ابن عطاء اللہ سکندری رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''التنویر فی اسقاط التدبیر'' میں اپنے شیخ و مرشد ابوالعباس مرسی سے نقل فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ ''ولی اس وقت تک وصال کی منزل تک نہیں پہنچ سکتا، جب

Marfat.com

تک اس کے دل سے وصال کی خواہش ختم نہ ہو جائے۔"

کسی بزرگ کا فرمان ہے کہ "اگر میں ترقی کرتے ہوئے لامکان تک پہنچ جاؤں، اور پھر ایک لحہ بھی کسی دوسری شے میں مشغول ہو جاؤں۔ تو میں عقلمند نہیں کہلا سکتا۔"

ابن فارض فرماتے ہیں:

قال لی حسن کل شیئی تجلی بی تمل فقلت قصدی وراک

"حسن نے مجھے کہا: "ہر شے کا ظہور مجھ سے ہے، تھوڑی دیر مجھ سے لطف اندوز ہو جا۔" میں نے اس سے کہا: "میرا مقصود تجھ سے آگے ہے"۔

مخلوق کے حسن کی طرف متوجہ ہونا اور وہاں ٹھہرنا اپنے آپ کو خود فریبی میں مبتلا کرنے کے مترادف ہے۔ جو شخص ما سویٰ اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اس کو نصیحت کرتے ہوئے کسی بزرگ نے فرمایا:

ومهماتری کل المراتب تجتلی علیک فحل عنها فعن مثلها حلنا

"جو مراتب بھی تجھ پر ظاہر ہوں، تو ان سے آگے گزر جا، ہم بھی اس قسم کے مراتب سے گزر کر آئے ہیں"۔

ابن عطاء اللہ سکندری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سالک کی ہمت جب مکاشفہ پر اکتفا کرنے کا ارادہ کرتی ہے تو غیب سے ندا آتی ہے کہ "اے سالک! تیرا مقصود تو اس سے آگے ہے۔[۲۶]

سالک کا ان مقامات کو طلب کرنا اس کے نفس کی پوشیدہ خواہش ہے۔ کیونکہ وہ یا تو ان مقامات کو پالے گا اور اس پر مطمئن ہو کر اپنے اصل مقصد سے محجوب ہو جائے گا یا ان کو حاصل نہیں کر سکے گا، مگر ان کے حصول کے لئے محنت کرے گا، اور جب ان تک نہ پہنچ سکے گا تو اس کا عزم کمزور اور وہ خود مایوس ہو جائے گا۔ اس وقت وہ الٹے پاؤں پستی کی طرف لوٹے گا۔ ہاں، اگر کسی مرشد کامل کی توجہ میسر آ جائے تو اس مشکل سے چھٹکارا حاصل کر سکتا ہے ورنہ منزل مقصود سے دور ہی دور ہوتا چلا جائے گا۔

Marfat.com

اخروی عوض طلب کرنے سے مراد جنت میں داخل ہونے اور نار جہنم سے نجات کی خواہش کرنا ہے۔اس سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ اسے یقین ہو، جنت میں داخلہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہوگا نہ کہ اس کے عمل سے۔رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے:

لن یدخل احدکم الجنة بعمله ، قالوا : ولا انت یارسول الله ! قال: ولا انا، الاان یتغمدنی الله برحمته. (بخاری، مسلم)

''تم میں سے کوئی بھی اپنے عمل سے جنت میں داخل نہیں ہوگا''۔صحابہ نے عرض کی: ''آپ ﷺ بھی نہیں، یارسول اللہ ﷺ!'' فرمایا: ''ہاں میں بھی نہیں۔مگر جب اللہ کی رحمت مجھ پر سایہ فگن ہوجائے۔''

سالک کو اپنے عمل پر عوض طلب کرنے سے یہی چیز بچا سکتی ہے کہ وہ یقین کرے وہ محض اللہ تعالیٰ کا بندہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل واحسان کے بغیر جنت میں داخل ہونے اور نار جہنم سے نجات کا مستحق نہیں۔کیونکہ غلام اپنے آقا کی کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا۔اس کی ساری عبادات، حق عبودیت کو ادا کرنے کے لئے ہیں۔اور دنیا اور آخرت میں جو اسے اجر وثواب ملے گا، یہ محض اس کا فضل واحسان ہے۔اسی طرح عبادت کی توفیق بھی اسی کا فضل ہے۔جب سالک جان لے گا کہ یہ توفیق بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے ہے تو پھر اس کی نعمتوں کے شکر میں مصروف ہوجائے گا۔اور اس طرح اپنے عمل پر عوض طلب کرنے سے بچ جائے گا۔

حجاب ثالث:

اپنے اعمال کی وجہ سے دھوکہ میں مبتلا ہوجانا ہے۔اس سے نجات کے دو طریقے ہیں:

(۱) پہلا طریقہ:

اپنے اعمال میں پائے جانے والے عیوب سے مطلع ہونا۔کیونکہ بہت ہی قلیل اعمال ایسے ہوتے ہیں جو شیطان اور نفس کے حظ سے خالی ہوں۔خط شیطان کے بارے میں تو نبی کریم ﷺ نے ہماری راہنمائی فرمائی ہے۔جب آپ ﷺ سے نماز میں

Marfat.com

ادھر ادھر متوجہ ہونے کے بارے میں پوچھا گیا۔تو فرمایا: ''بندہ کی نماز کا یہ وہ حصہ ہے جو شیطان اس کی نماز سے چھین لیتا ہے''۔(بخاری)

ابن قیم فرماتے ہیں کہ جب نماز میں ایک لمحہ کے التفات کا یہ حال ہے تو دل کے ماسوی اللہ کی طرف التفات کرنے کا کیا حال ہوگا، یعنی اس میں تو حظ شیطان اس سے بھی بڑھ کر ہے۔''[۲۷]

جہاں تک حظ نفس کا تعلق ہے تو اس کو اہل بصیرت اور عارفین ہی جان سکتے ہیں۔

(۲) دوسرا طریقہ:

یہ ہے کہ سالک حقوق عبودیت اور اس کے ظاہری و باطنی آداب اور شرائط کی معرفت حاصل کرے۔دن رات عبادت میں مشغول ہونے کے باوجود بھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کسر نفسی کا اظہار کرے۔ایک عاجز اور ضعیف بندہ خالق کائنات کی عبودیت کے حقوق کما حقہ کیسے ادا کر سکتا ہے۔اسی لئے اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی تقصیر کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

وماقدرُوا اللہَ حَقَّ قَدْرِہٖ (زمر:۶۷)

''اور نہ قدر پہچانی انہوں نے اللہ تعالیٰ کی جس طرح قدر پہچاننے کا حق تھا''۔

خلاصہ کلام:

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اخلاص، عمل کو علل و اسباب اور شوائب سے پاک کرنے کا نام ہے خواہ ان اشیاء کا تعلق مخلوق سے ہو جیسے مخلوق کی مدح و تعریف کو پسند کرنا اور ان کی مذمت سے خوف کھانا۔ یا اس کا تعلق عمل سے ہو۔جیسے اپنے عمل کی وجہ سے دھوکہ میں مبتلا ہو جانا اور اس کے بدلے میں عوض طلب کرنا وغیرہ۔

اسی وجہ سے بلند ہمت عارفین اپنے دین کو اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کر دیتے ہیں اور اپنے دلوں میں جب اللہ تعالیٰ کی یہ ندا ''ففرُوْا الی اللہ'' پاتے ہیں، تو اس پر لبیک کہتے ہوئے اس کی بارگاہ میں حاضر ہو جاتے ہیں، جس طرح کہ کسی بزرگ کا فرمان ہے۔

''اے مولا! میں تمام لوگوں کو پیچھے چھوڑ کر تیری بارگاہ میں حاضر ہوا ہوں''۔

Marfat.com

صبر

علمائے کرام نے صبر کی مختلف تعریفیں کی ہیں۔ ان میں سب سے اہم ترین تین تعریفیں ہیں:

(۱) حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''صبر احکام الہیہ کی مخالفت سے دور ہونا، مصیبت کے رنج والم سہتے ہوئے پرسکون ہونے اور حالت فقر میں غنا کے ظاہر کرنے کا نام ہے''۔

(۲) امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''صبر یہ ہے کہ نفس کو پابند کیا جائے اس چیز پر جس کا تقاضا عقل یا شرع کرتی ہے۔ یا صبر، نفس کو ہر اس چیز سے روکنے کا نام ہے جس سے رکنے کا تقاضا عقل یا شرع کرتی ہے''۔

(۳) سید شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''غیر اللہ سے مصائب کی تکلیف کا شکوہ نہ کرنے کا نام صبر ہے۔ اس تعریف سے یہ مفہوم اخذ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شکوہ صبر کے منافی نہیں۔ بلکہ غیر اللہ سے شکایت صبر کے منافی ہے۔

کسی بزرگ نے دیکھا کہ کوئی شخص اپنے فاقے اور حاجت کی شکایت کسی دوسرے شخص سے کر رہا ہے تو فرمایا: اے شخص! تو اس ذات کی شکایت کر رہا ہے جو تجھ پر رحم کرنے والی ہے۔ ایسے شخص سے جو تجھ پر رحم نہیں کرنے والا ہے''۔

Marfat.com

پھر یہ اشعار پڑھے۔

واذا عرتک بلیة فاصبرلها　　صبرالکریم فانه بک اعلم

واذا شکوت الی ابن ادم انما　　تشکوا الرحیم الی الذی لایرحم

(i) ''جب تجھ پر کوئی مصیبت نازل ہوتو اس پر کریم لوگوں کی طرح صبر کر۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ تجھ سے بہتر جاننے والا ہے''۔

(ii) ''اور جب تو ابن آدم سے شکوہ کرے گا تو تو رحیم کا شکوہ کرے گا اس سے جو رحم کرنا نہیں جانتا''۔

صبر کی اقسام:

علمائے کرام نے صبر کی مختلف اقسام بیان کی ہیں۔ لیکن ان تمام تعریفوں کا مرجع درج ذیل تین تعریفات ہیں:

الصبر علی الطاعة (یعنی طاعت پر صبر کرنا)

اور اس سے مراد شریعت پر استقامت، مالی، بدنی اور قلبی عبادات پر دائمی پابندی، امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر دوام اختیار کرنا ہے۔ اور اس ضمن میں پیش آنے والے مصائب ومشکلات پر صبر کانا ہے۔ کیونکہ جو شخص بھی رسول اللہ ﷺ کا نائب ہونے کی حیثیت سے دین کی تبلیغ اور جہاد کا فریضہ انجام دیتا ہے۔ اس کے لئے اس قسم کے مصائب ومشکلات کا پیش آنا ضروری ہے۔ حضرت لقمان اپنے بیٹے کو وصیت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

یٰبُنَیَّ اقِم الصَّلٰوۃَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَاصْبِرْ مااصابک (لقمان:۱۷)

''اے بیٹے نماز قائم کرو، نیکی کا حکم دیا کرو اور برائی سے روکتے رہو اور صبر کیا کرو ہر مصیبت پر جو تمہیں پہنچے''۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں قسم اٹھائی ہے کہ چار صفات کے حاملین ہی نجات

Marfat.com

پانے والے ہیں: (۱) ایمان (۲) عمل صالح (۳) امت کو نصیحت کرنا (۴) صبر کرنا۔

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالْعَصْرِ، اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ، اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ (عصر)

''قسم ہے زمانہ کی، یقیناً انسان خسارہ میں ہے بجز ان خوش نصیبوں کے جو ایمان لے آئے اور نیک عمل کرتے رہے، نیز ایک دوسرے کو حق کی تلقین کرتے رہے اور ایک دوسرے کو صبر کی تاکید کرتے رہے''۔

(۲) الصبر عن المعاصی

(گناہوں سے صبر کرنا)

اس سے مراد نفس کی خواہشات سے مجاہدہ اور اس کی بے راہ روی کا مقابلہ، اور اس کی کجی کی اصلاح اور شر اور فساد کے ان اسباب کا قلع قمع کرنا ہے جن کو شیطان مشتعل کرتا ہے۔ جب انسان اپنے نفس کا مجاہدہ کر کے اس کو پاک کر دیتا ہے اور اس کو اس کی گمراہیوں سے روک دیتا ہے۔ تو وہ ہدایت کاملہ تک پہنچ جاتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا (عنکبوت: ۶۹)

''اور جو (بلند ہمت) مصروف جہاد رہتے ہیں ہمیں راضی کرنے کے لئے، ہم ضرور دکھا دیں گے انہیں اپنے راستے''۔

اور پھر اس کا شمار متقین میں ہوتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰی وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰی (الاعلیٰ: ۱۴، ۱۵)

ارشاد ہے:

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَی النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰی فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِیَ الْمَاْوٰی (نازعات: ۴۰، ۴۱)

Marfat.com

''اور جو ڈرتا ہوگا اپنے رب کے حضور کھڑا ہونے سے، اور اپنے نفس کو روکتا رہا ہوگا ہر بری خواہش سے، یقیناً جنت ہی اس کا ٹھکانہ ہوگا''۔

(۴) الصبر علی المصائب

''مصیبتوں پر صبر کرنا''

کیونکہ یہ دنیا امتحان اور آزمائش کی جگہ ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو مختلف قسم کے مصائب کے ذریعہ آزماتا ہے۔ اور خصوصاً مومنوں کو مختلف آزمائشوں میں مبتلا کرتا ہے۔ تاکہ مومن، منافق اور طیب اور خبیث کے درمیان فرق واضح ہو جائے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

الٓمّٓ ۝ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ (عنکبوت: ۱، ۲)

''کیا لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ انہیں تنی بات پر چھوڑ دیا جائے گا کہ وہ کہیں: ''ہم ایمان لے آئے'' اور انہیں آزمایا نہیں جائے گا''۔

برابر ہے کہ یہ مصائب نماز میں ہوں یا بدن میں یا اہل وعیال میں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَتُبْلَوُنَّ فِیْٓ اَمْوَالِکُمْ وَاَنْفُسِکُمْ (آل عمران: ۱۸۶)

''یقیناً تم آزمائے جاؤ گے اپنے مالوں سے، اپنی جانوں سے''۔

ارشاد فرمایا:

ولنَبْلُوَنَّکُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِیْنَ الَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْھُمْ مُّصِیْبَةٌ'' قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ. اُولٰٓئِکَ عَلَیْھِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّھِمْ وَرَحْمَةٌ (بقرہ: ۱۵۷،۵۶)

''اور ہم ضرور آزمائیں گے تمہیں کسی ایک چیز کے ساتھ یعنی خوف اور بھوک،

Marfat.com

اور کمی کرنے سے تمہارے مالوں اور جانوں اور پھلوں میں، اور خوشخبری سنایئے ان صبر کرنے والوں کو جب پہنچتی ہے انہیں مصیبت، تو کہتے ہیں: ''بے شک ہم صرف اللہ ہی کے ہیں اور یقیناً ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں''۔ یہی وہ خوش نصیب ہیں جن پر ان کے رب کی طرح طرح کی نوازشیں اور رحمت ہے''۔

بے شک مومن صادق ان مصائب کو صبر و تسلیم بلکہ رضا و خوشی کے ساتھ برداشت کرتا ہے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اس کے خالق کی طرف سے نازل کردہ مصائب اس کے گناہوں کا کفارہ اور اس کی سیئات کو مٹانے کا سبب ہیں۔ جس طرح کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''مومن کو جو تھکاوٹ، مرض، غم و حزن اور تکلیف حتیٰ کہ جو کانٹا بھی اسے چبھتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے اس کے گناہوں کا کفارہ بنا دیتا ہے''۔ اسی طرح اسے یہ بھی معلوم ہے کہ یہ مصائب و مشکلات اللہ کے نزدیک صبر کرنے والے مومنوں کے درجات و منازل کو بلند کرتے ہیں۔ جب کہ وہ ان مصائب کو بہ رضا و تسلیم قبول کرے۔ جس طرح کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''بندہ جب کسی منزل کو اپنے عمل کے ساتھ نہیں پا سکتا، تو اللہ تعالیٰ اس کو جان، مال اور اہل کی آزمائش میں مبتلا کر دیتا ہے اور پھر اس کو صبر کی توفیق عطا کر دیتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ اس منزل کو حاصل کر لیتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے مقدر میں لکھی ہوتی ہے''۔

صبر کی فضیلت اور اہمیت:

صبر نصف ایمان ہے، انسان کی سعادت کا راز، آزمائش سے عافیت کا مصدر و منبع، مصائب و مشکلات سے بچنے کا ذریعہ اور مجاہدہ نفس کے لئے بہترین ہتھیار ہیں۔ یہ نفس کو شرعی احکام پر استقامت اختیار کرنے پر ابھارتا ہے اور اس کو گمراہی اور فساد کی اتھاہ گہرائیوں میں گرنے سے بچاتا ہے۔ اسی اہمیت اور بلند مرتبہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ستر مقامات پر اس کا ذکر کیا ہے، کبھی تو اللہ تعالیٰ صبر کرنے کا حکم دیتا ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِسۡتَعِیۡنُوۡا بِاللّٰہِ وَ اصۡبِرُوۡا (اعراف: ۱۲۸)

Marfat.com

''اللہ سے مدد طلب کرو اور صبر کرو''۔

اور کہیں صبر کرنے والوں کی تعریف کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالصَّابِرِيْنَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِيْنَ الْبَأْسِ، اُوْلٰئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَاُوْلٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ (بقرہ: ۱۷۷)

''صبر کرتے ہیں مصیبت میں اور سختی میں اور جہاد کے وقت، یہی لوگ ہیں جو راست باز ہیں اور یہی لوگ حقیقی پرہیز گار ہیں''۔

اور کہیں خبر دیتا ہے کہ وہ صابرین سے محبت کرتا ہے:

وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصَّابِرِيْنَ (آل عمران: ۱۴۶)

''اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کو پسند کرتا ہے''۔

اور کہیں صابرین کیلئے اپنی معیت کو اختیار کرتا ہے، فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصَّابِرِيْنَ

''اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے''۔

اور ایک مقام پر فرماتا ہے کہ صبر کرنے والوں کو بغیر حساب کے اجر دے گا۔

اِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ (زمر: ۱۰)

''صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بے حساب دیا جائے گا''۔

ایک مقام پر ارشاد ہوتا ہے کہ ہدایت دینے والے مرشدین نے یہ مقام صبر کی ہی بدولت حاصل کیا ہے:

وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا. (السجدہ: ۲۴)

''اور ہم نے بنا دیا ان میں سے بعض کو پیشوا، وہ راہبری کرتے رہے ہمارے حکم سے جب تک وہ صابر رہے''۔

احادیث طیبہ میں بھی صبر کی فضیلت کو بڑے حسین پیرائے میں بیان کیا گیا ہے۔

Marfat.com

ان میں یہ واضح طور پر بیان کر دیا گیا ہے کہ زندگی کی مشکلات اور حوادثات پر صبر کرنا مومن کی زندگی میں گہرے نقوش چھوڑتا ہے بلکہ نبی کریم ﷺ کی تمام زندگی صبر، جہاد اور قربانی کا بہترین نمونہ ہے۔ آپ ﷺ نے مصائب و مشکلات میں صبر کر کے ہمارے لیے بہترین اسوۂ حسنہ چھوڑا ہے۔

صبر احادیث طیبہ کی روشنی میں:

(۱) عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ ان النبی ﷺ قال ما اعطی احدمن عطاء خیرا اوسع من الصبر. (بخاری، مسلم)

''حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''صبر سے بہتر اور وسیع عطیہ کسی کو نہیں دیا گیا''۔

(۲) وعن صھیب بن سنان رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ، عجبا لا مرالمومن امرہ کلہ لہ خیر، ولیس ذلک لاحد الا للمومن، ان اصابتہ سراء شکر فکان خیرا لہ، وان اصابتہ صنواء صبر فکان خیرلہ. (مسلم)

''حضرت صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''مومن کا معاملہ بھی قابل تعجب ہے۔ اس کا ہر معاملہ بھلائی پر مبنی ہے اور یہ سعادت صرف مومن کو ہی حاصل ہے۔ اگر اسے خوشحالی کی نعمت نصیب ہو تو وہ اس کا شکر یہ ادا کرتا ہے اور یہ اس کے لئے خیر ہے۔ اور اگر کسی مصیبت میں مبتلا ہو تو وہ صبر کرتا ہے اور یہ بھی اس کے لئے خیر ہے''۔

(۳) قال رسول اللہ ﷺ المسلم الذی یخالط الناس و یصبر علی اذاھم خیر من الذی لا یخالطھم و لا یصبر علی اذاھم (ترمذی)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو ''شخص لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہتا ہے اور ان کی اذیتوں پر صبر کرتا ہے، وہ اس سے بہتر ہے جو لوگوں کے ساتھ مل جل کر نہیں رہتا اور

Marfat.com

ان کی اذیتوں پر صبر نہیں کرتا''۔

(۴) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک نبی کا واقعہ بیان کیا کہ ان کی قوم نے انہیں مار مار کر لہولہان کر دیا وہ اپنے منہ سے خون صاف کرتے، اور فرماتے، **اللھم اغفر لقومی فانھم لا یعلمون۔**

''اے اللہ! میری قوم کو معاف فرما دے یہ مجھے نہیں جانتے''۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں اب بھی نبی کریم ﷺ کو یہ واقعہ بیان کرتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔ (بخاری، مسلم)

(۵) حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر اذیت پر صبر کرنے والا کوئی نہیں، کیونکہ اس کے ساتھ غیر کو شریک ٹھہرایا جاتا ہے۔ اور اس کے لیے بیٹا بنا دیا جاتا ہے لیکن اس کے باوجود بھی انہیں معاف فرما دیتا ہے اور انہیں رزق دیتا ہے۔ (مسلم۔ بخاری)

صالحین کا صبر کو اختیار کرنا اور اس کی دعوت دینا

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کی ہے اور انہیں صبر نبی کریم ﷺ سے وارثت میں ملا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اسلام کی اشاعت میں سر توڑ کوشش کی۔ اور اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسے ایمان سے نوازا جس میں مایوسی کا نام ونشان تک نہ تھا۔ اور ایسا عزم وحوصلہ اور ثابت قدمی عطا فرمائی جس میں ضعف اور کمزوری نہ تھی۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے تابعین نے روحانی فیض حاصل کیا۔ اور پھر اسی طرح یہ فیض مختلف ادوار طے کرتا ہوا ہم تک پہنچا۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

لا یزال طائفة من امتی ظاھرین حتی یاتی امر اللہ وھم ظاھرون (بخاری)

''میری امت کا ایک گروہ حق پر غالب رہے گا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کا حکم (قیامت)

Marfat.com

آ جائے گا۔ اور وہ غالب ہی ہوں گے''۔

☆ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کا جب بیٹا وفات پا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ نے اس کی روح قبض کرنے کا ارادہ فرمایا، میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں ایسی محبت سے جو اللہ کے ارادہ کے مخالف ہو''

☆ صبر کے بارے میں حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ بڑا سبق آموز ہے۔ آپ ایک دن حدیث پاک کا درس دے رہے تھے کہ آپ کو بچھو نے سولہ بار ڈنگ مارا جس کی وجہ سے آپ کا رنگ متغیر ہو گیا لیکن آپ نے حدیث پاک کی تعظیم کی وجہ سے اپنی کلام کو قطع نہ کیا۔ ۲۸

☆ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ ایک مریض کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔ دوران گفتگو اس مریض کی چیخ نکلی تو حضرت ذوالنون نے فرمایا: **لیس بصادق فی حبه من لم یصبر علی ضربه** ''جو اس کی ضرب پر صبر نہ کرے وہ محب صادق نہیں''۔ تو اس مریض نے جواب دیا۔ **بل لیس بصادق فی حبه من لم یتلذذ بضربه**۔ بلکہ جو اس کی ضرب سے لطف اندوز نہ ہو وہ محب صادق نہیں''۔ ۲۹

☆ ابن شبرمہ رحمۃ اللہ علیہ پر جب کوئی مصیبت نازل ہوتی تو فرماتے: ''یہ تو بادل ہے تھوڑی دیر بعد چھٹ جائے گا''۔

☆ صبر کے بارے میں صوفیائے کرام نے بڑی عمدہ اور تعجب خیز کلام فرمائی ہے۔

☆ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ سے صبر کے متعلق پوچھا گیا، تو آپ نے فرمایا:

صابر الصبر فاستغاث به الصبر　　　فصاح المحب بالصبر صبرا

''وہ صبر پر غالب آ گیا اور صبر نے اس سے مدد کی درخواست کی تو محب نے صبر سے کہا، صبر کر''۔

صوفیائے کرام کو اللہ تعالیٰ نے عظیم محاسن اور خوبیوں سے نوازا ہے۔ یہی وہ لوگ

Marfat.com

ہیں جنہوں نے صبر کے سائے میں اللہ تعالیٰ کی بھرپور خوشنودی حاصل کی، اوران پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد صادق آتا ہے:

اَلَّذِیْنَ اِذَا اَصَابَتْھُمْ مُّصِیْبَۃٌ قَالُوْا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

(البقرہ:١٥٦)

''جو کہ جب پہنچے انہیں کوئی مصیت تو کہتے ہیں:''بے شک ہم اللہ ہی کے ہیں اور یقیناً ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں''۔

ان کا صبر اللہ کے لئے ہوتا ہے اور وہ اسی کی بارگاہ میں رجوع کرتے ہیں۔اس لئے وہ اس بات کے سزاوار ہیں کہ انہیں ان کا پروردگار بغیر حساب وکتاب کے اجروثواب عطا فرمائے۔اور صابرین کے لئے اجر بھی کیا خوب ہے!ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اُولٰئِکَ عَلَیْھِمْ صَلَوَاتٌ مِّنْ رَّبِّھِمْ وَرَحْمَۃٌ (بقرہ:١٥٧)

''یہی وہ خوش نصیب ہیں جن پر ان کے رب کی طرح طرح کی نوازشیں اور رحمت ہے''۔

رسول اللہ ﷺ کی ذات صبر میں صوفیائے کرام کیلئے بہترین نمونہ ہے۔ آپ ﷺ جب بھی کسی آزمائش سے گزرتے، آپ ﷺ کے صبر اور ثابت قدمی میں مزید اضافہ ہو جاتا۔کیونکہ یہی انبیاء ورسل علیہم الصلوٰۃ والسلام کی سنت ہے۔جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَاصْبِرْ کَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ (احقاف:٣٥)

''پس اے محبوب آپ ﷺ صبر کیجئے جس طرح اولوالعزم رسولوں نے صبر کیا ہے''۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو دین کی دعوت میں مشکلات برداشت کرنے اور مشرکین کی اذیتوں پر صبر کرنے کا حکم فرمایا۔ارشاد فرمایا:

وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُکَ اِلَّا بِاللّٰہِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَیْھِمْ وَلَا تَکُ فِیْ ضَیْقٍ مِّمَّا یَمْکُرُوْنَ..(نحل:١٢٧)

Marfat.com

''اور آپ ﷺ صبر فرمایئے اور نہیں ہے آپ ﷺ کا صبر مگر اللہ کی توفیق سے، اور رنجیدہ نہ ہوا کریں ان پر اور نہ غمزدہ ہوا کریں ان کی فریب کاریوں پر''۔

خلاصہ کلام:

یہ ہے کہ صبر انبیاء علیہم الصلوٰہ والسلام کی صفت، اصفیاء کا زیور، نیکیوں کی کلید اور قرب الٰہی کا راستہ ہے۔ سالک کسی مرحلہ میں بھی اس سے مستغنی نہیں ہوسکتا ہے۔ کیونکہ ہر مقام کے لیے صبر ہوتا ہے جو اس کے مناسب ہوتا ہے۔

ابن عجیبہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

الصبر حبس القلب علی حکم الرب.

''صبر پروردگار کے حکم پر دل کو پابند کرنے کا نام ہے''۔

عام لوگوں کا صبر، احکام الٰہیہ کی مخالفت کو ترک کرنا اور طاعت کی مشقوں پر دل کو پابند کرنا ہے۔ اور خاص لوگوں کا صبر، مجاہدہ اور ریاضت پر نفس کو پابند کرنا اور حجابات کو اٹھانے کا مطالبہ کرنا اور دائمی حضوری میں مراقبہ قلب کے ساتھ راہ سلوک کے مصائب کو برداشت کرنا ہے۔

خاص الخواص کا صبر: مشاہدہ حق میں روح اور سر کو پابند کرنے کا نام ہے یا حریم ناز میں حاضری اور دائمی دیدار پر روح کو پابند کرنے کا نام ہے۔[۳۰]

صدق، اخلاص اور صبر یہ تینوں صفات راہ سلوک کے بنیادی ارکان ہیں۔ اور جس شخص نے اپنے سلوک کی بنیاد ان صفات پر نہ رکھی وہ اس قافلہ عشق و مستی سے منقطع ہو جاتا ہے، اگرچہ اس کا یہی گمان ہوتا ہے کہ وہ اس قافلہ کے ساتھ ہے۔ وہ راستہ میں ہی رک جاتا ہے۔ اگرچہ وہ اپنے گمان کے مطابق منزل مقصود کی طرف رواں دواں ہوتا ہے۔

اخلاص کی حقیقت توحید مطلوب ہے جس طرح کہ صدق کی حقیقت توحید طلب ہے۔ اور ان چیزوں پر صبر کرنا عین کمال ہے۔

Marfat.com

ورع

ورع کی تعریف اوراس کے مراتب

سید جرجانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

هو اجتناب الشبهات خوفا من الوقوع في المحرمات [۳۱]

''محرمات میں واقع ہونے کے خوف سے شبہات سے اجتناب کرنا ورع کہلاتا ہے''۔

علامہ محمد بن علان صدیقی فرماتے ہیں کہ ''ایسی چیز کو ترک کر دینا جس میں کوئی حرج نہ ہو، اس چیز سے بچنے کیلئے جس میں حرج ہو''۔

ابن عجیبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''ورع سے مراد نفس کو ایسی چیز کے ارتکاب سے روکنا ہے جس کا انجام ناپسندیدہ ہو''۔

ورع کی وضاحت کے لئے ہم اس کے وہ مراتب بیان کرتے ہیں جن کو حاصل کرنے کے لئے سالک کوشاں رہتا ہے:

عوام کا ورع: شبہات کو ترک کر دینا ہے تاکہ وہ احکام الٰہیہ کی مخالفت میں مبتلا نہ ہو جائیں، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''بے شک حلال واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے۔ اور ان دونوں کے درمیان کچھ مشتبہ امور ہیں جن کو اکثر لوگ نہیں جانتے۔ پس جو شخص شبہات سے بچا، اس نے اپنے دین اور عزت کو بچالیا اور جو شبہات میں واقع ہوا وہ

Marfat.com

حرام میں واقع ہو جاتا ہے، اس چرواہے کی طرح جو چراگاہ کے اردگرد اپنے جانور چراتا ہے ممکن ہے کہ وہ اس چراگاہ میں چرنے لگیں۔ خبردار! بے شک ہر بادشاہ کے لئے خاص چراگاہ ہوتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی چراگاہ اس کے محارم ہیں۔ (بخاری)

خواص کا ورع: ہر اس چیز کو ترک کر دینا ہے جو دل کو مکدر کرے، اور اس کی پریشانی کا باعث ہو۔ یہ لوگ دل میں کھٹکنے والے خواطر اور سینے میں پیدا ہونے والے وساوس سے بھی احتراز کرتے ہیں۔ ان کے دل اتنے پاکیزہ اور صاف ہوتے ہیں کہ کبھی وہ کسی امر میں متردد ہوتے ہیں۔ یا کسی حکم کے بارے میں شک میں مبتلا ہوتے ہیں تو یہ انہیں فوراً تنبیہ کر دیتے ہیں۔ اور اسی کی طرف رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس ارشاد میں اشارہ کیا ہے کہ ''اس چیز کو ترک کر دو جو تمہیں شک میں ڈال دے اور اس کو اختیار کرو جو تمہیں شک میں نہ ڈالے''۔

مزید ارشاد فرمایا:

البر حسن الخلق والاثم ماحاک فی نفسک وکرھت ان یطلع علیه الناس. (مسلم)

''نیکی حسن خلق کا نام ہے۔ اور گناہ وہ چیز ہے جو تیرے دل میں کھٹکے اور تو ناپسند کرے کہ لوگ اس پر مطلع ہوں''۔

اسی کے بارے میں حضرت امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مارایت اسھل من الورع ماحاک فی نفسک فاترکه[۳۱]

''میں نے ورع سے آسان ترین چیز نہیں دیکھی، پس جو چیز تمہارے دل میں کھٹکے اسے ترک کر دو''۔

خاص الخواص کا ورع: یہ ہے کہ وہ غیر اللہ سے تعلق منقطع کر لیتے ہیں اور غیر سے طمع و لالچ کا دروازہ بند کر کے اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہو جاتے ہیں۔ اور اس کے علاوہ کسی چیز کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ یہ ان عارفین کا ورع ہے جو یہ خیال کرتے ہیں کہ ہر جو شے اللہ

Marfat.com

سے غافل کردے وہ بدبختی کی علامت ہے۔

شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''ورع یہ ہے کہ تو اللہ کے سوا ہر چیز سے کنارہ کش ہو جائے'' ۔۳۲

ورع کی فضیلت:

مذکورہ بحث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ورع تمام صفات کمالیہ کے لئے جامع صفت ہے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ مکہ شریف میں داخل ہوئے تو آپ نے دیکھا کہ حضرت علی بن ابی طالب کی اولاد اطہار میں سے ایک نوجوان کعبہ شریف سے ٹیک لگائے وعظ کر رہا تھا۔ آپ اسی مجلس میں ٹھہر گئے اور پوچھا کہ ''دین اسلام کا خلاصہ اور جوہر کیا ہے''؟ اس نے جواب دیا۔ پھر سوال کیا کہ ''دین میں آفت کیا ہے؟'' اسنے جواب دیا: ''طمع'' حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اس جواب سے بڑے متعجب ہوئے اور فرمایا: ''ایک ذرہ ورع ہزار ہا نماز، روزے سے بہتر ہے''۔

حضرت ابن عطاء اللہ سکندری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بندہ کے فہم پر اس کا کثیر علم اور اپنے اوراد پر ہمیشگی دلالت نہیں کرتے، بلکہ اس کے فہم اور نور قلب پر یہ بات دلالت کرتی ہے کہ وہ اپنے رب کے ساتھ غیر سے مستغنی ہو جائے اور اس کا دل اسی کی طرف مائل ہو اور حرص وخواہش کی غلامی سے آزاد ہو، اور ورع کے زیور سے آراستہ ہو۔'' ۳۳

ورع کی عظمت اس سے بڑھ کر کیا ہوگی کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے اس کو عبادت کا سب سے اعلیٰ درجہ قرار دیا ہے۔ آپ ﷺ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: ''اے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ! صاحب ورع بن جا، تو تمام لوگوں سے زیادہ عبادت گزار بن جائے گا۔'' (ابن ماجہ)

یہی وجہ ہے کہ ورع، اللہ تعالیٰ کی عطا اور اس سے حصول فیض کا راستہ ہے جس طرح کہ حضرت یحییٰ بن معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''جو ورع کی باریکیوں میں غور وفکر نہیں کرے گا تو اللہ تعالیٰ کی عطائے عظیم تک نہیں پہنچ سکتا''۔

Marfat.com

ورع احادیث کی روشنی میں:

ورع کی اہمیت، بلند رتبہ، رفعت شان اور اس کے عظیم آثار کی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے کثیر احادیث میں اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ ان میں بعض احادیث یہاں ذکر کی جاتی ہیں۔

☆ حضرت عطیہ بن عروۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''بندہ متقین کا درجہ حاصل نہیں کرسکتا حتی کہ نا قابل اعتراض چیز کو ترک کردے، قابل اعتراض چیز سے بچنے کے لئے''۔

☆ **عن حذیفة بن یمان رضی اللہ عنه قال،قال رسول اللہ ﷺ فضل العلم خیر من افضل العبادة وخیر دینکم الورع (طبرانی۔ بزار)**

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''علم کی فضیلت، عبادت کی فضیلت سے بہتر ہے۔ اور تمہارے دین میں سے بہترین چیز ورع ہے''۔

☆ **عن انس رضی اللہ عنه قال، قال رسول اللہ ﷺ، ثلاث من کن فیه استوجب الثواب واستکمل الایمان: خلق یعیش به فی الناس وورع یحجزه عن محارم اللہ وحلم یرد به جهل الجاهل (بزار)**

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''تین چیزیں جس میں پائی جائیں وہ ثواب کا مستحق ہوتا ہے اور اس نے ایمان کو مکمل کرلیا۔

(i) ایسا اخلاق جس کے ساتھ لوگوں میں زندگی گزارے۔

(ii) ایسا ورع جو اس کو اللہ تعالیٰ کی محارم سے روک دے۔

(iii) ایسا علم جس کے ساتھ جاہل کی جہالت کو روک دے۔

☆ **عن انس رضی اللہ عنه ان النبی ﷺ وجد تمرة فی الطریق فقال، لولا انی اخاف ان تکون من الصدقة لا کلتها. (بخاری. مسلم)**

Marfat.com

''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے راستہ میں پڑی ہوئی ایک کھجور پائی۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر مجھے یہ خوف نہ ہو کہ کہیں یہ صدقے کی نہ ہو۔ تو میں اسے کھا لیتا''۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے صدقے کی کھجوروں میں سے ایک کھجور لی اور اسے اپنے منہ میں ڈال لیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''اسے منہ سے نکال اور پھینک دو۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ ہم صدقہ نہیں کھاتے'' یا یہ فرمایا: ''کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ ہمارے لئے صدقہ حلال نہیں''۔ (بخاری۔ مسلم)

صحابہ کرام کا ورع

صوفیائے کرام کو جب ہم ورع کے اعلیٰ مراتب پر متمکن دیکھتے ہیں تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔

☆ مروی ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تھوڑا سا کھانا کھا لیا جو ان کے غلام نے پیش کیا تھا۔ جب غلام نے بتایا کہ اس کھانے میں شبہ تھا تو آپ نے اپنے ہاتھ کو منہ میں ڈالا اور قے کر کے پیٹ کو صاف کر دیا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ ''ہم ستر حلال اشیاء کو چھوڑ دیا کرتے تھے اس خوف سے کہ کہیں ہم کسی حرام چیز میں نہ پڑ جائیں۔

☆ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کی خدمت میں جب مال غنیمت کی کستوری پیش کی گئی تو آپ نے اپنے ناک کو ہاتھ سے بند کر دیا اور فرمایا کہ ''اس کی خوشبو سے ہی نفع حاصل کیا جاتا ہے اور میں اس بات کو ناپسند کرتا ہوں کہ میں مسلمانوں کے بغیر اس کی خوشبو سے نفع حاصل کروں'' ۳۴

☆ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے کچھ اونٹ خریدے اور ان کو بیت المال کی چراگاہ میں بھیج دیا۔ جب وہ اونٹ موٹے ہو گئے تو ان کو بیچنے کے لئے

Marfat.com

واپس منگوالیا۔ ان ہی ایام میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا گزر بازار سے ہوا۔ جب انہوں نے یہ موٹے تازے اونٹ دیکھے تو انہوں نے پوچھا کہ یہ اونٹ کس کے ہیں۔ لوگوں نے بتایا کہ آپ کے بیٹے عبداللہ کے۔ تو آپ رضی اللہ عنہ نے بیٹے سے پوچھا کہ یہ اونٹ کہاں سے آئے؟ تو انہوں نے عرض کی کہ یہ کمزور اونٹ میں نے خریدے تھے اور ان کو چراگاہ میں بھیج دیا اور ان کو میں نے کہا کہ یہ امیر المومنین کے بیٹے کے اونٹ ہیں۔ ان کی دیکھ بھال کرو اور کھلاؤ پلاؤ۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سنا تو آپ نے فرمایا: ''اے عبداللہ! ان کی اصل قیمت تم رکھ لو اور ان کا نفع مسلمانوں کے بیت المال میں جمع کرا دو'' ۳۵ے

☆ حضرت حذیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جب بھی کسی کو کسی صوبے کا گورنر مقرر کرتے تو اس سے ایک عہد نامہ لکھوالیتا اور اس پر لوگوں کو گواہ بنا لیتے۔ اور اس پر یہ شرط لگاتے کہ وہ خچر پر سوار نہیں ہو گا اور نہ ہی چھانا ہوا آٹا کھائے گا۔ اور نہ ہی باریک لباس پہنے گا اور ضرورت مند کے لئے اپنے دروازے کو بند نہیں کرے گا۔ اگر اس نے ایسا کیا تو سزا کا مستحق ہو گا۔ ۳۶ے

☆ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ روزمرہ کے خرچہ سے کچھ پیسے حلوہ خریدنے کے لئے بچاتی رہیں۔ پھر جب کچھ پیسے جمع ہو گئے انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے حلوہ خریدنے کے لئے کہا۔ آپ نے پوچھا کہ یہ حلوہ کے لئے تمہارے پاس پیسے کہاں سے آئے تو انہوں نے عرض کی کہ میں روزانہ کے خرچہ سے کچھ پیسے بچاتی رہی۔ تو آپ نے فرمایا کہ ان کو بیت المال میں جمع کرا دو۔ کیونکہ یہ تمہاری ضرورت سے زائد ہیں۔ آپ کا یہ حال تھا کہ خود بھوکے رہتے تا کہ آپ کی رعایا پیٹ بھرلے۔

☆ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کا ایک خادم وضو کے لئے گرم پانی کا ایک کوزہ پیش کیا کرتا تھا۔ ایک دن آپ نے خادم کو فرمایا، کہیں یہ پانی تم بیت المال کے مطبخ سے تو گرم نہیں کرتے۔ اس نے عرض کی، جی ہاں۔ تو آپ نے فرمایا کہ تم نے یہ بہت برا کیا۔ پھر اپنے غلام مزاحم کو حکم دیا کہ وہ اس کوزے کو گرم کرے اور پھر دیکھے کہ اس میں کتنی لکڑیاں صرف ہوتی

Marfat.com

ہیں۔ پھر گزشتہ ایام کا حساب لگا کر لکڑیوں کو بیت المال کے مطبخ میں جمع کرائے۔ ۳۷

☆ علامہ مناوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مبارک خراسان سے شام واپس آئے تا کہ عاریہ لیا ہوا قلم واپس کریں اس کے بعد آپ صوفیائے کرام کے ورع کے متعلق مختلف واقعات ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اگر تم سعادت اور خوش بختی کے طالب ہو، تو ان لوگوں کی اتباع کرو۔ ۳۸

☆ حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کو کسی نے کھانے کی دعوت پر مدعو کیا۔ جب کھانا آپ کے سامنے رکھا گیا تو آپ نے کھانے کی طرف ہاتھ بڑھانا چاہا تو وہ کھانے کی طرف نہ بڑھ سکا۔ آپ نے تین دفعہ کوشش کی لیکن تینوں دفعہ آپ کا ہاتھ کھانے کی طرف نہ بڑھ سکا۔ وہاں آپ کو جاننے والا ایک شخص موجود تھا۔ اس نے یہ کہا کہ آپ کا ہاتھ حرام کھانے اور ایسے کھانے کی طرف نہیں بڑھتا جس میں شبہ ہو۔ ۳۹

صوفیائے کرام ورع میں رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کی اتباع کرتے ہیں۔ اور یہ ان کی اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت اور اس کے دین پر مضبوطی سے عمل پیرا ہونے کا نتیجہ ہے۔ اور اسی طرح یہ ان کے شدید خوف کا نتیجہ ہے کہ کہیں وہ اللہ تعالیٰ کی مخالفت میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ کیونکہ جو شخص ایمان کا ذائقہ چکھ لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو تقویٰ سے نوازتا ہے۔ اور جس شخص کو تقویٰ حاصل ہو جاتا ہے وہ شبہات سے احتراز کرتا ہے اور ہمیشہ اللہ سے خائف اور اس کے فضل واحسان کا امیدوار رہتا ہے، جس طرح کہ حضرت شاہ کرمانی فرماتے ہیں کہ تقویٰ کی علامت ورع ہے اور ورع کی علامت شبہات سے اجتناب کرنا ہے۔ خوف کی علامت حزن ہے اور رجاء کی علامت حسن طاعت۔ ۴۰

اے قاری! محنت کرتا کہ تو بھی باہمت لوگوں کے ساتھ مل جائے اور ان کی سنگت اختیار کرتا کہ تو بھی ان کی مثل ہو جائے۔ کیونکہ جو کسی کی سنگت اختیار کرتا ہے وہ اسی کی مثل ہو جاتا ہے۔

Marfat.com

زہد

تعریف:

امام جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

الزهد استصغار الدنيا ومحو آثار هامن القلب.[41]

''زہد دنیا کو حقیر جاننے اور دل سے اس کے اثرات کو مٹانے کا نام ہے''۔

حضرت ابن جلاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ زہد دنیا کو زوال کی نظر سے دیکھنے کا نام ہے تاکہ دنیا تیری نظر میں حقیر ہو جائے، اور اس سے اعراض کرنا تیرے لئے آسان ہو جائے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ زہد دنیا سے بلا تکلف کنارہ کشی کرنے کا نام ہے۔

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ زہد دل کو دنیا کی محبت سے خالی کرنے کا نام ہے۔ نہ کہ صرف ہاتھوں کو خالی کرنے کا نام ہے۔ اور یہ عارفین کا زہد ہے۔ اور اس سے اعلیٰ مرتبہ مقربین کے زہد کا ہے، کیونکہ یہ لوگ ماسویٰ اللہ ہر چیز حتیٰ کہ جنت وغیرہ سے بھی زہد اختیار کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ صرف اللہ تعالیٰ کے قرب اور وصال کے متمنی ہوتے ہیں۔[42]

پس زہد دل کو دنیا کی محبت سے خالی کرنے اور اسے اللہ تعالیٰ کی محبت و معرفت سے بھر دینے کا نام ہے۔ دل دنیا کے مشاغل اور اس کی زیب و آرائش سے جتنا خالی ہو گا

Marfat.com

اتنی ہی دل میں اس کی محبت اور معرفت زیادہ ہوگی۔ اسی وجہ سے عارفین نے زہد کو قرب و وصال کا وسیلہ اور اس کی محبت و رضاء کے حصول کی شرط قرار دیا ہے۔ زہد وسیلہ اور شرط تو ہے لیکن وہ بالذات غایت مقصودہ نہیں۔

زہد کا شرعی ثبوت:

بعض لوگوں نے اسلام میں زہد کے وجود کی قطعاً نفی کر دی ہے اور انہوں نے زہد کو بدعت اور دین میں اجنبی چیز قرار دیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ یہ دین میں نصرانی رہبانیت اور عجمی لوگوں کی پوجا پاٹ کے ذریعے سے داخل ہوا ہے۔ اس میں قطعاً شک نہیں کہ ان کا نقطہ نظر حقیقت اسلام سے جہالت کی بنا پر ہے۔ کیونکہ اگر یہ منکرین احادیث رسول ﷺ کی طرف رجوع کرتے تو انہیں معلوم ہوتا کہ رسول اللہ ﷺ نے صراحتاً زہد کی دعوت دی ہے اور اسے محبت الٰہی کے حصول کے لئے وسیلہ قرار دیا ہے۔ حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی:

یا رسول اللہ ﷺ! دلنی علی عمل اذا عملته احبنی اللہ واحبنی الناس، قال له، ازهدفی الدنیا یحبک اللہ، وازهد فیما فی ایدی الناس یحبوک (ابن ماجه)

''یارسول اللہ ﷺ! مجھے کوئی ایسا عمل بتایئے کہ جب میں اسے کروں تو اللہ تعالیٰ اور لوگ مجھ سے محبت کرنے لگیں'' آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: دنیا سے زہد اختیار کر، تو اللہ تعالیٰ تجھ سے محبت کرے گا۔ اور جو کچھ لوگوں کے ہاتھ میں ہے اس سے زہد اختیار کرے گا، تو لوگ تجھ سے محبت کرنے لگیں گے۔

اس کے علاوہ جب مومن قرآن پاک کی آیات میں غور وفکر کرتا ہے اسے معلومہوتا ہے کہ اس میں کون کونسی آیات ہیں جو دنیا کی شان کی حقارت کو واضح طور پر بیان کرتی ہیں اور اس کے جلد زوال پذیر ہونے اور اس کی نعمتوں کے عارضی ہونے پر دلالت

Marfat.com

کرتی ہیں۔ اوراس کے ساتھ ساتھ یہ بھی بیان کرتی ہیں کہ یہ دنیا دار غرور اور غافلین کے لئے فتنہ ہے۔

دنیا کی یہ تمام صفات بیان کرنے کا مقصد یہی ہے کہ لوگ دلوں سے اس کی محبت کو نکال دیں تا کہ یہ دنیا اللہ تعالیٰ کی معرفت اور دینی احکام کو سرانجام دینے میں حائل نہ ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(۱) يَآيُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللهِ حَقٌّ فَلا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللهِ الْغَرُوْرُ (فاطر: ۵)

''اے لوگو! یقیناً اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ پس دھوکہ میں نہ ڈال دے تمہیں یہ دنیوی زندگی، اور نہ فریب میں مبتلا کردے تمہیں اللہ کے بارے میں وہ بڑا فریبی''

(۲) وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ (عنکبوت: ۶۴)

''اور نہیں یہ دنیاوی زندگی مگر لہو ولعب۔ اور دار آخرت کی زندگی ہی حقیقی زندگی ہے (جسے موت نہیں) کاش! وہ اس حقیقت کو جانتے''۔

(۳) اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَالْبَاقِيَاتُ الصَّالِحَاتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا. (کهف: ۴۶)

''مال اور فرزند (تو صرف) دنیوی زندگی کی زیب وزینت ہیں اور (درحقیقت) باقی رہنے والی نیکیاں بہتر ہیں تیرے رب کے ہاں ثواب کے اعتبار سے، اور بہتر ہیں جن سے امید وابستہ کی جاتی ہے''۔

اور اسی طرح دیگر کثیر آیات اسی معنی ومفہوم کو بیان کرتی ہیں کہ جب ہم رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ میں غور وفکر کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کو دنیا سے کنارہ کشی اور اس کی زیب وآرائش سے منہ موڑنے کی نصیحت

Marfat.com

فرماتے ہیں۔اس سلسلہ میں آپ ﷺ دنیا کی شان کی حقارت اوراس کی فتنہ انگیزیوں کو واضح کرتے ہیں۔اوراس سے آپ ﷺ کا مقصود یہی ہے کہ دنیا انہیں ان کے مقصود حقیقی، جس کیلئے ان کی تخلیق ہوئی ہے، سے غافل نہ کردے۔اوران کواس عظیم مقدس پیغام سے دور نہ کردے جس کی نشر واشاعت کی ذمہ داری ان کے کندھوں پر پڑھنے والی ہے۔اس لئے آپ ﷺ ان پر واضح کردیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو ہمارے لئے امتحان اور آزمائش بنایا ہے تاکہ وہ دیکھے کہ ہم اس کی رضا کے حصول کے لئے اعمال سرانجام دیتے ہیں یا اس کے برخلاف۔

رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں

ان الدنیا حلوۃ خضرۃ، وان اللہ تعالیٰ مستخلفکم فیھا فینظر کیف تعلمون، واتقوا الدنیا فاتقوا النساء (مسلم)

ترجمہ ''بیشک دنیا میٹھی اور سرسبز وشاداب ہے اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں اسمیں نائب بنایا ہے تاکہ دیکھے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو پس دنیا سے بچو اور عورتوں سے بچو''۔

کبھی آپ ﷺ اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ تنبیہ فرماتے ہیں کہ یہ دنیا ڈھلتی چھاؤں اور عارضی ٹھکانہ ہے تاکہ وہ اس دنیا کی طرف مائل نہ ہوجائیں اور وہ انہیں اللہ تعالیٰ کے راستہ سے دور کردے۔حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے دست اقدس کو میرے کندھے پر رکھا اور ارشاد فرمایا:

کن فی الدنیا کانک غریب او عابر سبیل (بخاری)

''دنیا میں اس طرح رہو، گویا کہ تم پردیسی ہو یا مسافر''۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اس کی وضاحت میں فرمایا کرتے تھے کہ ''جب تو شام کرے تو صبح کا انتظار نہ کر۔اور جب صبح کرے تو شام کا انتظار نہ کر۔اپنی صحت کی حالت میں حالت مرض کے لیے اور زندگی میں موت کے لئے کچھ عمل کرلے''۔

Marfat.com

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک چٹائی پر استراحت فرمائی، جب آپ بیدار ہوئے تو آپ کے پہلو مبارک پر چٹائی کے نشان واضح تھے۔ ہم نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! اگر آپ ﷺ اجازت دیں تو آپ ﷺ کے لئے نرم بچھونا تیار کرلیں۔ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ومالی وللدنیا ما انافی الدنیا الا کراکب استظل تحت شجرہ ثم راح وترکھا۔ (ترمذی)

''میرا اس دنیا کے ساتھ کیا تعلق ہے۔ میں دنیا میں اس مسافر کی طرح ہوں جو کسی درخت کے سائے کے نیچے آرام کرتا ہے اور پھر کوچ کر جاتا ہے۔ اور اس کو وہیں چھوڑ جاتا ہے''۔

اور کبھی رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا کی حقارت کی طرف اشارہ فرماتے ہیں:

لوکانت الدنیا تعدل عنداللہ جناح بعوضہ ماسقی کافرامنھا شربہ ماء (ترمذی)

''اگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا کی حیثیت مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو کافر کو ایک ایک گھونٹ پانی بھی عطا نہ کرتا''۔

یہ وہ بہترین راہ ہے جس پر رسول اللہ ﷺ، آپ ﷺ کے خلفاء اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم گامزن رہے۔ اس کی وجہ سے ان کے دل دنیا سے کنارہ کش ہو گئے۔ اور انہوں نے اس دنیا میں زہد کو اختیار کیا۔ ان کی زندگی میں فقر و فاقہ اور مصائب و آزمائش کے مراحل بھی آئے، لیکن حکم الٰہی کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہوئے صبر و رضا کے پیکر بن گئے۔ پھر دنیا ذلیل ہو کر ان کی بارگاہ میں آ گئی۔ اور اپنے خزانوں اور ان کی چابیوں کو ان کے سامنے ڈال دیا، لیکن انہوں نے اس کو اللہ تعالیٰ کی رضا کا وسیلہ اور آخرت کا ذریعہ بنا دیا۔

Marfat.com

دنیا نے ان کے دلوں کو اللہ کی اطاعت سے مشغول نہیں کیا، اور ان کو تکبر غرور اور عیاشی یا بخل اور کنجوسی میں مبتلا نہیں کیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اللہ کی راہ میں اپنا تمام مال پیش کر دیا۔ اور جب رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: ماترکت لا ھلک؟ قال ترکت اللہ و رسولہ۔ (اپنے گھر والوں کے لئے کیا چھوڑ آئے ہو"؟ عرض کی: "ان کے لئے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو چھوڑ آیا ہوں") حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا تو اس میدان میں خاص مقام ہے۔ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے اور زہد میں آپ کا نام بطور ضرب المثل لیا جاتا ہے۔ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ وہ ذات ہیں جنہوں نے جیش عسرہ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، اور اللہ کی رضا کے لئے اپنے اموال کی پرواہ کئے بغیر اس کی راہ میں مال خرچ کیا۔ آپ کی اس قربانی، ایثار اور دنیاوی مال سے بے رغبتی دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے آپ کے بارے میں فرمایا: ماضر عثمان ماعمل بعد الیوم (ترمذی)۔ "آج کے بعد کوئی عمل بھی عثمان کو نقصان نہیں پہنچائے گا"۔

سیرت کی کتب، رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زہد کے واقعات سے بھری پڑی ہیں۔ یہاں تفصیل کی گنجائش نہیں۔ صرف چند واقعات ذکر کرنے پر اکتفا کریں گے۔

حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے تین کپڑے نہ اپنے گھر میں استعمال کئے اور نہ گھر سے باہر۔

اور یہی حال حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا تھا۔ اور جب وہ احرام باندھتے تو ان کے پاس ایک تہبند اور ایک چادر ہوتی۔ اور شاید ان کی قیمت تمہاری ایک قمیض کے برابر ہو۔ میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے کپڑوں کو پیوند لگائے اور میں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ انہوں نے اپنی عبا کو

Marfat.com

کانوں سے سیا ہوا تھا۔

اور میں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو دیکھا ہے کہ وہ اپنے جبہ کو چمڑے کا پیوند لگاتے تھے، حالانکہ وہ اس وقت امیر المومنین تھے۔ لیکن آج کل یہ دور ہے کہ میں تم میں سے بہت سے اشخاص کو جانتا ہوں کہ وہ سو درہم انعام میں دے دیتے ہیں اور اگر میں ہزار کہوں تو یہ بھی مبالغہ نہ ہوگا۔ حضرت حفصہ بنت خطاب رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے عرض کی: ''اے امیر المومنین! کاش آپ اپنے اس کپڑے سے نرم کپڑا پہنتے، اور کاش اپنے اس کھانے سے عمدہ کھانا کھاتے اللہ تعالیٰ نے آپ کو رزق میں وسعت دی ہے۔ اور بہت مال عطا فرمایا ہے''۔ تو آپ نے فرمایا: ''تم خود ہی فیصلہ کرو کہ رسول اللہ ﷺ کتنی سخت زندگی گزارا کرتے تھے''۔ آپ انہیں وہ حالات یاد کراتے رہے، حتیٰ کہ انہیں رلا دیا۔ پھر آپ نے انہیں فرمایا: ''قسم بخدا اگر میں نے رسول اللہ ﷺ اور ابو بکر رضی اللہ عنہ جیسی سخت زندگی گزاری تو پھر شاید ان کی خوش حال زندگی کو پا سکوں گا۔''

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایک دن خطبہ جمعہ کے لئے دیر سے تشریف لائے، تو پھر اپنی تاخیر کی معذرت کی۔ فرمایا: ''میں اپنے ان کپڑوں کو دھونے میں مشغول ہو گیا جس کی وجہ سے مجھے دیر ہو گئی''۔ آپ وہی کپڑے دھو کر پہن لیا کرتے تھے۔ کیونکہ آپ کے پاس دوسرے کپڑے نہ تھے۔ [۴۳]

رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حیات طیبہ وہ کامل عملی نمونہ ہے جس پر اولیائے کرام عمل پیرا ہوئے۔ اسی وجہ سے وہ زہد، عفت، پاکیزگی اور استقامت میں اپنی مثال آپ تھے۔

زہد کا صحیح مفہوم:

زہد کی سابقہ تعریفات اور اس کے شرعی جواز سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ زہد ایک قلبی مرتبہ ہے۔ کیونکہ اس سے مراد دل سے دنیا کی محبت کو نکالنا ہے۔ اس حیثیت سے

Marfat.com

کہ زاہد اپنے دل کے ساتھ دنیا کی طرف متوجہ نہ ہو۔ اور نہ ہی اس مقصد سے دور ہو جس کی خاطر اس کی تخلیق ہوئی ہے۔ زہد کا یہ معنی نہیں ہے کہ مومن دنیا کو خیر باد کہہ کر مال سے اپنے ہاتھ کو خالی کر لے۔ اور کسب حلال کو ترک کر کے دوسروں پر بوجھ بن جائے۔

رسول اللہ ﷺ نے زہد کے مقصود حقیقی کو واضح کیا ہے، جیسا کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''دنیا میں زہد حلال کو حرام کرنے اور مال کو ضائع کرنے میں نہیں ہے، بلکہ زہد یہ ہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اس پر تیرا اور زیادہ یقین اور اعتماد ہو اس چیز سے جو تیرے ہاتھ میں ہے۔ اور تو مصیبت کے ثواب میں زیادہ رغبت رکھنے والا ہو'' ۔ (ترمذی)

علامہ مناوی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ مال سے مکمل اجتناب کرنا زہد نہیں کہلاتا۔ بلکہ زہد یہ ہے کہ اس کا ہونا یا نہ ہونا تیرے نزدیک دونوں برابر ہوں۔ اور تیرا دل مال کی طرف مائل نہ ہو۔ رسول اللہ ﷺ زاہدوں کے سردار ہونے کے باوجود گوشت، حلوہ اور شہد تناول فرماتے تھے۔ خوشبو اور اچھے کپڑے پہنتے۔ اس لئے، اے سالک! اس پاکیزہ رزق کو بغیر اسراف اور تکبر کے استعمال کر۔ اور راہبوں کے زہد سے بچ۔ اس طرح صوفیائے کرام کی زہد کے بارے میں یہی رائے ہے کہ یہ قلبی مرتبہ ہے۔

حضرت عمرو بن عثمان مالکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ زہد کی بنیاد اور اساس دل میں ہے۔ اور اس سے مراد دنیا کو حقیر جاننا اور قلت کی نظر کے ساتھ اسے دیکھنا ہے۔ اور یہی زہد کی حقیقت اور اصل ہے۔

غوث الثقلین شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ نے زہد کے مفہوم کو بڑے جامع الفاظ میں بیان کیا ہے آپ نے فرمایا:

اخرج الدنیا من قلبک دعھا فی یدک اوفی جیبک فانھا لا تضرک [۴۴]

''دنیا کو اپنے دل سے نکال دو اور اس کو اپنے ہاتھ یا جیب میں رکھ لو۔ تو یہ تمہیں

Marfat.com

نقصان نہیں دے گی''۔

کسی عارف نے اس مفہوم کو اس طرح بیان کیا ہے۔ زہد یہ نہیں ہے کہ تو دنیا کو اپنے ہاتھ سے تو ترک کر دے لیکن وہ تیرے دل میں موجود رہے۔ بلکہ زہد یہ ہے کہ تو دنیا کو اپنے دل سے نکال دے۔ خواہ وہ تیرے ہاتھ میں موجود رہے''۔ اسی وجہ سے ابن عجیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے زہد کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

هو خلو القلب من التعلق بغير الرب. ۴۵

''زہد رب کے علاوہ ہر تعلق سے دل کو خالی کرنے کا نام ہے''۔

امام زہری رحمۃ اللہ علیہ زہد کا معنی بیان فرماتے ہیں کہ ''زہد حقیقی یہ ہے کہ تو رزق حلال پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے اور طلب حرام سے اپنے نفس کو روکے اس رزق پر قناعت کرتے ہوئے جو رب نے تیرے مقدر میں لکھ دیا ہے''۔ جب آپ سے مومن کے زہد کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اس کا زہد یہ ہے کہ رزق حلال اس کے شکر پر غالب نہ ہی حرام اس کے صبر پر۔ ۴۶

علمائے کرام نے واضح طور پر بیان کیا ہے کہ آیات کریمہ اور احادیث شریفہ میں جو دنیا کی مذمت کی گئی ہے اس سے مقصود اس کی ذاتی مذمت نہیں ہے بلکہ یہ تو دل کو دنیا کے ساتھ لگا لینے سے بچانے کے لئے تنبیہ وتحذیر کی گئی ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ مومن اس کو اپنا مقصود اصلی بنا لے اور اپنے مقصود حقیقی یعنی رضائے الٰہی کو بھول جائے۔ وہ دنیا بہت اچھی ہے جو مومن کے لئے قرب الٰہی کے حصول کا وسیلہ اور ذریعہ ہے۔ وہ دنیا کتنی بری ہے جس کی عبادت کی جائے۔ اسی مفہوم کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ مناوی فرماتے ہیں کہ دنیا کی مذمت اس کی ذات کی وجہ سے نہیں کی جاتی کیونکہ یہ آخرت کی کھیتی ہے۔ جس نے شرعی قوانین کا لحاظ کرتے ہوئے دنیا سے کچھ اخذ کیا، تو یہ اس کی آخرت کے لئے معاون ہوگی۔ اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ دنیا کی طرف مائل نہ ہو کیونکہ اسے کسی پر ترس نہیں آتا۔ اور نہ ہی اس کو بالکل چھوڑ دے کیونکہ آخرت کا حصول اس کے بغیر ممکن نہیں۔ ۴۷

Marfat.com

زہد تک رسائی کا طریقہ

کیونکہ زہد ایک عظیم الشان قلبی مقام ہے۔ اور اس میں اللہ تعالیٰ کے سوا ہر مقام کو خالی کیا جاتا ہے۔ اس لئے اتک رسائی حاصل کرنا بڑی اہمیت کا حامل ہے اور اس کے لئے بڑی محنت اور وسائل کی ضرورت ہے۔ اور ان میں سب سے اہم مرشد کامل کی صحبت ہے جو سالک کو اس کے ہاتھ سے پکڑ لیتا ہے۔ اور اس کے لئے صراط مستقیم کی نشاندہی کرتا ہے۔ اور بڑی حکمت و دانائی سے اس کو ایک مرحلہ سے دوسرے مرحلہ کی طرف منتقل کرتا رہتا ہے۔ اور اس کے پاؤں کو پھسلنے سے بچاتا رہتا ہے۔

بعض لوگ اس سلسلہ میں خطا کر شکار ہو گئے۔ انہوں نے زہد کو اپنا مقصود اور غایت بنا لیا۔ پیوند شدہ کپڑے پہنے، ناقص غذا استعمال کی، کسب حلال کو ترک کر دیا اور مالداروں پر حسد کرنے لگے۔ حالانکہ ان کے اپنے دل دنیا کی محبت سے لبریز تھے۔ اور انہوں نے گمان کیا کہ وہ ایسا کرنے سے زاہد بن گئے۔ اور اس خطا میں واقع ہونے کی وجہ یہ تھی کہ وہ بغیر مرشد کامل کی صحبت کے اس راہ پر نکلے تھے۔ اسی قسم کے لوگوں کے بارے میں امام مناوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ زہد، دل کو دنیاوی محبت سے خالی کر دینے کا نام ہے نہ کہ صرف ہاتھ خالی کرنے کا نام ہے۔ بعض جاہل لوگوں نے کسب حلال سے اجتناب کو زہد سمجھ لیا۔ اور لوگوں سے کنارہ کشی کر کے ان کے حقوق کو ضائع کیا اور قطع رحمی کے مرتکب ہوئے۔ اغنیاء سے نفرت کی، حالانکہ خود ان کے دل غنا کی خواہش سے لبریز تھے۔ اور ان جاہلوں نے یہ نہ جانا کہ زہد کا تعلق دل سے ہے اور اصل زہد دلی خواہشات کو مارنا ہے۔ لیکن جب انہوں نے ظاہری اعضاء کے ساتھ دنیا سے کنارہ کشی کر لی تو انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ وہ کامل زاہد بن گئے ہیں۔ اور اپنے اس خشک زہد کی وجہ سے بہت سے ائمہ کرام کے خلاف زبان طعن دراز کی۔ ۴۸

اور اس کے مقابلہ میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو دنیا اور اس کی لذات میں مستغرق

Marfat.com

ہیں۔ان کے دل اس کی محبت سے معمور ہیں۔اور اپنا تمام وقت دنیاوی مال جمع کرنے میں صرف کرتے ہیں لیکن اس کے باوجود بھی گمان کرتے ہیں کہ ان کو قلبی زہد حاصل ہے۔اور صرف وہی زہد کے حقیقی معنی کو سمجھتے ہیں۔کاش کہ ان لوگوں کو کسی مرشد کامل کی صحبت میسر آتی تو وہ انہیں زہد کی حقیقت سے آگاہ کرتا۔اور حقیقت زہد تک رسائی کا راستہ بتاتا۔

یہاں اس بات کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے کہ بعض شیوخ اپنے مریدین کے دلوں سے دنیاوی محبت نکالنے کیلئے بعض خاص مجاہدات کا حکم دیتے ہیں۔اور اس سے ان کا مقصد مریدین کی بعض روحانی بیماریوں کا علاج کرنا ہوتا ہے۔وہ انہیں کم کھانے اور سادہ کپڑے پہننے کا حکم دیتے ہیں۔تاکہ دنیا کی محبت ان کے دل سے نکل جائے اور اس کے ساتھ ساتھ جود وسخا کا بھی حکم دیتے ہیں تاکہ بخل اور دنیاوی مال کی محبت ان کے دل سے نکل جائے۔یہ بعض ضروری روحانی علاج ہیں جو شیخ کامل کی راہنمائی میں فائدہ مند ہوتے ہیں۔یہ چیزیں ذاتی طور پر مقصود نہیں ہوتیں بلکہ حقیقی قلبی زہد تک رسائی کا ذریعہ ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کا سادہ غذا استعمال کرنا اور بھوک کی وجہ سے پیٹ مبارک پر پتھر باندھنا صرف ان اعمال کے جواز کو بیان کرنے کے لئے تھا۔حالانکہ جبریل علیہ السلام نے آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کی تھی کہ اگر آپ ﷺ حکم فرمائیں تو یہ پہاڑ سونا بن جائیں۔

شیخ الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ ایسی ہستی ہیں جن کے زیر سایہ بڑے بڑے علماء کرام نے تربیت حاصل کی۔آپ اس مفہوم کو بڑے خوبصورت الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔فرماتے ہیں کہ ہم نے تصوف قیل وقال سے حاصل نہیں کیا، بلکہ بھوک، دنیا سے قطع تعلق، پسندیدہ اور محبوب چیزوں کو ترک کرنے سے حاصل کیا ہے۔کیونکہ تصوف اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے تعلق کو جوڑنے کا نام ہے۔اور اس کی بنیاد دنیا سے کنارہ کشی پر ہے۔

جس طرح کہ حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا:''میرا دل، دنیا سے دور ہو گیا ہے۔رات جاگ کر گزارتا ہوں اور دن میں روزہ رکھتا ہوں''۹؎

قطب ربانی غوث صمدانی شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ اپنے مریدوں کو ابتداء

Marfat.com

سلوک میں مجاہدہ کا حکم فرماتے تھے۔ اوران کو صبر اور سخت زندگی گزارنے کی تلقین فرماتے۔ اس کے بعد ان کو آہستہ آہستہ قلبی زہد کے مراتب کی طرف لے جاتے۔ حتیٰ کہ ان کے نزدیک اخذ وعطا اور فقر و غنا برابر ہو جاتا، اور اللہ کے سوا ہر چیز سے ان کا دل خالی ہو جاتا۔

زہد کے لیے معاون امور:

صوفیائے کرام نے ان امور کی طرف توجہ مبذول کرائی ہے جو مقام زہد تک پہنچنے کے لئے معاون و مددگار ہیں:

(۱) اس بات کا یقین کر لینا کہ دنیا ڈھلتی چھاؤں اور عارضی خیال کی طرح ہے، اور یقیناً ایک دن اس سے دار البقا کی طرف کوچ کرنا ہے۔ وہاں انسان اپنے اعمال کا نتیجہ پالے گا۔ اگر اس کے اعمال اچھے ہوں گے تو جنت کی دائمی نعمتوں میں مقیم ہو جائے گا۔ اور اگر برے ہوں گے تو اس کا ٹھکانا نار جہنم ہوگا۔

حضرت عبد اللہ بن شخیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ ''سورہ اللھکم التکاثر'' پڑھ رہے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ابن آدم کہتا ہے، میرا مال، میرا مال۔ اے ابن آدم! تیرا مال تو وہی ہے جو تو نے کھایا اور فنا کر دیا۔ یا پہنا اور بوسیدہ کر دیا یا صدقہ کیا اور اس کو آگے بھیج دیا''۔ (مسلم)

حضرت ابوالمواہب شاذلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''دنیا کی محبت کے ساتھ مرید کی عبادت دل کو مشغول کرنے اور جسم کو تھکانے کے سوا کچھ نہیں۔ یہ عبادت اگرچہ کثیر ہو لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک قلیل ہوتی ہے''۔

(۲) یہ یقین کر لینا کہ اس دنیا کے علاوہ بھی ایک جہاں (دار آخرت) ہے جو اس سے زیادہ قدر و عظمت والا ہے اسے دار البقا کہتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى (نساء: ۷۷)

Marfat.com

''(اے ترجمان حقیقت! انہیں) کہو دنیا ک سامان بڑا قلیل ہے اور آخرت زیادہ بہتر ہے اس کے لئے جو تقویٰ اختیار کئے ہوئے ہے''۔

یہی وجہ ہے کہ صوفیائے کرام اپنے مریدین کو دنیا سے اعراض کرنے، اخروی زندگی یعنی جنت اور اس کی نعمتوں کی طرف توجہ دینے اور ذات باری تعالیٰ کی طرف رغبت دینے کی تلقین فرماتے ہیں۔ اس طرح وہ ایثار، قربانی، مجاہدۂ نفس اور خواہشات نفسانیہ پر غلبہ حاصل کرنے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور سلف صالحین کی سیرت طیبہ پر عمل پیرا ہوئے تو اس عارضی زندگی کی رنگا رنگی ان کو اپنی طرف مائل نہ کر سکی۔ دنیا کی رونق اور دلکشی دیکھ کر وہ نعرہ مستانہ لگاتے تھے۔

لاتنظرن الی القصور العامرہ　　واذکر عظامک حین تمسی ناخرہ

واذا ذکرت ذخارف الدنیا فقل　　لبیک ان العیش عیش الاخرہ

(i) آباد محلات کی طرف نہ دیکھ۔ اپنی ہڈیوں کی طرف دیکھ جب یہ بوسیدہ ہو جائیں گی''۔

(ii) ''اور جب تجھے دنیا کی زیب و زینت یاد آئے تو کہہ، لبیک، یقیناً حقیقی زندگی تو آخرت کی زندگی ہے''۔

(۳) یہ یقین کر لینا کہ دنیا میں مومن کا زہد اس سے وہ چیز نہیں روک سکتا جو اس کے مقدر میں لکھی جا چکی ہے، اور دنیا پر حریص ہونا ان کو وہ عطا نہیں کر سکتا جو اس کے مقدر میں نہیں لکھا گیا۔ پس جو چیز اس کی مقدر میں لکھی جا چکی ہے وہ اس کو مل کر رہے گی۔ اور جو چیز اس کے مقدر میں نہیں ہے وہ اس کو نہیں مل سکتی۔

خلاصہ کلام

یہ ہے کہ زہد کا مقام ارفع و اعلیٰ ہے۔ کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی محبت کا سبب ہے۔ اسی وجہ سے کتاب و سنت نے اس کی دعوت، اور ائمہ کرام نے اس کی تعریف کی ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں''زہد کو لازم پکڑو، کیونکہ زہد، زاہد کے لئے خوبصورت عورت پر زیور سے بھی زیادہ حسین ہے''۔

Marfat.com

یہی وجہ ہے کہ صوفیائے کرام نے مقام زہد تک رسائی حاصل کر کے اس کے مختلف مدارج کو طے کیا ہے۔ شیخ ابن عجیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے زہد کے تین مدارج کو بیان رمایا ہے۔

(۱) عوام الناس کا زہد: یہ ہے کہ وہ اپنی ضرورت سے زائد چیز کو ترک کر دیں۔

(۲) خواص کا زہد کا زہد: یہ ہے کہ وہ ہر اس چیز کو ترک کر دیں جو انہیں قرب الٰہی سے دور کرنے والی ہو۔

(۳) خوص الخواص کا زہد: یہ ہے کہ وہ اپنے تمام اوقات میں ماسویٰ اللہ سے اعراض کرتے ہیں۔

آپ فرماتے ہیں کہ زہد، راہ سلوک پر گامزن ہونے اور وصال الٰہی کا سبب ہے۔ اور دل کو یہ منزل اس وقت تک حاصل نہیں ہوتی، جب تک اس کا تعلق محبوب کے سوا کسی اور چیز سے ہوتا ہے۔۵۰

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ صوفیائے کرام اور صالحین کی صفت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ان اللہ عبادا فطنا طلقوا الدنیا وخافو الفتنا
نظروا فیھا فلما علموا انھا لیست لحی سکنا
جعلوھا لجۃ واتخذوا صالح الاعمال سفنا

(i) ''اللہ تعالیٰ کے کچھ ہوشیار بندے ہیں جنہوں نے دنیا کو طلاق دے دی۔ اور اس کے فتنہ سے ڈر گئے''۔

(ii) ''انہوں نے اس میں غور وفکر کیا اور جب انہوں نے جان لیا کہ یہ کسی زندہ کی جائے سکونت نہیں ہے''۔

(iii) ''تو انہوں نے اس کو ایک سمندر گمان کیا۔ اور اپنے نیک اعمال کو اس میں کشتی بنالیا''۔

Marfat.com

رضا

تعریف

علمائے کرام نے رضا کی متعدد تعریفات کی ہیں۔ ہر ایک نے اپنے مشرب اور مقام کے مطابق تعریف کی ہے۔

ان میں سب سے اہم تعریف سید میر جرجانی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔آپ فرماتے ہیں:

الرضا سرور القلب بمر القضاء۵۱

''قضا کی تلخی میں دل کا سرور رضا کہلاتا ہے''۔

☆ ابن عجیبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مسکراتے ہوئے مصائب کا استعمال کرنا رضا ہے۔یا نزول قضا کے وقت دل کے سرور کو رضا کہتے ہیں، یا اللہ تعالیٰ کی قضا وقدر میں ترک اختیار کو رضا کا نام دیا جاتا ہے، یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے وارد ہونے والے امور پر انکار نہ کرنے اور ان پر شرح صدر کا مظاہرہ کرنے کو رضا کہتے ہیں۔۵۲

☆ علامہ برکوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کسی چیز کے ملنے یا نہ ملنے دونوں حالتوں میں دل کے خوش رہنے کو رضا کہتے ہیں۔۵۳

☆ حضرت ابن عطاء اللہ سکندری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دل کا ان اختیارات کی طرف دیکھنا جو اللہ تعالیٰ نے بندہ کو عطا فرمائے ہیں یعنی کسی امر پر ناراضگی کا اظہار نہ کرنا رضا ہے۔شیخ محاسبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ احکام الٰہیہ کے اجراء کے وقت سکون قلب کا نام رضا ہے۔

Marfat.com

رضا ایک قلبی مقام ہے جب مومن اس مقام پر فائز ہوتا ہے تو مصائب اور حادثات کا استقبال ایمان راسخ، سکون قلب اور اطمینان نفس کے ساتھ کرتا ہے۔ بلکہ کبھی تو اس سے بھی ارفع و اعلیٰ مرتبہ پر پہنچ جاتا ہے یعنی وہ قضا کی تلخی میں فرحت و سرور محسوس کرتا ہے۔ درحقیقت یہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس سے سچی محبت کا نتیجہ ہوتا ہے۔

رضا کی فضیلت

رضا، صبر سے اعلیٰ مقام اور ارفع مرتبہ ہے۔ کیونکہ رضا روحانی طور پر اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کرنے کا نام ہے۔ اس سے عارف اس مقام پر پہنچ جاتا ہے کہ کائنات میں ہر اس چیز سے محبت کرنے لگتا ہے جو اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہوتی کہ مصائب و آلام کو بھی رحمت اور خیر شمار کرتا ہے۔ ان کو بھی اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان سمجھ کر رضا کی آنکھ سے دیکھتا ہے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نزع کے عالم میں فرماتے تھے:

وافر حتاہ! غدا القی الاحبہ محمد او صحبہ ۵۴

''کتنی خوشی کا موقع ہے۔ کل محبوبوں یعنی محمد ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب سے ملاقات ہوگی''۔

رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا ہے کہ اللہ کی رضا پر راضی ہونے والا تمام لوگوں سے غنی ہوتا ہے۔ کیونکہ اسے لوگوں سے زیادہ سرور اور اطمینان حاصل ہوتا ہے، اور اسی طرح غم و حزن اور پریشانی سے بھی بہت دور ہوتا ہے۔ کیونکہ غنا صرف کثرت مال سے حاصل نہیں ہوتی۔ بلکہ ایمان و رضا کے ساتھ دل کے غنی ہونے سے حاصل ہوتی ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

اتق المحارم تکن اعبدالناس وارض بماقسم اللہ لک تکن اغنی الناس واحسن الی جارک تکن مومنا واحب للناس ماتحب لنفسک تکن مسلما لا تکثر الضحک فان کثرہ الضحک تمیت القلب۔ (ترمذی)

Marfat.com

"محرمات سے بچ۔تو تمام لوگوں سے زیادہ عبادت گزار بن جائے گا۔اس پر راضی ہو جا جو اللہ تعالیٰ نے تیری قسمت میں لکھ دیا ہے،تو تو تمام لوگوں سے زیادہ غنی ہو جائے گا۔

اپنے پڑوسی کے ساتھ احسان کر،تو تو حقیقی مومن بن جائے گا۔لوگوں کے لیے وہ چیز پسند کر جو تو اپنے لیے پسند کرتا ہے تو تو حقیقی مسلمان بن جائے گا۔کثیر ہنسنے سے اجتناب کر،کیونکہ یہ دل کو مردہ کر دیتا ہے"۔

رسول اللہ ﷺ نے بڑے خوبصورت انداز میں واضح کیا کہ رضا،مومن کی دنیوی واخروی سعادت کا بہترین سبب ہے،جس طرح کہ عدم رضا دنیا وآخرت میں بدبختی کا سبب ہے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:"ابن آدم کی سعادت اسی میں ہے کہ وہ اللہ کی قضا پر راضی رہے،اور اس کی بدبختی کی علامت یہ ہے کہ وہ اس چیز کو ترک کر دے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے پسند کی ہے اور اللہ تعالیٰ کی قضا پر ناراضگی کا اظہار کرے"۔(ترمذی)

رضا کی نعمت کی برکت سے ہی عارفین کے دل مطمئن اور پر سکون ہوتے ہیں، اور رضا ہی اس مایوسی اور قنوط کی کیفیت کو ختم کرنے کا سبب ہے جو دنیاوی زندگی کی لذات کے عدم حصول میں غور وفکر کرنے سے پیدا ہوتی ہے، جو کہ انسان کے لئے اضطراب و پریشانی کا باعث بنتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں میں رضا کی اہمت کو اجاگر کیا کرتے تھے۔آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:"جس نے صبح شام کے وقت یہ کہا کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کو اپنا رب اور اسلام کو اپنا دین اور محمد ﷺ کو اپنا رسول تسلیم کر لیا تو اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر واجب ہے کہ وہ اس کو راضی کر دے"۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہ اس ورد کو پڑھنے پر بڑے حریص تھے اس طرح وہ اپنے دل میں پوشیدہ تسلیم ورضا کے جذبات کا اظہار کیا کرتے تھے۔

آج کل بہت سے لوگ اپنی زبان سے اس کلمہ کا ورد تو کرتے ہیں لیکن ان کے دل مطمئن نہیں ہوتے ،اور نہ ہی اس کے گرانقدر معانی اور اس کے ارفع واعلیٰ مقاصد کو سمجھتے

Marfat.com

ہیں۔ خصوصاً جب وہ مصائب و مشکلات میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور ان پر غم و حزن کے گھرے بادل سایہ فگن ہو جاتے ہیں۔ لیکن صرف زبان کے ساتھ وردان کو فائدہ نہیں دیتا، جب تک اس کی صدا دل کی گہرائیوں سے نہ نکلے، کیونکہ جو اللہ تعالیٰ کو اپنا رب تسلیم کر لیتا ہے اس پر لازم ہے کہ وہ اس کی مخلوق سے متعلقہ تمام امور پر راضی ہو جائے۔ یعنی اسے ہر حال میں راضی ہونا چاہیے خواہ اللہ تعالیٰ۔

اسے عطا کرے یا محروم۔

اسے نفع دے یا نقصان

اسے وصال اور قربت سے نوازے یا اپنے در سے دور کر دے۔

اسی طرح اسلام کو اپنا دین تسلیم کر لینے کے بعد یہ بات لازم ہے کہ وہ اس کے اوامر کو بجالائے اور نواہی سے اجتناب کرے، اور اس کے احکام کے سامنے سر تسلیم خم کرے، اگرچہ اسے اپنے نفس کی خواہش اور اپنی خاص مصلحت کی مخالفت کرنا پڑے۔ اور جو شخص محمد ﷺ کو اپنا نبی اور رسول تسلیم کر لیتا ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ آپ کی شخصیت کو اپنے لئے بہترین نمونہ قرار دے۔ آپ ﷺ کے آثار کی پیروی کرے اور آپ ﷺ کی سنت سے اپنے آپ کو آراستہ کرے اور اپنی نفسانی خواہش سے مجاہدہ کرے تا کہ وہ اسلامی احکام کے تابع ہو جائے، اور اسے چاہیے کے اس کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کی ذات، والد، بیٹے، اپنے جان اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب ہو، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لایومن احدکم حتی اکون احب الیه من واله وولده والناس اجمعین (بخاری)

''تم میں سے کوئی بھی کامل مومن نہیں بن سکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے والد، بیٹے اور تمام لوگوں سے محبوب نہ ہو جاؤں''۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جب یہ ارشاد سنا تو نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں عرض کی لانت یا رسول اللہ ﷺ، احب الی من کل شیئی الامن نفسی.

Marfat.com

''یارسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ میرے نزدیک میری ذات کے علاوہ ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں''۔ تو آقا علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: نہیں اے عمر! قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں مری جان ہے، حتیٰ کہ میں تیرے نزدیک تیری ذات سے بھی زیادہ محبوب ہو جاؤں'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ''ہاں! اب مجھے یہ کیفیت حاصل ہوگئی ہے۔ قسم بخدا! آپ ﷺ میرے نزدیک میری ذات سے بھی زیادہ محبوب ہیں''۔ تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اے عمر (رضی اللہ عنہ) اب ٹھیک ہے''۔

جس نے اللہ تعالیٰ کو اپنا رب، اسلام کو اپنا دین اور حضرت محمد ﷺ کو اپنا نبی اور رسول تسلیم کرلیا۔ اس نے ایمان کا ذائقہ چکھ لیا اور یقین کی حلاوت پالی اور ابدی سعادت سے سرفراز ہوا۔ آقا علیہ السلام کا ارشاد ہے:

ذاق طعم الایمان من رضی باللہ ربا و بالا سلام دینا و بحمد نبیا

''اس نے ایمان کا ذائقہ چکھ لیا جو اللہ تعالیٰ کو اپنا رب، اسلام کو اپنا دین اور محمد ﷺ کو اپنا نبی ماننے پر راضی ہوا''۔

مگر وہ شخص جو ایمان کی لذت اور رضا کی نعمت سے محروم ہو، وہ ہمیشہ اضطراب و پریشانی میں مبتلا رہتا ہے۔ خصوصاً جب وہ کسی مصیبت سے دو چار رہتا ہے تو دنیا اس کے لئے تاریک اور زمین اپنی کشادگی کے باوجود تنگ ہو جاتی ہے۔ شیطان اس کے دل میں وسوسہ ڈالتا ہے کہ خودکشی کے علاوہ ان غموں سے چھٹکارے کا کوئی ذریعہ نہیں۔ اسی وجہ سے خودکشی کے حادثات واقع ہوتے ہیں اور دن بدن ان کی نسبت بڑھتی جارہی ہے، خصوصاً غیر مسلم ممالک اور بے دین معاشرے میں جہاں اسلام کی روشنی نہیں پہنچ سکی، خودکشی کی شرح بہت زیادہ ہے۔ اسی قسم کے لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِىْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا، وَنَحْشُرُهٗ يَوْم الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى (طٰہٰ:۱۲۴)

Marfat.com

''اور جس نے منہ پھیرا میری یاد سے، تو اس کیلئے زندگی (کے جامہ) کو تنگ کر دیا جائے گا اور ہم اسے اٹھائیں گے قیامت کے دن اندھا کر کے''۔

رضا کے بارے میں کچھ شبہات اور ان کے جوابات

بعض جہلاء نے مقام رضا کے بارے میں کچھ شبہات کا اظہار کیا ہے۔ اس کا بنیادی سبب ان کی جہالت اور اس ارفع مقام تک ان کی عدم رسائی ہے۔ اور انسان ہمیشہ سے ہی اس چیز کا دشمن ہوتا ہے ج کو نہیں جانتا۔ یا ان شبہات کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے تصوف کے کچھ جھوٹے دعویدار دیکھے اور ان کے غلط طریقہ کار کو تصوف سمجھ لیا۔ بجائے اس کے کہ وہ ان جھوٹے عویداروں اور حقیق صوفیاء کرام کے درمیان جو ایمان و اسلام کے ساتھ ساتھ احسان کے مرتبہ پر فائز تھے، فرق کرتے۔

(۱) اعتراض بعض لوگوں نے تو سرے سے ہی رضا کا انکار کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ خواہشات نفس کے مخالف رضا کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا بلکہ اس چیز کو صبر کا نام دیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ ایسا ممکن نہیں ہے کہ انسان مصائب و آلام کو محسوس ہی نہ کرے۔

جواب: مقام رضا رفائز فطری طور پر مصائب و آلام کو تو محسوس کرتا ہے لیکن اپنے ایمان کامل اور عقل سلیم کی وجہ سے قضا پر راضی رہتا ہے۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے اس پر عظیم اجر و ثواب کا امیدوار رہتا ہے۔ اس لیے وہ نہ تو کوئی اعتراض کرتا ہے اور نہ ہی کسی قسم کی اکتاہٹ کا اظہار کرتا ہے۔ حضرت ابوعلی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

لیس الرضا ان لا تحس بالبلاء، انما الرضا لا تعترض علی الحکم و القضا

''رضا یہ نہیں ہے کہ تو مصیبت کو محسوس نہ کرے، بلکہ رضا یہ ہے کہ تو حکم الٰہی اور اس کی قضا پر اعتراض نہ کرے''۔

اس کو آپ اس مثال کے ذریعہ سمجھ سکتے ہیں کہ مریض انجکشن لگوانے کی تکلیف کو تو محسوس کرتا ہے لیکن حصول شفا کے لیے وہ اس تکلیف پر راضی رہتا ہے بلکہ اس شخص پر

Marfat.com

بہت خوش ہوتا جو اسے دوائی دیتا ہے، اگر چہ یہ دوائی بہت کڑوی ہی کیوں نہ ہو۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''جب بھی میں کسی مصیبت میں مبتلا ہوتا ہوں اس میں مجھ پر چار نوازشات ہوتی ہیں:

(۱) کہ یہ آزمائش میرے دین کے متعلق نہ تھی۔

(۲) میں اس میں رضا سے محروم نہ رہا۔

(۳) یہ آزمائش اتنی بڑی نہ تھی۔

(۴) میں اس پر اجر و ثواب کا امید وار ہوں۔

☆ دوسری وجہ یہ ہے کہ مقام رضا پر فائز فطری طور پر مصائب و آلام کو محسوس تو کرتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے لطف و احسان اور اس کی حکمتوں پر کامل یقین ہونے کی وجہ سے ان پر راضی رہتا ہے۔ کیونکہ اس معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہر فعل کے پس پردہ کوئی نہ کوئی حکمت مضمر ہوتی ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَعَسٰى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا (نساء: ۱۹)

اس وجہ سے اس کا غم مضمحل اور تعجب زائل ہو جاتا ہے۔ اور وہ جان لیتا ہے کہ اس کا تعجب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تعجب کی مثل ہے کہ انہوں نے یتیموں کی کشتی کو عیب دار کرنے، بچے کو قتل کرنے اور دیوار تعمیر کرنے کی وجہ سے حضرت خضر علیہ السلام پر تعجب کا اظہار کیا، لیکن جب حضرت خضر علیہ السلام نے ان حکمتوں سے آگاہ کر دیا۔ تو ان کا تعجب زائل ہو گیا۔ کیونکہ ان کا تعجب صرف اس بنا پر تھا کہ یہ حکمتیں ان پر مخفی تھیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے افعال کی حکمتیں بھی ہم پر مخفی ہیں۔

☆ تیسری وجہ یہ ہے کہ مومن کا دل جب اللہ تعالیٰ کی محبت سے معمور ہوتا ہے۔ اور وہ اس کی محبت میں دنیا و مافیھا سے بے خبر ہوتا ہے تو وہ نہ تو مصیبت کے واقع ہونے کو محسوس کرتا ہے۔ اور نہ ہی اس پر درد و آلام۔ اور یہ حقیقت ہے کہ محبت کو وہی محسوس کر سکتا ہے جس نے کبھی محبت کا ذائقہ چکھا ہو۔

Marfat.com

لایعرف الوجد الامن یکابدہ　　　ولا الصبابہ الا من یعانیھا

''غم کو وہی محسوس کرتا ہے جو اس کو برداشت کر رہا ہو اور عشق کو وہی محسوس کرتا ہے جو اس میں مبتلا ہو''۔

اسی وجہ سے اس کا انکار وہی لوگ کرتے ہیں جن کی رسائی اس تک نہیں ہو سکتی۔

قال عمر بن قیس : احببت اللہ حباھون علی کل مصیبہ، ورضانی بلکل بلیہ فلا ابالی مع حبی ایاہ علام اصبحت و علام امسیت.

''عامر بن قیس نے فرمایا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے ایسی محبت کی ہے جس نے مجھ پر ہر مصیبت آسان کر دی۔ اور ہر آزمائش پر مجھے راضی کر دیا۔ محبت کی وجہ سے مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے کہ میں نے کس حالت میں صبح کی اور کس حالت میں شام کی''۔

(۲) اعتراض: بعض لوگوں نے اعتراض کیا ہے کہ مومن رضا کی وجہ سے فاسقین کے اعمال اور برے لوگوں کے احوال کو اچھا گمان کرنے لگتا ہے اور یہ چیز امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ترک کا سبب بنتی ہے۔

جواب: یہ اعتراض ان کی واضح جہالت کا ثبوت ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ مومن اپنے رب کے احکام میں سے ایک اہم حکم اور دین اسلام کے اہم ستون یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو گرادے۔ حالانکہ اسے یہ یقین ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر اسی وقت راضی ہوگا جب وہ دینی احکام کو بجالائے گا اور اس کی شریعت کی اتباع کرے گا۔ مومن کے بارے میں یہ تصور کیا جا سکتا ہے کہ وہ کافر کے افعال پر راضی ہو جائے؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ اس پر راضی نہیں۔ جیسے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَا یَرضٰی بِعِبَادِہِ الۡکُفۡرَ (زمر:۷)

''اور وہ پسند نہیں کرتا اپنے بندوں سے ناشکری کو''۔

اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام پر راضی ہونے اور برے کام کو ناپسند

Marfat.com

کرنے میں کوئی تعارض نہیں۔ کیونکہ مومن اللہ تعالیٰ کے افعال پر اس حیثیت سے راضی ہوتا ہے کہ ان کا صدور اس ذات سے ہوا ہے جو بڑی علیم وحکیم ہے اور ان کا تعلق اس کی قضا اور مشیت سے ہے، اور وہ برے لوگوں کے افعال سے اس حیثیت سے راضی نہیں ہوتا کہ ان میں ان کی صفت کسب کا دخل ہے۔ اور ان کے یہ افعال اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناپسندیدہ ہیں۔

(۳) اعتراض: بعض لوگوں نے یہ غلط تصور قائم کیا ہے کہ رضا کی وجہ سے انسان دعا اور عاجزی کو ترک کر دیتا ہے، اور اسی طرح خیر کے حصول اور مصیبت کو دور کرنے کے اسباب کو بھی ترک کر دیتا ہے۔ اور بیماری کے وقت دوا سے دور بھاگتا ہے۔

جواب: ان کا یہ تصور صحیح نہیں ہے کیونکہ درحقیقت یہ چیز بھی رضا میں شامل ہے کہ مومن ایسے اعمال کو سرانجام دے جو اس کے محبوب حقیقی کی رضا کا ذریعہ ہوں اور ہر اس کام کو ترک کر دے جو اس کے حکم اور رضا کی مخالف ہو۔

اللہ تعالیٰ کے حکم کی پیروی کرنا بھی اس کی رضا کا ذریعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مومن کو دعا کا حکم دیا ہے کہ گویا اس حکم کی پیروی کرنا بھی رضا میں شامل ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ (مومن : ٦٠)

''مجھے پکارو میں تمہاری دعا قبول کروں گا''۔

دعا مخ عبادت ہے یہ دل میں صفائی، خشوع اور رقت پیدا کر کے اللہ تعالیٰ کے انوار وتجلیات کو اخذ کرنے کے قابل بنا دیتی ہے۔ پھر اسباب کو ترک کرنا اللہ تعالیٰ کے حکم کے مخالف اور اس کی رضا کے منافی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مومن کو عمل کا حکم دیا ہے۔

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَیَرَی اللّٰہُ عَمَلَکُمْ وَرَسُوْلُہٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ (توبہ: ١٠٥)

''اور فرمائیے عمل کرتے رہو، پس دیکھے گا اللہ تعالیٰ تمہارے عملوں کو اور (دیکھے

Marfat.com

گا) اس کا رسول اور مومن"۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے رزق حلال کی تلاش کا حکم دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِیْ مَنَاکِبِهَا وَ کُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ (الملک: ۱۵)

"وہی تو ہے جس نے نرم کر دیا ہے تمہارے لیے زمین کو، پس (اطمینان سے) چلو اس کے راستوں پر اور کھاؤ اس کے (دیئے ہوئے) رزق سے"۔

یہ رضا نہیں ہے کہ پیاسا پانی کی طرف ہاتھ نہ بڑھائے یہ گمان کرتے ہوئے کہ وہ پیاس پر راضی ہے جو کہ اللہ کی قضا ہے۔ یہ محض اس کا گمان اور جہالت ہے۔ کیونکہ اللہ کی قضا اور حکم یہ ہے کہ پیاس کو پانی کے ساتھ دور کیا جائے۔

جب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے طاعون سے بچنے کے لئے مسلمانوں کے لشکر کو ملک شام میں داخل ہونے سے منع کیا تو حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے انہیں کہا کہ "تم اللہ تعالیٰ کی قضا وقدر سے بھاگتے ہو" تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں جواب دیا۔ "اے ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ! کاش کہ یہ جملہ تمہارے علاوہ کوئی اور کہتا، ہاں، ہم اللہ تعالیٰ کی قضا وقدر سے اسی کی قضا وقدر کی طرف فرار اختیار کر رہے ہیں"۔ رضا بالقضاء شرعی حدود سے خارج ہونے کو مستلزم نہیں۔ بلکہ رضا بالقضاء کا مفہوم یہ ہے کہ انسان ظاہرا اور باطنا اللہ تعالیٰ پر اعتراض کو ترک کر دے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا ومحبت کے حصول کے لئے اپنی پوری کوشش صرف کرے یعنی اس کے اوامر کو بجالائے اور نواہی سے اجتناب کرے۔

اختتامیہ

رسول اللہ ﷺ، آپ ﷺ کے خلفاء اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے علاوہ تابعین کی حیات طیبہ ایسے واقعات سے بھری پڑی ہیں جو دلالت کرتے ہیں کہ یہ رضا کے اعلیٰ درجات پر فائز تھے۔ ان تمام واقعات کو ضبط تحریر میں لانا ممکن نہیں۔

Marfat.com

طائف میں رسول اللہ ﷺ پر پتھروں کی بارش کی گئی حتیٰ کہ آپ ﷺ کے پاؤں مبارک خون آلودہو گئے لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی: ''اے پروردگار! اگر تو مجھ پر ناراض نہیں ہے تو مجھے کوئی پرواہ نہیں۔'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مکہ میں طرح طرح کی تکلیفیں دی جاتیں۔ لیکن وہ یہ تمام تکلیفیں اس طرح برداشت کرتے کہ ان کے دل راضی ہوتے، چہروں پر مسکراہٹ ہوتی اور زبانیں ذکر میں مصروف رہتیں۔

مروی ہے کہ عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی ٹانگ کاٹ دی گئی اور اسی رات ان کا عزیز ترین بیٹا انتقال کر گیا۔ آپ کے ساتھی افسوس کے لئے حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا:

اللھم لک الحمد کان اولادی سبعه فاخذت واح او ابقیت سته وکان لی اطراف اربعه فاخذت واحد او ابقیت ثلاثه فلان کنت قد اخذت فلقد اعطیت ولان کنت قد ابتلیت فقد عافیت

''اے اللہ! ساری تعریفیں تیرے لئے ہیں۔ میرے سات بچے تھے تو نے ان میں سے ایک لے لیا اور چھ کو باقی رکھا۔ میری چار اطراف تھیں ان میں سے تو نے ایک لے لی اور تین کو باقی رکھا۔ اگر تو نے آج مجھ سے کچھ لیا ہے تو یہ سب کچھ تو نے ہی تو عطا کیا تھا۔ اگر تو نے مجھے آج آزمائش میں مبتلا کیا ہے تو تو نے مجھے عافیت بھی بخشی تھی۔''

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میرے لئے خوشی کا کوئی موقع نہیں سوائے قدر کے واقع ہونے کے وقت''۔ آپ سے عرض کی گئی کہ ''آپ کیا چیز پسند کرتے ہیں''۔ تو آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کی قضا''۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندہ سے اسی وقت راضی ہوتا ہے جب بندہ اپنے تمام واقوال وافعال میں اپنے رب سے راضی ہو جائے۔ پھر اس وقت طرفین سے رضا کا تبادلہ ہوتا ہے۔ جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فرمان میں اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے:

رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡھُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡہُ (بینه: ۸)

Marfat.com

''اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اس سے راضی''۔

صوفیائے کرام نے رضا کی ان دونوں قسموں میں باہمی ربط اور تعلق کے راز کو پالیا تھا۔ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ ایک دن رابعہ عرویہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف فرما تھے۔ آپ نے فرمایا: ''اے اللہ! تو مجھ سے راضی ہو جا''۔ تو انہوں نے فرمایا: ''اے ابوسفیان! تجھے اللہ سے حیا نہیں آتی کہ تم اس سے رضا کا سوال کرتے ہو، حالانکہ تم اس سے راضی نہیں ہو''۔ تو حضرت سفیان رضی اللہ عنہ کہنے لگے، استغفر اللہ ۵۵؎

بندے سے اللہ کی رضا یہ بڑا ہی بلند اور ارفع واعلیٰ مرتبہ اور بڑا عظیم عطیہ ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَسَاكِنَ طَيِّبَةً فِي جَنّٰتِ عَدْنٍ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ أَكْبَرُ (توبہ: ۷۲)

''نیز (وعدہ کیا ہے) پاکیزہ مکانات کا سدا بہار باغوں میں اور رضائے خداوندی ان سب نعمتوں سے بڑی ہے''۔

یقیناً جنت کے رب کی رضا جنت سے اعلیٰ ہے۔ بلکہ یہی تو اہل جنت کا مطلوب و مقصود ہے جس طرح کہ حدیث پاک میں ہے۔ اللہ تعالیٰ اہل جنت کو ارشاد فرمائے گا: ''اے اہل جنت''! اور وہ کہیں گے: ''اے ہمارے پروردگار! ہم حاضر ہیں''۔ وہ ارشاد فرمائے گا: ''کیا تم مجھ پر راضی ہو؟'' تو اہل جنت عرض کریں گے: ''یارب! ہم تجھ پر کیوں نہ راضی ہوں تو نے ہمیں ان انعامات سے نوازا ہے جو تو نے اپنی مخلوق میں کسی پر نہیں فرمائے'' تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: میں تمہیں اس سے بھی افضل انعام عطا فرمانے والا ہوں'' تو عرض کریں گے: ''اے پروردگار! اس سے افضل کون سا انعام ہے؟'' تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا ''میں تم پر اپنی رضا کو حلال کرتا ہوں اس کے بعد میں کبھی تم سے ناراض نہیں ہوں گا''۔ (بخاری)

Marfat.com

توکل

تعریف

☆ سید شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

التوکل هو الثقه بما عندالله والیأس عمافی ایدی الناس۵۶

''جو کچھ اللہ تعالیٰ کی پاس ہے اس پر اعتماد کرنے اور جو کچھ لوگوں کے پاس ہے اس سے مایوسی کا نام توکل ہے''۔

☆ عارف باللہ ابن عجیبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

التوکل ثقه القلب بالله حتی لا یعتمد علی شیئی سواه

''اللہ تعالیٰ پر دل کے اعتماد کرنے اور اس سے سوا کسی چیز پر اعتماد نہ کرنے کا نام توکل ہے۔ یا اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق جوڑنے اور ہر شے میں اس کے ساتھ تعلق جوڑنے کا نام توکل ہے۔ یہ یقین کرتے ہوئے کہ وہ ہر شے کو جاننے والا ہے''۔

اور تمہیں اس بات کا یقین ہو جائے جو کچھ اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ تیرے ہاتھ میں پائی جانے والی چیز سے زیادہ بہتر ہے۔۵۷

☆ بعض بزرگوں نے فرمایا ہے: ''غیر سے دل کے تعلق کو توڑ کر اللہ تعالیٰ پر کامل اعتماد اور تمام امور میں اسی کی طرف رجوع کرنے کا نام توکل ہے''۵۸

Marfat.com

☆ حضرت ابو سعید خراز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''توکل، اللہ تعالیٰ کی تصدیق، اس پر اعتماد، اسی کی ذات کے ساتھ اپنے سکون واطمینان کو وابستہ کرنے اور اپنے دل سے امور دنیا، رزق وغیرہ کا خیال نکالنے کو کہتے ہیں۔ ۵۹

توکل اپنے تمام امور کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنے اور تمام احوال میں اسی کی طرف رجوع کرنے اور اپنی قوت وطاقت سے دستبردار ہونے کا نام ہے۔

سابقہ تعریفات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ توکل قلبی مقام ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے اور وسائل واسباب کو بروئے کار لا کر کام کو سرانجام دینے میں کوئی تعارض نہیں۔ کیونکہ توکل کا محل دل ہے اور اسباب ووسائل کا محل بدن ہے۔ ایک کامل مومن عمل کو کیسے ترک کرسکتا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے کثیر آیات کریمہ میں اور رسول اللہ ﷺ نے احادیث طیبہ میں اس کا حکم فرمایا ہے۔ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ اور عرض کی: ''یارسول اللہ ﷺ! میں اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے اپنی اونٹنی کو کھلا نہ چھوڑ دوں''۔ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: **اعقلھا وتوکل** ''اس کے پاؤں کو باندھ دو اور پھر اللہ تعالیٰ پر توکل کرو''۔

اسی لئے علماء کرام نیاسباب و ذرائع کو ترک کرنے اور طلب رزق حلال میں کوشش نہ کرنے کو سستی اور کاہلی شمار کیا ہے۔ جس کا اسلام سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ اسی طرح صوفیاء کرام نے غلط افکار کی تصحیح اور شبہات کو دور کرنے کے لئے واضح طور پر فرمایا ہے کہ تصوف، اسلام کو حقیقی طور پر سمجھنے کا نام ہے۔

☆ امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''توکل کا محل دل ہے۔ اور ظاہری حرکت توکل کے منافی نہیں۔ خصوصاً جب بندہ اس بات پر یقین کر لیتا ہے کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقدر ہے۔ اگر کسی چیز کا حصول مشکل ہو تو یہ بھی اسی کے حکم سے ہے۔ اور اگر کوئی چیز آسانی سے حاصل ہو جائے تو یہ بھی اسی کے فضل واحسان سے''۔ ۶۰

Marfat.com

☆ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''بعض جہلاء یہ گمان کرتے ہیں کہ کسب حلال کو ترک کرنا اور بیماری کا علاج نہ کرنا اور اپنے آپ کو ہلاکت کے سپرد کرنا توکل کی شرائط میں سے ہے۔ لیکن یہ محض خطا ہے۔ کیونکہ یہ چیز شرعا حرام ہے۔ شرع نے توکل کی تعریف کی ہے اور اس کو اپنانے کی دعوت دی ہے تو یہ چیز حرام کے ارتکاب سے کیونکر حاصل ہوگی۔ ؁۶۱

صوفیائے کرام نے بھی اس انتہائی دقیق نکتہ کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مومن کے لیے ضروری ہے کہ وہ تمام اعمال میں اسباب و وسائل کو بروئے کار لائے لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ دلی طور پر اس پر کامل اعتماد نہ کرے۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ محققین صوفیائے کرام کے نزدیک اپنی ضروریات کے حصول کے لئے کوشش کرنا واجب ہے۔ اور یہ توکل کے منافی نہیں۔ لیکن کلی طور پر اسباب پر اعتماد اور دل کا ان کی طرف متوجہ ہونا توکل کے منافی ہے۔ کیونکہ اسباب کو بروئے کار لانا اللہ تعالیٰ کی سنت اور اس کی حکمت ہے۔ اور مومن کو کامل یقین ہونا چاہیئے کہ یہ اسباب نفع و نقصان کا باعث نہیں ہیں بلکہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

توکل کی فضیلت اور اس کے آثار

توکل ایمان کامل کا نتیجہ اور معرفت الٰہی کا ثمرہ ہے اور جس قدر بندے کو اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کی معرفت حاصل ہوگی اسی قدر اس کا توکل مضبوط ہوگا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر حقیقی توکل اسے ہی حاصل ہوسکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو فاعل نہ سمجھے۔ اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے والا اسی کی وجہ سے سربلند ہوتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے سامنے نہیں جھکتا۔ اسے اپنے مولیٰ پر کامل اعتماد ہوتا ہے۔ اس لئے اس کے علاوہ کسی اور سے سوال نہیں کرتا۔ بزرگوں کا قول ہے کہ مرید کے لئے مناسب نہیں ہے کہ وہ بندوں کے سامنے دامن طلب دراز کرے۔ حالانکہ اس کی ہر ضرورت اس کا مولا پوری کرتا رہتا ہے۔

اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے توکل کو ایمان کے ساتھ ملایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

Marfat.com

(۱) وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْا اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ (مائدہ:۲۳)

''اور اللہ پر بھروسہ کرو اگر ہو تم ایماندار''

(۲) وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ (ابراہیم:۱۱)

''اور مومنوں کو فقط اللہ تعالیٰ پر ہی بھروسہ کرنا چاہیئے''۔

جو بندہ اللہ تعالیٰ پر مکمل توکل اور صدق دل سے اس کی بارگاہ میں رجوع کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اپنی محبت سے نوازتا ہے۔ اور اس کے تمام مصائب و تکالیف کو دور کر کے اس کے دل کو غنا اور یقین سے بھر دیتا ہے۔ اور اس کے ظاہر کو عفت اور جود و کرم سے آراستہ کر دیتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ (آل عمران:۱۵۹)

''بے شک اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے توکل کرنے والوں سے''۔

وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُه (الطلاق:۳)

''اور جو (خوش نصیب) اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہے تو اس کے لئے وہ کافی ہے''۔

توکل دل میں سکون و اطمینان پیدا کرتا ہے خصوصا مصائب و آلام کے وقت صاحب توکل کا دل انتہائی پرسکون اور مطمئن رہتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو آپ نے یہ وظیفہ ''حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْل'' پڑھا اور رسول اللہ ﷺ نے بھی یہی وظیفہ پڑھا جب لوگوں نے کہا:

اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ (آل عمران:۱۷۳)

''بلاشبہ کافروں نے جمع کر رکھا ہے تمہارے لئے (بڑا سامان اور لشکر) سو ڈرو ان سے تو (اس دھمکی نے) بڑھا دیا ان کے جوش ایمان کو اور انہوں نے کہا، کافی ہے

Marfat.com

ہمیں اللہ تعالیٰ اور وہ بہترین کارساز ہے''۔

اللہ تعالیٰ پر حقیقی توکل کرنے والا اس کی قضا پر راضی ہوتا ہے۔ اور اس کے حکم کے سامنے اپنا سر تسلیم خم کر دیتا ہے اور اسے اطمینان قلب کی دولت نصیب ہوتی ہے۔

حضرت بشر حافی فرماتے ہیں، جب تم میں سے کوئی کہتا ہے کہ میں نے اللہ پر توکل کیا تو وہ اکثر اوقات اپنے اس قول میں جھوٹا ہوتا ہے کیونکہ وہ اگر اللہ تعالیٰ پر حقیقی توکل کرتا تو اللہ تعالیٰ کے ہر فعل پر راضی رہتا۔

رسول اللہ ﷺ نے توکل کی تعریف فرمائی ہے اور مومن کی زندگی میں اس کی اہمیت اور قدر و قیمت کو بیان فرمایا ہے۔ توکل ہی مومن کے دل میں اطمینان و سکون پیدا کرنے کا ذریعہ ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لو توكلتم على الله حق توكله لرزقكم كما يرزق الطير، تغدو خما صا وتروح بطانا. (ترمذی)

''اگر تم اللہ تعالیٰ پر حقیقی توکل کرتے تو وہ تمہیں رزق دیتا جس طرح پرندوں کو رزق دیتا ہے کہ وہ صبح خالی پیٹ نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کر لوٹتے ہیں''۔

اس حدیث پاک میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ توکل اسباب کے منافی نہیں ہے۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ وہ پرندے توکل کر کے گھونسلوں میں بیٹھے رہتے ہیں بلکہ یہ ارشاد فرمایا کہ پرندے اپنے رب پر توکل واعتماد کر کے رزق کی تلاش میں نکل جاتے ہیں یعنی وہ تلاش رزق میں سستی نہیں کرتے۔ اسی وجہ سے وہ غم و حزن سے مامون رہتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے امت اسلامیہ کو ہر حال میں توکل کرنے پر رغبت دلائی ہے خصوصاً جب انسان اپنے گھر سے نکلتا ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، جب انسان اپنے گھر سے نکلتے ہوئے یہ کلمات ''**بسم الله توكلت على الله ولا حول ولا قوه الا**

Marfat.com

باللہ'' پڑھتا ہے تو اسے ندا دی جاتی ہے کہ تو ہدایت یافتہ ہو گیا اور تجھے ہر غم سے نجات مل گئی اور تجھے ہر قسم کے شر سے محفوظ کر لیا گیا۔ اور شیطان اس سے دور بھاگ جاتا ہے۔ اور دوسرے شیطان سے کہتا ہے کہ تو اس شخص پر کیسے غلبہ حاصل کر سکتا ہے جو ہدایت یافتہ ہو اور جسے ہر غم سے نجات ہر شر سے اس کی حفاظت کر دی گئی ہو۔ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی)

مراتب توکل:

توکل میں لوگوں کے مختلف مراتب ہیں۔ کیونکہ توکل بھی دوسرے مقامات سلوک کی طرح ہے۔ مومن اپنی معرفت کے مطابق اس کے مراتب میں ترقی کرتا جاتا ہے۔ اس لئے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اور ابن عجیبہ رحمۃ اللہ علیہ جیسے عارفین نے توکل کے تین مراتب بیان کیے ہیں:

(۱) اس کا سب سے ادنیٰ مرتبہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تیرا تعلق اس طرح ہو جس طرح کہ موکل اپنے شفیق اور مہربان وکیل کے ساتھ۔

(۲) اس کا درمیانی مرتبہ یہ ہے کہ تیرا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس طرح ہو کہ جس طرح بچہ اپنی ماں کے سات کہ وہ اپنے تمام امور میں اپنی ماں کی طرف رجوع کرتا ہے۔

(۳) اس کا سب سے اعلیٰ مرتبہ یہ ہے کہ تیرا تعلق اللہ کے سات اس طرح ہو کہ جس طرح مریض کا ڈاکٹر کے ساتھ ہوتا ہے۔

ان تینوں مراتب میں فرق یہ ہے کہ پہلے مرتبہ میں تہمت کا خطرہ ہوتا ہے۔ دوسرے مرتبہ میں تہمت کا خطرہ نہیں ہوتا لیکن وہ ضرورت کے وقت اپنی ماں کی طرف رجوع کرتا ہے۔ جبکہ تیسرے مرتبہ میں یہ دونوں چیزیں مفقود ہیں۔ کیونکہ وہ اپنی ذات سے بے خبر ہر لحظہ یہ دیکھ رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیا سلوک کر رہا ہے۔ [۶۲]

خلاصہ

Marfat.com

خلاصہ کلام یہ ہے کہ توکل، ایمان ومعرفت کے عظیم ثمرات اور اطمینان وسکون کے اہم اسباب میں سے ہے۔ صوفیائے کرام نے ہی اس کے صحیح مفہوم کو سمجھا ہے۔ اور لوگوں کو آگاہ کیا ہے کہ توکل اسباب ووسائل کو ترک کرنے کا نام نہیں، بلکہ توکل اپنی امید کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ وابستہ کرنے، اس کی تدبیر وحکمت پر مکمل اعتماد کرنے اور دل کو اسباب سے لاتعلق کرنے کا نام ہے۔ کیونکہ صرف اسباب اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر کوئی فائدہ نہیں دے سکتے۔

صوفیائے کرام توکل کے اعلیٰ مراتب پر فائز ہوتے ہیں۔ ان کے دل اللہ تعالیٰ پر مطمئن اور اس پر اطمینان اور مکمل اعتماد ویقین کرتے ہیں۔ اور اسی کی بارگاہ میں متوجہ ہو کر اس سے مدد طلب کرتے ہیں۔ کیونکہ انہیں کامل یقین ہوتا ہے کہ کائنات میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی فاعل حقیقی نہیں۔ یہ تو ان کے قلوب کی کیفیت ہے مگر ان کے ابدان، اللہ تعالیٰ کے حکم، نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اتباع وپیروی میں اسباب ووسائل کو بروئے کار لانے میں مصروف ہوتے ہیں۔

Marfat.com

شکر

تعریف

علماء نے شکر کی کثیر تعریفات کی ہیں۔ ان میں بعض اہم کو یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔

☆ **الشکر هو عكوف القلب على محبه المنعم والجوارح على طاعته وجريان اللسان بذكره والثناء عليه** ٦٣

''شکر یہ ہے کہ دل محسن کی محبت کی طرف متوجہ ہو، اعضاء اس کی طاعت و فرمانبرداری میں مصروف ہوں۔ اور زبان اس کے ذکر اور حمد وثنا میں مشغول ہو''۔

☆ ان عجیبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

هوفرح القلب بحصول النعمه مع صرف الجوارح فى طاعه المنعم والاعتراف بنعمه المنعم على وجه الخضوع ٦٤

''محسن کی اطاعت میں اعضاء و جوارح کو مصروف کرنے کے ساتھ ساتھ حصول نعمت پر دل کے خوش ہونے اور عاجزی و انکساری کے طور پر محسن کی نعمت کے اعتراف کرنے کو شکر کہتے ہیں''۔

☆ سید شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بندے کا اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ سمع و بصر وغیرہ نعمتوں کا رب کی منشا کے مطابق صرف کرنے کا نام شکر ہے۔

Marfat.com

☆ علامہ ابن علان صدیقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شکر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے اعتراف کرنے اور اس کی خدمت کے سرانجام دینے کو کہتے ہیں۔ اور جس میں یہ وصف کثرت سے پایا جائے اسے شکور کہتے ہیں۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ (سبا: ۱۳)

''اور بہت کم ہیں میرے بندوں سے جو شکر گزار ہیں''۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ان گنت اور بے شمار ہونا کسی پر مخفی نہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوهَا (ابراھیم: ۳۴)

''اور اگر تم گننا چاہو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو تو تم ان کا شمار نہیں کر سکتے''۔

ان نعمتوں کو تین اہم اقسام میں منقسم کیا جاتا ہے

(۱) دنیاوی نعمتیں: جیسے صحت و عافیت اور مال حلال وغیرہ۔

(۲) دینی نعمتیں: جیسے علم و عمل، تقویٰ اور معرفت الٰہی وغیرہ۔

(۳) اخروی نعمتیں: جیسے عمل قلیل پر عطائے کثیر۔

دینی نعمتوں میں سب سے عظیم ترین نعمت جس پر شکر کرنا ضروری ہے وہ ایمان و اسلام اور معرفت الٰہی کی نعمت ہے۔ اور اس کا شکر یہ ہے کہ مومن کو چاہیئے کہ یہ عقیدہ رکھے کہ یہ تمام نعمتیں بغیر کسی واسطہ کے اللہ تعالیٰ کا خاص فضل و احسان ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(۱) وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيْمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ. (حجرات: ۷)

''لیکن اللہ تعالیٰ نے محبوب بنا دیا ہے تمہارے نزدیک ایمان کو اور آراستہ کر دیا ہے اسے تمہارے دلوں میں''۔

Marfat.com

(۲) وَلَوْ لَا فَضْلُ اللہِ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَتُہٗ مَازَکٰی مِنْکُمْ مِنْ اَحَدٍ(نور: ۲۱)

''اور اگر نہ ہوتا تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت، تو نہ بچ سکتا تم میں سے کوئی بھی ہرگز''۔

مومن جب اس عظیم کائنات اور اس میں پھیلی ہوئی اللہ تعالیٰ کی عظیم نشانیوں میں غور و فکر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی مزید نعمتوں سے مطلع ہوتا ہے، جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاتا ہے۔ اور یہ چیز اللہ تعالیٰ سے محبت کا سبب بنتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی بعض نعمتیں ایسی ہیں جو اللہ تعالیٰ ہم پر اپنے نیک بندوں کے واسطہ سے کرتا ہے۔ جس طرح کہ رسول اللہ ﷺ کے ذریعے ہم پر اپنا فضل واحسان کیا ہے اور اسی طرح ہمارے والدین اور ہمارے شیوخ و مربین کے ذریعے احسان فرماتا ہے۔ پس مومن کے لئے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے۔ کیونکہ وہی منعم حقیقی ہے۔ جس نے ہمارے لئے لوگوں کے ذریعے نیکی کے راستوں کو آسان کیا۔ یہ لوگ صرف واسطہ ہیں اور منعم حقیقی وہی ذات ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَابِکُمْ مِنْ نِّعْمَۃٍ فَمِنَ اللہِ (نحل: ۵۳)

''اور تمہارے پاس جتنی نعمتیں ہیں وہ تو اللہ کی دی ہوئی ہیں''۔

اسی طرح مومن کیلئے ضروری ہے کہ وہ اس کا شکریہ ادا کرے جس کو اللہ تعالیٰ نے نعمت کا سبب بنایا ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

لایشکر اللہ من لایشکر الناس (ابو داود)

''جو لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کا شکر نہیں کرسکتا''۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے شکر کے ساتھ ساتھ والدین کا شکریہ ادا کرنے کا حکم دیا ہے جن کو ہماری پیدائش کا ذریعہ اور بہت سی نعمتوں کا واسطہ بنایا ارشاد فرمایا:

اَنِ اشْکُرْلِیْ وَلِوَالِدَیْکَ اِلَیَّ الْمَصِیْرُ (لقمان: ۱۴)

Marfat.com

''کہ شکر ادا کرو میرا اور اپنے ماں کا، (آخرکار) میری طرف ہی لوٹنا ہے''۔

مخلوق کا شکریہ ادا کرنا آسان ہے اور جو مخلوق کا شکریہ ادا کرنے سے قاصر رہا، وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے سے زیادہ قاصر رہے گا۔

شکر کی اقسام

سابقہ تعریفات سے واضح ہوتا ہے کہ شکر کی تین قسمیں ہیں:

(۱) زبان کا ذکر (۲) ارکان کا شکر (۳) دل کا ذکر

(۱) زبان کا شکر

اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا چرچا کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس قول ''وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ'' کی اتباع کرتے ہوئے اور نبی کریم ﷺ کے اس قول ''اَلتَّحَدُّثُ بِنِعْمَةِ اللهِ شُکْرٌ'' (اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا چرچا کرنا شکر ہے۔) اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جس نے نعمت کو چھپایا اس نے اس کی ناشکری کی۔ اور جس نے اظہار نعمت کیا اور اس کو عام کیا تو اس نے اس کا شکریہ ادا کر لیا۔

اسی لئے رسول اللہ ﷺ کی شخصیت شکر اور حمد و ثنا میں مثالی شخصیت تھی۔ اسی وجہ سے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

عرض علی ربی لیجعل لی بطحاء مکه ذهباقلت: لا یارب، ولکن اشبع یوما واجوع یوما، وقال ثلاثا اونحو هذا فاذا جعت تصرعت الیک وذکرتک واذا شبعت شکرتک و حمدتک (ترمذی)

''اللہ تعالیٰ نے مجھے پیشکش کی کہ وہ میرے لئے بطحاء مکہ و سونا بنا دے گا۔ میں نے عرض کی: ''نہیں، اے میرے پروردگار! لیکن میں ایک دن سیر ہو کر کھاؤں گا۔ اور ایک دن بھوکا رہوں گا''۔ آپ ﷺ نے تین دفعہ فرمایا۔ اور فرمایا: ''جب میں بھوکا ہوں گا تو تیری بارگاہ میں عجز و انکساری کروں گا اور تیرا ذکر کروں گا۔ اور جب میں سیر ہوں گا تو تیرا

Marfat.com

شکر اور حمد وثنا بجالاؤں گا''۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی رغبت دلائی گئی ہے، جس طرح حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ایک بندہ نے کہا، ''اے پروردگار! تمام تعریفیں تیرے لئے ہیں جیسے تیرے مرتبہ وجلال اور عظیم قدرت کے مناسب ہے''۔ ان کلمات نے فرشتوں کو مشکل میں ڈال دیا۔ انہیں معلوم نہیں کہ وہ انہیں کیسے لکھیں۔ وہ آسمان کی طرف پرواز کر گئے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی: اے پروردگار! تیرے ایک بندہ نے کچھ کلمات کہے ہیں۔ ہمیں معلوم نہیں کہ ہم انہیں کیسے لکھیں''۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ''میرے بندہ نے کیا کہا ہے''؟ حالانکہ وہ بہتر جاننے والا ہے۔ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ بندہ نے کہا ہے: یا رب، **لک الحمد کما ینبغی لجلال وجھک وعظم سلطانک** تو اللہ تعالیٰ نے ان فرشتوں کو فرمایا، ان کلمات کو اسی طرح لکھ دو، جس طرح میرے بندہ نے کہا ہے۔ حتی کہ جب وہ مجھ سے ملے گا تو میں خود اسے ان کلمات کا اجر وثواب عطا فرماؤں گا۔

(۲) ارکان کا شکر

اس سے مراد یہ ہے کہ بندے کا عمل خالص اللہ تعالیٰ کے لئے ہو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد

اعملوا ال داود شکرا (سبا ۱۳) میں ارشارہ فرمایا ہے کہ شکر ہی عمل ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ نے عملی طور پر اس کی وضاحت فرمادی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنھا سے مروی ہے۔ آپ نے فرمایا:

کان النبی ﷺ یقوم من اللیل حتی تنفطر قدماہ، فقلت لہ لم تصنع ھذا، یا رسول اللہ ﷺ اوقد غفر لک ما تقدم من ذنبک وماتاخر. قال، افلا اکون عبدا شکورا. (بخاری. مسلم)

Marfat.com

نبی کریم ﷺ قیام اللیل فرمایا کرتے تھے حتی کہ آپ ﷺ کے پاؤں مبارک متورم ہو گئے۔ میں نے عرض کی: ''یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ حالانکہ آپ ﷺ'' .... ''آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں؟'' (الحدیث)

(۴) دل کا شکر

اس سے مراد یہ ہے کہ تجھے یقین ہو کہ تجھ پر اور مخلوق خدا پر تمام نعمتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وما بكم من نعمة فمن الله (نحل: ۵۳)

''اور تمہارے پاس جتنی نعمتیں ہیں وہ تو اللہ کی دی ہوئی ہیں''۔

یہ نعمتیں کہیں تجھے محسن و منعم سے دور نہ کر دیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے بچنے کا یہ طریقہ ارشاد فرمایا ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جس نے صبح کے وقت یہ کلمہ کلمات کہے، اس نے اپنے پورے دن کا شکر ادا کر دیا:

اللهم ما اصبح لي من نعمة او باحد من خلقك فمنك وحدك لاشريك لك فلك الحمد ولك الشكر۔ اور جس نے یہی کلمات شام کے وقت کہے اس نے اپنی رات کا شکر ادا کر دیا۔ (ابوداؤد نسائی)

مروی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی: ''اے اللہ! تو نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے دست قدرت سے پیدا کیا پھر اس میں تو نے اپنی خاص روح پھونکی اور اپنے فرشتوں سے سجدہ کرایا اور اسے تمام اشیاء کا علم عطا فرمایا اور بہت سی نعمتوں سے نوازا تو اس نے تیرا شکریہ کیسے ادا کیا۔'' تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''اس نے جان لیا کہ یہ تمام نعمتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ تو اس کا یہ جان لینا بھی شکر کرنے کے مترادف ہے۔ ۶۵

Marfat.com

مومن کو یہ خیال کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے شکر اور اس کی حمد وثنا کی توفیق اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے۔ جس طرح کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا ہے:

''اے پروردگار! میں تیرا شکریہ کیسے ادا کر سکتا ہوں حالانکہ میرا شکر ادا کرنا بھی تو تیری ایک نعمت ہے جس پر شکریہ واجب ہے''۔ تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''اے داؤد! اب تو نے میرا شکریہ ادا کیا ہے''۔

شکر کرنے والوں کے مراتب

شکر کرنے والوں کے مراتب درج ذیل ہیں:

(۱) عوام کا شکر

عوام فقط نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں۔

(۲) خواص کا شکر

خواص نعمتوں اور آزمائشوں وابتلاء میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں۔ اور اپنے تمام احوال میں اللہ تعالیٰ کے فضل واحسان کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کی تعریف کی ہے جس پر جب کوئی مصیبت نازل ہوتی ہے وہ اس کا سامنا اپنی زبان سے حمد وثنا اور دل سے رضا کے ساتھ کرتا ہے اور شیطان کو موقع نہیں دیتا کہ وہ دل میں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوسی کو ڈال دے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اذامات ولد العبد قال الله لملائكته، قبضتم ولدعبدى، فيقولون، نعم فيقول فماذا قال عبدى؟ فيقولون: حمدك واسترجع، فيقول الله تعالى: ابنوا لعبدى بيتافى الجنة و سموه بيت الحمد (ترمذی)

''جب کسی بندے کا بچہ فوت ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں کو فرماتا ہے'' کیا

Marfat.com

تم نے میرے بندہ کے بچے کی روح کو قبض کر لیا'' فرشتے عرض کرتے ہیں: ہاں! '' اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: '' میرے بندے نے کیا کہا۔'' وہ عرض کرتے ہیں: '' اس نے تیری حمد و ثنا بیان کی۔ اور کہا انا للہ و انا الیہ راجعون تو اللہ تعالیٰ حکم فرماتا ہے کہ '' میرے بندے کے لئے جنت میں ایک گھر تعمیر کر دو۔ اور اس کا نام بیت الحمد رکھو''۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: '' سب سے پہلے جنت میں داخل ہونے کے لئے ان لوگوں کو بلایا جائے گا جو تنگی اور خوشحالی دونوں حالتوں میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرتے ہوں''۔ (المستدرک)

(۳) خاص الخواص کا شکر

یہ لوگ منعم اور محسن کی ذات میں اس طرح فنا ہوتے ہیں کہ انہیں نعمت اور آزمائش کا خیال ہی نہیں رہتا۔ اسی مفہوم کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

الشکر رویه المنعم لا رویه النعمه

'' شکر، منعم کا خیال کرنا ہے نہ کہ نعمت کا''۔

شکر کی فضیلت

شکر تمام مقامات سے اعلیٰ و ارفع مقام ہے کیونکہ یہ دل، زبان اور اعضاء و جوارح کو شامل ہوتا ہے اور اسی طرح صبر، رضا، حمد اور ان کے علاوہ بہت سی بدنی اور قلبی عبادات اس میں داخل ہیں۔ یہی کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں شکر کا حکم دیا ہے اور اس کی ضد یعنی کفر و ناشکری سے منع کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ (بقرہ: ۱۵۲)

'' اور شکر ادا کیا کرو میرا اور میری ناشکری نہ کیا کرو''۔

شکر رسل کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی عظیم صفات میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے

Marfat.com

حضرت ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ کو اس صفت سے متصف کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

انّ ابراهیم کان اُمّةً قانتاً اللّٰه حنیفا ولم یک من المشرکین شاکراً لانعمه (النحل: ۱۲۱)

''بلاشبہ ابراہیم ایک مرد کامل تھے اللہ تعالیٰ کے مطیع تھے۔ یکسوئی سے حق کی طرف مائل تھے اور وہ (بالکل) مشرکوں میں سے نہ تھے وہ (ہر لمحہ) شکر گزار تھے اللہ کی نعمتوں کے لئے''۔

نیز اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو فرمایا:

انّه کان عبدًا شکورًا ۲۱ (الاسراء: ۳)

''بے شک نوح علیہ السلام ایک شکر گار بندہ تھا''۔

محبوب خدا ہمارے آقا و مولا رسول اللہ ﷺ عبادت اور قیام اللیل میں انتہائی کوشش کرتے اور مشقت برداشت فرماتے۔ اور بڑے خشوع و خضوع سے اور تمام دنیا سے کٹ کر اس کی بارگاہ میں حاضر ہوتے۔ اور جب آپ ﷺ کو اس کے بارے میں پوچھا گیا تو آ گیا تو آپ ﷺ نے جواب دیا، کیا میں اللہ تعالیٰ کا ذکر گزار بندہ نہ بنوں؟ سائل نے یہ گمان کیا تھا کہ آپ ﷺ کی عبادت طلب مغفرت کے لیے تھی لیکن رسول اللہ ﷺ کے جواب نے سائل کی توجہ مقام شکر کی طرف دلائی جو مقامات عبدیت میں سب سے اعلیٰ مقام ہے۔ جس طرح رسول اللہ ﷺ خود شکر کے مقام رفیع پر فائز تھے۔ اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور دیگر مومنین کو اس مقام تک رسائی حاصل کرنے کی دعوت دیا کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے انہیں حکم فرمایا کہ ہر نماز کے بعد دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ انہیں ذکر و شکر کی توفیق عطا فرمائے۔ آپ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

اوصیک یا معاذ لا تدعن فی دبر کل صلوة تقول: اللهم اعنی علی ذکرک وشکرک وحسن عبادتک.

(ابو داود، نسائی، مستدرک ج ۱، ص ۴۹۹)

Marfat.com

''اے معاذ! میں تجھے وصیت کرتا ہوں کہ ہر نماز کے بعد اس دعا کو ترک نہ کرنا۔

اے اللہ! اپنے ذکر، شکر اور حسن عبادت پر میری اعانت فرما''۔

مقام شکر اعلیٰ وارفع مقام ہے اس کے حصول انتہائی مشکل اور کٹھن ہے۔ اس کے حصول کے لئے مجاہدات اور مراقبات کے ساتھ ساتھ صدق، صبر اور استقامت کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شاکرین کی تعداد انتہائی قلیل ہے۔ کیونکہ کریم لوگ قلیل ہی ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن کریم میں شاکرین کی قلت کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ ارشاد فرمایا:

قَلِیْلٌ مِّنْ عِبَادِیَ الشَّکُوْرُ (سبا:۱۳)

''بہت کم ہیں میری بندوں سے جو شکر گزار ہیں''۔

اور اسی طرح فرمایا کہ لوگ اللہ تعالیٰ کے فضل واحسان اور انعام و اکرام کے باوجود بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کرتے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَاِنَّ رَبَّکَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَی النَّاسِ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَھُمْ لَا یَشْکُرُوْنَ (النمل:۷۳)

''اور بے شک آپ کا رب بہت فضل و کرم فرمانے والا ہے لوگوں پر، لیکن اکثر لوگ ناشکری کرتے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں اپنی عظیم نعمتوں اور احسانات کا ذکر فرماتا ہے، اور انہیں کائنات میں غور و فکر کرنے کی دعوت دیتا ہے، تاکہ ہم ان عظیم نعمتوں کا ادراک کرسکیں جو ہمارے اردگرد پھیلی ہوئی ہیں اور جن کو شمار کرنے اور احاطہ کرنے سے انسان عاجز ہے۔ اس کا مقصد صرف یہی ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں جس طرح کہ اس کا شکر کرنے کا حق ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاللّٰہُ اَخْرَجَکُمْ مِّنْ بُطُوْنِ اُمَّھٰتِکُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَیْئًا وَّجَعَلَ لَکُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَۃَ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ (نحل:۷۸)

Marfat.com

''اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں نکالا ہے تمہاری ماؤں کے شکموں سے اس حال میں کہ تم کچھ بھی نہیں جانتے تھے، اور بنائے تمہارے لیے کان اور آنکھیں اور دل تا کہ تم شکر ادا کرو''۔

چالیس سال کی عمر میں انسان کا شعور پختہ ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے کہ جب انسان اس عمر کو پہنچتا ہے اور اپنے اردگرد پھیلی ہوئی نعمتوں میں غور و فکر کرتا ہے اور اس کے فضل و احسان کا مشاہدہ کرتا ہے تو اپنا دامن طلب دراز کر کے اپنے مولیٰ کی بارگاہ میں دعا کرتا ہے کہ ''مولا! مجھے ان نعمتوں کا شکر ادا کرنے کی توفیق عطا فرما''۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

حتیٰ اذا بلغ اشدہٗ وبلغ اربعین سنۃ قال رب اوزعنیٓ ان اشکر نعمتک التیٓ انعمت علیّ وعلیٰ والدیّ وان اعمل صالحا ترضاہُ (احقاف:۱۵)

''حتیٰ کہ جب وہ اپنی پوری قوت کو پہنچا اور چالیس برس کا ہو گیا تو اس نے عرض کی ''اے میرے رب! مجھے والہانہ توفیق عطا فرما کہ میں شکر ادا کرتا رہوں تیری اس نعمت کا جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر فرمائی ہے اور میں ایسے نیک کام کروں جن کو تو پسند فرمائے''۔

رسول اللہ ﷺ نے اللہ کی نعمتوں سے لطف اندوز ہو کر اس کی نعمتوں پر شکر ادا کرنے والے کو عبادات کی مشقت پر صبر کرنے والے کے قائم مقام قرار دیا ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

الطاعم الشاکر بمنزلہ الصائم الصابر (ترمذی)

''اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو کھا کر شکر ادا کرنے والا صابر روزہ دار کے قائم مقام ہے''۔

شکر نعمتوں کی بقا اور دوام کا بہترین وسیلہ ہے۔ کہتے ہیں کہ شکر نعمتوں کو اس طرح قابو کر لیتا ہے جس طرح رسی اونٹ کے پاؤں کو۔ حضرت ابن عطاء اللہ سکندر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

من لم یشکر النعم فقد تعرض لزوالھا ومن شکرھا فقد قید بعقالھا

''جس نے نعمتوں کا شکر ادا نہیں کیا وہ اس کے زوال سے دوچار ہوا۔ اور جس

Marfat.com

نے اس کا شکر ادا کیا اس نے اس کو اسی کے ساتھ مقید کر لیا"۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا نہ کرنا اور نعمتوں کے مقابلے میں ناشکری اور نافرمانی کرنا اللہ تعالیٰ کے غضب وعقاب کو دعوت دینا ہے۔ وہ ذات جس نے نعمتیں عطا کی ہیں وہ ان کو سلب کرنے کی بھی قدرت رکھتی ہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَضَرَبَ اللهُ مَثَلاً قَرْيَةً كَانَتْ آمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَأْتِيهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِأَنْعُمِ اللهِ فَأَذَاقَهَا اللهُ لِبَاسَ الْجُوعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوا يَصْنَعُوْنَ (نحل: ۱۱۲)

"اور بیان فرمائی ہے اللہ تعالیٰ نے ایک مثال وہ یہ ہے کہ ایک بستی تھی جو امن اور چین سے آباد تھی۔ آتا تھا اس کے پاس اس کا رزق بکثرت ہر طرف سے، پس اس (کے باشندوں) نے ناشکری کی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی۔ پس چکھایا انہیں اللہ تعالیٰ نے (یہ عذاب کہ پہنا دیا انہیں) بھوک اور خوف کا لباس، ان کارستانیوں کے باعث جو وہ کیا کرتے تھے"۔

اللہ تعالیٰ نے مومنین سے وعدہ فرمایا ہے کہ اگر وہ اس کی نعمتوں کا ذکر ادا کریں گے اور انہیں مزید عطا فرمائے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيْدَنَّكُمْ (ابراھیم: ۷)

"اگر تم پہلے احسانات پر شکر ادا کرو تو میں مزید اضافہ کر دوں گا"۔

درحقیقت شاکر کا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر ادا کرنا اس کی اپنی ذات کیلئے فائدہ مند ہوتا ہے۔ کیونکہ شکر کے ساتھ وہ اللہ تعالیٰ کی مزید نعمتوں اور اس کے فضل واحسان، اس کی عظیم محبت، عمدہ تعریف وتوصیف کو اپنی طرف متوجہ کر لیتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَنْ شَكَرَ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهِ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ رَبِّي غَنِيٌّ كَرِيْمٌ (نمل ۴۰)

"اور جس نے شکر کیا تو وہ شکر کرتا ہے اپنے بھلے کے لئے، اور جو ناشکری کرتا ہے (وہ اپنا نقصان کرتا ہے)۔ بلاشبہ میرا رب غنی بھی ہے اور کریم بھی"۔

Marfat.com

صوفیائے کرام مقام شکر پر فائز ہو کر جب اس مقام کی عظمت وشان اور فضیلت کو جانتے ہیں تو دوسرے لوگوں کو اس کی دعوت دیتے ہیں، اور جس کو بھی اللہ تعالیٰ کسی دنیاوی یا اخروی نعمت سے نوازتا ہے تو اس کی راہنمائی کرتے ہیں کہ وہ اس نعمت میں ہی مشغول نہ ہو جائے۔ بلکہ اسے چاہیے کہ وہ شکر کا طریقہ اختیار کرے تا کہ وہ مزید نعمتوں اور دائمی توفیق کا سبب بنے۔ حضرت ابوحمزہ بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ بھلائی کے راستوں میں سے کوئی راستہ تیرے لئے کھول دے تو اس کو لازم پکڑ لو۔ اس راستہ کی طرف دیکھنے اور اس پر فخر کرنے سے بچو۔ بلکہ اس ذات کے شکر میں مشغول ہو جاؤ جس نے تجھے یہ توفیق عطا فرمائی ہے۔ کیونکہ تمہارا اس راستہ کی طرف دیکھنا تمہیں اپنے مقام سے گرا دے گا۔ لیکن اس کے شکر میں مشغول ہونا تمہارے لئے مزید انعامات کا سبب ہو گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:۲۷

لئن شکرتم لازیدنکم (ابراھیم:۷)

''اگر تم پہلے احسانات پر شکر ادا کرو تو میں مزید اضافہ کر دوں گا''۔

اسی وجہ سے صوفیائے کرام نے اپنے تمام احوال میں در شکر کو لازم پکڑا اور اپنے تمام امور میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا میں مشغول رہے۔ اور اسی کو ہی فاعل مطلق، منعم حقیقی اور شکور وکریم تصور کرتے ہوئے عاجزی وانکساری سے اس کی چوکھٹ پر سجدہ ریز ہو گئے۔ اور اس کی جناب میں دعا گو ہوئے کہ وہ ان کے دلوں کو معرفت کے نور سے منور کر دے اور اس کی زبانوں کو اپنی حمد وثنا میں مشغول کر دے، اور ان کے اعمال کو شریعت کے احکام کے تابع کر دے۔ اس میں انہوں نے رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تابعین اور تبع تابعین رضی اللہ عنہم کے طریقہ کی پیروی کی۔

تنبیہ

شکر کی بحث کے ساتھ ہی کتاب کا تیسرا باب مکمل ہو گیا۔ جس میں وصول الی اللہ کے راہ کی نشاندہی کرنا مقصود تھی۔ لیکن یہاں ایک بات کی طرف بھی اشارہ کرنا ضروری ہے

Marfat.com

کہ ہم نے جو مقامات اس کتاب میں ذکر کیے ہیں وہ تمام کے تمام مقامات نہیں ہیں بلکہ ان کے علاوہ اور بھی مقامات ہیں جن کی تفصیل ہمارے شیخ و مرشد محمد ہاشمی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمائی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ بعض بزرگوں نے فرمایا ہے کہ یہ سو مقامات ہیں۔ شیخ الاسلام ابو اسماعیل عبداللہ بن محمد انصاری ہروی فقیہ حنبلی مفسر قرآن صوفی باصفا متوفی (۴۸۱ھ) نے ایک رسالہ تالیف فرمایا ہے جس میں آپ نے سو منازل کو ذکر کیا ہے اور آپ نے بڑی عمدہ تقسیم اور وضاحت فرمائی ہے اور راہ حق کی خواہش رکھنے والوں کے لئے بہت مفید بتایا ہے اور اس کا نام ''منازل السائرین الی الحق عزشانہ'' رکھا ہے۔ ۶۸ ے

Marfat.com

باب چہارم

تصوف کے ثمرات

Marfat.com

حب الٰہی

حب الٰہی پر مقامات سلوک کی انتہاء ہوتی ہے اور یہی منازل سلوک کی بلند ترین چوٹی ہے۔ محبت کے بعد اگر کوئی مقام ہے تو وہ اس کا ثمرہ اور تابع شمار ہوگا۔ جیسے شوق، انس اور رضا وغیرہ۔ اور اسی طرح محبت سے قبل مقامات کا شمار اس کے مقدمات میں ہوگا۔ جیسے توبہ، صبر اور زہد وغیرہ۔[1]

محبت کو کسی تعریف میں محدود نہیں کیا جا سکتا جو اس کی وضاحت کر سکے، بلکہ اس کی تعریفات اس میں مزید خفا اور پوشیدگی کا سبب بنتی ہیں۔ کیونکہ تعریفات تو ملوم کی، کی جاتی ہیں۔ اور جبکہ محبت علم نہیں بلکہ ایک وجدانی کیفیت ہے جو محبین کے قلوب پر طاری ہوتی ہے اس کیفیت سے گزر کر ہی اس کی حقیقت کو سمجھا جا سکتا ہے۔ محبت کے بارے میں جو کچھ بیان کیا جاتا ہے یہ تو سب اس کے آثار، ثمرات اور اسباب ہیں۔

شیخ اکبر حضرت محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ محبت کی تعریف میں لوگوں کا اختلاف ہے۔ مجھے معلوم نہیں کہ کسی نے اس کی حقیقی تعریف کی ہو، بلکہ اس کا تو تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔ اکثر لوگوں نے اس کی تعریف، اس کے نتائج، آثار اور لوازم سے کی ہے۔ محبت وہ صفت ہے جس کے ساتھ ذات باری تعالیٰ بھی متصف ہے۔ محبت کے بارے میں بہترین قول ابو العباس صنہاجی سے مروی ہے۔ آپ نے محبت کے بارے میں

Marfat.com

پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ غیرت محبت کی صفات میں سے ہے اور غیرت، ستر کا تقاضا کرتی ہے۔اس لئے محبت کی تعریف نہیں کی جاسکتی ہے۔

ابن دباغ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ محبت کی حقیقی تعریف وہی کرسکتا ہے جس نے اس کا مزہ چکھا ہو۔اور جس نے اس کا مزہ چکھ لیا، اس کو اپنی خبر نہیں رہتی۔اس لئے کیسے ممکن ہے کہ اس کی تعریف بیان کی جاسکے یہ اسی طرح ہے کہ نشے میں مدہوش انسان سے نشے کی حقیقت کے بارے میں پوچھا جائے۔تو عقل پر نشے کے غالب آنے کی وجہ سے اس حالت میں پوچھا جائے۔تو عقل پر نشے کے غالب آنے کی وجہ سے اس حالت میں اس کی تعریف نہیں کرسکتا۔ان دونوں نشوں میں فرق یہ ہے کہ شراب کا نشہ عارضی ہوتا ہے اور اس کا زائل ہونا ممکن ہوتا ہے۔اور نشہ کافور ہونے پر انسان اس کی حقیقت کو بیان کرسکتا ہے مگر اس کے مقابلے میں محبت کا نشہ دائمی ہوتا ہے۔جس نے بھی اس نشہ کو چکھ لیا، اس کا دوبارہ ہوش میں آنا ممکن نہیں۔اس لئے وہ اس کی حقیقت کے بارے میں کیسے خبر دے سکتا ہے، جیسا کہ کسی شاعر نے کیا خوب فرمایا ہے:

یصحو من الخمر ع شاربوھا   والعشق سکرعلی الدوام

''شراب پینے والے تو ہوش میں آجاتے ہیں اور عشق دائمی نشے کا نام ہے''۔

اسی وجہ سے جب حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے محبت کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:''آنکھوں سے آنسوؤں کی بارش اور شوق و دیوانگی میں دل کا دھڑکنا محبت کہلاتا ہے''۔پھر آپ نے محبت کے کچھ آثار بیان فرمائے۔

ابوبکر کتانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایام حج کے دوران مکہ مکرمہ میں محبت کا مسئلہ چل نکلا، بڑے بزرگوں نے اس کے بارے میں گفتگو فرمائی۔حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ عمر میں سب سے چھوٹے تھے۔ان بزرگوں نے آپ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ''اب تمہاری باری ہے، بتاؤ کیا بولتے ہو''؟ آپ نے اپنے سر کو جھکایا تو آپ نے آنکھوں میں آنسو رواں ہوگئے۔آپ نے فرمایا:''محب وہ بندہ ہے جو اپنی ذات سے غافل ہو۔ہمیشہ اپنے رب کے ذکر میں مشغول رہے۔اس کے حقوق ادا کرے۔اپنے دل کی نگاہ سے اس کا مشاہدہ کرے۔اس کی ہیبت کے انوار نے اس کے دل کو جلا دیا ہو۔اس نے اللہ کی

Marfat.com

محبت کا جام طہور پیا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے غیب کے پردے اس پر منکشف کر دیئے ہوں۔ اگر وہ گفتگو کرے تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ، بولے تو اللہ سے، اگر حرکت کرے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے، اگر ساکن ہو تو اللہ کے ساتھ یعنی اسے باللہ، للہ اور مع اللہ کی کیفیت حاصل ہو''۔

بزرگ آپ کی گفتگو سن کر رونے لگے۔ وہ فرمانے لگے کہ ''اس سے بڑھ کر محبت کی تعریف نہیں کی جا سکتی۔ اے تاج العارفین! اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے''۔

محبت کی دلیل اور اس کی فضیلت:

اللہ تعالیٰ کی اپنے بندہ سے محبت، اور بندے کی اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے کی بہت سی دلیلیں ہیں:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(۱) یُحِبُّهُمْ وَیُحِبُّوْنَهٗ (مائدہ:۵۴)

''اللہ تعالیٰ ان سے اور وہ محبت کرتے ہیں اس سے''۔

(۲) وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (بقرہ:۱۶۵)

''اور جو ایمان لائے ہیں وہ سب سے زیادہ محبت کرتے ہیں اللہ سے''۔

(۳) قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰهُ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ (آل عمران:۳۱)

''(اے محبوب!) آپ فرمایئے انہیں کہ اگر تم واقعی محبت کرتے ہو اللہ سے تو میری پیروی کرو، تب محبت فرمانے لگے گا تم سے اللہ اور بخش دے گا تمہارے لئے تمہارے گناہ''۔

''یُحْبِبْکُمُ اللّٰهُ'' یہ محبت کی دلیل، اس کا فائدہ اور اس کی فضیلت ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ثلاث من کن فیه وجد حلاوة الایمان ان یکون الله و رسوله احب الیه مما سواهما وان یحب المرء لایحبه الا لله وان یکره ان یعود فی الکفر کما یکره ان یقذف فی النار (بخاری)

یہ تین چیزیں جس میں ہوں اس نے ایمان کی حلاوت پالی:

Marfat.com

(۱) اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ اس کے نزدیک ہر چیز سے زیادہ محبوب ہو۔

(۲) کسی سے محبت کرے تو اللہ کے لئے کرے۔

(۳) کفر میں لوٹنے کو اس طرح ناپسند کرے جس طرح وہ نار جہنم میں پھینکے جانے کو ناپسند کرتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''جو میرے کسی ولی کے ساتھ دشمنی رکھتا ہے میرا اس کے ساتھ اعلان جنگ ہے۔ ادائیگی فرائض سے بڑھ کر میرے نزدیک کوئی چیز محبوب نہیں ہے جس کے ذریعے بندہ میرا قرب حاصل کرے، میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں، اور جب میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو میں اس کے کان بن جاتا ہوں جس کے ساتھ وہ سنتا ہے، اور اس کے وہ آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔ اور اس کے وہ ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے۔ اور اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ اگر وہ مجھ سے سوال کرے تو میں اسے ضرور عطا کرتا ہوں۔ اور اگر وہ مجھ سے پناہ طلب کرے تو یقیناً میں اسے پناہ دیتا ہوں۔ (بخاری)

''حضرت ابو ہریرہ، رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ سے محبت کرتا ہے تو جبریل علیہ السلام کو بلاتا ہے اور انہیں حکم دیتا ہے کہ میں فلاں بندہ سے محبت کرتا ہوں، تم بھی اس سے محبت کرو۔ تو جبریل علیہ السلام بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں پھر آپ آسمان میں اعلان کر دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں بندہ سے محبت کرتا ہے، تم بھی اس سے محبت کرو۔ پس اہل آسمان بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں پھر زمین میں اس کی مقبولیت کا اعلان کر دیا جاتا ہے۔ پھر اسی طرح اسے زمین میں مقبولیت سے نواز دیا جاتا ہے۔'' (بخاری)

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ انه قال: کان من دعاء داود علیه السلام: اللهم انی اسئلک حبک وحب من یحبک والعمل الذی یبلغنی حبک، اللهم اجعل حبک احب الی من نفسی واهلی ومن الماء البارد. (ترمذی)

Marfat.com

''حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:
حضرت داؤد علیہ السلام یہ دعا کیا کرتے تھے۔''اے اللہ! میں تیری محبت کا سوال کرتا ہوں اور اس کی محبت کا جو تجھ سے محبت کرتا ہے، اور اس عمل کا سوال کرتا ہوں جو مجھے تیری محبت تک پہنچادے۔ اے اللہ! تو اپنی محبت کو میرے نزدیک میری جان، میرے اہل وعیال اور ٹھنڈے پانی کی محبت سے بھی محبوب بنادے''۔

قرآن وسنت ایسے بیان سے بھرے پڑے ہیں کہ جن میں اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے اوران کے اعمال واقوال اور اخلاق سے محبت کرتا ہے۔ جس طرح کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(۱) وَاللّٰہُ یُحِبُّ الصَّابِرِیْنَ (آل عمران:۱۴۶)

''اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں سے محبت کرتا ہے''۔

(۲) وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ (المائدہ:۹۳)

''اور اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے اچھے کام کرنے والوں سے''۔

(۳) اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَیُحِبُّ الْمُتَطَھِّرِیْنَ (بقرہ:۲۲۲)

''بے شک اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں اور صاف ستھرا رہنے والوں کو پسند کرتا ہے''۔

(۴) وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ الْفَسَادَ (بقرہ:۲۰۵)

''اور اللہ تعالیٰ فساد کو ہرگز پسند نہیں کرتا''۔

(۵) وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ کُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ (الحدید:۲۳)

''اور اللہ تعالیٰ دوست نہیں رکھتا کسی مغرور وشیخی باز کو''۔

(۶) وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ الظَّالِمِیْنَ (آل عمران:۵۷)

''اور اللہ تعالیٰ نہیں محبت کرتا گمراہوں سے''۔

رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ اور اپنی محبت کو کثیر احادیث میں ایمان کی شرط قرار دیا ہے، جیسا کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لا یومن احدکم حتی اکون احب الیہ من اہلہ ومالہ والناس اجمعین (بخاری ومسلم)

''تم میں سے کوئی ایک بھی (کامل) مومن نہیں ہوسکتا، حتیٰ کہ میں اس کے

Marfat.com

نزدیک اس کے اہل وعیال، مال اور تمام لوگوں سے محبوب نہ ہو جاؤں''۔

اس حدیث پاک میں رسول معظم ﷺ نے اپنے صحابہ کو محبت کی طرف متوجہ کیا ہے۔ کیونکہ یہ ایک بڑا ارفع واعلیٰ اور انتہائی تاثیر کن مقام ہے۔ پہلے آپ ﷺ نے ان کی توجہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور اس کے فضل واحسان کی طرف کرائی اور پھر وضاحت فرمائی کہ ان کی اللہ سے محبت اس کے محبوب مکرم ﷺ سے محبت کا تقاضا کرتی ہے۔ جس طرح کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ان کی محبت، اللہ تعالیٰ کی محبت پہنچانے کا ذریعہ ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اللہ سے محبت کرو، کیونکہ وہ تمہیں نعمتیں عطا کرتا ہے۔ اور اللہ کی محبت کی وجہ سے مجھ سے محبت کرو''۔

رسول اللہ ﷺ نے محبین کو اپنے محبوب کی معیت کی خوشخبری دی ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

ان رجلا سال النبی ﷺ متی الساعه یارسول اللہ ﷺ؟ قال: ما اعددت لها؟ قال: ما اعددت لها من کثرة صلوٰة ولا صوم ولا صدقة ولکنی احب اللہ ورسولهٗ قال: انت مع من احببت. قال انس: فقلنا ونحن کذلک؟ قال نعم. ففرحنا بها فرحا شدیدا. (بخاری ومسلم)

''ایک آدمی نے نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں سوال کیا: ''یا رسول اللہ ﷺ! قیامت کب ہوگی''۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تو نے اس کے لئے کیا تیاری کی ہے۔'' اس نے عرض کی: ''میں نے اس کے لئے کثیر نماز، روزے اور صدقہ کو جمع نہیں کیا، لیکن میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہوں۔ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تو اسی کے ساتھ ہوگا جس سے تو محبت کرتا ہے'' حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے عرض کی: ''یا رسول اللہ ﷺ! کیا ہمیں بھی یہ کیفیت حاصل ہوگی''۔ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ہاں''! حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یہ ارشاد سن کر ہم انتہائی خوش ہوئے۔''

محبت کے بارے میں کثیر احادیث وارد ہیں جو تمام اس کی فضیلت وعظمت کی طرف

Marfat.com

مشیر ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب اللہ تعالیٰ اور اس کی محبت کے مقام رفیع پر فائز ہوئے تو وہ ایمان واخلاق اور ایثار وقربانی میں کمال تک پہنچ گئے۔ محبت کی حلاوت نے مصائب وآلام کی تلخی کو ان کیلئے مانوس بنادیا۔ اور جذبہ محبت نے انہیں اپنے محبوب کی راہ میں جان، مال، وقت اور ہر قیمتی چیز قربان کرنے پر مجبور کردیا۔ تاکہ وہ اپنے محبوب کی محبت اور رضا سے بہرہ ور ہوسکیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلام اعمال واحکام کا نام ہے اور محبت اس کی روح ہے۔ اور بغیر محبت کے اعمال بے جان ڈھانچوں کی طرح ہیں۔

اسباب محبت:

علمائے کرام نے ان کثیر اسباب کو ذکر کیا ہے جو محبت کا باعث بنتے ہیں۔ ان میں سے دس اہم اسباب کو یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱) تلاوت قرآن اور اس کے معانی ومطالب میں غور وفکر کرنا۔

(۲) فرائض ادا کرنے کے بعد نوافل کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا کیونکہ نوافل کی ادائیگی مقام محبت کے حصول کے بعد مرتبہ محبوبیت تک پہنچادیتی ہے۔

(۳) ہر حال میں زبان، قلب اور عمل کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے ذکر پر مواظبت اور دوام اختیار کرنا۔ کیونکہ ذاکر کو اس کے ذکر کے مطابق ہی محبت کا حصہ ملتا ہے۔

(۴) خواہشات نفسانی کے غلبہ کے وقت اپنی پسند پر محبوب کی پسند کو ترجیح دینا۔ اور اس کی پسند کی طرف مائل ہونا اگرچہ اس میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑے۔

(۵) دل کا اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کے مطالعہ، مشاہدہ اور اس کی معرفت حاصل کرنے میں مصروف رہنا۔ کیونکہ جس کو اللہ تعالیٰ کی معرفت اس کے اسماء، صفات اور افعال کے ذریعے ہوتی ہے، وہ لامحالہ اس سے محبت کرنے لگتا ہے۔

(۶) اس کے فضل واحسان اور ظاہری وباطنی نعمتوں کا مشاہدہ کرنا۔ کیونکہ یہ تمام کی تمام نعمتیں محبت الٰہی کی داعی ہیں۔

Marfat.com

(۷) اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دل کا انکساری اور تواضع اختیار کرنا۔

(۸) تجلی الٰہی کے وقت اس کے مناجات کیلئے خلوت وعزلت نشینی اختیار کرنا، خصوصاً سحری کا وقت اس کے لئے نہایت موزوں اور مناسب ہے۔ اس وقت میں تلاوت قرآن کرے اور حضور قلب کے ساتھ باادب طریقہ سے اس کی بارگاہ میں حاضر رہے۔ اور پھر توبہ واستغفار کے ساتھ اس مجلس کو برخاست کرے۔

(۹) نیک اور صالح اور سچے محبوں کی ہم نشینی اختیار کرنا اور ان کے عمدہ کلام سے استفادہ کرنا اور ان کی مجلس میں حاضر ہونے کے آداب میں سے ہے کہ ان کے سامنے گفتگو نہ کرے مگر جب کلام میں کوئی مصلحت ہو اور اس میں اپنے لئے اور دوسرے مریدین کیلئے فائدہ ہو۔

(۱۰) اور اس چیز سے اجتناب کرنا جو دل اور اللہ تعالیٰ کے درمیان حائل ہو جائے۔

یہ وہ اسباب ہیں جن کے ذریعہ محبین منازل محبت کو طے کرتے ہیں۔

محبت کی علامات

بہت سے لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی محبت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ زبانی دعویٰ کرنا تو آسان ہے، لیکن انسان کو چاہیئے کہ وہ اپنے نفس سے دھوکہ نہ کھائے۔ بلکہ اس کیلئے ضروری ہے کہ وہ محبت کی علامات اور دل، زبان اور اعضاء وجوارح میں ظاہر ہونے والے اس کے ثمرات کو اچھی طرح جان لے۔ جب وہ اپنے نفس کو دھوکے سے محفوظ رکھنا چاہتا ہے تو اسے چاہیے کہ اپنے نفس کو میزان محبت میں رکھ کر پرکھ لے اور اس کی علامات کے ساتھ اس کا جائزہ لے۔ محبت کی علامت کثیر ہیں:

(۱) جنت میں کشف ومشاہدہ کے ذریعہ محبوب کی ملاقات کی خواہش رکھنا۔ کیونکہ یہ ممکن نہیں کہ دل کسی محبوب کو چاہتا بھی ہو اور اس کی ملاقات اور مشاہدہ کی خواہش نہ رکھتا ہو۔ اور جب اسے یہ معلوم ہو کہ محبوب کے ساتھ وصال اس دنیا سے کوچ اور موت کے ذریعہ اس سے جدائی کے بغیر ممکن نہیں۔ تو اس پر لازم ہے کہ موت کو محبوب رکھے اور اس سے فرار اختیار نہ کرے کیونکہ موت ملاقات کی کلید ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

Marfat.com

من احب لقاء اللہ احب اللہ لقائہ۔(بخاری ومسلم)۔

''جو اللہ کی ملاقات کو پسند کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی ملاقات کو پسند فرماتا ہے''۔

اسی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہادت کو محبوب رکھتے تھے۔ اور جب انہیں کسی معرکہ حق و باطن میں شرکت کی دعوت دی جاتی وہ کہتے، خوش آمدید! یہ اللہ سے ملاقات کا ذریعہ ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ کی پسند کو اپنی پسند پر ترجیح دے اور یہ صرف ظاہری طور پر نہ ہو۔ بلکہ باطنی طور پر بھی اس کو یہ کیفیت حاصل ہو۔ پس اسے چاہیئے کہ وہ طاعت کو لازم پکڑے، سستی اور خواہشات نفسانی کی پیروی سے اجتناب کرے۔ کیونکہ جو اللہ سے محبت کرتا ہے وہ اس کی نافرمانی نہیں کرتا۔ اسی لئے حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

تعصی الالہ وانت تظہر حبہ هذا المری فی القیاس بدیع

لو کان حبک صادقا اطعتہ ان المحب لمن یحب مطیع

(i) ''تو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے حالانکہ تو اس کی محبت کا اظہار کرتا ہے میری عمر کی قسم! یہ بڑا عجیب قیاس ہے''۔

(ii) اگر تیری محبت سچی ہوتی تو اس کی اطاعت کرتا، کیونکہ محب اپنے محبوب کیلئے مطیع ہوتا ہے''۔

اسی مفہوم کو کسی شاعر نے اس انداز میں بیان کیا ہے:

واترک ماا ھوی لما قد ھویتہ

فارضی بما ترضی وان سخطت نفسی

''میں اپنی پسند کو تیری پسند کیلئے ترک کر دیتا ہوں۔ تیری رضا پر راضی ہو جاتا ہوں، اگرچہ میرا نفس ناراض ہو جائے''۔

اللہ تعالیٰ کی طاعت و محبت، اقوال و افعال اور اخلاق میں رسول اللہ ﷺ کی اتباع کو مستلزم ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَیَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ۔

Marfat.com

(آل عمران: ۳۱)

''(اے محبوب ﷺ!) آپ ﷺ فرمایئے انہیں کہ اگر تم واقعی محبت کرتے ہو اللہ سے، تو میری پیروی کرو تب محبت فرمانے لگے گا تم سے اللہ اور بخش دے گا تمہارے لئے تمہارے گناہوں کو۔''

(۳) کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے، نہ تو اس کی زبان ذکر سے سست پڑے اور نہ ہی اس کا دل ذکر سے خالی ہو۔ کیونکہ جو کسی چیز سے محبت رکھتا ہے وہ اس کا اکثر ذکر کرتا ہے۔

خیالک فی قلبی وذکرک فی فمی ومثواک فی قلبی فاین تغیب

''تیرا خیال میرے دل میں ہے اور تیرا ذکر میری زبان پر۔ اور تیرا ٹھکانا میرے دل میں ہے۔ تو میری نگاہوں سے کیسے اوجھل ہو سکتا ہے''۔

(۴) خلوت، مناجات الٰہی اور تلاوت قرآن پاک سے مانوس ہو، پس اس کے لئے ضروری ہے کہ تہجد پر مواظبت اختیار کرے اور رات کے پرسکون لمحات کو غنیمت جانے۔ محبت کا ادنیٰ ترین درجہ یہ ہے کہ محبوب کے ساتھ خلوت میں لذت محسوس کرنا اور اس کے ساتھ مناجات میں آسودگی خیال کرنا۔

(۵) اللہ تعالیٰ کے سوا کسی چیز کے ہاتھ سے نکل جانے پر افسوس کرے لیکن ہر وہ گھڑی جو اللہ کے ذکر و طاعت سے خالی گزر جائے، اس پر اسے افسوس کرنا چاہیئے۔ اور اس غفلت پر اللہ تعالیٰ سے توبہ کرنی چاہیئے۔

(۶) اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے لطف اندوز ہو۔ اور اس کو بوجھل نہ سمجھے۔

(۷) اللہ تعالیٰ کے تمام بندوں پر شفقت اور نرمی سے پیش آئے اور اس کے تمام دشمنوں سے سختی سے پیش آئے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے

اَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ (الفتح: ۲۹)

''کفار کے مقابلہ میں بہادر اور طاقت ور ہیں آپس میں بڑے رحم دل ہیں''۔

(۸) اللہ تعالیٰ کی عظمت و ہیبت کے سامنے اپنی محبت میں اس سے ڈرنے والا ہو۔ یہاں یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ خوف، محبت کے منافی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے

Marfat.com

کہ عظمت کا ادراک ہیبت کا سبب بنتا ہے۔ جس طرح جمال کا ادراک محبت کا سبب بنتا ہے۔ محبین کو اپنے مراتب کے مطابق مختلف قسم کے خوف لاحق ہوتے ہیں۔ مثلاً کسی کو اعراض کا خوف ہوتا ہے۔ کسی کو حجاب کا اور کسی کو اس کی بارگاہ سے دوری کا۔ اسی لئے بعض محبین کا قول ہے: ''محبوب کو میں نے جان لیا اور میں اس سے خائف ہوں تجھ سے وہی محبت کرتے گا جو تجھے جاننے والا ہوا گا''۔

(۹) محبت کو چھپانا اور دعویٰ محبت سے اجتناب کرنا اس کے عظمت وجلال اور ہیبت کی وجہ سے محبت اور وجد کے اظہار کرنے سے بچنا۔ کوئی محبّ جب اس راز کو چھپانے سے عاجز آ گیا تو اس نے کہا: ''وہ اپنے راز کو چھپاتا ہے لیکن آنسو اس کے راز کو آشکار کردیتے ہیں اور سانس اس کے وجد کو ظاہر کردیتے ہیں''۔

کسی نے کیا خوب کہا

ومن قلبه مع غيره كيف حاله؟ ومن سره في جفنه كيف يكتم؟

''جس کا دل کسی غیر کے ساتھ لگا ہو تو اس کا کیا حال ہوگا؟ اور جس کا راز اس کی پلکوں میں ہو وہ اس کو کیسے چھپا سکتا ہے''؟

(۱۰) اللہ تعالیٰ کے ساتھ انس اور رضا حاصل ہو۔ اور اس انس کی علامت یہ ہے کہ اس کا دل مخلوق کے ساتھ نہیں لگتا۔ اور اللہ کے ذکر سے اسے لذت حاصل ہوتی ہے۔ اگر اسے لوگوں کے ساتھ ملنا پڑ جائے تو وہاں بھی اسے جلوت میں خلوت کی کیفیت حاصل ہوتی ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ ان لوگوں کا وصف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''یہ وہ لوگ ہیں جنہیں علم حقیقت حال تک پہنچا دیتا ہے۔ انہیں یقین کی کیفیت حاصل ہو جاتی ہے وہ امور ان کیلئے آسان ہو جاتے ہیں جو دنیا دار لوگوں کے لئے مشکل ہوتے ہیں۔ وہ اس شے سے مانوس ہوتے ہیں جس سے جاہل خوف محسوس کرتا ہے۔ وہ اپنے ظاہری ابدان کے ساتھ اہل دنیا کے ساتھ میل جول رکھتے ہیں اور ان کی ارواح عرش اعلیٰ کے ساتھ معلق ہوتی ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی زمین میں اس کے خلفاء اور اس کے دین کے داعی ہیں''۔

Marfat.com

مراتب محبت:

علمائے کرام نے محبت کے دس مراتب بیان کیے ہیں:

(۱) علاقہ: محبوب کے ساتھ دل کے وابستہ ہو جانے کو علاقہ کہتے ہیں۔

(۲) ارادہ: محبوب کی طرف دل کے میلان اور اس کی خواہش کو ارادہ کہتے ہیں۔

(۳) صبابہ: محبوب کی طرف دل کا رجحان اتنا ہو کہ وہ دل کو کنٹرول نہ کر سکے۔ جس طرح کہ پانی جس وقت بلندی سے پستی کی طرف گرتا ہے تو اس پر کنٹرول نہیں ہو سکتا۔

(۴) الغرام: اس سے مراد وہ محبت ہے جو دل کے ساتھ لازم ہو جائے کہ اس سے جدا نہ ہو جس طرح قرض خواہ مقروض کو لازم ہوتا ہے۔

(۵) وداد: محبت جب خالص اور صاف ہو جائے تو اسے وداد کہتے ہیں

(۶) شغف: محبت کا دل کے غلاف تک پہنچ جانا۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شغف یہ ہے کہ محب محبوب کی جفا کو جفا نہ سمجھے بلکہ اسے عدل اور وفا سمجھے۔

(۷) عشق: محبت جب حد سے تجاوز کر جائے کہ اس سے ہلاکت کا خوف ہو تو اسے عشق کہتے ہیں۔

(۸) تتیم: اس سے مراد یہ ہے کہ محبت محب کو اپنا تابع اور مطیع بنا لے۔

(۹) تعبد: اس کا درجہ تتیم سے اوپر ہے۔ کیونکہ غلام کو اپنی ذات پر کسی قسم کا اختیار باقی نہیں رہتا۔

(۱۰) الخلہ: یہ وہ مقام ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ہمارے آقا و مولیٰ ﷺ کو عطا فرمایا گیا۔ اور خلت سے مراد وہ محبت ہے جو محب کے قلب و روح پر چھا جاتی ہے حتیٰ کہ محبوب کے علاوہ یہاں کوئی چیز نہیں بچتی۔ [۳]

صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ اس زندگی کا راز دو حرفوں ''حاء اور با'' پر قائم ہے جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے:

واحسن حالہ انسان صدق　　　　واکمل وصفہ حا، وبا،

''انسان کی بہترین حالت صدق ہے اور اس کا اکمل ترین وصف حاء اور با یعنی حب ہے''۔

Marfat.com

محبت کی وجہ سے احکام سریعت پر عمل کرنا آسان ہوتا ہے:۔

لولاک سرالوجود ماطاب عیشی ولا وجودی
ولا ترنمت فی صلوتی ولا رکوعی ولا سجودی

(۱) ''اے سروجود! اگر تو نہ ہوتا تو نہ ہی میری زندگی خوشگوار ہوتی اور نہ ہی میرا وجود''۔

(۲) ''اور نہ ہی میری نماز میں ترنم ہوتا اور نہ ہی میری رکوع وسجود میں''۔

محبت جب دل میں اپنا ٹھکانا بنا لیتی ہے تو اس سے اس فانی دنیا کو نکال دیتی ہے۔ پھر محب انتہائی آرام دہ اور آسودہ زندگی گزارتا ہے۔ اور کسی قسم کے غم سے دوچار نہیں ہوتا۔

ایک بزرگ کسی آدمی کے پاس سے گزرے جو قبر کے پاس بیٹھ کر رو رہا تھا۔ انہوں نے رونے کا سبب پوچھا۔ تو اس نے بتایا کہ میرا محبوب فوت ہو گیا ہے۔ تو آپ نے فرمایا: ''تو نے ایسے محبوب کے ساتھ دل لگا کر بڑا ظلم کیا ہے۔ اگر تو اس ذات سے محبت کرتا جسے کبھی موت نہیں آئے گی تو اب تو فراق کے عذاب سے دوچار نہ ہوتا''

ہم اپنے اردگرد کے ماحول میں بہت سی مثالیں دیکھتے ہیں کہ جب کوئی عاشق اپنے محبت کی ملاقات سے مایوس ہو جاتا ہے۔ تو وہ موت کو زندگی پر ترجیح دیتا ہے اسی طرح دنیاوی مال ومتاع پر مر مٹنے والے کا بھی یہی حال ہوتا ہے۔ خودکشی، آگ میں جلنا یا پہاڑ کی چوٹی سے چھلانگ لگا دینا روزمرہ زندگی کے معمول بن چکے ہیں۔ دنیاوی محبت میں ناکام ہونے والوں کا عام طور پر یہی انجام ہوتا ہے۔

جب دنیا پر مر مٹنے والوں کا یہ حال ہے تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے عاشقین کا کیا حال ہوگا۔ جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے محبت کی اور اس کو اپنا پروردگار تسلیم کیا اور محمد ﷺ کو اپنا رسول اور اسلام کو اپنا دین مانا۔ ان میں بعض تو ایسے تھے جنہوں نے موت سے محبت کی۔ اور اس کو خوش آمدید کہا تا کہ موت کے بعد اپنے احباب کی ملاقات سے سرفراز ہوں۔ جس طرح کے حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے سکرات موت کے وقت ارشاد فرمایا ''کہ کل محمد ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم سے ملاقات ہوگی''۔ اور بعض نے اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی کے حصول کے لئے میدان جنگ میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کر دیا۔ اللہ کی راہ مین جان قربان کرنے اور دنیا کی کسی حقیر چیز کے لئے جان قربان کرنے اور دنیا کی کسی حقیر چیز کیلئے جان قربان کرنے میں بڑا فرق ہے۔

Marfat.com

محبت کے دوران حاصل ہونے والا بہترین ثمرہ باہمی الفت ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

یُحِبُّهُمْ وَیُحِبُّوْنَهٗ (مائدۃ ۵۴)

''اللہ تعالیٰ ان سے محبت کرتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں''۔

اسی طرح باہمی رضا اور ذکر بھی اسی کا ثمرہ ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

رضی اللهُ عنهُم وَرَضُوا عَنهُ (البینہ: ۸)

''اللہ تعالیٰ ان سے راضی اور وہ اس سے راضی''۔

ذکر کے بارے میں فرمایا:

فاذْكُرُوْنِیْ اَذْكُرْكُمْ (بقرہ: ۱۵۲)

''سو تم مجھے یاد کیا کرو میں تمہیں یاد کیا کروں گا''۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا گزر کچھ ایسے لوگوں سے ہوا جن کے بدن عبادت کی وجہ سے کمزور اور رنگ متغیر ہو چکے تھے۔ آپ نے ان سے پوچھا کہ: ''تم لوگ کون ہو''؟ انہوں عرض کی: ''ہم اللہ کے بندے ہیں''۔ فرمایا ''اس کی عبادت کس لئے کرتے ہو؟'' عرض کی: ''اللہ تعالیٰ نے ہمیں آگ سے ڈرایا تو ہم اس سے ڈر گئے''۔ ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس سے امان دے دی ہے جس سے تم ڈرتے ہو''۔ آپ کچھ آگے بڑھے تو وہاں ایسے لوگ ملے جو پہلے لوگوں سے زیادہ عبادت گزار تھے۔ آپ نے فرمایا: ''تم کس وجہ سے اس کی عبادت کرتے ہو؟'' انہوں نے عرض کی: ''اللہ تعالیٰ نے ہمیں جنت اور اپنے اولیائے کرام کیلئے تیار کردہ نعمتوں کا شوق دلایا۔ ہم اپنی عبادت کے بدلے میں اس کی خواہش کرتے ہیں۔'' آپ نے فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ نے تمھاری خواہش کے مطابق تمہیں عطا کر دیا ہے۔'' پھر آگے بڑھے تو کچھ اور عبادت گزاروں سے ملاقات ہوئی۔ فرمایا ''تم کون ہو؟'' عرض کی کہ ''ہم اللہ تعالیٰ کے محب ہیں۔ ہم اس کی عبادت نہ تو نار جہنم کے خوف سے کرتے ہیں اور نہ ہی اس کی جنت کے شوق میں۔ بلکہ ہماری عبادت اس کی محبت اور عظمت وجلال کی وجہ سے ہے'' آپ نے ارشاد فرمایا ''تم ہی اللہ کے حقیقی ولی ہو۔ مجھے حکم ہوا کہ میں تمہارے ساتھ ٹھہروں'' اور آپ ان لوگوں کے درمیان مقیم ہو گئے۔

یہ واقعہ دلالت کرتا ہے کہ لوگوں کی ہمتیں مختلف ہیں۔ اور ان میں سے بعض دنیا

Marfat.com

کے طالب، اور بعض آخرت کے اور بعض ذات باری تعالیٰ کے طالب ہیں۔ کسی بزرگ نے کسی قاری کو یہ آیت کریمہ "منکم من یرید الدنیا ومنکم من یرید الاخرۃ" (آل عمران: ۱۵۲) تلاوت کرتے ہوئے سنا تو فرمایا: "اللہ کے چاہنے والے کہاں ہیں؟" اسی وجہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کچھ لوگ اللہ کی عبادت رغبت کی وجہ سے کرتے ہیں۔ اور یہ تاجروں کی عبادت ہے۔ اور کچھ لوگ اس کے خوف کی وجہ سے عبادت کرتے ہیں تو یہ غلاموں کی عبادت ہے۔ اور کچھ لوگ اس کی عبادت اس کا شکر ادا کرنے کیلئے کرتے ہیں"

کسی شاعر نے اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والوں کا وصف یوں بیان کیا ہے۔

فما مقصود هم جنات عدن ولا الحورو الحسان ولا الخيام
سوى نظر الجليل وذامناهم وهذا مقصد القوم الكرام

(۱) "ان کا مقصود نہ تو جنت عدن ہے اور نہ ہی حسین حور و قصور"۔

(۲) "سوائے اللہ تعالیٰ کی نظر کرم کے یہ ان کی آرزو ہے اور صوفیائے کرام کا بھی یہی مقصد ہے۔"

اللہ تعالیٰ کے ایسے بھی بندے ہیں کہ جب رات ان پر سایہ فگن ہوتی ہے تو خوف خدا کی وجہ سے ان کی آہیں نکل جاتی ہیں اور جب صبح ہوتی ہے تو ان کے رنگ تبدیل ہو جاتے ہیں۔

اذا ماالليل اقبل كابدوه ويسفر عنهم وهم ركوع
اطارا لشوق نومهم فقاموا واهل الامن فى الدنيا خشوع

(۱) "جب رات چھاتی ہے تو وہ اس کی مصیبتوں کو برداشت کرتے ہیں اور جب فجر طلوع ہوتی ہے تو وہ رکوع میں ہوتے ہیں"۔

(۲) "شوق نے ان کی نیندوں کو اڑا دیا تو وہ عبادت کے لئے کھڑے ہو گئے اور اہل امن دنیا میں مست ہوتے ہیں"۔

اولیاء اللہ کے اجسام عبادت پر صبر کرتے ہیں اور ان کے پاؤں تہجد کے عادی ہوتے ہیں۔ یہ لوگ مستجاب الدعا ہوتے ہیں۔ اور اپنی رات رکوع و سجود میں گزار دیتے ہیں۔ ندا دینے والا انہیں ندا دیتا ہے۔

يا رجال الليل جدوا رب صوت لايردوا
لا يقوم الليل الا من له عزم وجد

Marfat.com

(۱) ''اے رات کو عبادت کرنے والو! کوشش کرو۔ بہت سی دعائیں ایسی ہیں جن کو رد نہیں کیا جا سکتا۔''

(۲) ''رات کا قیام وہی کرسکتا ہے جو محتاط اور محنتی ہو''۔

جب وہ تھوڑا سا آرام کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو شوق انہیں بے چین کر دیتا ہے۔ تو وہ فوراً اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ ان پر وجد و جذب کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے تو وہ بے خود ہو جاتے ہیں۔ ذات کبریاء کا طالب انہیں پکارتا ہے۔ اور اس کے ساتھ مناجات کرنے پر ابھارتا ہے:

حثوا مطایا کم وجدوا ان کان لی فی القلوب وجد

قد آن ان تظهر الخبایا وتفشرا لصحف فاستعدوا

(۱) ''اپنی سواریوں کو تیار کرو اور کوشش جاری رکھو اگر تمہارے دلوں میں وجد ہے''۔

(۲) ''اب راز کو ظاہر کرنے کا وقت آ گیا نامہ اعمال پھیلا دیئے جائیں گے۔ اس کے لئے تیاری کرلو''۔

ان کے بستر ان کے مشتاق ہوتے ہیں۔ ان کے سرہانے ان پر افسوس کرتے ہیں۔ ان کی آنکھیں نیند کے لئے بے قرار ہوتی ہیں اور ان کے پہلو آرام کے خواہشمند۔ لیکن رات کا وقت ان کے لئے حصول مراتب کے لئے بہترین وقت ہوتا ہے۔ اس لئے وہ رات کی تاریکیوں میں نیند سے منہ موڑنے کو طویل قیام کو اپنا معمول بنا لیتے ہیں اور اپنے پروردگار کے ساتھ مصروف رہتے ہیں، اور اس کے قرب سے مانوس ہوتے ہیں۔ اگر وہ ذات ایک لحہ کے لئے بھی ان سے اوجھل ہو جائے تو وہ مضطرب اور بے چین ہو جائیں۔ وہ اپنی نماز تہجد کو سحری تک طویل کر دیتے ہیں اور شب بیداری کے ثمرات کے منتظر رہتے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ محبین کے لئے جلوہ افروز ہوتا ہے اور ان سے دریافت فرماتا ہے کہ میں کون ہوں؟ وہ عرض کرتے ہیں: ''تو ہمارا مالک و مولیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ ''تم میرے محبوب اور میری محبت و عنایت کے اہل ہو۔ یہ ہے میرا چہرہ اس کا مشاہدہ کرلو۔ اور یہ ہے میرا کلام اسے سن لو۔ اور یہ جام طہور اس کو پی لو''۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

Marfat.com

وَسَقٰهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا (دھر:۲۱)

''اور پلائے گا انہیں ان کا پروردگار نہایت پاکیزہ شراب''

جب وہ یہ جام نوش جان کر لیتے ہیں تو ان پر طرب و سرور کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ جب ان پر یہ کیفیت طاری ہوتی ہے تو وہ اپنے رب کے ذکر کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں اور اپنی ذات سے بے خود اور بے خبر ہو جاتے ہیں۔ جب باد صبا نے حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص کی خوشبو کنعان پہنچائی تو حضرت یعقوب علیہ السلام کے علاوہ کسی کو معلوم نہ ہوا۔ اس کی خبر نہ تو اہل کنعان کو ہوئی اور نہ ہی ان کو جہاں سے چلی تھی۔ اور نہ ہی یہودا کو اور نہ ہی قاصد کو۔

محبت وہ فطری امر ہے جو پاکیزہ نفس میں پروان چڑھتی ہے۔ اس سے انسان کو اپنے نفس کی حقیقت کا علم اور اپنے نفس کی معرفت حاصل ہوتی ہے اور جوں جوں محبت زیادہ ہوتی ہے ایمان کامل ہوتا جاتا ہے اور محبت کے مطابق انسان کو سعادت اور آسودگی حاصل ہوتی ہے۔ حب الٰہی، ذوق انسانی کے احاطہ سے ماورا ہے۔ کیونکہ یہ محبت نفس انسانی کو راضیہ اور مطمئنہ کے درجہ پر پہنچا دیتی ہے۔

صوفیائے کرام کی محبت حرص و لالچ اور خواہشات سے پاک اور خالص اللہ تعالیٰ کے لیے ہوتی ہے۔ ان کی محبت میں کسی علت یا سبب کا دخل نہیں ہوتا۔ اور اپنے مولیٰ کی رضا کے علاوہ ان کے عشق کا کوئی علاج نہیں ہوتا۔ حضرت رابعہ بصریہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''سب لوگ نار جہنم کے ڈر سے عبادت کرتے ہیں اور اس سے نجات کو اپنی کامیابی تصور کرتے ہیں۔ یا اس لئے عبادت کرتے ہیں تاکہ جنت میں اقامت پذیر ہوں۔ اور شراب طہور کے جام اور سلسبیل کو نوش نان کریں، یا جنت کے محلوں میں آرام کریں۔ لیکن میں اپنی محبت کا کوئی بدل نہیں چاہتی۔''

یعنی آپ کے نزدیک زندگی اللہ تعالیٰ سے محبت اس کے احکام کو بجالانے کا نام ہے۔ کیونکہ محب اپنے محبوب کا اطاعت گزار ہوتا ہے۔

صوفیائے کرام کو راہ محبت سے شناسائی تھی اس لئے وہ اس راہ پر چل نکلے۔ حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''میرا بندہ نوافل کے ساتھ میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے۔ حتیٰ کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔ اور جب میں اس سے محبت کرنے لگتا

Marfat.com

ہوں۔اور جب میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو میں اس کے کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سکتا ہے۔اوراس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اوراس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے۔اوراس کے پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔اگر وہ مجھ سے سوال کرتا ہے تو میں اسے ضرور عطا کرتا ہوں۔اوراگر وہ میری پناہ طلب کرتا ہے تو میں اسے اپنی حفاظت میں لے لیتا ہوں۔(بخاری)

محبت معرفت الٰہی اور وصول الی اللہ کی بنیاد ہے۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ سے محبت کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:

ان تحب ما احب الله و تبغض ما ابغض الله وتفعل الخير كله وترفض كلما يشغل عن الله والاتخاف فى الله لومة لائم مع العطف للمومنين والخلظه على الكافرين واتباع رسول الله ﷺ فى الدين.

''محبت یہ ہے کہ تو اس چیز کو دوست رکھے جس کو اللہ تعالیٰ دوست رکھتا ہے۔اور اس چیز کو ناپسند کرے جس کو اللہ تعالیٰ ناپسند کرتا ہے۔اور تو ہر نیک کام کرے اور ہر اس چیز کو دور پھینک دے جو تجھے اللہ تعالیٰ سے غافل کرے۔اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں تجھے کسی ملامت کرنے والے کا خوف نہ ہو۔مومنوں کے ساتھ تو نرم خو ہو اور کافروں کے ساتھ سخت ہو۔اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کی دین میں پیروں کرے''۔

آپ نے مزید فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والے کی نشانی یہ ہے کہ وہ اس کے حبیب ﷺ کے اخلاق،افعال،اوامر اور آپ ﷺ کی سنتوں کی اتباع کرتا ہے۔[۵]

شیخ کبیر سید احمد رفاعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:''جو شخص اللہ سے محبت کرتا ہے وہ اپنے نفس کو تواضع کی تعلیم دیتا ہے۔اور علائق دنیا سے قطع تعلق کر لیتا ہے۔اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ کو ترجیح دیتا ہے۔اس کے ذکر میں مشغول ہو جاتا ہے اور ماسویٰ اللہ اپنے نفس کے لئے کوئی خواہش نہیں چھوڑتا اوراس کی عبادت میں مصروف رہتا ہے۔

شیخ محمد بن علی ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت کی حقیقت اس کے ذکر سے دائمی انس ہے۔

Marfat.com

شیخ ابن دباغ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''صوفیائے کرام اور اولیائے عظام کا مطلوب ومقصود ملاء اعلیٰ میں دائمی زندگی رب کریم کے انوار وتجلیات کا مشاہدہ ومطالعہ جمال الٰہی سے لطف اندوز ہونا ہے۔ اور یہ سعادت ان نفوس قدسیہ کو حاصل ہوتی ہے جو ازل سے ہی اللہ تعالیٰ کی خصوصی عنایات کا مرکز ہوں۔ محبت حقیقی اور انوار الٰہی کے شوق کی طرف لے جانے والے تمام علمی اور عملی راستے ان کے لئے آسان کر دیئے جاتے ہیں۔ یہ نفوس قدسیہ جب اس سعادت ابدیہ سے سرفراز ہوتے ہیں تو انہیں وہ لذت اور سرور حاصل ہوتا ہے جو نہ کسی آنکھ نے آج تک دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا اور نہ ہی کسی کے دل میں اس کا خیال پیدا ہوا۔ اس لئے ہر صاحب عقل کو اس عظیم مقصد کے حصول اور سلسبیل کے سرچشمہ میں ارد ہونے میں کوشش کرنی چاہیئے۔ جس تک بہت کم لوگوں کی رسائی ہوتی ہے۔ کیونکہ عاشق ہمیشہ ایسے مواقع کی تلاش میں رہتا ہے وہ آسمانی بجلی کا نظارہ اس لئے کرتا ہے کہ اس کی بارگاہ سے ہو کر آئی ہے۔ اور اس کے بے مثل جمال کی خبر دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بجلی کی چمک ان عاشقوں کے جگر کے ٹکڑے کر دیتی ہے۔''

اسی قسم کے ذوق سے صوفیائے کرام کو محبت الٰہی کے سائے تلے اطمینان ورضا کی دولت میسر ہوئی۔ اور وہ اس حقیقت سے آگاہ ہوئے کہ روحانی زندگی کے مقابلہ میں دنیاوی ساز وسامان اور اس کی خواہشات کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ کیا ان کے لئے یہ کافی نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی معیت میں خوش وخرم اور اس کے قرب سے سرفراز ہوتے ہیں اور اس کی فضل واحسان اور جود وسخا کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡھُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡہُ (بینہ: ۸)

''اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اس سے راضی ہو گئے''

نیز ارشاد فرمایا:

یُحِبُّھُمۡ وَیُحِبُّوۡنَہٗ (مائدہ: ۵۴)

''اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اس سے راضی ہو گئے''۔

یعنی پہلے اللہ تعالیٰ سے راضی ہو جاتا ہے۔ پھر ان کو اپنی محبت کیلئے چن لیتا ہے اور یہی لوگ اس کی مخلوق میں سب سے زیادہ برگزیدہ اور اس کے خاص دوست ہیں۔

Marfat.com

کشف

تعریف

سید جرجانی رحمۃ اللہ علیہ اس کی تعریف بیان فرماتے ہیں: ''فراست لغت میں کسی چیز میں غور و فکر کرنے کا نام ہے۔ اور اہل حقیقت کی اصطلاح میں غائب کا مشاہدہ کرنا اور علم یقینی تک رسائی حاصل کرنا ہے''۔

عارف باللہ ابن عجیبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ خیال جو صاحب فراست کے دل میں اچانک رونما ہوتا ہے یا اس سے مراد وہ وارد ہے جو اس کے دل میں ظاہر ہوتا ہے۔ اور جب دل صاف ہو تو یہ غالباً صحیح ہوتا ہے۔ حدیث پاک میں ہے:

اتقوا فراسة المومن فانه ينظر بنور الله (ترمذی)

''مومن کی فراست سے ڈرو۔ کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے''۔

اس کی قوت و طاقت قرب الٰہی اور معرفت کے مطابق ہوتی ہے۔ جوں جوں قرب و معرفت میں اضافہ ہوگا۔ تو فراست میں صداقت آتی جائے گی۔ کیونکہ روح کو جب بارگاہ الٰہی کا قرب حاصل ہوتا ہے تو اس میں حق کے علاوہ کسی اور چیز کا ظہور نہیں ہوتا۔

کشف وہ نور ہے جو سالکین کو منازل سلوک کے دوران حاصل ہوتا ہے۔ اور یہ ظاہری حجاب کو اٹھا دیتا ہے اور مادی اسباب کو زائل کر دیتا ہے۔ یہ انہیں مجاہدہ، خلوت اور

Marfat.com

ذکر کے نتیجہ میں حاصل ہوتا ہے۔ اس کی وجہ سے ان کی بصارت، بصیرت میں تبدیل ہو جاتی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے ہر چیز کو عیاں دیکھتے ہیں اور وہ زمان و مکاں کی حدود سے آزاد ہو جاتے ہیں۔ اور پھر وہ عالم امر کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ اور یہ کیفیت اس شخص کو حاصل نہیں ہو سکتی جو خواہشات نفسانی، شیطانی وساوس شکوک وشبہات عقائد باطلہ میں مبتلا ہو۔ کیونکہ یہ ان روشن اور قلوب سلیمہ کے لئے خاص ہے جو دنیا کی تاریکیوں سے پاک ہو چکے ہوں اور شکوک وشبہات اور مادی کثافتوں سے منزہ ہیں۔

جو شخص اپنی نظر کو محارم سے بچاتا ہے اور اپنے نفس کو شہوتوں سے روکتا ہے اور اپنے باطن کو اللہ تعالیٰ کے مراقبہ سے معمور کرتا ہے۔ اور اکل حلال کا عادی ہوتا ہے۔ اس کی فراست اور کشف کبھی خطا نہیں کرتا۔ جو شخص اپنی نظر کو محارم سے نہیں بچاتا۔ اس کا تاریک نفس اس کے دل کے آئینہ کو گدلا کر کے اس کے نور کو مٹا دیتا ہے۔

کشف کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ جب اپنے ظاہری حواس سے باطنی حواس کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اس کی روح اس کے حیوانی نفس پر غالب آ جاتی ہے۔ روح انتہائی لطیف اور ہر چیز کو آشکارا کر دیتی ہے۔ اس طرح بندے کو کشف کی کیفیت حاصل ہوتی ہے۔ اور اسے الہام ہونے لگتا ہے۔

عظیم مؤرخ ابن خلدون اس کے بارے میں لکھتے ہیں کہ پھر عموماً مجاہدہ خلوت اور ذکر کے بعد ظاہر حجاب اٹھا جاتے ہیں۔ اور سالک عالم امر سے آگاہ ہو جاتا ہے۔ صرف ظاہری حواس سے ان چیزوں کا ادراک نہیں کیا جا سکتا اور روح کا تعلق بھی علم امر ہے اور اس کشف کا سبب یہ ہے کہ روح جب ظاہری حس سے باطنی حس کی طرف متوجہ ہوتی ہے تو ظاہری حس کے احوال کمزور اور روح کے احوال قوی ہو جاتے ہیں۔ اور اس کا حکم غالب اور وہ ارتقاء پذیر ہو جاتی ہے۔ اس عمل میں ذکر معاون کا کام دیتا ہے۔ کیونکہ وہ روح کی ترقی کی غذا ہے۔ روح اسی طرح پروان چڑھتی رہتی ہے۔ حتیٰ کہ علم کے بعد مشاہدہ کا مقام آتا

Marfat.com

ہے۔ ظاہری حجابات اٹھا دیئے جاتے ہیں۔ اور نفس انسانی اتنا صاف اور شفاف ہو جاتا ہے کہ آسانی سے ہر چیز کا ادراک کر لیتا ہے۔ اس وقت سالک کو علم لدنی اور فیوضات الٰہیہ کا حصول ہوتا ہے۔ پھر فرماتے ہیں کہ کشف اکثر اوقات صاحب مجاہدہ کو ہی حاصل ہوتا ہے۔ اس کی وجہ سے وہ کائنات کے حقائق جان لیتا ہے جو دوسرے لوگ نہیں جان سکتے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم صاحب مجاہدہ تھے اور ان کو سب کیفیات حاصل تھیں۔ لیکن وہ ان چیزوں کی طرف توجہ نہیں دیتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کی حیات مبارکہ کا مطالعہ کرنے سے اس قسم کے واقعات ملتے ہیں۔ اہل طریقت صحابہ کرام کے طریقہ کار پر عمل پیرا رہے رسالہ قشیریہ میں صاحب کشف صوفیاء کا ذکر کیا گیا ہے۔

یہ کشف وراثت محمد ﷺ ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنے صدق اخلاص اور طہارت قلب کی وجہ سے عطا ہوئی۔

کشف اور رسول اللہ ﷺ:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور بعد میں آنے والے صوفیاء کرام کے مکاشفات ذکر کرنے سے پہلے نبی کریم ﷺ کے کچھ مکاشفات ذکر کریں گے جو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو عطا کیے۔ اور یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ آپ ﷺ کا کشف معجزہ ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور صوفیائے کرام کا کشف کرامت ہے۔ اور ولی کی ہر کرامت اس کے نبی کے معجزے کے قائم مقام ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اقامت کے بعد آپ ﷺ ہماری طرف متوجہ ہوئے اور آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اقیموا صفوفکم و تراصوا فانی اراکم من وراء ظھری۔ (بخاری و مسلم)

''اپنی صفیں سیدھی کرو۔ اور باہم مل کر کھڑے ہو جاؤ۔ بے شک میں تمہیں اپنی پشت پیچھے بھی دیکھتا ہوں''۔

کیونکہ کشف عالم حس سے بالاتر ہوتا ہے اور اس میں زمان و مکان کی حدود ختم ہو

Marfat.com

جاتی ہیں۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ کیلئے قریب و بعید کا مشاہدہ برابر تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید، حضرت جعفر اور حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم کو ایک غزوہ میں بھیجا اور جھنڈا حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا یہ تینوں حضرات اس غزوہ میں شہید ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ طیبہ میں بیٹھ کر اس واقعہ کی خبر دے دی۔ آپ ﷺ نے بیان فرمایا کہ ''جھنڈا پہلے زید نے پکڑا پھر ان کو شہید کر دیا گیا۔ پھر جھنڈے کو حضرت جعفر نے اپنے ہاتھوں میں لے لیا تو آپ کو بھی شہید کر دیا گیا۔ پھر جھنڈا حضرت عبد اللہ بن رواحہ نے لیا تو آپ کو بھی شہید کر دیا گیا۔ آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ جھنڈا حضرت خالد بن ولید نے لیا تو آپ کو فتح حاصل ہوئی''۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ ارشاد غزوہ موتہ کے موقع پر ارشاد فرمایا۔

کشف اور قرآن:

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں ارشاد فرمایا:

وَكَذٰلِكَ نُرِیٓ اِبْرٰهِیْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِیَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِیْنَ (انعام: ۷۵)

''اور اسی طرح ہم نے دکھائی ابراہیم کو ساری بادشاہی آسمانوں اور زمین کی تاکہ وہ ہو جائیں کامل یقین کرنے والوں میں''۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت خضر علیہ السلام کے بارے میں تین واقعات ذکر فرمائے ہیں۔

(۱) حضرت خضر علیہ السلام کو کشف ہوا کہ وہ کشتی جس پر وہ دریا پار کرنے کیلئے سوار ہوئے تھے۔ ان کو ظالم حکمران اپنے قبضہ میں لے لے گا تو آپ نے اس میں سوراخ کر کے اسے عیب دار کر دیا تاکہ اسے ظالم کے شر سے بچایا جا سکے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

Marfat.com

اَمَّا السَّفِيْنَۃُ فَکَانَتْ لِمَسَاکِیْنَ یَعْمَلُوْنَ فِی الْبَحْرِ فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِیْبَھَا وَکَانَ وَرَاءَ ھُمْ مَلِکٌ یَّاْخُذُ کُلَّ سَفِیْنَۃٍ غَصْبًا (کھف: ۷۹)

''وہ جو کشتی تھی وہ چند غریبوں کی تھی جو (ملاحی کا) کام کرتے تھے دریا میں۔ سو میں نے ارادہ کیا کہ اسے عیب دار بنا دوں اور (اس کی وجہ یہ تھی کہ) ان کے آگے (جابر) بادشاہ تھا جو پکڑ لیا کرتا تھا ہر کشتی کو زبردستی سے''۔

(۲) آپ کو بچے کے بارے میں کشف ہوا کہ اگر یہ بچہ زندہ رہا تو یہ والدین کو کفر میں مبتلا کرے گا۔ اور انہیں قتل کردے گا۔ پس آپ نے اس کے مومن والدین پر رحم کرتے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اس کو قتل کر دیا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاَمَّا الْغُلَامُ فَکَانَ اَبَوٰاہُ مُؤْمِنَیْنِ فَخَشِیْنَا اَنْ یُّرْھِقَھُمَا طُغْیَانًا وَّکُفْرًا فَاَرَدْنَا اَنْ یُّبْدِلَھُمَا رَبُّھُمَا خَیْرًا مِّنْہُ زَکٰوۃً وَّاَقْرَبَ رُحْمًا (کھف: ۸۰، ۸۱)

''اور وہ جو لڑکا تھا تو (اس کی حقیقت یہ ہے کہ) اس کے والدین مومن تھے پس ہمیں اندیشہ ہوا کہ وہ (اگر زندہ رہا تو) مجبور کردے گا انہیں سرکشی اور کفر پر۔ پس ہم نے چاہا کہ بدلہ دے انہیں ان کا رب (ایسا بیٹا) جو بہتر ہو اس سے پاکیزگی میں اور (ان پر) زیادہ مہربان ہو''۔

(۳) آپ کو کشف ہوا کہ اس دیوار کے نیچے خزانہ ہے یہ ان دو یتیم بچوں کا تھا جن کا والد نیک آدمی تھا۔ آپ نے خزانہ کی حفاظت کے لئے بچوں پر رحم کرتے ہوئے اور ان کے والد سے محبت کی وجہ سے اس دیوار کو بغیر کسی اجرت و معاوضہ کے تعمیر کردیا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاَمَّا الْجِدَارُ فَکَانَ لِغُلٰمَیْنِ یَتِیْمَیْنِ فِی الْمَدِیْنَۃِ وَکَانَ تَحْتَہٗ کَنْزٌ لَّھُمَا وَکَانَ اَبُوْھُمَا صَالِحًا فَاَرَادَ رَبُّکَ اَنْ یَّبْلُغَا اَشُدَّھُمَا وَیَسْتَخْرِجَا کَنْزَھُمَا رَحْمَۃً مِّنْ رَّبِّکَ (کھف: ۸۲)

Marfat.com

''باقی رہی دیوار (تو اس کی حقیقت ی ہے کہ) وہ شہر کے دو یتیم بچوں کی تھی اور اس کے نیچے ان کا خزانہ دفن تھا اور ان کا باپ بڑا نیک شخص تھا پس آپ کے رب نے ارادہ فرمایا کہ وہ دونوں بچے اپنے جوانی کو پہنچیں اور نکال لیں اپنا دفینہ یہ (ان پر) ان کے رب کی خاص رحمت تھی''۔

کشف اور صحابہ کرام:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ وہ جلیل القدر صحابی ہیں جن کی صدیقیت کی گواہی خود اللہ تعالیٰ نے دی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِیْ جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖ (زمر: ۳۳)

''اور وہ ہستی جو اس سچ کو لے کر آئی اور جس نے سچ کی تصدیق کی''۔

ہم یہاں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے کشف کا ایک واقعہ ذکر کرتے ہیں جو حقیقت حال سے پردہ اٹھانے کی لئے کافی ہے۔ وگرنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے فضائل ومحاسن کو بیان کرنا کسی انسان کے بس کی بات نہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ جب آپ کے وصال کا وقت قریب آیا تو آپ نے مجھے بلایا اور ارشاد فرمایا کہ میرے بعد میرے اہل وعیال میں تیرے سوا کوئی بھی ایسا شخص نہیں ہے جس کو غنی دیکھنا زیادہ محبوب ہو۔ اور تیرا تنگ دست ہونا مجھ پر شاق ہے۔ میں نے تمہیں ''عالیہ'' کی زمین سے بیس وسق کھجوریں عطا کی تھیں۔

یہ ورثاء کا مال ہے اور یہ تیرے دو بھائی اور بہنیں ہیں۔ میں نے عرض کی کہ میری تو ایک ہی بہن اسماء ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ خارجہ کی بیٹی یعنی ان کی بیوی حاملہ ہے اور میرے دل میں یہ خیال آیا ہے کہ یہ لڑکی ہے۔ پس اس کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔ آپ فرماتی ہیں کہ آپ کے وصال کے بعد ام کلثوم پیدا ہوئیں علامہ سبکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس واقعہ میں آپ کی دو کرامات ہیں:

(۱) آپ کا خبر دینا کہ آپ کا وصال اسی مرض میں ہوگا۔ کیونکہ آپ نے ارشاد فرمایا تھا کہ یہ وراثت کا مال ہے۔

Marfat.com

(۲) یہ خبر دینا کہ آپ کے ہاں بچی پیدا ہوگی اور اس کو ظاہر کرنے میں راز یہ تھا کہ آپ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے دل کو خوش کرنا چاہتے تھے۔ کیونکہ آپ نے اس ہبہ کو ان سے واپس لے لیا تھا جن پر انہوں نے ابھی قبضہ نہیں کیا تھا۔ تو پھر آپ کو اس بات سے آگاہ کرنا بھی ضروری تھا کہ انہیں وراثت سے کتنا حصہ ملے گا۔ اس لئے آپ نے انہیں بتایا کہ یہ وراثت کا مال ہے جس میں ان کے ساتھ دو بھائی اور دو بہنیں شریک ہیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ وہ عظیم شخصیت ہیں جن کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ یہ ان لوگوں میں سے ہیں جن کو الہام ہوتا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم سے پہلی قوموں میں بعض لوگ ایسے تھے جن پر الہام کیا جاتا ہے۔ اگر میری امت میں کوئی ہے تو وہ عمر ہے۔ (بخاری، مسلم)

آپ ﷺ کی امت تمام امتوں سے افضل ہے اور جب یہ ثابت ہو چکا ہے کہ ان امتوں میں صاحب الہام موجود ہیں۔ تو اس امت میں ان کا پایا جانا بہت ضروری ہے۔

علامہ تاج سبکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ کو ایک لشکر کا سردار بنا کر بھیجا اور انہیں بلاد فارس پر حملہ کرنے کے لئے بھیجا۔ باب نہاوند کا محاصرہ کرتے ہوئے ان کے لشکر پر سخت وقت آ گیا۔ دشمن کی تعداد بڑھ گئی۔ اور قریب تھا کہ مسلمان شکست کھا جاتے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس وقت مدینہ طیبہ میں خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ آپ نے دوران خطبہ بلند آواز سے پکارا۔ یا ساریہ الجبل من استرعی الذئب الغنم فقد ظلم (اے ساریہ! پہاڑ کو لازم پکڑو جو بکریوں کو بھیڑیوں سے چرواتا ہے تحقیق وہ ظلم کرتا ہے) اللہ تعالیٰ نے ساریہ اور اس کے لشکر کو نہاوند میں آپ کی آواز سنوا دی۔ پس وہ آواز سن کر پہاڑ کی طرف لپکے اور کہنے لگے کہ یہ امیر المومنین کی آواز ہے۔ اس طرح وہ خطرے سے نجات پا کر دشمن پر غلبہ پا گئے۔

Marfat.com

علامہ سبکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا مقصد اظہار کرامت نہ تھا بلکہ آپ کو کشف حاصل ہوا تھا اور آپ اپنی آنکھوں سے لشکر کا مشاہدہ فرما رہے تھے گویا کہ آپ درحقیقت ان کے درمیان موجود تھے۔ آپ کی مکمل توجہ ان کی طرف مبذول تھی۔ اور جب مسلمانوں پر مشکل وقت آیا تو آپ نے ان کے امیر کو حکم فرمایا کہ پہاڑ کی طرف توجہ کرو۔

اس قصہ سے دو چیزیں ثابت ہوتی ہیں:

(۱) سینکڑوں میل کی دوری سے مشاہدہ کرنا اور یہی صحیح کشف ہے۔ یہ آج سے چودہ سو سال قبل کا واقعہ ہے جب ٹیلیویژن کا نام ونشان بھی نہ تھا۔

(۲) اتنی دوری کے باوجود حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ تک آپ کی آواز کا پہنچنا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قبیلہ مذحج کے کچھ لوگوں سے ملاقات کی جن میں اشتر نخعی بھی تھا۔ آپ نے جب اسے غور سے دیکھا تو فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اسے ہلاک کرے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ یہ ایک دن مسلمانوں کو مصیبت میں مبتلا کرے گا'' تو وہی ہوا جو آپ نے ارشاد فرمایا تھا۔

ابن عساکر طارق بن شہاب سے روایت کرتے ہیں کہ جب کوئی آدمی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے بات کرتا تو جب وہ آدمی دوران گفتگو جھوٹ بولتا تو آپ اسے روک دیتے۔ وہ پھر آپ سے محو کلام ہو جاتا اور دوران گفتگو جب جھوٹ بولتا تو آپ اسے روک دیتے۔ تو وہ عرض کرتا میں نے جو آپ کے ساتھ گفتگو کی وہ حق ہے سوائے ان باتوں کے جن سے آپ نے روکا۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے جب کوئی جھوٹ بولتا تو آپ فوراً پہچان لیتے۔

امام بیہقی نے ''دلائل'' میں ذکر کیا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو خبر دی گئی

Marfat.com

کہ اہل عراق نے اپنے گورنر کو پتھر مارے ہیں۔آپ غصہ کی حالت میں گھر سے نکلے اور نماز میں مشغول ہو گئے۔اور نماز میں بھول گئے۔جب آپ نے سلام پھیرا تو فرمایا:''اے اللہ! انہوں نے میری نماز میں خلل ڈالا ہے تو بھی ان کو خلط ملط کر دے۔اوران پر ثقفی نوجوان مسلط کر دے جوان پر دور جاہلیت کی طرح حکومت کرے۔نہ تو وہ ان کے نیکوکاروں سے عذر قبول کرے اور نہ ہی ان کے سیاہ کاروں سے درگزر کرے''۔آپ کا اشارہ حجاج بن یوسف ثقفی کی طرف تھا۔ابن لھیعہ فرماتے ہیں۔اس وقت حجاج بن یوسف پیدا بھی نہیں ہوا تھا۔8

علامہ سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے طبقات میں ذکر کیا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس ایک ایسا شخص آیا جس کا راستہ میں ایک عورت سے آمنا سامنا ہو گیا اور اس کی نظر اس عورت پر پڑ گئی۔حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اسے فرمایا کہ تم میں سے بعض لوگ ہمارے پاس آتے ہیں درآنحالیکہ ان کی آنکھوں میں زنا کا اثر ہوتا ہے تو اس شخص نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد بھی وحی نازل ہوتی ہے تو آپ نے ارشاد فرمایا نہیں۔یہ تو مومن کی فراست ہے۔حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اس شخص کی تادیب اور اس کو اس فعل سے روکنے کیلئے اس بات کا اظہار کیا تھا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ وہ شخصیت ہیں جن کی پرورش رسول اللہ ﷺ کی گود مبارک میں ہوئی۔اور جب رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کے درمیان مواخات فرمائی تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:''اے علی! تو میرا بھائی ہے''اور غزوہ تبوک کے موقع پر ارشاد فرمایا:''اے علی! کیا تو اس بات پر راضی نہیں ہے کہ میرے نزدیک تمہارا وہی مقام ہو جو حضرت ہارون علیہ السلام کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نزدیک تھا''۔

حضرت اصبغ فرماتے ہیں۔

اتینا مع علی فمرنا بموضع قبر حسین فقال علی ھھنا مناخ رکابھم وھھنا موضع رحالھم وھھنا مھراق دمائھم فتیة من آل محمد یقتلون بعده العرصة تبکی علیھم لسماء والارض.9

Marfat.com

''ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ آئے اور امام حسین رضی اللہ عنہ کی قبر کے مقام سے گزرے تو آپ نے ارشاد فرمایا: ''یہ ان کی سواریوں کے بیٹھنے کی جگہ ہے اور یہ ان کے خیموں کی جگہ ہے۔ اور یہ وہ جگہ ہے کہ جہاں ان کا خون بہایا جائے گا۔ اس میدان میں آل محمد ﷺ کے کچھ نوجوان شہید کیے جائیں گے جن پر زمین و آسمان نوحہ کناں ہوں گے''۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اہل کوفہ سے ارشاد فرمایا: ''تمہارے پاس رسول اللہ ﷺ کے اہل بیت تشریف لائیں گے اور تم سے مدد طلب کریں گے۔ لیکن ان کی مدد نہیں کی جائے گی''۔ اہل کوفہ نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے جو سلوک کیا یہ اسکی طرف اشارہ تھا اور اگر ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مکاشفات اور ان کی بصیرت کے واقعات کو یہاں درج کرنا چاہیں تو ہم اس کتاب کے موضوع سے بہت دور نکل جائیں۔

صوفیائے کرام اور کشف:

حضرت امام شفعی اور امام محمد بن حسن رحمہما اللہ تعالیٰ بیت اللہ شریف میں تشریف فرما تھے کہ ایک آدمی مسجد کے دروازے سے داخل ہوا۔ ان میں سے ایک نے فرمایا کہ میرا خیال ہے کہ وہ بڑھئی ہے۔ دوسرے نے فرمایا۔ نہیں بلکہ یہ لوہار ہے۔ حاضرین میں سے ایک شخص نے اس آدمی سے پوچھا تو اس نے جواب دیا میں بڑھئی ہوں لیکن آج کل میں نے لوہار کا پیشہ اختیار کیا ہوا ہے۔ ۱۰

حضرت ابوسعید خراز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں مسجد حرام میں داخل ہوا تو میں نے ایک فقیر کو دیکھا جس پر دو چیتھڑے تھے۔ میں نے اپنے دل میں کہا۔ اس قسم کے فقیر لوگوں پر بوجھ ہوتے ہیں۔ اس نے مجھے ندا دی اور کہا:

وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَافِىْ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ (بقرہ: ۲۳۵)

''اور جان لو کہ یقیناً اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو تمہارے دلوں میں ہے سو اس سے ڈرتے رہو''۔

Marfat.com

میں نے اپنے دل میں ہی توبہ کی تو اس نے مجھے ندا دی اور کہا:

وَهُوَ الَّذِیْ یَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ (شوریٰ:۲۵)

''اور وہی ہے جو توبہ قبول کرتا ہے اپنے بندوں کی''۔

پھر وہ شخص غائب ہو گیا۔ دوبارہ نظر نہ آیا۔

حضرت خیر النساج رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں اپنے گھر میں بیٹھا تھا کہ میرے دل میں خیال آیا کہ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ دروازے پر کھڑے ہیں۔ لیکن میں نے اس خیال کو دل سے جھٹک دیا۔ پھر دوسری اور تیسری مرتبہ جب خیال آیا اور گھر سے نکلا کیا دیکھتا ہوں کہ آپ دروازے میں کھڑے ہیں۔ اور فرما رہے ہیں۔ ''تم اس وقت کیوں نہیں نکلے جب تمہیں پہلی بار خیال آیا تھا''۔[11]

حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں بغداد کی جامع مسجد میں فقراء کی ایک جماعت کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ ایک نہایت ہی خوبصورت نوجوان داخل ہوا۔ میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ میرے خیال میں یہ لڑکا یہودی ہے۔ ان سب نے اس بات کو ناپسند کیا۔ پھر میں مسجد سے نکلا۔ اور وہ لڑکا بھی وہاں سے چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہی لڑکا واپس آیا اور ان سے کہنے لگا کہ اس بزرگ نے کیا کہا تھا؟ وہ شرمندگی کی وجہ سے اسے نہ بتا سکے۔ جب اس نے اصرار کیا تو انہوں نے بتایا کہ شیخ نے تمہارے بارے میں کہا تھا کہ تم یہودی ہو۔ شیخ خواص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ لڑکا میرے پاس آیا اور میرے ہاتھوں کو چوما اور مسلمان ہو گیا۔ میں نے اس کی وجہ پوچھی تو اس نے کہا کہ ہماری کتابوں میں لکھا ہے کہ صدیق کی فراست کبھی غلط نہیں ہوتی۔ میں نے سوچا کہ میں مسلمانوں کا امتحان لیتا ہوں۔ اگر کوئی صدیق ہوا تو اسی گروہ میں ہوگا۔ کیونکہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے پاک کلام کی تلاوت کرتے ہیں۔ میں جب بھیس بدل کر ان کے پاس آیا تو شیخ نے جب اپنی فراست سے مجھے پہچان لیا۔ تو میں نے جان لیا کہ وہ صدیق ہے۔ تو یہی نوجوان بعد میں بلند پایہ صوفی بن گیا۔[12]

Marfat.com

یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے حدیث پاک میں اس کی خبر دی ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ان اللہ عبادا یعرفون الناس بالتوسم (بزار طبرانی)

''اللہ کے کچھ بندے ایسے ہیں جو لوگوں کو اپنی فراست سے پہچان لیتے ہیں''۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ جامع مسجد بغداد میں وعظ فرمار ہے تھے کہ ایک نصرانی نوجوان بھیس بدل کر پوچھنے لگا۔ اس حدیث ''اتقوا فراسۃ المومن فانہ ینظر بنور اللہ'' (ترمذی) ''مومن کی فراست سے بچو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے'' کا کیا معنی ہے۔ آپ نے تھوڑی دیر کے لئے سر جھکایا پھر ارشاد فرمایا: ''اے نوجوان! مسلمان ہو جا تمہارے مسلمان ہونے کا وقت آ گیا ہے''۔ پس وہ لڑکا مسلمان ہو گیا۔[۱۳]

یہ حدیث پاک اس کشف کی اصل ہے جو کثیر صوفیاء کرام کو حاصل ہوتا ہے۔ ان میں سے بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اپنے کشف کے ذریعے ان باتوں کو جان لیتے ہیں جو ان سے پوشیدہ ہوتی ہیں۔ گویا کہ وہ ان کے ساتھ حاضر تھے۔ اور یہ چیز اس شخص کے لئے فتنہ کا باعث ہوتی ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی صفات کے ساتھ متصف نہیں ہوتا۔

کیا کشف کے ذریعہ اصحاب قبور کی حالت کو بھی جانا جا سکتا ہے؟

علامہ عبدالرؤف مناوی حدیث ''لولا ان تدافنوالدعوت اللہ ان یسمعکم من عذاب القبر''

''اگر تم بات کو چھپا سکتے تو میں اللہ سے دعا کرتا کہ وہ تمہیں عذاب قبر سنا دے''۔

شرح میں فرماتے ہیں کہ دوسری ہولناکیوں کے علاوہ صرف قبر کے عذاب ظاہر کرنے کا ارادہ فرمایا کیونکہ یہ پہلی منزل ہے۔ اور اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ کشف طاقت کے مطابق عطا کیا جاتا ہے۔ اگر کسی کو اس کی طاقت سے بڑھ کر کشف حاصل ہو جائے تو وہ ہلاک ہو جائے۔

Marfat.com

بعض صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ قبر کے حالات سے آگاہی کئی اشخاص کو ہو جاتی ہے۔لیکن یہ خطرناک چیز ہے۔جس کو یہ کیفیت حاصل ہو جائے۔وہ ایک دن میں کئی بار مرتا ہے۔اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرتا ہے اور سوال کرتا ہے کہ یہ چیز اس سے محجوب کردے اور بندے کو یہ چیز اس وقت حاصل ہوتی ہے جب اس کی روحانیت اس کی جسمانیت پر غالب آجاتی ہے۔حتیٰ کہ اس کی زندگی ملائکہ کی طرح ہو جاتی ہے۔رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں جن لوگوں کو خطاب فرمایا ہے ان کی روحانیت جسمانیت پر غالب تھی۔اور آپ ﷺ ہر قوم کے ساتھ اس کے حال کے مطابق گفتگو فرماتے تھے۔[۱۴]

مشائخ کرام کی فراست اور لوگوں کے دلوں کے راز سے آگاہ ہونے کے واقعات شمار سے باہر ہیں۔لیکن منکر کو صحابہ کرام تابعین اور بعد میں آنے والے صوفیائے کرام سے منقول صحیح واقعات اور شواہد فائدہ نہیں دے سکتے۔کیونکہ وہ صرف مادی زندگی پر ہی ایمان رکھتا ہے اور مادہ کے علاوہ کسی چیز کی تصدیق نہیں کرتا۔

علامہ تاج الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بندہ کا دل جب صاف ہو جاتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے۔اور اس کی نظر جب کسی کدورت یا کسی صاف چیز پر پڑتی ہے تو اسے جان لیتا ہے پھر ان کے مقامات مختلف ہوتے ہیں۔ان میں سے بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو کدورت کو تو جان لیتے ہیں۔لیکن اس کے اصل سبب کو نہیں جان سکتے۔اور ان میں سے بعض کا مقام اس سے بلند ہوتا ہے وہ اصل سبب کو بھی جان لیتے ہیں۔جس طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو یہ مقام حاصل تھا۔کیونکہ آدمی نے جب عورت کے چہرے کی طرف دیکھا تو اس کی وجہ سے اس میں کدورت پیدا ہوگئی۔حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کدورت کا بھی ادراک کرلیا اور اس کے اصل سبب کو بھی۔

اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہر معصیت میں کدورت ہوتی ہے جو دل میں سیاہ نقطے کا سبب بنتی ہے اور پھر یہ نقطے رین کی صورت اختیار کر جاتے ہیں۔جس طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے:

Marfat.com

كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (مطففین: ۱۴)

"نہیں نہیں۔ درحقیقت زنگ چڑھ گیا ہے ان کے دلوں پر ان کرتوتوں کے باعث جو وہ کیا کرتے تھے"۔

حتیٰ کہ دل میں رین مستحکم ہو جاتا ہے اور دل تاریک ہو جاتا ہے تو نور کے دروازے بند کر کے اس پر مہر لگا دی جاتی ہے۔ اور پھر توبہ کا کوئی راستہ باقی نہیں رہتا۔ جس طرح کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ (توبہ: ۸۷)

"اور مہر لگا دی گئی ان کے دلوں پر تو وہ کچھ نہیں سمجھتے"۔

گناہ صغیرہ چھوٹی سی کدورت کا باعث بنتا ہے جو استغفار اور توبہ وغیرہ سے محو ہو سکتی ہے اور اس کا ادراک کوئی صاحب بصیرت ہی کر سکتا ہے۔ جس طرح کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے چھوٹی سی کدورت کا ادراک کر لیا۔ کیونکہ عورت کے چہرہ کی طرف دیکھنے کے متعلق ادراک کر لیا۔ اور اس کے اصل سبب کی طرف بھی رسائی حاصل کر لی۔ اور یہ ایک بلند مقام ہے۔ اس کے مقابلہ میں دوسرے مقامات بے وقعت ہو جاتے ہیں۔ جب تک گناہ صغیرہ کے بعد دوسرا گناہ سرزد ہوتا ہے تو یہ کدورت بڑھ جاتی ہے۔ اور جب گناہوں کی کثرت ہو جائے اور اس کی وجہ سے دل تاریک ہو جائے تو ہر صاحب بصیرت اس کا مشاہدہ کر سکتا ہے جب کوئی کسی کو گناہوں میں ملوث دیکھتا ہے۔ اور اس کے تاریک دل کو اپنی فراست سے نہیں بھانپ سکتا۔ تو اسے جان لینا چاہیئے کہ اس کی ذات میں ہی کوئی نقص ہے۔ اگر وہ صاحب بصیرت ہوتا تو اس تاریکی کا ادراک کر لیتا۔ کیونکہ انسان اپنی بصیرت کے مطابق ہی ادراک کر سکتا ہے۔

فراست وہ امر ہے جس کا واقع ہونا جائز ہے اور وہ عطا ہے جو وہ اپنے نیک بندوں کو عطا کرتا ہے۔ جو اپنے دین کو مضبوطی سے تھام لیتے ہیں۔ اور اپنے اعضاء و جوارح

Marfat.com

کی حفاظت کرتے ہیں۔ اپنے قلوب کو صیقل کر کے اپنے نفوس کو مہذب بناتے ہیں۔

علامہ مناوی رحمۃ اللہ علیہ ایک ارشاد نبوی ﷺ "ان لکل قوم فراسة وانما یعرفها الاشراف" (بے شک ہر قوم میں فراست پائی جاتی ہے۔ اور اس کو قوم کے اشراف ہی جان سکتے ہیں) کی شرح میں فرماتے ہیں کہ فراست کی اساس اور بنیاد محارم سے صرف نظر کرنا ہے۔ علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنے ظاہر کو سنت کی اتباع اور اپنے باطن کو دائمی مراقبہ سے معمور کرتا ہے اور اپنے نفس کو خواہشات سے روکتا ہے۔ اور مخالفات سے صرف نظر کرتا ہے اور اکل حلال کا عادی ہو جاتا ہے تو اس کی فراست میں خطا واقع نہیں ہوتی۔ اور جس کو یہ کیفیت حاصل ہو جائے وہ اپنے دل کے ساتھ حقائق کا مشاہدہ کرتا ہے۔

گناہوں کی میل سے طہارت اور پاکیزگی کے اعتبار سے دلوں کی بہت سی قسمیں ہیں۔ یہ دل اس شیشے کی مانند ہے کہ جتنا زیادہ صاف ہوگا اتنی زیادہ اس کی قیمت ہو گی۔ کھڑکی کے شیشے اور خوردبین کے اس شیشہ میں کیا مقابلہ ہو سکتا ہے جو انتہائی دقیق جراثیم کو ظاہر کر دیتا ہے۔ جس طرح کسی کھڑکی کے شیشے پر خوردبین کے شیشے کو قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح تاریک اور مکدر دلوں کو صاف اور پاکیزہ دلوں پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح ملائکہ کو شیطان پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

المختصر جو کوشش کرتا ہے پالیتا ہے اور جو راستے پر چل پڑتا ہے وہ منزل مقصود تک پہنچ ہی جاتا ہے اور جو کسی کام کو ابتدا ہی سے مضبوطی سے سرانجام دیتا ہے وہ کسی نتیجے تک پہنچ جاتا ہے۔ کیونکہ ہر چیز کی ابتدا اس کی انتہا پر دلالت کرتی ہے۔

Marfat.com

الہام

سید شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

الالهام مایلقی فی الروع بطریق الفیض.

''الہام وہ چیز ہے کہ جو بطور فیض دل میں القاء کی جاتی ہے''۔

بعض نے کہا ہے کہ الہام دل میں واقع ہونے والے علم کا نام ہے۔ اور یہ علم کسی آیت قرآنی سے استدلال اور کسی دلیل میں غور و فکر کے بغیر عمل کا تقاضا کرتا ہے۔

الہام کی دو قسمیں ہیں:

(۱) وہ الہام جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے۔

(۲) وہ الہام جو فرشتوں کی طرف سے ہوتا ہے۔ اس سے امر نہی اور ترغیب و ترہیب کا علم حاصل ہوتا ہے۔

(۱) اللہ کی طرف سے الہام:

پہلی قسم کا ذکر اللہ تعالیٰ نے مریم علیہا السلام کے قصہ میں فرمایا ہے کہ جب آپ نے موسم سرما میں کھجور کے درخت کے نیچے پناہ لی تو اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی واسطہ کے آپ کو الہام کیا اور ارشاد فرمایا:

Marfat.com

وَهُزِّىٓ اِلَيۡكِ بِجِذۡعِ النَّخۡلَةِ تُسٰقِطۡ عَلَيۡكِ رُطَبًا جَنِيًّا فَكُلِىۡ وَاشۡرَبِىۡ وَقَرِّىۡ عَيۡنًا (مریم:۲۵)

''اور ہلاؤ اپنی طرف کھجور کے تنے کو گرنے لگیں گی تم پر پکی ہوئی کھجوریں (میٹھے میٹھے خرمے) کھاؤ اور (ٹھنڈا پانی) پیو اور آنکھیں ٹھنڈی کرو''۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم سے یہ خطاب آپ کے دل میں القاء اور الہام سے کیا جس طرح کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے بارے میں ارشاد فرمایا:

وَاَوۡحَيۡنَاۤ اِلٰٓى اُمِّ مُوۡسٰٓى یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے وقت فرعون کے سپاہیوں کے ڈر سے جب آپ کی والدہ انتہائی پریشان اور کرب کی حالت میں تھیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی واسطہ کے آپ کو الہام فرمایا اور ارشاد فرمایا:

وَاَوۡحَيۡنَاۤ اِلٰٓى اُمِّ مُوۡسٰٓى اَنۡ اَرۡضِعِيۡهِ‌ۚ فَاِذَا خِفۡتِ عَلَيۡهِ فَاَلۡقِيۡهِ فِى الۡيَمِّ وَلَا تَخَافِىۡ وَلَا تَحۡزَنِىۡ‌ۚ اِنَّا رَآدُّوۡهُ اِلَيۡكِ وَجٰعِلُوۡهُ مِنَ الۡمُرۡسَلِيۡنَ (قصص:۷)

''اور ہم نے الہام کیا موسیٰ کی والدہ کی طرف کہ اسے (بے خطر) دودھ پلاتی رہ۔ پھر جب اس کے متعلق تمہیں اندیشہ لاحق ہو تو ڈال دینا اسے دریا میں اور نہ ہراساں ہونا اور نہ غمگین ہونا یقیناً ہم لوٹا دیں گے اسے تیری طرف اور ہم بنانے والے ہیں اسے رسولوں میں سے''۔

علامہ آلوسی اس آیت کریمہ کی تفسیر کے تحت فرماتے ہیں کہ جمہور مفسرین کے نزدیک یہاں وحی کرنے سے الہام مراد ہے۔

جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ پیغام سنا تو اپنے لخت جگر کو تلاطم خیز موجوں کے حوالے کر دیا۔ ظاہری طور پر ان تلاطم خیز موجوں میں بچے کی ہلاکت یقینی تھی لیکن آپ کی والدہ اپنے اس فعل پر مطمئن تھیں۔ کیونکہ جلوت وخلوت میں اللہ تعالیٰ کے

Marfat.com

ساتھ بلاواسطہ وحی والہام ان کا معمول تھا۔ آپ ایک سچی مومنہ اور ولیہ تھیں۔ نبی نہیں تھیں۔ اس طرح حضرت مریم علیہا السلام کا تعلق بنی اسرائیل سے تھا۔ جب یہ حال ان امتوں کا ہے تو امت محمد ﷺ کی کیا شان ہوگی۔ جس کی تمام امتوں پر افضلیت کی گواہی خودرب کریم نے دی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ. (آل عمران: ۱۱۰)

''ہوتم بہترین امت جو ظاہر کی گئی ہے لوگوں کے لئے، تم حکم دیتے ہو نیکی کا اور روکتے ہو برائی سے''۔

ملائکہ کی طرف سے الہام:

فرشتہ انسان سے بلاواسطہ ہم کلام ہوتا ہے۔ جس طرح کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ فرشتہ کے ذریعہ دل میں جو خیال ڈالا جاتا ہے وہ بھلائی اور خیر کا وعدہ اور حق کی تصدیق کا ذریعہ ہوتا ہے۔ پس جس کو یہ حاصل ہو۔ اسے یہ جان لینا چاہئے کہ اللہ کی طرف سے ہے اسے اللہ کی حمد وثنا کرنی چاہئے۔ (ترمذی)

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ آیت کریمہ: وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰۤئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰكِ عَلٰى نِسَاۤءِ الْعٰلَمِيْنَ (آل عمران: ۴۲)

''اور جب کہا فرشتوں نے اے مریم! بے شک اللہ تعالیٰ نے چن لیا ہے اور خوب پاک کردیا ہے تمہیں اور پسند کیا ہے تجھے سارے جہاں کی عورتوں سے''۔

کی تفسیر کے تحت لکھتے ہیں کہ مریم علیہا السلام نبی نہیں تھیں۔ کیونکہ نبوت و رسالت مردوں کیلئے خاص ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْۤ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى۔ (یوسف: ۱۰۹)

''اور ہم نے (رسول بنا کر) نہیں بھیجے آپ سے پہلے مگر وہ مرد جن کی طرف ہم

Marfat.com

نے وحی بھیجی بستی والوں سے''۔

جب یہ ثابت ہو گیا کہ وہ نبی نہیں تھیں تو جبرائیل علیہ السلام کا آپ کی طرف ارسال آپ کی کرامت تھی۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے ان سے بالمشافہ گفتگو کی اور یہ صرف ان کے ساتھ ہی خاص نہیں ہے۔ بلکہ ان کے علاوہ بھی بہت سے اللہ کے نیک بندے ہیں جن کے ساتھ ملائکہ ہم کلام ہوتے ہیں۔ [۱۵]

رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایک شخص کسی دوسرے گاؤں میں اپنے بھائی کی زیارت کے لئے گیا۔ اللہ تعالیٰ نے راستے میں ایک فرشتہ کو مقرر کر دیا۔ جب وہ شخص اس کے پاس سے گزرنے لگا۔ تو اس نے کہا کہاں کا ارادہ ہے؟ اس نے جواب دیا ''اس گاؤں میں اپنے بھائی کی زیارت کے لئے جا رہا ہوں''۔ فرشتہ نے کہا: ''کیا اس نے تم پر کوئی احسان کیا ہے جس کی وجہ سے تم جا رہے ہو'' جواب دیا ''نہیں میں تو صرف اس سے اللہ کے لیے محبت کرتا ہوں'' فرشتہ کہتا ہے کہ ''میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغام دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تجھ سے محبت کرتا ہے۔ جس طرح کہ تو اللہ تعالیٰ کے لئے اس بھائی سے محبت کرتا ہے۔''

علامہ ابن علان صدیقی اس حدیث پاک کی شرح میں فرماتے ہیں کہ حدیث کے ظاہری الفاظ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ فرشتہ نے اس کے ساتھ بالمشافہ گفتگو کی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْھِمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّۃِ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ نَحْنُ اَوْلِیٰٓؤُکُمْ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ. (حم السجدۃ: ۳۱)

''بے شک وہ سعادت مند جنہوں نے کہا، ہمارا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے پھر اس قول پر پختگی سے قائم رہے۔ اترتے ہیں ان پر فرشتے (اور انہیں کہتے ہیں) کہ نہ ڈرو اور نہ

Marfat.com

غم کرو۔ تمہیں بشارت ہو جنت کی جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ ہم تمہارے دوست ہیں دنیاوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی''۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کریمہ کی تفسیر فرماتے ہیں کہ فرشتے موت قبر اور بعث کے وقت نازل ہوتے ہیں اور ان کی مدد کرتے ہیں جب انہیں کوئی دینی یا دنیاوی مشکل پیش آتی ہے۔ اس مدد کے ذریعے یہ ان کے حوصلہ کو بڑھاتے ہیں۔ بذریعہ الہام ان سے خوف اور حزن کو دور کرتے ہیں۔ اور یہی بات زیادہ اظہر ہے۔ کیونکہ آیت کریمہ میں نزول ملائکہ کا حکم مطلق اور عام ہے۔ اور ان تمام مقامات کے علاوہ دوسرے مقامات کو بھی شامل ہے۔ کثیر لوگوں کا خیال ہے کہ فرشتے اکثر اوقات نیک اور صالح لوگوں پر بھی نازل ہوتے ہیں۔ اور یہ ان سے فیوض و برکات حاصل کرتے ہیں۔ اور پھر اس آیت کریمہ ''وَابْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْن ''(حم السجدۃ:۳۱)

''تمہیں بشارت ہو جنت کی جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا'' کی تفسیر کے تحت لکھتے ہیں کہ یہی وہ جنت ہے جس کا وعدہ تمہارے ساتھ دنیا میں رسل کرام علیہم السلام کی زبانوں کے ذریعے کیا گیا ہے۔ اور یہ بشارت ان تین مقامات میں سے ایک ہے۔ اور ارشاد باری تعالیٰ ''نَحْنُ اَوْلِیٰٓئُكُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا'' کی تفسیر کے تحت لکھتے ہیں یعنی ہم تمہارے امور میں تمہارے مددگار رہوں گے اور تمہیں حق بات کا الہام کریں گے اور اچھی چیز کی طرف تمہاری راہنمائی کریں گے۔ پھر فرماتے ہیں کہ ملائکہ ان مقامات کے علاوہ بھی بعض متقین کو بالمشافہ فرماتے ہیں: ''نَحْنُ اَوْلِیٰٓئُكُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا (۱۶)'' امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ ان آیات کی تفسیر کے تحت فرماتے ہیں کہ پھر اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کے بارے میں خبر دی ہے کہ وہ مومنین کو کہتے ہیں ''نَحْنُ اَوْلِیٰٓئُكُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ'' اور ملائکہ کا مومنین کیلئے اولیاء ہونے کا معنی یہ ہے کہ ملائکہ کو انسانی ارواح میں الہام یقینی مکاشفہ اور حقیقی مقامات کے ذریعے اثر کرنے کی قوت حاصل ہے۔ جس

Marfat.com

طرح کہ شیطان کو ان ارواح میں وساوس ڈالنے اور بری چیزوں کو آراستہ کرنے کی تاثیر حاصل ہے۔ الختصر ملائکہ کا پاکیزہ ارواح کا اولیاء ہونا کئی اعتبار سے ثابت ہے جن کو ارباب مکاشفہ ومشاہدہ بخوبی جانتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ یہ ولایت جس طرح دنیا میں حاصل ہے اسی طرح آخرت میں بھی باقی رہے گی۔ کیونکہ یہ تعلق عارضی نہیں جو جلدی زائل ہو جائے۔ بلکہ یہ تو موت کے بعد اور بھی قوی ہو جاتا ہے۔ کیونکہ نفس کا جوہر ملائکہ کی جنس میں سے ہے۔ اور یہ سورج کے مقابلے میں ایک شعلے اور سمندر کے مقابلے میں ایک قطرے کی مثل ہے۔ لیکن جسمانی علائق اس کے اور ملائکہ کے درمیان حائل ہو جاتے ہیں جس طرح کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر شیاطین بنی آدم کے دل کے اردگرد چکر نہ لگاتے ہوتے تو وہ ملکوت سماوات کا مشاہدہ کر رہے ہوتے۔ جب یہ جسمانی علائق اور بدنی تدبیرات زائل ہو جاتی ہیں تو اس وقت پردہ اٹھتا ہے اور اثر، موثر کے ساتھ قطرہ سمندر کے ساتھ اور شعلہ سورج کے ساتھ متصل ہو جاتا ہے۔ اور یہی اللہ تعالیٰ کے اس قول سے مراد ہے۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ ملائکہ کی تسبیح سنا کرتے تھے حتیٰ کہ آپ نے اپنے زخم کو داغ لیا تو یہ تسبیح منقطع ہوگئی پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ کیفیت لوٹا دی۔

ابن اثیر ''اسد الغابہ'' میں روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے زخم کو داغنے سے منع کیا ہے۔ حضرت عمران رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے زخم کو داغ لیا تو ہم نے فلاح اور نجاح نہیں پائی۔ ملائکہ آپ کی بیماری میں آپ کو سلام کرنے کے لئے حاضر ہوتے تھے۔ اور جب آپ نے اپنے زخم کو داغ لیا۔ تو وہ سلام بند ہو گیا اور پھر بعد میں ان کی طرف لوٹا۔

الہام سے حاصل ہونے والے علم کو صوفیاء علم لدنی کہتے ہیں۔ اور یہ علم محض اللہ تعالیٰ کے فضل واحسان سے بغیر کسی واسطہ کے حاصل ہوتا ہے۔ بعض بزرگ فرماتے ہیں کہ ہم نے فیض الٰہی اور الہام الٰہی کے ذریعہ علم حاصل کیا ہے۔ لفظی تعلیم اور قولی تدریس سے حاصل نہیں کیا۔

Marfat.com

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ سے الہام کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ غائبی چراغ کا نور ہے جو صاف پاکیزہ اور خالی دل کو حاصل ہوتا ہے۔ یہ تمام اقوال کشف کے امکان اور الہام کے صحیح ہونے پر دلالت کرتے ہیں لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ دل دنیاوی علائق اور اس کے غم و حزن گناہوں کے زنگ اور اس کی ظلمات سے پاکیزہ اور صاف شفاف ہو۔ شیطان آلودہ دلوں پر تسلط قائم کرتا ہے۔ جسطرح مکھی گندے برتنوں پر بیٹھتی ہے اور جب دل پر شیطان کا تسلط قائم ہو جاتا ہے تو وہ اس کو محبوب حقیقی کے مطالعہ سے دور کر دیتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''اگر بنی آدم کے دلوں پر شیطان نہ ہو تو یہ آسمان کے ملکوت کا مشاہدہ کریں۔ (مسند امام احمد)

ذکر الٰہی اور مراقبہ شیطانی وسوسے کو دور کرنے کا ذریعہ ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''شیطان ابن آدم پر اپنا منہ رکھے ہوئے ہے۔ پس اگر وہ ذکر الٰہی کرے تو پیچھے ہٹ جاتا ہے اور اگر ذکر کو بھول جائے تو وہ اس کے دل کو اپنے منہ میں لے لیتا ہے''۔ (بیہقی ابو یعلی)

کیونکہ دل جب وسوسہ اور ذکر الٰہی سے غفلت کا عادی ہو جاتا ہے تو یہ بیمار پڑ جاتا ہے، مگر جب ذکر کا عادی ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کے انوار و تجلیات کا مرکز و محور بن جائے تو یہ صحت مند ہو جاتا ہے۔ اور اس کا شمار زندوں میں ہو جاتا ہے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اپنے رب کا ذکر کرنے اور نہ کرنے والے کی مثال زندہ اور مردہ کی سی ہے''۔ (بخاری)

مومن جب ذکر الٰہی پر مواظبت اختیار کرتا ہے اور شریعت پر استقامت، تقویٰ کو اپنا شعار بنا کر اپنے رب کے ساتھ مانوس ہو جاتا ہے تو اس کو حقیقی زندگی حاصل ہو جاتی ہے۔

صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ دل کی دو قسمیں ہیں:

(۱) وہ دل جو ابھی پیدا ہی نہیں ہوا۔ اور نہ ہی ابھی اس کی پیدائش کا وقت ہوا ہے۔ یہ وہ دل ہے جو ضلالت و گمراہی اور خواہشات نفسانیہ میں چھپا ہوا ہوتا ہے۔

Marfat.com

(۲) اور دوسرا دل وہ ہے جو پیدا ہو کر توحید کی فضا میں نکل آیا ہے اور آسمان معرفت میں محو پرواز ہے۔ اس نے نفس کی خواہشات اور تاریکیوں سے چھٹکارا حاصل کر لیا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی معیت ہی میں مطمئن ہے، اور یقین کے انوار نے اسے منور کر کے صاف شفاف آئینہ بنا دیا ہے۔ اب نہ تو اس پر شیطان کا دخل ہے اور نہ ہی اس کا غلبہ۔ یہ کوئی بعید از قیاس چیز نہیں ہے۔ کیونکہ روحانی طاقت سے انسان علم غیب تک رسائی حاصل کر لیتا ہے اور اس کی برکت سے زندہ ہو جاتا ہے۔ حالانکہ پہلے مردہ تھا تاریخ ہونے کے بعد روشن اور منور ہو جاتا ہے۔ شیطانی صفات کے بعد ملکوتی صفات سے متصف ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَ جَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ ۔

(انعام: ۱۲۲)

''کیا وہ جو پہلے مردہ تھا پھر زندہ کیا ہم نے اسے، اور بنا دیا اس کے لیے نور چلتا ہے جس کے اجالے میں لوگوں کے درمیان''۔

بلاشک وشبہ یہ روحانی اسرار و معارف محض کلام سے حاصل نہیں ہو سکتے۔ اور جس کی قسمت میں یہ اسرار و معارف نہ ہوں۔ اسے چاہیے کہ ان اصحاب اسرار و معارف کی بات تسلیم کر لے جن کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائے ہیں۔ ان علوم کا سب سے ادنیٰ حصہ ان کو تسلیم کرنا ہے۔ اور منکر کی ادنیٰ ترین سزا یہ ہے کہ اس کو یہ چیزیں عطا نہیں کی جاتیں۔ کیونکہ یہ تو صدیقین اور مقربین کا حصہ ہے۔

Marfat.com

کرامات اولیاء

کرامات کا ثبوت اور ان کی حکمت:

کرامت اور استدراج میں فرق، اور کرامات کے متعلق صوفیاء کا نقطہ نظر:

آج کل کرامات کے متعلق اکثر سوال کیا جاتا ہے کہ شریعت میں کرامات کی کیا حیثیت ہے؟ کیا قرآن وسنت میں اس کی کوئی دلیل بھی موجود ہے، اور صوفیائے کرام کو کرامات عطا کرنے میں کون سی حکمت ہے؟ کیونکہ آج کل بے دینی اور مادیت کا دور دورہ ہے اور گمراہ کن پراپیگنڈے کی کثرت ہے۔ ان چیزوں نے ہمارے نوجوان طبقہ کو بڑا متاثر کیا ہے۔ اور کئی تعلیم یافتہ افراد کو گمراہ کیا ہے حتیٰ کہ بعض نے تو کرامات کا سرے سے ہی انکار کر دیا۔ اور بعض شکوک وشبہات اور تردد میں مبتلا ہیں۔ اور یہ سب اللہ تعالیٰ اور اس کی قدرت پر ضعف ایمان اور اس کے اولیاء کرام کی عدم تصدیق کا نتیجہ ہے۔ اس لئے اظہار حق اور شریعت الٰہی کی نصرت کیلئے اس موضوع پر تفصیل بحث کریں گے۔

(۱) کرامات کا ثبوت:

کرامات اولیاء کتاب وسنت، صحابہ کرام رضی اللہ عنہما اور تابعین کے آثار سے ثابت ہیں۔ اہل سنت وجماعت کے جمہور علماء نے ان کو تسلیم کیا ہے۔ خواہ ان کا تعلق فقہاء سے ہو یا محدثین سے۔ اصولیین سے ہو یا مشائخ سے۔ ان کی تصنیفات اس پر گواہ ہیں۔

Marfat.com

اسی طرح مختلف اسلامی ادوار میں عینی مشاہدہ سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے۔ اور اسے تواتر معنوی کی حیثیت حاصل ہے، اگرچہ ان کی تفصیلات اخبار آحاد کے ضمن میں آتی ہیں۔ اور ان کا انکار صرف اہل بدعت نے ہی کیا ہے کہ جن کا ذات باری تعالیٰ اس کی صفات اور افعال پر ایمان کمزور ہے۔

کتاب اللہ سے اس کی دلیل:

(۱) اصحاب کہف کا ۳۰۹ سال تک غار میں حالت نیند میں آفات و مصائب سے محفوظ اور زندہ رہنا۔ اللہ تعالیٰ سورج کی گرمی سے ان کی حفاظت فرماتا تھا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَتَرَى الشَّمْسَ إِذَا طَلَعَتْ تَّزَاوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَإِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ (الکہف:۱۷)

''اور تو دیکھے گا سورج کو جب وہ ابھرتا ہے تو ہٹ کر گزرتا ہے ان کے غار سے دائیں جانب، اور جب وہ ڈوبتا ہے تو بائیں طرف کتراتا ہے''۔

پھر ارشاد فرمایا:

وَتَحْسَبُهُمْ أَيْقَاظًا وَهُمْ رُقُوْدٌ وَّنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ (کہف:۱۸)

''اور (اگر تو دیکھے تو) تو انہیں بیدار خیال کرے گا حالانکہ وہ سو رہے ہیں اور ہم ان کی کروٹ بدلتے رہتے ہیں کبھی دائیں جانب اور کبھی بائیں جانب، اور ان کا کتا پھیلائے بیٹھا ہے اپنے دونوں بازو ان کی دہلیز پر''۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا:

وَلَبِثُوْا فِيْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِيْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا (کہف:۲۵)

''اور وہ ٹھہرے رہے اپنے غار میں تین سو سال اور زیادہ کیے انہوں نے (اس پر نو سال)

Marfat.com

(۲) حضرت مریم رضی اللہ عنہا نے جب کھجور کے خشک تنے کو ہلایا تو سرسبز ہو گیا اس سے تازہ کھجوریں گریں۔ حالانکہ وہ کھجوروں کا موسم نہیں تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَهُزِّیۡۤ اِلَیۡکِ بِجِذۡعِ النَّخۡلَۃِ تُسٰقِطۡ عَلَیۡکِ رُطَبًا جَنِیًّا (مریم: ۲۵)

''اور ہلا وَ اپنی طرف کھجور کے تنے کو گرنے لگیں گی تم پر پکی ہوئی کھجوریں''۔

(۳) حضرت زکریا علیہ السلام جب بھی مریم علیہا السلام کے پاس ان کے کمرے میں آتے تو ان کے پاس قسم قسم کے پھل پاتے۔ حالانکہ آپ کے علاوہ کوئی اور اس کمرے میں داخل نہیں ہوتا تھا۔ جب آپ نے مریم علیہا السلام سے پوچھا کہ یہ پھل کہاں سے آئے ہیں تو انہوں نے فرمایا کہ یہ اللہ کی طرف سے آئے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

کُلَّمَا دَخَلَ عَلَیۡہَا زَکَرِیَّا الۡمِحۡرَابَ وَجَدَ عِنۡدَہَا رِزۡقًا قَالَ یٰمَرۡیَمُ اَنّٰی لَکِ ہٰذَا. قَالَتۡ ہُوَ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰہِ (آل عمران: ۳۷)

''جب بھی جاتے مریم کے پاس زکریا علیہ السلام اس کی عبادت گاہ میں تو موجود پاتے اس کے پاس کھانے کی چیزیں۔ (ایک بار) بولے۔'' یا مریم! کہاں سے تمہارے لئے آتا ہے یہ رزق''؟ مریم بولی:'' یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتا ہے''۔

(۴) حضرت سلیمان علیہ السلام کے وزیر آصف بن برخیا کا قصہ بھی قرآن مجید میں موجود ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قَالَ الَّذِیۡ عِنۡدَہٗ عِلۡمٌ مِّنَ الۡکِتٰبِ اَنَا اٰتِیۡکَ بِہٖ قَبۡلَ اَنۡ یَّرۡتَدَّ اِلَیۡکَ طَرۡفُکَ (نمل: ۴۰)

''عرض کی اس نے جس کے پاس کتاب کا علم تھا:'' میں لے آتا ہوں اسے آپ کے پاس۔ اس سے پہلے کہ تمہاری آنکھ جھپکے''۔

جمہور مفسرین کے نزدیک یہ آصف بن برخیا ہیں جو آنکھ جھپکنے سے پہلے تخت بلقیس کو ملک یمن سے فلسطین لے آئے۔

Marfat.com

سنت سے اس کی دلیل

(۱) بخاری اور مسلم شریف میں جریج عابد کا قصہ موجود ہے جس کے ساتھ بچے نے پنگھوڑے میں گفتگو کی۔

(۲) پنگھوڑے میں گفتگو کرنے والے بچے کا قصہ۔

(۳) ان تین افراد کا قصہ جو بارش سے ڈر کر غار میں داخل ہو گئے تو غار کا منہ بند ہو گیا، اور پھر ان کی دعا سے غار کا منہ کشادہ ہو گیا۔

(۴) اپنے مالک کے ساتھ گفتگو کرنے والی گائے کا قصہ۔

آثار صحابہ سے اس کی دلیل:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی بہت سی کرامات منقول ہیں۔

(۱) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر کچھ مہمان آ گئے۔ آپ نے انہیں کھانا پیش کیا۔ وہ جوں جوں کھانا کھاتے جاتے۔ کھانا بڑھتا جاتا حتیٰ کہ وہ سیر ہو گئے۔ (بخاری)

(۲) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے منبر رسول ﷺ پر کھڑے ہو کر سینکڑوں میل دور لشکر کا مشاہدہ فرمایا جیسا کہ یہ حدیث تفصیلاً گزر چکی ہے۔

(۳) حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے چہرہ دیکھ کر جان لیا کہ اس شخص نے راستہ میں کسی غیر محرم عورت پر نظر ڈالی۔ یہ واقعہ بھی تفصیلاً گزر چکا ہے۔

(۴) حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدینہ طیبہ کے قبرستان میں داخل ہوئے۔ آپ نے فرمایا۔ ''اے اہل قبور! السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ تم ہمیں اپنے بارے میں خبر دو گے یا ہم تمہیں خبر دیں''۔ راوی فرماتے ہیں کہ ہم نے آواز سنی: ''وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اے امیرالمومنین! آپ ہمیں خبر دیں کہ ہمارے بعد کیا ہوا؟'' حضرت علی رضی اللہ عنہ

Marfat.com

نے فرمایا: ''تمہاری ازواج نے نئی شادیاں کرلیں۔ تمہارے مال تقسیم ہو چکے۔ اور تمہاری اولاد یتیموں کے زمرہ میں شامل ہوگئی۔ وہ مکان جو تم نے بنائے تھے ان میں تمہارے دشمن مقیم ہیں۔ یہ تمہاری قبریں ہیں۔ اب تم ہمیں اپنے متعلق بتاؤ''۔ ایک صاحب قبر نے جواب دیا: ''ہمارے کفن پھٹ چکے ہیں اور بال بکھر چکے ہیں اور جلد ٹکڑے ٹکڑے ہو چکی ہے۔ ہماری آنکھیں رخساروں پر بہہ گئی ہیں۔ ناک میں پیپ بھر گئی ہے۔ جو کچھ ہم نے آگے بھیجا تھا اس کو پالیا۔ اور جو کچھ پیچھے چھوڑ آئے اس میں نقصان اٹھایا۔ ہم قبروں میں بطور امانت پڑے ہوئے ہیں۔''

(۵) حضرت اسید بن حضیر اور عباد بن بشر رضی اللہ عنہما کسی حاجت کے لئے رسول اللہ ﷺ کے پاس تھے۔ حتی کہ رات کا ایک حصہ گزر گیا۔ یہ رات بڑی طویل تھی۔ جب وہ باہر نکلے تو ان میں سے ایک کا عصا روشن ہوگیا۔ وہ اس روشنی میں چلتے رہے حتی کہ ایک مقام پر ان کا راستہ جدا جدا ہوگیا۔ تو دوسرے کا عصا بھی روشن ہوگیا۔ اس طرح وہ دونوں اپنے عصا کی روشنی میں گھر پہنچ گئے۔ (بیہقی، ابونعیم، بخاری)

(۶) حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کے قید ہونے کے طویل قصہ میں بنت حارث فرماتی ہیں کہ میں نے خبیب رضی اللہ عنہ سے اچھا قیدی نہیں دیکھا۔ میں نے اسے انگور کا خوشہ کھاتے ہوئے دیکھا۔ حالانکہ ان دنوں میں کسی قسم کا پھل نہ تھا۔ اور آپ بیڑیوں میں جکڑے ہوئے تھے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ رزق تھا۔

(۷) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ کوفہ کے کچھ لوگوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ کی شکایت کی۔ آپ نے تفتیش کے لئے ایک آدمی بھیجا۔ وہ کوفہ کی مسجدوں میں چکر لگا کر حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے متعلق پوچھتا، تو ہر کوئی آپ کی تعریف کرتا حتی کہ جب وہ اس سلسلہ میں ایک مسجد میں پہنچا تو ابوسعدہ نامی آدمی نے کہا کہ ''اگر تو سعد کے بارے میں

Marfat.com

ہم سے پوچھتا ہے تو میں تم کو بتاتا ہوں کہ حضرت سعد نہ تو مال غنیمت کو برابر تقسیم کرتے ہیں اور نہ جہاد کے لئے نکلتے ہیں اور نہ ہی فیصلہ کرنے میں عدل کرتے ہیں"۔ جب حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو یہ بات معلوم ہوئی تو آپ نے فرمایا:

اللھم ان کان کاذبا فاطل عمرہ واطل فقرہ و عرضہ للفتن "اے اللہ! اگر یہ جھوٹا ہے تو اس کی عمر کو طویل کر دے۔ اور اس کے فقر کو لمبا کر دے۔ اور اس کو فتنوں سے دوچار کر دے"۔

راوی کہتے ہیں کہ میں نے اس شخص کو دیکھا کہ وہ انتہائی بوڑھا ہو چکا تھا۔ بڑھاپے کی وجہ سے اس کی پلکیں آنکھوں پر گر گئی تھیں۔ اور فقر میں مبتلا تھا۔ جب اس سے پوچھا جاتا کہ تمہارا کیا حال ہے؟ تو وہ کہتا کہ "میں انتہائی بوڑھا اور فتنہ میں مبتلا ہو چکا ہوں، مجھے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی بددعا لگی"۔ (متفق علیہ)

(۸) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت علاء بن حضرمی کی تین خصوصیات دیکھی ہیں جن کی وجہ سے میں ان سے محبت کرتا رہوں گا۔

(i) میں نے انہیں دیکھا کہ ایک غزوہ میں انہوں نے سمندر کو گھوڑے پر عبور کیا۔

(ii) وہ مدینہ طیبہ سے بحرین کے سفر پر روانہ ہوئے۔ جب وہ دھناء کے مقام پر پہنچے تو ان کا پانی ختم ہو گیا۔ آپ نے بارگاہ الٰہی میں دامن طلب دراز کیا تو ریت کے نیچے سے پانی نکل آیا۔ ان سب نے پانی پیا اور کوچ کر گئے۔ ان میں ایک آدمی وہاں اپنا سامان بھول گیا۔ جب وہ واپس لینے کے لئے آیا تو وہاں پانی کا قطرہ بھی موجود نہ تھا۔

(iii) میں ان کے ساتھ بحرین سے بصرہ کی طرف نکلا۔ راستہ میں ان کا وصال ہو گیا۔ وہاں پانی موجود نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے بادل کا ایک ٹکڑا بھیجا ہم نے بارش کے پانی سے آپ کو غسل دیا اور اپنی تلواروں سے قبر کھود کر انہیں دفن کر دیا۔ کہا

Marfat.com

(۹) حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے جب حیرہ کا محاصرہ کیا تو آپ کے ساتھیوں نے کہا ان عجمیوں سے محتاط رہنا۔ یہ کہیں آپ کو زہر نہ پلا دیں۔ آپ نے فرمایا زہر لاؤ۔ آپ نے اسے اپنے ہاتھ میں لیا۔ اور بسم اللہ پڑھ کر پی گئے۔ یہ زہر قاتل آپ کو کچھ نقصان نہ پہنچا سکا۔ (بیہقی۔ ابونعیم)

(۱۰) حضرت حمزہ اسلمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے کہ ایک تاریک رات میں ہم بکھر گئے۔ تو میرا ہاتھ روشن ہو گیا۔ انہوں نے اس روشنی میں اپنی سواریوں کو جمع کیا اور ان میں سے کوئی بھی ہلاکت سے دوچار نہ ہوا۔[18]

(۱۱) حضرت عثمان بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ حضرت ام ایمن نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کا قصد کیا۔ آپ بغیر زادراہ کے پیدل چل رہی تھیں۔ اور سخت گرمی میں روزہ سے تھیں۔ آپ کو سخت پیاس لگی۔ حتیٰ کہ پیاس کی شدت کی وجہ سے ان کی موت کا خطرہ لاحق ہو گیا۔ راوی فرماتے ہیں کہ آپ مقام روحاء یا اس کے قریب تھیں۔ جب سورج غروب ہوا تو آپ فرماتی ہیں میں نے اپنے سر کے اوپر کسی چیز کی سرسراہٹ محسوس کی۔ تو میں نے اپنا سر اوپر اٹھایا تو میں نے دیکھا کہ سفید رسی سے بندھا ہوا ایک ڈول آسمان سے اتر رہا ہے۔ فرماتی ہیں کہ وہ میرے قریب ہو گیا۔ میں نے اسے پکڑا اور میں نے اس میں سے پانی پیا۔ حتیٰ کہ میں سیر ہو گئی۔ آپ فرماتی ہیں کہ اس دن کے بعد سخت گرمی میں گھومتی پھرتی تھی تاکہ مجھے پیاس لگے لیکن اس کے بعد مجھے پیاس نہ لگی۔[19]

(۱۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ کسی صحابی نے کسی قبر پر اپنا خیمہ لگا دیا۔ لیکن انہیں معلوم نہیں تھا کہ یہاں قبر ہے۔ انہوں نے وہاں کسی انسان کو سورہ ملک پڑھتے ہوئے سنا۔ پھر جب نبی کریم ﷺ کی خدمت

Marfat.com

میں حاضر ہوا تو عرض کیا کہ میں نے ایک قبر پر اپنا خیمہ گاڑ لیا تھا حالانکہ مجھے معلوم نہیں تھا کہ وہاں قبر ہے۔ میں نے اس میں ایک انسان کو سورت ملک کی تلاوت کرتے سنا۔ حتیٰ کہ اس نے سورت مکمل کر دی۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ سورت عذاب کو روکتی ہے اور عذاب قبر سے نجات دلاتی ہے۔ (ترمذی)

(۱۳) بیہقی نے حضرت قیس رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ حضرت ابو درداء اور سلمان فارسی رضی اللہ عنہما ایک پیالے میں کھانا کھا رہے تھے تو وہ پیالہ اور اس میں موجود کھانا اللہ کی تسبیح کرنے لگا۔

(۱۴) محمد بن منکدر سے مروی ہے کہ خادم رسول ﷺ حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں سمندر میں سفر کر رہا تھا کہ دوران سفر میری کشتی ٹوٹ گئی جس میں میں سوار تھا۔ میں ایک تختہ پر سوار ہو گیا۔ اس تختہ نے مجھے ایک ایسے جنگل میں اتارا جہاں شیر موجود تھا۔ وہ شیر مجھ پر حملہ کرنے کے لئے آگے بڑھا تو میں نے کہا ''اے شیر! میں رسول اللہ ﷺ کا خادم ہوں'' تو اس نے اپنے سر کو جھکا دیا۔ اور میرے قریب آ کر اپنے کندھے سے مجھے دھکیلنے لگا حتیٰ کہ مجھے جنگل سے نکال کر ایک راستہ پر گامزن کر دیا۔ اور دھیمی آواز میں دھاڑنے لگا میں نے سمجھ لیا کہ وہ مجھے الوداع کہہ رہا ہے۔[۲۰]

رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کی کثیر کرامتوں میں سے یہ چند کرامتیں ہیں جن کو بطور نمونہ ہم نے ذکر کیا ہے۔ پھر تابعین تبع تابعین اور بعد کے ادوار میں اولیائے کرام نے کرامات کے بارے میں بڑی بڑی کتب تالیف فرمائی ہیں۔ اور کثیر اکابرین ائمہ نے کرامات اولیاء کے اثبات میں کثیر تصنیفات کی ہیں۔ ان میں امام فخر الدین رازی شیخ ابو بکر باقلانی امام الحرمین ابو بکر بن فورک حجۃ الاسلام امام غزالی شیخ ناصر الدین سبکی امام ابو بکر اشعری شیخ ابو القاسم قشیری امام نووی حضرت عبداللہ یافعی اور علامہ یوسف نبہانی وغیرہ ھم

Marfat.com

کے اسماء گرامی قابل ذکر ہیں۔حتی کہ اسے علم یقینی کی حیثیت حاصل ہوگئی ہے جس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہوتی۔

بعض لوگ سوال کرتے ہیں کہ بعد میں آنے والے اولیائے کرام کی نسبت صحابہ کرام کی کرامات کیوں کم تھیں؟ اس کا جواب علامہ تاج الدین سبکی فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک اس کا وہی جواب ہے جو امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے دیا ہے۔آپ فرماتے ہیں۔''ان لوگوں کے ایمان قوی تھے۔اس لئے انہیں اپنے ایمان کو قوی کرنے کے لئے کسی چیز کی ضرورت نہ تھی۔لیکن اس کے علاوہ دوسرے لوگوں کا ایمان کمزور اور ضعیف تھا۔اس لئے کرامات کے اظہار کے ساتھ ان کے ایمان کو مضبوط اور قوی کرنے کی ضرورت تھی۔

کرامات اولیاء کے ظہور کی حکمت:

اولیاء کرام کو مختلف قسم کے خارق العادات امور عطا فرمانا حکمت الٰہی کا تقاضا ہے۔اس طرح وہ ان کے ایمان واخلاص کی وجہ سے ان کی عزت افزائی کرتا ہے۔اور اللہ کے دین کی نصرت اور جہاد میں ان کی تائید کرتا ہے اور اپنی قدرت کاملہ کا اظہار کرتا ہے۔اور لوگوں کے لئے واضح کردیتا ہے کہ قوانین فطرت اور تمام نظام کائنات اسی کے دست قدرت میں ہے۔اسباب بذات خود اثر نہیں کرتے بلکہ حقیقی مؤثر اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

یہاں معترض اعتراض کرسکتا ہے کہ دین کی نصرت اور تبلیغ خارق العادات امور سے نہیں ہوتی۔بلکہ اس کیلئے منطقی اور عقلی دلیل قائم کرنا ضروری ہے۔

جواب: ہم اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ اسلامی احکام کی نشر واشاعت کے لئے عقل سلیم اور صحیح منطق اور مضبوط دلیل کی تائید ضروری ہے۔لیکن تعصب اور عناد کی وجہ سے بعض لوگ ان چیزوں کو تسلیم نہیں کرتے اور خارق العادات امور کا مطالبہ کرتے ہیں۔تو اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کو کرامات سے نوازتا ہے۔جس طرح وہ اپنے انبیاء کرام اور رسل کی تائید معجزے کے ساتھ کرتا ہے۔معجزے کا مقصد انبیاء کرام کے صدق کا اظہار کرنا، دعوت وتبلیغ میں ان کی مدد

Marfat.com

کرنا، ناقص عقول اور مقفل قلوب کو جمود کی کیفیت سے نکال کر تعصب اور عناد سے آزاد کرنا ہے۔ تاکہ انہیں غور وفکر کے ساتھ ایمان راسخ اور یقین جازم حاصل ہو جائے۔ اس سے کرامت اور معجزہ کے درمیان فرق بھی واضح ہو جاتا ہے کہ معجزہ صرف انبیاء کرام کے ساتھ خاص ہے اور کرامات صحابہ کرام و اولیائے عظام کے ساتھ۔ اگرچہ بعض حکمتوں اور مقاصد میں دونوں مشترک ہیں۔ پھر ولی کی ہر کرامت اس کے نبی کے معجزہ کے قائم مقام ہوتی ہے۔

کرامت اور استدراج کے درمیان فرق:

ضروری ہے کہ کرامت اور استدراج کے درمیان فرق واضح کیا جائے۔ کیونکہ ہمارا مشاہدہ ہے کہ بعض لوگ ظاہر طور پر اسلام کے دعویدار فاسقوں کے ہاتھوں خارق العادات امور کا ظہور ہوتا ہے حالانکہ وہ علی الاعلان معصیت کا ارتکاب اور دین سے انحراف کرتے ہیں۔ اس کے برعکس کرامت کا ظہور ایسے ولی کے ہاتھ پر ہوتا ہے جو صحیح العقیدہ طاعت پر مواظبت، معاصی سے اجتناب اور لذات و شہوات میں مستغرق ہونے سے عراض کرنے والا ہو۔ حقیقی ولی وہی ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ. اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ كَانُوْا يَتَّقُوْنَ (یونس: ۶۲۔۶۳)

''سنو۔ بے شک اولیاء اللہ کو نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور (عمر بھر) پرہیزگاری کرتے رہے''۔

اور اس کے علاوہ فاسقوں اور زندیقوں کے ہاتھوں جو خارق العادات امور ظاہر ہوتے ہیں جیسے جسم میں تلوار کی ضرب لگانا آگ اور شیشہ وغیرہ کھانا یہ استدراج کی قسم سے ہے۔

ولی کرامت پر کبھی بھی اطمینان و سکون کا اظہار نہیں کرتا اور نہ ہی کسی غیر پر اس کی وجہ سے فخر کرتا ہے۔ علامہ فخر الدین رازی اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ صاحب کرامت۔ کرامت سے مانوس نہیں ہوتا۔ بلکہ ظہور کرامت کے وقت اس کا خوف الٰہی شدید ہو جاتا ہے۔ اور اللہ

Marfat.com

تعالیٰ کے قہر وغضب سے زیادہ محتاط ہو جاتا ہے۔ کیونکہ وہ ڈرتا ہے کہ کہیں یہ استدراج نہ ہو۔

اور اس کے برعکس صاحب استدراج اس استدراج سے مانوس ہوتا ہے جو اس سے ظاہر ہوتا ہے۔ اور گمان کرتا ہے کہ اسے یہ کرامت اس لئے ملی ہے کہ اس کا وہ مستحق تھا۔ اس وقت وہ دوسروں کو حقیر جانتا ہے اور تکبر کرتا ہے اور اس طرح وہ اللہ کے عقاب اور سزا سے بے خوف ہوتا ہے اور اپنی سوء عاقبت سے نہیں ڈرتا۔ صاحب کرامت پر ان علامات میں سے کسی ایک کا ظاہر ہونا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ استدراج ہے نہ کہ کرامت۔ اسی لئے اکثر محققین فرماتے ہیں کہ بارگاہ الٰہی سے بعد اور دوری اکثر اوقات مقام کرامات میں ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ محققین صوفیاء کرام کرامات سے اسی طرح خائف رہتے ہیں جس طرح وہ مختلف قسم کی آزمائشوں سے۔ کرامت سے انسیت حاصل کرنا راہ سلوک میں رکاوٹ کا باعث ہے اور اس کی بہت سی وجوبات ہیں۔ پھر آپ نے ان گیارہ وجوبات کو ذکر کیا ہے ہم یہاں صرف ایک کا ذکر کرتے ہیں۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''جو آدمی یہ سمجھتا ہے کہ وہ اپنے عمل کی وجہ سے کرامت کا مستحق ہو گیا تو اس کے دل میں اپنے اس عمل کی وجہ سے قدر و وقعت پیدا ہو جاتی ہے، تو ایسا آدمی جاہل ہوتا ہے۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ کو پہچان لیتا تو وہ جان لیتا کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کے سامنے مخلوق کی تمام عبادات حقیر ہیں۔ اور اس کی نعمتوں کے مقابلہ میں ان کا ہر شکر نا تمام ہے۔ اور اس کی عظمت وجلال کے مقابلہ میں ان کے تمام علوم و معارف حیرت اور جہالت کے سوا کچھ نہیں۔ میں نے کسی کتاب میں پڑھا ہے کہ شیخ ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں کسی قاری نے یہ آیت کریمہ پڑھی:

اِلَیۡهِ یَصۡعَدُ الۡکَلِمُ الطَّیِّبُ وَالۡعَمَلُ الصَّالِحُ یَرۡفَعُهٗ (فاطر: ١٠)

''اسی کی طرف چڑھتا ہے پاکیزہ کلام اور نیک عمل پاکیزہ کلام کو بلند کرتا ہے''۔

تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تیرے عمل کے بلند ہونے کی علامت

Marfat.com

یہ ہے کہ تیرے نزدیک عمل کی کوئی وقعت باقی نہ رہے، اگر تیری نظر میں تیرے عمل کی وقعت باقی ہے تو اس کو واپس دھکیل دیا جائے گا اور اگر یہ وقعت ختم ہوگئی تو اس کو بلند کر دیا جائے گا۔ [۲۱]

اگر ہم کسی شخص کو دیکھیں کہ اس سے خارق عادت امور ظاہر ہوتے ہیں تو ہم اس کے ولی ہونے کا حکم نہیں لگا سکتے، اور نہ ہی اس کے عمل کو کرامت شمار کر سکتے ہیں۔ جب تک کہ اس کے چال چلن اور احکام شریعت کی پابندی کو نہ دیکھ لیں۔

حضرت ابویزید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

لو ان رجلا بسط مصلاه على الماء وتربع فى الهواء فلا تغتروا به حتى تنظروا كيف تجدونه فى الامر والنهى.

''اگر کوئی شخص پانی پر اپنا مصلیٰ بچھالے اور ہوا میں چوکڑی مار کر بیٹھ جائے تو اس سے دھوکہ نہ کھانا حتیٰ کہ تم دیکھ لو کہ اوامر ونواہی میں اسے کیسا پاتے ہو''۔ [۲۲]

کرامات کے بارے میں صوفیاء کا موقف:

بعض تصوف کے مخالفین کا دعویٰ ہے کہ صوفیاء کا مقصد کرامات تک پہنچنا ہے۔ یہ لوگ حقیقت میں اپنے نفس میں پوشیدہ امراض اور مخفی علل کی ترجمانی کرتے ہیں۔ حالانکہ ہمارا مشاہدہ ہے کہ صوفیائے کرام تزکیہ نفس اور اس کو ریاء اور نفاق جیسی صفات مذمومہ سے پاک کرنے اور صفات حمیدہ سے آراستہ کرنے کا اہتمام کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ ان کی یہ کوشش بھی ہوتی ہے کہ ان کے تمام اعمال اسباب غایات سے پاک ہوں۔ اور ان کا مقصد صرف اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی ہوتی ہے۔ جس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ یہ لوگ ریاکاری کے شبہ سے بچنے کے لئے کرامت کو چھپاتے ہیں۔

ابوعبداللہ قرشی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''جو شخص کرامات اور خارق العادات امور کے ظہور کو اس طرح ناپسند نہیں کرتا جس طرح مخلوق خدا معاصی کے ظہور کو ناپسند کرتی ہے وہ درحقیقت حجاب میں ہے۔ ان چیزوں کو چھپانا ہی رحمت ہے۔ جو شخص اپنے نفس کی مخالفت کرتا

Marfat.com

ہے وہ کرامت اور خارق العادات امور کے ظہور کو پسند نہیں کرتا۔ بلکہ وہ تو اپنے آپ کو اس قابل سمجھتا ہی نہیں ہے۔ جب وہ مکمل طور پر اپنے ارادہ سے مستغنی ہو جاتا ہے تو اس کے لئے اپنے نفس کو ذلت اور حقارت سے دیکھنا متحقق ہو جاتا ہے تو اس وقت اس میں الطاف وعنایات میں وارد ہونے اور صدیقین کے مراتب سے متصف ہونے کی اہلیت پیدا ہو جاتی ہے۔

شیخ علی الخواص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کاملین اپنے ہاتھوں پر کرامت کے واقع ہونے سے ڈرتے ہیں اور بہت زیادہ خوف محسوس کرتے ہیں کہ کہیں یہ استدراج نہ ہو۔ اس کے علاوہ صوفیائے کرام کرامت کے اظہار سے منع کرتے ہیں۔ مگر کسی صحیح مقصد کے لئے کرامت کا اظہار صحیح ہے۔ جیسے کافروں اور مخالفوں کے مقابلہ میں شریعت کی حمایت اور نصرت اور کافروں گمراہوں اور شعبدہ بازوں کے جادو کو باطل کرنے کے لئے۔ کیونکہ یہ لوگ اپنے جادو کی وجہ سے لوگوں کو ان کے دین سے گمراہ کرتے ہیں اور ان کے عقائد اور ایمان میں شکوک وشبہات ڈالتے ہیں۔

بغیر کسی جائز سبب کے کرامات کا اظہار کرنا مذموم ہے۔ کیونکہ یہ فخر خود پسندی اور نفس کو خوش کرنے کا سبب بنتا ہے۔

شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''یہ بات مخفی نہیں کہ اکابر صوفیاء کے نزدیک کرامت کا شمار جملہ نفسانی رعونات میں ہوتا ہے مگر جب اس کا اظہار نصرت دین یا کسی مصلحت کی وجہ سے ہو۔ کیونکہ ان کے نزدیک فاعل حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے نہ کہ وہ خود۔ یہ تو صرف اس کے مظہر ہوتے ہیں اور ان کی خصوصیت صرف یہی ہے کہ یہ خارق العادات امر ان کے ہاتھوں سے ظاہر ہوا۔ مثلاً جب وہ کسی مینڈھے کو یا مرغی کو زندہ کرتے ہیں تو یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ سے ہوتا ہے۔ نہ کہ ان کی قدرت وطاقت سے۔ جب معاملہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ہے تو اس میں کوئی تعجب نہیں کرنا چاہیئے''۔[۲۴]

صوفیاء کرام کے نزدیک شریعت پر استقامت ہی سب سے بڑی کرامت ہے۔

Marfat.com

شیخ ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ''اولیائے کرام کی سب سے بڑی کرامت اطاعت خداوندی کی دائمی توفیق حاصل ہونا اور معاصی و شرعی مخالفت سے محفوظ ہونا ہے''۔

حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس کرامات کا ذکر ہوا تو فرمایا۔ ''ان کرامات کی کوئی حیثیت نہیں۔ یہ تو وقتی چیز ہے یہ وقت کے گزرنے کے ساتھ ہی ختم ہو جاتی ہیں۔ بلکہ سب سے بڑی کرامت یہ ہے کہ تو اپنے اخلاق کے ساتھ کسی کے اخلاق مذمومہ کو اخلاق حسنہ میں تبدیل کردے۔[۲۴]

شیخ ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حقیقی کرامت استقامت کا حصول اور اس میں کمال حاصل کرنا ہے اور اس کی بنیاد دو چیزوں پر ہے، اللہ تعالیٰ کی ذات پر یقین کامل کا حصول اور ظاہر و باطن میں رسول اللہ ﷺ کی اتباع۔ بندہ کے لئے ضروری ہے کہ ان دو چیزوں کے حصول کے لئے حریص رہے اور اپنی تمام ہمت و کوشش ان ہی کے حصول کے لئے صرف کرے۔ اس کے علاوہ رہا خارق عادت امر کا ظہور تو محققین کے نزدیک اس کرامت کی کوئی حیثیت نہیں کیونکہ یہ تو بعض اوقات اس سالک کو بھی حاصل ہو جاتی ہے۔ جسے ابھی استقامت کاملہ حاصل نہیں ہوتی۔ بلکہ یہ تو استدراج کے طور پر بعض لوگوں کو حاصل ہو جاتی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ جامع ترین صرف دو ہی کرامتیں ہیں:

(۱) ایمان کے ساتھ یقین اور مشاہدہ کا حصول۔

(۲) نبی کریم ﷺ کی اقتداء اور پیروی اور جھوٹے دعوؤں اور دھوکہ دہی سے اجتناب۔

تو جسے یہ دو چیزیں حاصل ہو جائیں اور پھر وہ غیر کی طرف مشتاق ہو تو وہ جھوٹا اور دھوکہ باز ہے۔ اور صحیح علم و عمل سے بہت بعید ہے۔ یہ اس شخص کی طرح ہے جسے بادشاہ کی رضا اور اس کی مجلس میں حضوری حاصل ہو اور وہ اس رضا کو چھوڑ کر جانوروں کی دیکھ بھال میں مصروف ہو جائے۔

Marfat.com

شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کرامت کی دو قسمیں ہیں: (۱) حسی (۲) معنوی۔

عوام الناس صرف حسی کرامات کو ہی جانتے ہیں جیسے دل کی بات بوجھ لینا، ماضی حال اور مستقبل کے بارے میں غیب کی خبریں دینا۔ کائنات میں سے کسی چیز کو لینا پانی پر چلنا، ہوا میں اڑنا، طی الارض، آنکھوں سے چھپ جانا اور فوراً دعا کا قبول ہونا۔ عوام الناس اسی قسم کی کرامات کو ہی پہچانتے ہیں۔ مگر معنوی کرامات کو صرف اللہ کے خاص بندے ہی جانتے ہیں اور عوام الناس کی ان تک رسائی نہیں ہوتی۔ اور معنوی کرامات یہ ہیں کہ بندہ آداب شرع کا پابند ہو جائے۔ اسے مکارم اخلاق اپنانے اور برے اخلاق سے اجتناب کرنے کی توفیق حاصل ہو۔ تمام فرائض کو ان کے اوقات میں ادا کرنے کا خیال رکھے۔ نیکی کرنے میں جلدی کرے، اس کے دل سے لوگوں کے لئے حسد و کینہ اور سوء ظن کو دور کرنا، دل کو تمام صفات مذمومہ سے پاک کر کے اس کو مراقبہ کے ساتھ آراستہ کرے۔ اپنے نفس اور تمام اشیاء کے متعلق حقوق الٰہی کا خیال رکھنا، اپنے دل میں انوار و تجلیات کی طرف متوجہ ہونا، اپنی ہر ہر سانس کا خیال رکھنا۔ جب سانس اس کے اندر داخل ہو اس کو ادب سے وصول کرے۔ اور جب اسے باہر نکالے تو اس پر بارگاہ الٰہی میں حضوری کے آثار ہوں۔ یہ تمام ہمارے نزدیک اولیائے کرام کی وہ معنوی کرامات ہیں جن میں مکر او استدراج داخل نہیں ہوتا۔

صوفیائے کرام کسی صالح ولی اللہ کے ہاتھ پر کرامت کے ظہور کو اس کی افضیلت کی دلیل نہیں سمجھتے۔ امام یافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''یہ لازم نہیں کہ صاحب کرامت اولیائے کرام ان سے افضل ہوں جو صاحب کرامت نہیں ہوتے بلکہ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ بعض اولیائے کرام جن سے کرامات کا ظہور نہیں ہوتا۔ وہ صاحب کرامت سے افضل ہوتے ہیں۔ کیونکہ کرامت صاحب کرامت کے یقین کی تقویت کے لئے ہوتی ہے۔ اور یہ اس کے صدق اور اس کی فضیلت قوت یقین اور کمال معرفت سے حاصل ہوتی ہے۔[۲۵]

Marfat.com

اسی طرح صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ کسی ولی اللہ کے ہاتھ پر کرامت کا عدم ظہور اس کے عدم ولایت کی دلیل نہیں ہے۔ امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر دنیا میں کسی ولی کے لئے ظاہری کرامت نہ ہو تو یہ اس کے ولی ہونے میں قدح کا باعث نہیں ہے۔ شیخ الاسلام زکریا انصاری رحمۃ اللہ علیہ اس کی شرح میں فرماتے ہیں۔ ''بلکہ بعض اوقات یہ ولی صاحب کرامت سے افضل ہوتا ہے۔ کیونکہ افضلیت کا دارومدار یقین کامل پر ہے نہ کہ کرامات کے ظہور پر''۔

Marfat.com

حقیقت اور شریعت

Marfat.com

حقیقت اور شریعت

تمہید و تعریف

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ مشہور حدیث جبریل میں دین کو تین بنیادی ارکان میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اس کی دلیل رسول اللہ ﷺ کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ ارشاد فرمانا ہے کہ یہ جبرائیل تمہیں تمہارا دین سکھانے کے لئے آیا ہے۔[1]

(۱) رکن اسلام

یہ دین کا عملی پہلو ہے جس میں عبادات، معاملات اور دیگر دینی امور شامل ہیں جن کو بجالانے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے۔ اور اس کا تعلق جسم کے ظاہری اعضاء سے ہے۔ علماء کی اصطلاح میں س کو شریعت کہتے ہیں۔ اس پہلو کی تحقیق و تشریح میں فقہائے کرام کو نمایاں مقام حاصل ہے۔

(۲) رکن ایمان

یہ دین کا وہ اعتقادی پہلو ہے جس کا تعلق دل سے ہوتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں، کتابوں اور رسولوں، یوم آخرت اور قضاء و قدر پر ایمان لانا شامل ہے۔ اس پہلو کی تحقیق کا حق علم کلام کے ماہرین نے ادا کیا۔

Marfat.com

(۳) رکن احسان

یہ دین کا خالص، روحانی اور قلبی پہلو ہے۔ یعنی تو اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرے گویا کہ اسے دیکھ رہا ہے۔ اگر تجھے یہ مقام حاصل نہیں تو تو اس کی عبادت اس طرح کر کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔ اس پہلو میں وہ تمام عرفانی احوال و مقامات، وجدانی ذوق اور علوم لدنیہ شامل ہیں۔ جو مذکورہ بالا طریقہ کے مطابق عبادت کرنے کے نتیجہ میں حاصل ہوتے ہیں۔ علماء کی اصطلاح میں اسے حقیقت کہتے ہیں۔ اور اس پہلو کی توضیح و تشریح کا سہرا صوفیائے کرام کے سر ہے۔

شریعت اور حقیقت کے باہمی تعلق کی وضاحت کے لئے ہم ایک مثال پیش کرتے ہیں۔ مثلاً اگر نماز کو اس کے ظاہری اعمال و حرکات اور فقہائے کرام کے بیان کردہ ارکان و شرائط کے مطابق ادا کیا جائے تو اسے شریعت کا نام دیا جا سکتا ہے۔ اور اگر نماز میں حضور قلب حاصل ہو جائے تو اسے حقیقت کہتے ہیں۔ اور یہی روح نماز ہے۔

اس سے نتیجہ نکلا کہ نماز کے ظاہری اعمال اس کے جسم کی مانند ہیں اور اس میں خشوع و خضوع اس کی روح ہے۔ بغیر روح کے جسم کا کوئی فائدہ نہیں۔ پس جس طرح روح اپنے قیام کیلئے ایک جسم کی محتاج ہے اسی طرح جسم کو ایک روح کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی معنی میں ارشاد الٰہی ہے:

اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ (البقرہ: ۱۱۰)

''اور صحیح ادا کرو نماز اور دیا کرو زکوٰۃ''۔

نماز قائم کرنے کا مفہوم یہ ہے کہ اس کو جسم اور روح کے ساتھ ادا کیا جائے اس لئے اللہ تعالیٰ یہ نہیں فرماتا کہ نماز پڑھو۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت اور حقیقت کے درمیان اسی طرح گہرا ربط ہے جس طرح جسم اور روح کے درمیان۔ کامل مومن وہی ہے جو شریعت اور حقیقت کا جامع

Marfat.com

ہو۔اور صوفیائے کرام اسی چیز کی طرف لوگوں کی راہنمائی کرتے ہیں اور وہ رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام کے نقش قدم پر گامزن ہیں۔ایمان کامل اور اس ارفع مقام کے حصول کے لئے راہ طریقت کو اختیار کرنا ضروری ہے۔یعنی کسی مرشد کامل کی صحبت میں رہ کر مجاہدۂ نفس کرنا اور اس کی ناقص صفات کو صفات کاملہ کے ساتھ تبدیل کرتے ہوئے معرفت الٰہی کی منزل تک رسائی حاصل کرنا ہے۔گویا کہ طریقت وہ پل ہے جو سالک کو شریعت سے حقیقت تک پہنچا دیتا ہے۔

سید جرجانی ''تعریفات'' میں فرماتے ہیں: ''طریقت سے مراد وہ مخصوص طرز عمل ہے جس کو سالکین معرفت الٰہی کی منازل طے کرنے اور اعلیٰ مقامات کے حصول کے لئے اختیار کرتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ شریعت اساس و بنیاد ہے اور طریقت اس تک پہنچنے کا وسیلہ ہے۔اور حقیقت ان پر مرتب ہونے والا ثمرہ ہے۔ان تینوں چیزوں کا آپس میں گہرا ربط ہے۔جس نے شریعت کو مضبوط سے تھام لیا وہ راہ طریقت پر چلتا ہوا حقیقت تک پہنچ جائے گا۔ان میں کوئی تعارض اور تناقض نہیں ہے۔اسی لئے صوفیائے کرام فرماتے ہیں:

کل حقیقه خالفت الشریعة فهي زندقه

''ہر حقیقت جو شریعت کے مخالف ہو وہ زندیقی ہے''۔

یہ کیسے ممکن ہے کہ حقیقت، شریعت کے مخالف ہو کیونکہ شریعت پر عمل کے نتیجہ میں ہی تو سالک کو اس تک رسائی حاصل ہوتی ہے۔

صوفیائے کرام کے امام احمد زروق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فقہ کے بغیر تصوف کا کوئی تصور نہیں۔کیونکہ فقہ ظاہری احکام کو جاننے کا ذریعہ ہے اور بعینہٖ فق تصوف کے بغیر نامکمل ہے۔کیونکہ کوئی ظاہری عمل صدق نیت اور رضائے الٰہی کے بغیر مقبول نہیں۔اور اسی طرح تصوف اور فقہ کی بنیاد ایمان پر ہے۔کیونکہ بغیر ایمان کے نہ فقہ مقبول ہے اور نہ ہی تصوف۔

Marfat.com

اس سے معلوم ہوا کہ ان تینوں پر عمل پیرا ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ یہ آپس میں لازم وملزوم ہیں جس طرح جسم اور روح آپس میں لازم وملزوم ہوتے ہیں کہ روح کا وجود جسم کے بغیر ممکن نہیں۔ اور اسی طرح جسم کی زندگی روح کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مَنْ تَصَوَّفَ وَلَمْ يَتَفَقَّه فَقَدْ تَزَنْدَقَ. وَمَنْ تَفَقَّهَ وَلَمْ يَتَصَوَّفْ فَقَدْ تَفَسَّقَ وَمَنْ جَمَعَ بَيْنَهُمَا فَقَدْ تَحَقَّقَ

''جس نے تصوف کو اپنایا اور فقہ سے بے بہرہ رہا۔ وہ زندیق ہوا، اور جس نے علم فقہ کو سیکھا اور تصوف پر عمل پیرا نہ ہوا۔ وہ فاسق ہوا۔ اور جس نے ان دونوں کو جمع کر لیا اس نے حقیقت کو پالیا''۔

پہلا شخص زندیق اس لئے ہوا کیونکہ اس نے حقیقت کو شریعت سے جدا تصور کیا۔ اس لئے وہ جبریہ کے عقائد کی طرف مائل ہو گیا اور کہنے لگا کہ انسان کو کسی بھی معاملہ میں کوئی اختیار حاصل نہیں۔ کسی شاعر نے اس کی حالت ان الفاظ میں بیان کی ہے:

القاه فی الیم مکتر فاوقاله ایاک ان تبتل بالما

''اس کو باندھ کر سمندر میں پھینک دیا اور اسے کہا: ''بچنا بچنا۔ کہیں تو پانی سے بھیگ نہ جائے''۔

اس طرح اس نے احکام سریعت پر عمل کرنا چھوڑ دیا اور اس نے شریعت کے اسرار و رموز کو جاننے کی کوشش نہ کی۔

اور دوسرا شخص اس لئے فاسق ہو گیا کیونکہ اس کے دل میں تقویٰ کا نور اور اخلاص داخل نہ ہوا۔ نہ ہی اس نے اپنے نفس کا محاسبہ کیا تا کہ اس کو معصیت سے روکتا۔ اور رست کے دامن کو مضبوطی سے پکڑ لیتا۔

تیسرے شخص نے حقیقت تک رسائی اس لئے حاصل کی، کیونکہ اس نے دین

Marfat.com

کے تمام ارکان یعنی ایمان اسلام اور احسان کو جمع کیا جس کا ذکر حدیث جبریل میں آیا ہے۔

جس طرح علمائے ظاہر حدود شریعت کی حفاظت کرتے ہیں۔ اسی طرح صوفیائے کرام تصوف کے آداب اور اس کی روح کی حفاظت کرتے ہیں۔

جس طرح علمائے ظاہر کے لئے جائز ہے کہ وہ ادلہ شریعت کی حفاظت کرتے ہیں۔اسی طرح صافیائے کرام تصوف کے آداب اور اس کی روح کی حفاظت کرتے ہیں۔

جس طرح علمائے ظاہر کے لئے جائز ہے کہ وہ ادلہ شرعیہ کے استنباط اور حدود و فروع کے تعین کے لئے اجتہاد کریں۔اور ان چیزوں پر حلت وحرمت کا حکم لگائیں جن کا ذکر قرآن وحدیث میں واضح طور پر نہیں بیان کیا گیا۔بعینہ عارفین کے لئے بھی جائز ہے کہ وہ مریدین اور سالکین کی اصلاح وتربیت کے لئے آداب اور طریقے مستنبط کریں۔

سلف صالحین اور صوفیائے کرام نے حقیقی عبودیت اور صحیح اسلام تک رسائی حاصل کی۔کیونکہ وہ شریعت،طریقت اور حقیقت پر بیک وقت عمل پیرا ہے۔کیونکہ وہ خود ان سنہری اصولوں پر عمل پیرا تھے اس لئے انہوں نے دوسرے لوگوں کی بھی صراط مستقیم کی طرف راہنمائی کی۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اگر حقیقت کو دین سے الگ کر دیا جائے تو اس کی جڑ خشک ہو جائے۔اور ٹہنیاں ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جائیں۔اور اس کا ثمرہ فاسد ہو جائے۔

مخالفین اور ان کے اعتراضات

صوفیائے کرام پر اعتراضات کرنے والے اگر تو شریعت،طریقت اور حقیقت کی اس تقسیم کا انکار کرتے ہیں جس کو ہم نے بیان کیا ہے،تو ان کا مقصد یہ ہے کہ روح اسلام کو اس کے جسم سے جدا کر دیں اور حدیث جبریل میں بیان کردہ دین کے تین ارکان میں سے ایک بنیادی رکن کو ساقط کر دیں۔ان کا یہ عمل علمائے اسلام اور کبار فقہاء کرام کے عمل کے مخالف بھی ہے۔

Marfat.com

ابن عابدین اپنے مشہور حاشیہ ردالمحتار میں فرماتے ہیں کہ طریقت سے مراد وہ مخصوص طرز عمل ہے جس کو سالکین معرفت الٰہی کی منازل طے کرنے اور اعلیٰ مقامات کے حصول کے لئے اختیار کرتے ہیں۔

اس کے بعد وہ فرماتے ہیں کہ حقیقت دل کے ساتھ ربوبیت کے مشاہدہ کا نام ہے۔ اور یہ وہ روحانی سر ہے جس کی کوئی حد نہیں۔ حقیقت اور شریعت آپس میں لازم وملزوم ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے لئے راستہ کی دو جہتیں ہیں: (۱) باطن اور (۲) ظاہر

ظاہری راستہ کو شریعت اور طریقت کہتے ہیں اور باطنی کو حقیقت شریعت اور طریقت کی اصل حقیقت ہے جس طرح مکھن کی اصل دودھ ہے۔ دودھ سے مکھن بلونے کے بغیر حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ اور ان تینوں کا مطلوب ومقصود یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرے جس طرح اس کے کرنے کا حق ہے۔ [۳]

شیخ عبداللہ یافعی فرماتے ہیں کہ حقیقت اسرار ربانی کے مشاہدہ کا نام ہے۔ اور شریعت پر استقامت کا نام طریقت ہے۔ طریقت کو اختیار کرنے والا حقیقت تک رسائی حاصل کر لیتا ہے۔ حقیقت شریعت پر استقامت کی انتہاء ہے۔ اور کسی چیز کی انتہاء اس سے علیحدہ نہیں ہوتی۔ اس سے نتیجہ نکلا کہ حقیقت شریعت کے مخالف نہیں۔ [۴]

صاحب ''کشف الظنون علم'' تصوف کے بارے میں فرماتے ہیں کہ علم تصوف علم حقیقت کا ہی دوسرا نام ہے۔ اس کو علم طریقت بھی کہا جاتا ہے۔ اور اس سے مراد نفس کو برے اخلاق سے پاک کرنا اور دل کو گھٹیا اغراض سے صاف کرنا ہے، علم شریعت، علم حقیقت کے بغیر بیکار ہے۔ اور علم حقیقت علم شریعت کے بغیر باطل۔

علم شریعت جس کا تعلق ظاہری اصلاح سے ہے یہ حج کی بنیادی ضروریات کے مترادف ہے۔ اور علم طریقت جس کا تعلق اصلاح باطن سے ہے یہ حج کی منازل اور اس کے راستہ کی پیچ وخم کو جاننے کے قائم مقام ہے۔ جس طرح صرف بنیادی ضروریات اور راستہ کی

Marfat.com

منازل کو جان لینا ظاہری حج کے لئے کافی نہیں۔ جب تک کہ انسان بنیادی ضروریات کی تیاری کے بعد راستہ پر نہ چل نکلے۔

بعینہ صرف احکام شریعت اور آداب طریقت کو جان لینا حج معنوی کے لئے کافی نہیں جب تک آدمی ان پر عمل پیرا نہ ہو۔ 5

اگر معترضین اس تقسیم کو تسلیم کرتے ہیں لیکن شریعت۔ طریقت اور حقیقت کے ناموں کا انکار کرتے ہیں تو ہم ان کا اس طرح جواب دیں گے کہ علمائے اور فقہائے کرام کا یہی عمل ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ کہ یہ ایک اصطلاح ہے اور اس پر اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔

اگر وہ اس تقسیم اور نام کو تسلیم کرتے ہیں لیکن وہ صوفیائے کرام کے قلبی احوال ان کے وجدانی ذوق اور ان کے علوم لدنیہ کا انکار کرتے ہیں۔

تو ہم ان کا جواب یہ دیں گے کہ یہ وہ امور ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اپنے مخلص بندوں اور سچے محبین کو عطا فرما کر ان کی عزت افزائی فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت پر کوئی پابندی نہیں۔

یہ وہ علوم و معارف اور فیوض الٰہیہ جو اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا کیے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ علم کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ علم جو دل میں ہوتا ہے۔ ایک روایت میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں وہ علم جو دل میں ثابت ہوتا ہے اور یہی علم نافع ہے اور دوسرا علم وہ ہے جو زبان پر جاری رہتا ہے اور یہ علم مخلوق پر اللہ تعالیٰ کی حجت ہے۔ 6

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی اسی مفہوم کی تائید کرتی ہے۔ ابو نعیم نے ''حلیہ الاولیاء'' میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا: ''اے معاذ! تو نے کیسے صبح کی۔ انہوں نے عرض کی ''میں نے اس حال میں صبح کی کہ میں اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان لانے والا ہوں''۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''ہر قول کا کوئی مصداق،

Marfat.com

اور ہر چیز کی حقیقت ہوتی ہے۔ تمہارے اس قول کی کیا حقیقت ہے؟'' انہوں نے عرض کی: ''اے اللہ کے نبی ﷺ! میں نے جب بھی صبح کی تو میں یہ گمان کرتا ہوں کہ شاید مجھ پر شام آئے یا نہ آئے اور جب شام کرتا ہوں تو صبح کرنے کا کوئی یقین نہیں ہوتا۔ اور جب بھی کوئی قدم اٹھاتا ہوں تو وہ یہ خیال کرتا ہوں کہ میں دوسرا قدم نہیں اٹھا سکوں گا۔ گویا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ ہر امت گھٹنوں کے بل بیٹھی ہے، ان کو ان کی کتاب کی طرف بلایا جا رہا ہے اور ان کے ساتھ ان کا نبی بھی موجود ہے، یا وہ بت ان کے ساتھ ہیں جن کی وہ عبادت کیا کرتے تھے۔ گویا کہ میں اہل جہنم کی سزا اور اہل جنت کے ثواب کو دیکھ رہا ہوں''۔ یہ بات سن کر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اے معاذ! تو نے حق کو پہچان لیا۔ اس کو لازم پکڑ و'' ۔

سلف صالحین کو یہ علوم و معارف اس لئے حاصل ہوئے کہ انہوں نے قرآن کریم اور سنت نبویہ کو مضبوطی سے تھام لیا۔ رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہما کی پیروی کی۔ اور مجاہدۂ نفس کے دوران روزوں اور قیام اللیل کو اپنایا اور اس فانی دنیا سی زہد اختیار کیا جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یہ کشف عطا فرمایا۔ جس پر اللہ تعالیٰ نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یہ کشف عطا فرمایا۔ جس پر رسول اللہ ﷺ نے اعتراف کرتے ہوئے فرمایا: اے معاذ! عَرَفْتَ فَالْزِمْ (تو نے حق کو پہچان لیا پس تو اسے لازم پکڑ)

حضرت امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ صا ویائے کرام پر اللہ تعالیٰ کے انعام و اکام کے متعلق فرماتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام کے طریقہ پر عمل پیرا رہے۔ آپ فرماتے ہیں: ''عزیز من! علم تصوف وہ علم ہے جو اولیائے کرام کے دلوں میں پروان چڑھتا ہے جب ان کے دل کتاب وسنت پر عمل کرنے کی وجہ سے روشن ہوتے ہیں۔ بلکہ جو بھی کتاب وسنت پر عمل پیرا ہوتا ہے اس کے دل میں علوم و معارف اور اسرار و حقائق کے وہ سوتے پھوٹتے ہیں جن کو زبان بیان کرنے سے عاجز ہے۔ یعینہ اسی طرح جس طرح علمائے شریعت پر شرعی احکام کے اسرار و رموز منکشف ہوتے ہیں جب وہ اپنے علم کے

Marfat.com

مطابق اس پر عمل پیرا ہوں۔8

ہمارے سلف صالحین اخلاص کے ساتھ اپنے علم پر عمل بھی کرتے تھے۔اس طرح ان کے دل روشن اور منور ہو گئے۔اور ان کے اعمال بشری کمزوریوں سے پاک ہو گئے، جب وہ اس دنیا سے رخصت ہو گئے تو ان کے بعد کچھ ایسے لوگ آئے جنہوں نے اپنے علم و عمل میں اخلاص کی طرف توجہ نہ دی تو ان کے دل تاریک ہو گئے اور صوفیائے کرام پر وارد ہونے والے انوار و تجلیات سے محروم ہو گئے تو ان چیزوں کا انکار کرنے لگے۔

بعض عاقبت نا اندیش اور خود غرض لوگ ابن تیمیہ وغیرہ کے کلام سے استدلال کر کے صوفیائے کرام پر اعتراض کرتے ہیں اور ان پر یہ جھوٹا الزام لگاتے ہیں کہ وہ شریعت کو چھوڑ کر حقیقت پر زیادہ توجہ دیتے ہیں اور اپنے کشف اور مفاہم پر اعتماد کرتے ہیں اگرچہ یہ ظاہر شریعت کے مخالف ہوں لیکن ان کا یہ اعتراض بالکل بے بنیاد اور باطل ہے حتیٰ کہ خود ابن تیمیہ کا کلام ان کے اس نظریہ کے بطلان پر شاہد ہے۔کیونکہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے صوفیائے کرام کے کتاب وسنت پر کاربند ہونے کے بارے میں گفتگو کی ہے۔آپ فرماتے ہیں کہ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانہ کے تمام مشائخ سے زیادہ شریعت اور اس کے اوامر و نواہی پر کاربند تھے اور شریعت کو ہمیشہ ذوق پر مقدم رکھتے تھے۔اسی طرح آپ خواہشات اور ارادۂ نفس کو ترک کرنے کا حکم فرماتے تھے۔کیونکہ ارادۂ نفس کی وجہ سے سالک خطا کا شکار ہو جاتا ہے۔اس لئے آپ سالک کو حکم فرمایا کرتے تھے کہ اسے اپنے ذاتی ارادہ کی طرف متوجہ نہیں ہونا چاہیئے بلکہ اس کا وہی ارادہ ہونا چاہیئے جو اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہو۔

آپ فرماتے ہیں کہ جمہور سلف صالحین جو کہ صاحب استقامت تھے۔جیسے فضیل ابن عیاض، ابراہیم بن ادہم، ابوسلیمان درانی، معروف کرخی، سری سقطی، جنید بن محمد وغیرہ متقدمین میں اور متاخرین میں شیخ عبدالقادر جیلانی، شیخ احمد اور شیخ ابو بیان رحمہم اللہ علیہم وغیرہ بزرگ ہیں۔جو سالک کو ایک لمحہ کے لئے بھی شریعت کے اوامر و نواہی سے خارج

Marfat.com

ہونے کی اجازت نہیں دیتے۔ اگرچہ وہ ہوا میں اڑنے اور پانی پر چلنے کی طاقت رکھتے ہیں۔ بلکہ اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ آخردم تک اوامر الہیہ بجالائے اور نواہی سے اجتناب کرے اور یہی وہ صحیح راستہ ہے۔ جس پر کتاب وسنت اور سلف صالحین کا اجماع دلالت کرتا ہے۔ اس قسم کی اکثر چیزیں ان کی گفتگو میں موجود ہیں۔ 9

اب ہم صوفیاء کرام کے اقوال وارشادات ذکر کرتے ہیں جو ان کے کتاب و سنت پر سختی سے کاربند رہنے پر شاہد ہیں۔

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

کل حقیقه لاتشهد لها الشریعه فهی زندقه. طر الی الحق عزوجل بجناحی الکتاب والسنه. ادخل علیه ویدک فی ید الرسول ﷺ.

''ہر وہ حقیقت کہ شریعت جس کی موید نہ ہو وہ زندیقی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پہنچنے کے لئے کتاب وسنت کے پروں کے ساتھ پرواز کر اور اس کی باگاہ میں اس حال میں داخل نہ کہ تیرا ہاتھ رسول اللہ ﷺ کے دست اقدس میں ہو۔ 10

جعلی صوفیاء جو یہ گمان کرتے ہیں کہ بعض احوال میں سالک سے شرعی تکالیف ساقط ہو جاتی ہیں ان کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''فرضی عبادات کو چھوڑ دینا زندیقی ہے، ممنوعات کا ارتکاب کرنا معصیت ہے اور کسی حال میں بھی فرائض ساقط نہیں ہوتے۔ 11

حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سات چیزوں پر ہماری بنیاد ہے۔

(۱) قرآن پاک پر عمل پیرا ہونا (۲) رسول اللہ ﷺ کی پیروی کرنا (۳) اکل حلال (۴) کسی کو تکلیف نہ دینا (۵) گناہوں سے اجتناب کرنا (۶) توبہ (۷) حقوق کی ادائیگی پر کاربند رہنا۔

شیخ ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے: ''جب تیرا کشف کتاب وسنت

Marfat.com

کے مخالف ہوتو کتاب وسنت پر عمل کراور اپنے کشف کو چھوڑ دے۔اور اپنے نفس کو یہ سمجھا کہ اللہ تعالیٰ کتاب وسنت میں میری عصمت کا ضامن ہے۔کشف والہام میں میرا ضامن نہیں''۔[۱۲]

شیخ ابوسعید خراز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ''ہروہ باطن کہ ظاہر جس کی مخالفت کرے وہ باطل ہے''۔

شیخ ابوالحسین وراق فرماتے ہیں کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ تک توفیق الٰہی اور رسول اللہ ﷺ کی اتباع و پیروی کے ذریعہ ہی پہنچ سکتا ہے۔اور جس نے آپ کی اتباع کے علاوہ کوئی اور طریقہ اختیار کیا وہ راہِ راست سے بھٹک جاتا ہے۔اگرچہ وہ گمان کرتا ہے کہ وہ ہدایت یافتہ ہے۔[۱۳]

شیخ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ''صوفیاءکرام کے نزدیک قرآن وسنت کسوٹی ہے۔اس لئے سالک کو چاہیئے کہ وہ اپنی ہر ہر حرکت کو اس شرعی میزان کے ذریعہ پرکھ لے''۔

آپ مزید برآں فرماتے ہیں کہ صوفیائے کرام کے طریقہ کی بنیاد علم وعمل ہے اور اس کا تانا پیٹا شریعت ہے نہ کہ دونوں میں سے ایک۔[۱۴]

امام شعرانی فرماتے ہیں کہ''جو صوفیائے کرام کے احوال کا بغور جائزہ لیتا ہے اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ ان لوگوں کے علوم و معارف شریعت سے خارج نہیں ہیں۔اور شریعت سے خارج کیسے ہو سکتے ہیں۔کیونکہ شریعت ہی تو انہیں اللہ تک پہنچانے کا ذریعہ ہے''۔

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سے صافی کے بارے میں پوچھا گیا۔تو آپ نے فرمایا:''صوفی وہ ہے جو قرآن کریم کو اپنے دائیں ہاتھ میں اور سنت رسول اللہ ﷺ اپنے بائیں ہاتھ میں لیتا ہے۔اپنی ایک آنکھ سے جنت کی طرف دیکھتا ہے اور دوسری سے جہنم کی طرف۔دنیا کو اپنا تہبند بنالیتا ہے اور آخرت کو اپنی قمیض۔اور ہر لحظہ اپنے مولیٰ کی بارگاہ میں عرض کرتا ہے:''اے اللہ! میں حاضر ہوں۔اے اللہ! میں حاضر ہوں''۔

Marfat.com

آپ مزید ارشاد فرماتے ہیں: ''بدن پر دس چیزیں فرض ہیں

(۱) فرائض کی ادائیگی۔

(۲) محارم سے اجتناب۔

(۳) بارگاہ الٰہی میں تواضع۔

(۴) اپنے بھائیوں کی اذیت رسانی سے اجتناب۔

(۵) نیک و بد کو نصیحت۔

(۶) تمام امور میں رضائے الٰہی کی طلب۔

(۷) مغفرت کو طلب کرنا۔

(۸) غصہ، تکبر، بدکاری، لڑائی جھگڑے کو ترک کرنا۔

(۹) ہر وقت موت کے لئے تیار رہنا۔

اس کے باوجود تصوف کے مخالفین جب بھی صوفیائے کرام کے اخلاق کے بارے میں کوئی بات سنتے ہیں تو فوراً کہہ دیتے ہیں کہ یہ صوفیاء کا کلام ہے نہ کہ شرعی۔ اس سے سننے والا یہ گمان کرتا ہے کہ تصوف شریعت سے جدا کسی چیز کا نام ہے حالانکہ آپ جان چکے ہیں کہ تصوف شریعت کا لب لباب ہے۔ اور جو شخص بھی صوفیائے کرام کی ان کتب کا مطالعہ کرتا ہے جو دشمن کی سیہ کاریوں سے محفوظ ہیں جیسے ابونعیم کی کتاب ''حلیہ الاولیاء''، ''رسالہ قشیریہ''، قلا آبادی کی ''تعرف''، طوسی کی ''اللمع''، امام غزالی کی ''احیاء العلوم''، شیخ سلمی کی ''طبقات الصوفیہ''، شیخ حارث محاسبی کی ''الرعیہ بحقوق اللہ'' اور شیخ ابن عربی کی ''وصایا'' وغیرہ۔ تو اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ ان میں شریعت کے مخالف کوئی چیز نہیں ہے۔ کیونکہ وہ بڑی سختی سے اپنے نفوس کا محاسبہ کرتے ہیں اور ہمیشہ عزیمت پر عمل کرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان لوگوں کے طریقہ کی بنیاد علم و عمل پر ہے۔ اس کا تانا اور پیٹا شریعت اور حقیقت ہے۔

Marfat.com

کیا شریعت اور حقیقت جدا جدا ہیں

بعض تصوف کے جھوٹے دعویدار اور اسلام سے انحراف کرنے والے کہتے ہیں کہ دین کا مقصد صرف حقیقت ہے۔ اس طرح انہوں نے احکام شریعت کو معطل کر دیا ہے۔ فرائض اور واجبات کو ترک کر کے شریعت کی مخالفت کو جائز قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دل کی اصطلاح ہی مقصد حقیقی ہے۔ وہ اپنے آپ کو اہل باطن کا نام دیتے ہیں۔ اور دوسرے لوگوں کو اہل ظاہر کہتے ہیں۔ یہ لوگ صراط مستقیم سے بھٹکے ہوئے اور زندیق ہیں۔ ان کے اقوال و اعمال مخلص صوفیائے کرام پر حجت نہیں ہو سکتے۔ صوفیائے کرام نے ان لوگوں کے خطرہ سے خبردار کیا ہے اور ان کے پاس بیٹھنے اور صحبت اختیار کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اور ان کے احوال اور دین اسلام سے انحاف سے برات کا اظہار کیا ہے۔

حضرت ابو یزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک مرید سے فرماتے ہیں کہ چلو اس شخص کو دیکھیں جس نے اپنے آپ کو ولایت میں مشہور کر رکھا ہے۔ اس شخص کے زہد و تقویٰ کا بڑا چرچا تھا۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب ہم اس تک پہنچے وہ اپنے گھر سے نکلا تو قبلہ شریف کی طرف منہ کر کے تھوک دیا۔ جب ابو یزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا یہ عمل دیکھا تو آپ واپس لوٹ آئے اور اسے سلام تک نہ کیا اور فرمایا کہ شخص رسول اللہ کے آداب میں سے ایک ادب کی حفاظت نہیں کر سکا۔ وہ اس کی حفاظت کیسے کر سکتا ہے جس کا وہ دعویٰ (ولایت) کرتا ہے۔[15]

آپ فرماتے ہیں کہ اگر تم کسی ایسے شخص کو دیکھو جو صاحب کرامت ہو حتیٰ کہ وہ ہوا میں بھی اڑتا ہو تو اس سے دھوکہ نہ کھاؤ۔ بلکہ دیکھو کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی کی بجا آوری، اللہ تعالیٰ کی حدود کی حفاظت اور احکام شریعت کی ادائیگی میں کیسا ہے؟

شیخ احمد زروق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''وہ شخص جو رسول اللہ ﷺ کی ظاہری سنت پر عمل پیرا نہ ہو، اس کی اتباع صحیح نہیں ہے اگرچہ وہ اپنی ذات کے اعتبار سے صحیح ہو اور اس سے ہزاروں کرامات کا اظہار ہو۔[16]

Marfat.com

حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تین قسم کے لوگوں کی صحبت سے بچو: اپنے انجام سے غافل، جابر و ظالم، خوشامد اور جاہل صوفی۔

سید احمد رفاعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس طرح نہ کہو کہ جس طرح بعض جاہل صوفی کہتے ہیں کہ ہم اہل باطن ہیں اور وہ اہل ظاہر ہیں۔ یہ دین مکمل اور جامع ہے اس کا باطن اس کے ظاہر کا لب لباب ہے اور اس کا ظاہر باطن کے لئے ظرف ہے۔ اگر ظاہر نہ ہوتا، تو باطن کا بھی وجود نہ ہوتا۔ جس طرح یہ ثابت شدہ حقیقت ہے کہ دل جسم کے بغیر قائم نہیں رہ سکتا بلکہ اگر جسم نہ ہو تو دل فاسد ہو جائے۔ اور اسی طرح دل جسم کا نور ہے۔ اور یہ علم جس کو بعض علم باطن کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ اس سے مراد اصلاح قلب ہے۔ اور اس کی بنیاد ارکان اسلام پر عمل کرنا اور دل کے ساتھ ان کی تصدیق کرنا ہے۔

اے مخاطب! جب تیرا دل حسن نیت سے متصف اور پاکیزہ ہو لیکن اس کے ساتھ ساتھ تو قتل، چوری، اور زنا کا ارتکاب کرے۔ سود کھائے اور شراب پیئے۔ جھوٹ بولے، تکبر کرے، سختی سے پیش آئے تو تیرے دل کی حسن نیت اور پاکیزگی کا کیا فائدہ ہے؟

جب تو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے۔ تیرا دامن پاک رہے، روزہ رکھے، صدقہ کرے اور تواضع و انکساری اختیار کرے اس کے باوجود تیرے دل میں نمود و نمائش اور فساد ہو تو تیرے عمل کا کیا فائدہ ہے؟ ۱۷ے

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اس آدمی کا انکار کرتے ہیں جو یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ کسی خاص حال میں سالک سے شرعی پابندیاں ساقط ہو جاتی ہیں جیسا کہ یہ پہلے گزر چکا ہے کہ آپ نے فرمایا: ''فرضی عبادات کو ترک کرنا زندیقی ہے اور ممنوعات کا ارتکاب کرنا معصیت ہے۔ فرض کسی حال میں بھی ساقط نہیں ہو سکتا۔''

شیخ الطائفہ امام جنید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمارا یہ مذہب (تصوف) کتاب و سنت کے اصولوں کے ساتھ مقید ہے۔ آپ مزید فرماتے ہیں کہ مخلوق خدا کے لئے وصول الی اللہ کے تمام راستے بند ہیں مگر ایک راستہ کھلا ہے۔ اور وہ رسول اللہ ﷺ کی پیروی کا طریقہ ہے۔ جس نے آپ کی سنت کی پیروی کی اور آپ کے طریقہ پر کاربند رہا۔ اس کے

Marfat.com

لیے نیکی کے تمام راستے کھلے ہیں۔ ۱۵؎

آپ کے پاس ایک آدمی نے معرفت کا ذکر کیا اور کہنے لگا، ''اہل معرفت بھی ایسے مقامات پر پہنچ جاتے ہیں جہاں وہ نیکی کے اعمال ترک کر دیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ ایک مقام پر بندے سے فرائض و واجبات ساقط ہو جاتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک ان کا یہ قول بڑا خطرناک ہے بلکہ جو شخص چوری اور زنا کرتا ہے اس کی حالت ان لوگوں سے اچھی ہے جو اس قسم کی باتیں کرتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ عارفین اللہ تعالیٰ سے ان اعمال صالحہ کو حاصل کرتے ہیں اور انہی اعمال کے ذریعہ اس کی رضا حاصل کر لیتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ اگر میں ہزار سال بھی زندہ رہوں تو نیک اعمال میں ذرا بھی کمی نہ کروں گا۔ آپ مزید فرماتے ہیں کہ علم تصوف قیل وقال کے ذریعہ حاصل نہیں کیا بلکہ بھوک، ترک دنیا اور خواہشات نفسانیہ کو ختم کر کے حاصل کیا۔ ۱۶؎

شیخ ابراہیم بن محمد نصر آبادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تصوف کی بنیاد درج ذیل امور پر استوار ہے:

(۱) کتاب وسنت کی پیروی (۲) نفسانی خواہشات اور بدعات کو ترک کرنا (۳) مشائخ کرام کی تعظیم (۴) مخلوق خدا کی معذرت قبول کرنا۔ (۵) اپنے ساتھیوں کے ساتھ حسن سلوک اور ان کی خدمت کرنا۔ (۶) اخلاق جمیلہ کو اپنانا (۷) ذکر واذکار پر پابندی کرنا (۸) اور رخصت اور تاویلات سے اجتناب کرنا۔

آپ فرماتے ہیں کہ راہ طریقت میں وہی گمراہ ہوتا ہے کہ جس کی ابتداء صحیح نہ ہو۔ کیونکہ ابتداء کی خرابی انتہاء میں اثر کرتی ہے۔ ۱۷؎

فقہاء صافیا شریعت اسلامیہ کے علمائے کرام یعنی فقہا، محدثین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر گامزن تھے وہ شریعت، طریقت اور حقیقت کو جامع تھے۔ اپنی عملی عبادات کو اخلاص کے ساتھ ادا کرتے تھے وہ عبادت کی حلاوت اور اس کے اسرار سے واقف تھے۔ اسی طرح وہ اپنے نفوس کی تہذیب اور اپنے قلوب کی اصلاح کیلئے مجاہدے کیا کرتے تھے۔

Marfat.com

تقویٰ اور معرفت الٰہی سے آراستہ ہونے کی وجہ سے انہوں نے یہ عملی مراتب حاصل کیے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی کتاب کا فہم اور شریعت میں تعمق عطا فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے امت کو ان کے علوم سے نفع پہنچایا۔ حالانکہ انہیں گزرے ہوئے صدیاں بیت گئیں۔ گویا کہ وہ اپنے ان علمی آثار کی وجہ سے آج بھی زندہ ہیں۔

صاحب درمختار علامہ حصکفی حنفوں رحمۃ اللہ علیہ نقل کرتے ہیں کہ ابوعلی دقاق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نے یہ طریقہ ابوالقاسم نصرآبادی سے حاصل کیا۔ ابوالقاسم فرماتے ہیں کہ میں نے اسے شبلی سے اخذ کیا اور انہوں نے سری سقطی سے اور سری سقطی نے معروف کرخی سے اور انہوں نے داؤد طائی سے اور داؤد طائی نے یہ علم اور طریقہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کیا۔ اور ان میں سے ہر ایک نے امام صاحب کی تعریف و توصیف کی اور آپ کی فضیلت کا اعتراف کیا۔ پھر صاحب درمختار اس پر تبصرہ فرماتے ہیں:

''اے میرے بھائی! تعجب ہے تم پر۔ یہ صوفیائے کرام کیا تمہارے لئے اسوۂ حسنہ نہیں ہیں؟ کیا انہوں نے امام صاحب کی فضیلت کا اقرار نہیں کیا ہے، کیا اس میں وہ جھوٹے ہیں؟ نہیں یہی تو طریقت کے ائمہ اور شریعت وحقیقت کے والی ہیں! ان کے بعد آنے والے ان کے تابع ہیں۔ اور ان بزرگوں کی مخالفت کرنے والا مردود اور بدعتی ہے[۱۸]

شاید آپ کیلئے یہ بات تعجب کا باعث ہو کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ان جیسے اکابر اولیائے صالحین نے طریقت کو اخذ کیا ہے۔ فقہائے کرام کو بھی اس امام اعظم کی پیروی کرنی چاہیئے اور ان کے طریقہ پر چل کر شریعت اور حقیقت کو جامع ہونا چاہیئے تاکہ اللہ تعالیٰ ان کے علم کو نفع بخش بنائے جس طرح امام اعظم ابوحنیفہ کے علم کو نفع مند بنایا۔

ابن عابدین درمختار کے حاشیہ میں علامہ حصکفی کے مذکورہ قول پر تبصرہ فرماتے ہیں کہ امام اعظم اس میدان کے شہسوار ہیں۔ علم حقیقت کی بنیاد علم وعمل اور تصفیہ نفس پر ہے اور اکثر سلف صالحین نے آپ کی ان صفات کو تسلیم کیا ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ کو علم وورع زہد وتقویٰ میں وہ مقام حاصل تھا جس کو کوئی نہیں پا سکا آپ

Marfat.com

کوکوڑے مارے گئے تاکہ آپ قاضی کے عہدہ کو قبول کرلیں لیکن آپ نے قبول نہیں کیا۔

امام عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ سے زیادہ کوئی ا سبات کا مستحق نہیں کہ اس کی پیروی کی جائے۔ کیونکہ آپ متقی پرہیزگا، فقیہ، عالم دین اور امام تھے۔آپ نے علم کے اسرار و رموز سے اس طرح پردہ اٹھایا کہ کوئی دوسرا اس بلندی تک رسائی حاصل نہ کرسکا۔

سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے کہا کہ میں امام ابوحنیفہ کے پاس سے آیا ہوں تو انہوں نے فرمایا کہ تو ایسے شخص کے پاس سے آیا ہے جو کہ تمام اہل زمین سے زیادہ پرہیزگار ہے۔۱۹

اس بحث سے معلوم ہوا کہ ائمہ مجتھدین اور علمائے عاملین ہی حقیقی صوفیاء ہیں۔ اگر کوئی معترض یہ کہے کہ اگر طریقہ تصوف امر مشروع ہوتا تو ائمہ مجتھدین بھی اس کے بارے میں کتابیں لکھتے۔ حالانکہ تصوف کے بارے میں ان ائمہ کرام نے کوئی کتاب نہیں لکھی۔امام شعرانی اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ائمہ مجتھدین نے اس بارے میں کوئی کتاب اس لئے نہیں لکھی، کہ ان کے زمانہ میں قلبی امراض کم تھے اور اکثر لوگ ریاء اور نفاق سے محفوظ تھے، پھر اگر ہم یہ فرض کرلیں کہ اس زمانہ کے لوگ ان بیماریوں سے محفوظ رہتے۔ پھر بھی یہ لوگ انتہائی کم تعداد میں تھے۔اور اس کے علاوہ اس دور میں ائمہ مجتھدین ان ادلہ شرعیہ کو جمع کرنے میں مشغول تھے، جو مختلف علاقوں میں تابعین اور تبع تابعین کے ساتھ پھیلی ہوئی تھیں۔ کیونکہ یہ ادلہ ہی تمام ادلہ کی بنیاد تھیں۔اور ان ادلہ کے ذریعہ ہی تمام احکام شرعیہ کی معرفت ممکن تھی، اور یہ چیز ان امور میں مشغول ہونے سے زیادہ اہم تھی۔ جن کا تعلق دل کے ساتھ ہوتا ہے۔اور کوئی بھی عقلمند یہ نہیں کہہ سکتا کہ امام ابوحنیفہ یا امام مالک، یا امام شافعی یا امام احمد جیسے جلیل القدر ائمہ کرام اپنے نفس میں ریاء، خود پسندی، تکبر، حسد یا نفاق کو پاتے ہوں اور پھر اپنے نفس کا مجاہدہ نہ کرتے ہوں، اگر انہیں ان آفات و امراض سے سلامتی کا علم نہ ہوتا تو وہ ان کے علاج میں مشغول ہونے کو ہر علم پر مقدم کرتے۔۲۰

Marfat.com

علم

اسلام کو روز اول سے ہی سخت ترین دشمنوں اور مخالفوں کا سامنا ہے۔ یہ لوگ اسلامی علوم میں خرافات اور باطل نظریات داخل کر کے اور اس کے سنہری اصولوں کو مسخ کر کے اس کی بنیادوں کو اکھیڑنے کے خواہشمند ہیں۔ جیسا کہ ہم اس کے اثرات علم تفسیر، حدیث، تاریخ اور تصوف میں واضح طور پر مشاہدہ کرتے ہیں۔

(ا) علم تفسیر:

تفسیر کی کتب میں بہت سی اسرائیلی روایات ملتی ہیں جو جھوٹے قصوں اور غیر اسلامی عقائد پر مشتمل ہیں۔ ان روایات کو کتب تفسیر میں ان یہودیوں نے داخل کیا ہے جو ظاہری طور پر مسلمان ہو گئے ہیں۔ لیکن ان کے ذہنوں میں یہ قصے، کہانیاں راسخ ہو چکی تھیں انہوں نے اپنے انبیاء کی تحریف شدہ کتابوں سے روایت کیا تھا۔ اور بعض مسلمانوں نے انہیں صحیح سمجھ کر قبول کر لیا۔

پھر مسلمان علماء نے توفیق الٰہی سے کتب تفاسیر کو ان اسرائیلی روایات سے پاک کیا اور مسلمانوں کو ان کے ضرر سے آگاہ کیا۔ خصوصاً وہ روایات جن کا تعلق عقیدہ سے تھا جیسا کہ بعض روایات میں آتا ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام بیمار ہو گئے حتیٰ کہ آپ کے

Marfat.com

جسم میں کیڑے پڑ گئے۔ بعض اسرائیلی روایات میں انبیاء علیہم السلام کی طرف گناہوں کو منسوب کیا گیا (معاذ اللہ)۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام اپنے کسی فوجی کی بیوی پر عاشق ہو گئے۔ اس کے خاوند کو جنگی محاذ پر بھیج دیا۔ وہ وہاں قتل ہو گیا تو آپ نے اس کی بیوی کے ساتھ نکاح کر لیا۔ اور اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں آتا ہے کہ انہوں نے عزیز مصر کی بیوی کے ساتھ معاذ اللہ گناہ کا ارادہ کیا تھا۔ ان کے علاوہ بھی بہت سی ایسی حکایات ہیں جو انبیاء اور رسل کے مقام کے منافی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہر برائی سے محفوظ کر لیا تھا۔

ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان اسرائیلی روایات کو پس پشت ڈال کر صحیح مشہور اسلامی مآخذ پر اعتماد کرے۔

(۲) حدیث:

بعض خود غرض مخالفین نے اسلام کے سنہری اصولوں کو مسخ کرنے کا یہ طریقہ اپنایا کہ انہوں نے بعض بے بنیاد اور جھوٹی باتوں کو رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کر کے ذخیرۂ احادیث میں شامل کر دیا تو اس سے ان کا مقصد اسلام کے بنیادی عقیدہ کو کھوکھلا کرنا اور اس میں ایسے تباہ کن افکار داخل کرنا تھا جن کا اسلام سے دور کا بھی واسطہ نہیں تھا جیسے تجسیم، تشبیہ، جہت اور اس جیسے دوسرے غیر اسلامی عقائد۔

اسی طرح انہوں نے ترغیب وترہیب میں بھی بہت سی احادیث وضع کیں۔ جب انہیں کہا جاتا کہ تم رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ کیوں باندھتے ہو۔ حالانکہ وہ خود ارشاد فرماتے ہیں:

من كذب علی متعمد افلیتبوا مقعده من النار۔

''جس نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھا وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لے''۔

تو وہ کہتے کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے لئے جھوٹ بولا ہے نہ کہ ان کے خلاف۔ بعض لوگ سلاطین اور حکام کا قرب حاصل کرنے کے لئے احادیث گھڑا کرتے

Marfat.com

تھے۔ تاکہ وہ دنیاوی اور مادی مقاصد حاصل کریں۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کی سنت کو زندہ رکھنے کے لئے ایسے مخلص اور غیور علماء پیدا کیے جنہوں نے احادیث طیبہ کے ذخیروں کی جانچ پڑتال کر کے صحیح ضعیف اور موضوع احادیث کو الگ الگ کر دیا۔ ان علماء میں حافظ زین عراقی، علامہ ابن حجر اور شیخ ذہبی قابل ذکر ہیں۔ بعض غیور علماء نے ایسی کتب تالیف فرمائیں جن میں انہوں نے صرف موضوع احادیث کو جمع کر دیا تاکہ لوگ اس فتنہ سے محفوظ رہ سکیں جیسے علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی ''اللالی المصنوعہ فی احادیث الموضوعہ'' اور ملا علی قاری کی ''المصنوع فی الحدیث الموضوع'' وغیرہ۔

(۳) تاریخ:

ان لوگوں کے لئے تاریخ ایک وسیع اور زرخیز میدان تھا۔ انہوں نے تاریخ اسلام میں ایسے گمراہ کن خیالی قصے داخل کر دیئے جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ اس طرح وہ مسلمان خلفاء اور سلاطین کی سیرت کو مسخ کرنا چاہتے تھے۔ جیسا کہ کتاب ''الف لیلہ ولیلہ'' میں بہت سے عجیب وغریب جھوٹے قصے ہارون الرشید کی طرف منسوب کیے گئے تھے۔

صلیبیوں، مستشرقین اور ان کے پروردہ گروہ نے تاریخ اسلام کے بارے میں جو بے بنیاد اور باطل پر پیگنڈہ کیا ہے وہ کسی پر مخفی نہیں۔ ان کا مقصد اسلام کی بنیاد کو کھوکھلا کرنا اور مشاہیر اسلام کی سیرتوں کو مشکوک بنانا تھا۔ لیکن ابن ہشام۔ ابن کثیر اور ذہبی جیسے مسلمان محقق مؤرخین نے تاریخ اسلام کی تدوین وتہذیب کی۔ اور اس کو ان بے بنیاد چیزوں سے پاک کر کے صاف ستھرا کر کے پیش کیا۔ طالب حقیقت کو چاہیے کہ وہ ان صحیح مآخذ کی طرف رجوع کرے۔ تاکہ اچھی اور بری چیز میں تمیز کر سکے۔

(۴) تصوف:

علم تصوف بھی دوسرے علوم دینیہ کی طرح مخالفین کی تحریف سے محفوظ نہ رہ سکا۔ ان میں سے بعض نے کتب صوفیاء میں منحرفانہ عقائد اور ایسی عبارات کا اضافہ کر دیا جن کا

Marfat.com

تصوف اور صوفیاء سے دور کا بھی تعلق واسطہ نہ تھا۔ جس طرح کہ تصوف کی بعض کتابوں میں یہ شعر منقول ہے:

وما الکلب والخنز یرالا الھنا　　　وما الرب الاراھب فی کنسیه

''کتا اور خنزیر ہمارا معبود ہے اور کنیسہ کا راہب ہمارا رب ہے''۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا (کہف: ۵)

''کتنی بڑی ہے وہ بات جو نکلتی ہے ان کے مونہوں سے، وہ نہیں کہتے مگر (سراسر) جھوٹ''۔

ان میں سے بعض نے دین اسلام کو ایسے دوسرے امور سے فاسد کرنے کی کوشش کی ہے جن کا تعلق عقائد سے تھا۔ انہوں نے بعض صوفیاء کرام کی طرف ایسے اقوال منسوب کیے جو اہل سنت و جماعت کے عقیدہ کے خلاف تھے۔ جیسے حلول اور اتحاد کا قول۔ اور یہ قول کہ خالق عین مخلوق ہے اور کائنات عین خالق ہے۔

ان میں سے بعض نے صوفیائے کرام کی تاریخ کو مسخ کرنے کی کوشش کی تاکہ لوگوں کا اعتماد ان سے اٹھ جائے۔ اس سلسلہ میں انہوں نے ان کی کتب میں ایسے خیالی قصے اور واقعات داخل کر دیے جن میں یہ ظاہر کیا گیا کہ یہ لوگ منکرات اور کبائر کا ارتکاب کرتے ہیں جیسا کہ امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''طبقات کبریٰ'' میں بعض ایسے واقعات ہیں جن سے وہ بری ہیں۔

ان میں مشنری مبلغین، مستشرقین اور استعمار کے پروردہ بھی شامل ہیں جو صوفیائے کرام کی کتب کا مطالعہ صرف اس لئے کرتے ہیں کہ ان کی کلام میں تحریف کر کے اپنی طرف سے جھوٹی باتیں ان کی طرف منسوب کر کے ان کے متعلق کتابیں لکھیں۔ اس سے محض ان کا مقصد اسلام کی بنیاد پر زبان طعن دراز کرنا، اور روح اسلام کو اس کے جسم سے

Marfat.com

جدا کرنا ہے۔ بہت سے لوگ اس لئے دھوکہ میں مبتلا ہو گئے کہ انہوں نے تصوف کو مستشرقین مثلاً نکلس، گولڈ زہیر یہودی، میسین فرانسی وغیرہ کی کتابوں سے سمجھنا چاہا، اس طرح وہ ان کے جال میں پھنس گئے۔ اور ان کے مسموم افکار سے متاثر ہو کر صوفیائے کرام کی مخالفت کرنے لگے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ ایک سچا مسلمان اپنے دھوکہ باز اور مکار دشمن کی بات پر کیسے اعتماد کر سکتا ہے۔

ان میں سے بعض ایسے سادہ لوح لوگ تھے جو مستشرقین اور ان سے متاثر لوگوں کی باتوں پر اعتماد کرنے لگے۔ اور ان تحریف شدہ اقوال کو صوفیائے کرام کے اقوال خیال کرنے لگے۔ حالانکہ یہ تمام اقوال صوفیائے کرام اور تصوف سے انتہائی بعید تھے۔

اگر کوئی معترض کہے کہ صوفیائے کرام کی طرف منسوب یہ تحریف شدہ اقوال درحقیقت انہیں کے اقوال ہیں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ یہ ان کی مطبوع شدہ کتابوں میں موجود ہیں۔

ان کے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ ضروری نہیں کہ صوفیائے کرام کی کتب میں جو اقوال ہیں وہ حقیقۃ انہی کے ہیں۔ کیونکہ یہ کتب بھی مخالفین کی تحریف سے محفوظ نہیں ہیں۔ اس وقت ہمیں ایسے مخلص محققین کی ضرورت ہے جو اس عظیم اسلامی سرمایہ کو ان تحریفات سے پاک کر دیں۔

اگر صحیح طریقہ سے یہ ثابت بھی ہو جائے کہ بعض صوفیاء کا کلام شرعی حدود کے مخالف ہے تو ہم جواباً عرض کریں گے کہ کسی فرد واحد کا کلام پوری جماعت کے لئے حجت نہیں ہو سکتا۔ خصوصاً ایسی جماعت جس کا شعار مذہب اور قرآن وسنت کی پیروی کرنا ہے۔ حتی کہ مشائخ کرام فرماتے ہیں کہ صوفی کی سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ وہ حدود شرعی سے واقف ہو اور اس سے سرموانحراف نہ کرے۔ جب کسی شخص میں یہ شرط اول نہ پائی جائے اور وہ اس کے باوجود صوفی ہونے کا دعوی کرے تو اس کی بات تسلیم نہیں کی جائے گی۔ کیونکہ وہ حقیقت سے بہت دور ہے۔

Marfat.com

صوفیائے کرام پر کیے گئے ان باطل اعتراضات کا جواب دینے سے بہتر ہے کہ کوئی مثبت کام کیا جائے کیونکہ اس کام میں مشغول ہونا اپنا قیمتی وقت ضائع کرنے کے مترادف ہے۔ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ محققین علماء کرام ان اعتراضات کی حقیقت سے بخوبی آگاہ ہیں۔

اس وقت ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم یہ ذہن نشین کرلیں کہ تصوف کتابوں کے مطالعہ سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ تصوف ایمان، اخلاق، ذوق شوق اور معرفت کا نام ہے۔ اور یہ صرف ان لوگوں کی صحبت سے حاصل ہوسکتا ہے جو رسول اللہ ﷺ کی سنت پر عمل پیرا ہوں۔ اور انہیں علم و عمل اور اخلاق و معارف رسول اللہ ﷺ سے وراثت میں ملے ہوں۔ یہ وہ علم ہے جو ایک سینہ سے دوسرے سینہ کی طرف اور ایک قلب سے دوسرے قلب کی طرف منتقل ہوتا ہے۔

بعض بدباطن لوگ صوفیائے کرام کی کتابوں کا مطالعہ کرتے ہیں اور خصوصا تحریف شدہ اقوال اور مخالفین کے داخل کیے ہوئے جھوٹے واقعات پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ اور پھر یہ خیال کرنے لگے ہیں کہ تصوف صرف اسی کا نام ہے۔ اس طرح وہ صوفیائے کرام کے خلاف محاذ قائم کر کے سخت پراپیگنڈہ کرتے ہیں۔ اگر وہ صوفیائے کرام کا حقیقی موقف جان لیتے کہ وہ کیسے شریعت کی پابندی کرتے ہیں اور قرآن مجید، اور سنت رسول اللہ ﷺ پر کس قدر سختی سے عمل پیرا رہتے ہیں۔ اور کس طرح معتبر اسلامی مذاہب اربعہ پر عمل پیرا ہیں اور کس طرح اہلسنت و جماعت کے عقیدہ پر مضبوطی سے قائم ہیں تو یقیناً انہیں معلوم ہو جاتا کہ صوفیائے کرام کی طرف منسوب کردہ یہ تمام اعتراضات من گھڑت بے بنیاد اور ان کے اپنے عمل کے منافی ہیں اور یہ مخالفین کی طرف سے داخل کیے گئے ہیں۔ یا کم از کم ان کی کوئی اچھی تاویل ہوسکتی ہے۔

ہم یہاں کچھ مثالیں بیان کرتے ہیں جن سے واضح ہو جاتا ہے کہ صوفیائے کرام اور علمائے کرام اور علمائے عظام کے مخالفین نے بہت سی ایسی چیزیں ان کی کتابوں میں

Marfat.com

داخل کر دی ہیں جن کا حقیقت سے کوئی تعلق واسطہ نہیں ہے۔ ابن فراء ''طبقات'' میں فرماتے ہیں کہ امام جعفر صادق اور امام احمد بن حنبل انتہائی نیک اور متقی ہیں جن کی شہرت کو بعض برے لوگوں نے شدید نقصان پہنچایا ہے۔ فقہ جعفریہ میں بہت سے جھوٹے اور من گھڑت اقوال امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب ہیں۔ حالانکہ وہ ان اقوال سے بری ہیں۔ اور اسی طرح امام احمد کی طرف عقائد کے بارے میں بعض ایسی آراء منسوب ہیں جو آپ نے ارشاد نہیں فرمائیں۔

امام ابن حجر ہیثمی سے سوال کیا گیا کہ کیا امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا عقیدہ آج کل کے حنبلیوں کی طرح تھا؟ آپ نے جواب دیا کہ امام اہلسنت احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اللہ تعالیٰ آپ کو جنت الفردوس میں بلند مقام عطا فرمائے، کا عقیدہ اہلسنت جماعت کے عقیدہ کے موافق تھا۔ اور بعض جہلاء جو اپنے آپ کو حنبلی ظاہر کرتے ہیں اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی طرف یہ منسوب کرتے ہیں کہ آپ بھی جہت اور جسمیت کے قائل تھے تو یہ صریح جھوٹ اور بہتان ہے۔ اور وہ شخص ملعون ہے جو اس قسم کے عقیدہ کی نسبت آپ کی طرف منسوب کرتا ہے۔ حافظ امام ابوالفرج بن جوزی جو حنبلی مذہب کے ائمہ میں سے تھے انہوں نے واضح طور پر فرمایا ہے کہ امام صاحب کی طرف یہ چیزیں جو منسوب ہیں وہ محض جھوٹ، افتراء اور بہتان ہے۔ آپ کا اپنا کلام ان چیزوں کے باطل ہونے پر دلالت کرتا ہے۔[21]

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کتاب ''نہج البلاغہ'' بھی اسی سلسلہ کی کڑی ہے اور اس کا اکثر حصہ آپ کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے علی بن حسین، شریف مرتضی کے بارے میں لکھا ہے کہ اس پر کتاب ''نہج البلاغہ'' وضع کرنے کا الزام ہے۔ جو شخص اس کتاب کو پڑھے اسے یقین ہو جاتا ہے کہ یہ حضرت امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف کذب وافتراء ہے۔ کیونکہ اس میں سیدنا ابوبکر اور سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہم کو سب وشتم اور آپ کی تنقیص شان کی گئی اور اس میں ایسا تناقض اور

Marfat.com

رکیک عبارات موجود ہیں کہ قریشی صحابہ اور بعد میں آنے والے متاخرین کے بارے میں تھوڑی سی بھی سمجھ رکھنے والا شخص یہ یقین کر لیتا ہے کہ اس کتاب کا اکثر حصہ باطل ہے۔ ۲۲

امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''طبقات کبریٰ'' میں مخالفین اور حاسدوں نے ایسی عبارات داخل کر دیں جو ظاہر شریعت کے خلاف تھیں۔ آپ اس کی وضاحت خود اپنی کتاب ''لطائف المنن والاخلاق'' میں کرتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے کہ اس نے مجھے صبر عطا فرمایا جب حاسدوں اور دشمنوں نے میری کتب میں ایسے کلام کا اضافہ کر دیا جو ظاہر شریعت کے مخالف تھا، اور وہ یہ کلام پیش کر کے میرے خلاف فتوی دینے لگے۔ اور اس سلسلہ میں انہوں نے سلطان وقت کو بھی خطوط ارسال کر دیئے۔ آپ فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے میں اس آزمائش میں اس وقت مبتلا ہوا جب میں ۹۴۷ھ میں حج کے لئے مکہ مکرمہ گیا۔ تو وہاں بعض لوگوں نے ایک جھوٹا مسئلہ میری طرف منسوب کر دیا جو ائمہ اربعہ کے اجماع کے مخالف تھا۔ اور وہ یہ کہ میں نے بعض لوگوں کو نماز کو وقت سے مقدم کرنے کا فتویٰ دیا جب کہ بندہ کو کوئی ضروری کام ہو۔ انہوں نے اس بات کو دوران حج عام کر دیا اور بعض مخالفین نے خط کے ذریعہ اہل مصر کو بھی اس کی اطلاع دے دی۔ جب میں واپس مصر پہنچ آیا تو میں نے دیکھا کہ وہاں اس مسئلہ کی وجہ سے سخت اضطراب پیدا ہو گیا۔ حتیٰ کہ یہ بات مشرقی مغربی صوبوں، صعید مصر اور روسائے سلطنت تک پہنچ چکی ہے۔ جس کی وجہ سے میرے متعلقین کو بہت نقصان ہوا۔ میں نے دیکھا کہ اکثر لوگ مجھے بھی ترچھی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ میں نے اس کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے ان خطوط کے بارے میں بتایا جو مکہ سے آئے تھے۔ مجھے معلوم نہیں کہ کس نے میری غیبت کی اور میری عزت کو داغدار کرنے کی کوشش کی۔

پھر میں نے کتاب ''البحر المورود فی المواثیق العھود'' لکھی جس پر چاروں مذاہب کے چالیس علماء نے دستخط کیے لوگوں میں یہ کتاب انتہائی مقبول ہوگئی۔ انہوں نے

Marfat.com

اس کے چالیس نسخے تیار کیے۔ تو حاسدین غیظ وغضب سے بھڑک اٹھے۔ اور انہوں نے میرے ایک سادہ مرید سے اس کا نسخہ عاریۃً لیا اور اس میں باطل عقائد اور ایسے مسائل کا اضافہ کر دیا جو مسلمانوں کے اجماع کے مخالف تھے۔ اسی طرح انہوں نے جحا اور ابن راوندی کی حکایات اور لطائف شامل کر دیئے اور کتاب کے مختلف مقامات پر اس طرح ملا دیئے ایسا معلوم ہونے لگا گویا کہ وہ اصل کتاب ہے۔ اور پھر ان کتب کو بازار بھیج دیا جہاں طالبان علم کا مجمع رہتا ہے۔ انہوں نے ان کتابوں پر میرا نام دیکھا اور ان کو خرید لیا۔ بعض مخالفین اس کتاب کو جامع ازہر کے علماء کے پاس لے گئے۔ ان میں سے بعض علماء تو وہ تھے جنہوں نے اس کتاب پر دستخط کیے تھے۔ اور بعض دوسرے تھے جس کی وجہ سے ایک بہت بڑا فتنہ برپا ہو گیا، اور لوگ تقریباً ایک سال تک مساجد بازاروں اور امرا کے گھروں میں میرے خلاف باتیں کرتے رہے حالانکہ مجھے اس کا علم نہ تھا۔ شیخ ناصر الدین لقانی، شیخ الاسلام حنبلی، شیخ شہاب الادین بن حلبی نے میرا دفاع کیا۔ حالانکہ اس کا مجھے علم نہیں تھا۔ جامعہ ازہر سے میرے ایک محب نے مجھے پیغام بھیجا اور تمام حالات سے مجھے آگاہ کیا۔ میں نے اپنا وہ نسخہ اس کی طرف بھیجا جس پر علماء کے دستخط تھے جب علماء نے اس کا مطالعہ کیا اور اس میں کوئی ایسی چیز نہ تھی جو حاسدین نے میری طرف منسوب کی جب انہیں حقیقت حال سے آگاہی ہوئی تو انہوں نے اس شخص کو سب وشتم کی کی جس نے اس آگ کو بھڑکایا تھا۔

آپ فرماتے ہیں کہ میں بعض کم فہم اور عجلت پسند لوگوں کو جانتا ہوں جو ابھی بھی میرے متعلق برا نظریہ رکھتے ہیں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ انہوں نے میرے ان حاسدوں سے میرے متعلق باتیں سنیں۔ پھر ان حاسدین نے ان مسائل کو جو میری اس کتاب میں جمع کیے گئے تھے۔ اپنے پاس جمع کر لیا اور جب بھی وہ کسی کے بارے میں سنتے کہ وہ مجھے ناپسند کرتا تو اسے کہتے کہ ہمارے پاس اس کے متعلق کچھ مسائل ہیں۔ اگر تمہیں ضرورت ہے تو دکھا دیتے ہیں۔ اس طرح یہ مسائل ایک حاسد سے دوسرے حاسد تک منتقل ہوتے

Marfat.com

رہے۔ اور یہ لوگ میرے خلاف علماء سے فتویٰ لیتے اور مجھے اس کا علم تک نہ تھا۔ اور جب مجھے اس کا علم ہوا تو میں نے تمام علمائے ازہر کی طرف پیغام بھیج دیا کہ یہ تمام لوگ میرے متعلق آپ سے فتویٰ لیتے ہیں۔ اور یہ تمام مسائل میری طرف منسوب کرتے ہیں، یہ سب من گھڑت ہیں۔ اس طرح علماء نے اس کے متعلق فتویٰ دینے سے انکار کر دیا۔

عظیم مؤرخ عبدالحی بن عباد حنبلی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''شذرات الذھب فی اخبار من ذھب'' میں شیخ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ کے سوانح کے تحت آپ کی اور آپ کی تالیفات کی تعریف و توصیف کے بعد فرماتے ہیں کہ کچھ حاسدوں نے آپ کی تالیفات میں ایسے کلمات داخل کر دیے جو ظاہر شریعت کے مخالف تھے، اور اسی طرح باطل عقائد اور اجماع امت کے مخالف مسائل کا اضافہ کر دیا۔ جس کی وجہ سے آپ کو سب وشتم کا نشانہ بنایا گیا اور آپ پر بے بنیاد الزامات لگائے گئے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان حاسدین کو رسوا کر کے آپ کو ان پر غلبہ عطا فرمایا۔ آپ سنت پر سختی سے کاربند تھے اور حد درجہ کے متقی اور پرہیزگار تھے۔ آپ غرباء اور فقراء کو اپنی ذات پر ترجیح دیتے حتیٰ کہ اپنے جسم کے کپڑے بھی انہیں عطا کر دیتے۔ لوگوں کی اذیت رسانی کو برداشت کرتے۔ آپ نے اوقات کو مختلف قسم کی عبادات میں تقسیم کیا ہوا تھا۔ یعنی آپ مخلوق خدا کی راہنمائی کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف میں بھی مصروف رہتے۔ آپ کے زاویہ میں دن رات ذکر وفکر کی گونج سنائی دیتی۔ آپ جمعرات کی پوری شب رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں ہدیہ درود وسلام پڑھتے ہوئے گزارتے۔ آپ نے اس معمول کو جاری وساری رکھا۔ لوگوں کے دلوں میں آپ کی بڑی قدر تھی۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائی۔ ۲۳

شیخ شعرانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''یواقیت والجواہر'' میں فرماتے ہیں کہ بعض زندیقوں نے حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی مرض موت میں باطل عقائد کو آپ کے سرہانے کے نیچے رکھ دیا تھا۔ آپ کے شاگرد آپ کے صحیح عقیدہ سے بخوبی واقف نہ

Marfat.com

ہوتے تو وہ اس فتنہ میں مبتلا ہو جاتے۔ ۲۴ؔ

اسی طرح شیخ مجد الدین فیروز آبادی بیان فرماتے ہیں کہ کسی ملحد نے امام اعظیم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تنقیص شان میں ایک کتاب لکھی اور اس کو میری طرف منسوب کر کے شیخ جمال الدین بن الخیاط کی طرف بھیج دیا۔ شیخ نے مجھ پر سخت ناراضگی کا اظہار کیا۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں نے شیخ جمال الدین کی طرف خط بھیجا کہ میں امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا حد درجہ معتقد ہوں اور میں نے آپ کے مناقب میں ایک بہترین کتاب لکھی ہے جس میں آپ کی بے حد تعظیم کا اظہار کیا ہے۔ آپ کے پاس یہ جو کتاب پہنچی ہے اس کو جلا دو یا دھوڈالو کیونکہ یہ مجھ پر محض افتراء اور جھوٹ ہے۔ ۲۵ؔ

عظیم فقیہ شیخ احمد بن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام العارفین قطب ربانی شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''غنیۃ الطالبین'' کی بعض عبارات سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیئے کیونکہ ان عبارات کا اضافہ کسی حاسد نے کیا ہے (اللہ تعالیٰ اسے اس عمل کی سزا دے) کیونکہ آپ اس قسم کے عقائد سے بالاتر ہیں۔ آپ کے متعلق اس قسم کے عقائد کا تصور کیسے کیا جا سکتا ہے۔ حالانکہ آپ قرآن و سنت، فقہ شافعی اور حنبلی پر گہری نظر رکھتے تھے۔ حتیٰ کہ آپ دونوں مذاہب کے مطابق فتویٰ دیا کرتے تھے۔ ان ظاہری علوم کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو باطنی علوم و معارف اور خوارق ظاہرہ و باطنہ سے بھی نوازا تھا۔ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس کتاب میں بعض ایسے اقوال بھی ہیں جن کے بارے میں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ یہ اقوال آپ سے صادر ہوئے ہوں۔ کیونکہ یہ اقوال تو ان یہودیوں سے صادر ہو سکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات سے جاہل ہیں۔ جنہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ اس کے حق میں کون سی چیز واجب ہے اور کون سی جائز۔ اور کون سی محال؟ اللہ تعالیٰ ان تمام نقائص سے پاک ہے اور اس قسم کے عقائد کو غوث الثقلین کی طرف منسوب کرنا عظیم بہتان ہے۔ ۲۶ؔ

Marfat.com

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''احیاء العلوم'' میں بھی بعض مسائل کا اظافہ کیا گیا۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کو ''احیاء العلوم'' کا وہ نسخہ ملا جس میں باطل عقائد کا اضافہ کیا گیا تھا۔ اس لئے آپ نے اسے جلانے کا حکم دے دیا۔ ۲۷

شیخ شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض حاسدین نے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق یہ مشہور کر دیا کہ آپ نے فرمایا ہے کہ ''اللہ تعالیٰ کے بعض بندے ایسے ہیں کہ وہ اگر اللہ تعالیٰ سے قیامت نہ قائم کرنے کا سوال کر دیں تو اللہ تعالیٰ قیامت قائم نہ کرے، اور بعض بندے ایسے ہیں وہ اگر ابھی قیامت قائم کرنے کا سوال کر دیں تو وہ ابھی قیامت قائم کر دے''۔ آپ فرماتے ہیں کہ حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف ایسا قول منسوب کرنا صریح جھوٹ ہے۔ اور آپ اس قسم کے اقوال سے بری ہیں۔ کیونکہ اس قسم کے قول سے قیامت کے بارے میں وارد شدہ نصوص قطعیہ کا رد لازم آتا ہے۔ اور یہ شارع علیہ السلام کی تکذیب کا سبب بنتا ہے۔ اس لیے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک کتاب میں ایسا قول موجود ہے تو کسی ملحد نے اس کا اضافہ کیا ہے۔ امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے خود ایک کتاب دیکھی ہے جو اہلسنت و جماعت کے عقائد سے بھری ہوئی تھی یہ کسی ملحد کی تصنیف کردہ کتاب تھی۔ جسے اس نے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کر دیا۔ شیخ بدرالدین بن جماعہ جب اس کتاب پر مطلع ہوئے تو آپ نے اس کتاب پر لکھ دیا کہ جس نے اس کتاب کو حجۃ الاسلام کی طرف منسوب کیا وہ جھوٹا اور مفتری ہے۔ ۲۸

شیخ شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض حاسدوں نے میری کتاب ''بحر المورود'' میں کچھ باطل عقائد کا اضافہ کر دیا اور ان باطل عقائد کو مصر اور مکہ کرمہ میں پھیلا دیا حالانکہ میں ان عقائد سے بری تھا۔ جس طرح کہ میں نے اس کتاب کے خطبہ میں اس چیز کا اظہار کیا ہے جب میں نے اس کو تبدیل کر دیا۔ اس کتاب پر علمائے کرام کے دستخط موجود تھے۔ اور یہ فتنہ اس وقت ٹھنڈا ہوا جب میں نے علمائے کرام کی طرف وہ نسخہ بھیجا جس پر وہ دستخط موجود تھے۔ ۲۹

Marfat.com

امام شعرانی کے مخالفین نے آپ کی بعض معروف کتابوں میں باطل عقائد کا اضافہ کیا تھا۔ ان میں سب سے زیادہ مشہور ''طبقات کبریٰ'' ہے۔ اگر کوئی منصف مزاج شخص امام شعرانی کے اس کلام کے درمیان جس میں آپ نے صوفیائے کرام کے شریعت پر سختی سے کاربند ہونے کا ذکر کیا ہے اور ''طبقات کبریٰ'' کے درمیان موازنہ کرے تو ان دونوں کلاموں کے درمیان مخالفت اور تباین اس پر ظاہر ہو جائے۔ اور اسے معلوم ہو جائے کہ ''طبقات کبریٰ'' میں جو اس قسم کا کلام موجود ہے وہ سب جھوٹ ہے۔

اسی طرح مخالفین نے شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کی کتب میں بھی باطل عقائد کا اضافہ کیا ہے۔ شیخ شعرانی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ آپ کتاب وسنت پر سختی سے کاربند تھے۔ آپ فرماتے ہیں جس کے ہاتھ سے ایک لمحہ کے لئے بھی میزان شریعت نکل گیا وہ ہلاک ہو گیا۔ امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قیامت تک آپ کے بارے میں لوگوں کا یہ عقیدہ ہے۔ آپ کے کلام میں سے لوگوں کو بعض چیزیں سمجھ نہیں آتیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کی پرواز انتہائی بلند تھی۔ اور اسی طرح اگر آپ کے کلام میں کوئی ایسی چیز ہے جو ظاہر شریعت کے خلاف ہے تو وہ مخالفین کی اضافہ شدہ ہے، جس طرح کہ اس کی خبر مجھے ابو طاہر مغربی نزیل مکہ مکرمہ نے دی۔ واقعہ اس طرح ہے کہ میں ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''فتوحات مکیہ'' کو مختصر کر رہا تھا تو دوران اختصار اس میں بعض ایسی چیزیں آ جاتیں جو ظاہر شریعت کے مخالف ہوتیں، میں ان کو خارج کر دیتا، پھر جب شیخ ابو طاہر مغربی میرے پاس تشریف لائے اور انہوں نے مجھے ''فتوحات مکیہ'' کا وہ نسخہ دکھایا جو انہوں نے قونیہ میں شیخ ابن عربی کے اپنے دست اقدس سے لکھے ہوئے نسخہ سے ملایا تھا تو اس میں وہ تمام چیزیں موجود نہیں تھیں۔ اس وقت مجھے یقین ہو گیا کہ یہ چیزیں مخالفین اور حاسدین کی اضافہ شدہ ہیں جس طرح کہ مخالفین نے میری کتابوں میں بعض باطل عقائد کا اضافہ کر دیا تھا۔ اور اس کا مشاہدہ میں خود کر چکا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور انہیں معاف فرمائے۔ ۳۰

Marfat.com

صاحب درمختار فرماتے ہیں جس نے شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''فصوص الحکم'' کے بارے میں کہا کہ یہ مخالف شریعت ہے اور گمراہی کے لیے تصنیف کی گئی ہے :۔اور جس نے اس کا مطالعہ کیا وہ ملحد ہے تو اس کا کیا حکم ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ اس کتاب میں بعض کلمات ظاہر شریعت کے مخالف ہیں۔ بعض لوگوں نے ان کی تاویل کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ کسی یہودی نے شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب میں ان کلمات کا اضافہ کر دیا ہے۔ ابن عابدین اس کے حاشیہ میں صاحب درمختار کے قول کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپ نے یہ بات اس لئے کہی کیونکہ آپ کے پاس ان کلمات کے زائد ہونے کا ثبوت تھا یا شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کے مفہوم تک رسائی نہ ہونے کہ وجہ سے، یا ان کلمات کی تاویل ہی ممکن نہ تھی۔ اس لئے آپ نے فرمادیا کہ یہ کلمات کسی مخالف کے اضافہ شدہ ہیں۔ جس طرح امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ بھی یہ واقعہ پیش آیا کہ بعض حاسدین نے آپ کی کتابوں میں باطل عقائد کا اضافہ کر دیا اور آپ کی طرف نسبت کر کے عوام میں ان کو مشہور کر دیا حتی کہ آپ نے اپنے ہمعصر علماء سے ملاقات کی۔ انہوں نے اپنی کتاب کا وہ مسودہ دکھایا جس پر علماء کے دستخط تھے۔ اور وہ ان باطل عقائد سے خالی تھا۔ آپ مزید فرماتے ہیں کہ صاحب درمختار نے فرمایا کہ ان کلمات کے مطالعہ نہ کرنے میں ہی احتیاط ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے وہ اگر تو یہ ثابت ہو جائے کہ یہ کلمات مخالفین کے اضافہ شدہ ہیں پھر تو بات ظاہر ہے وگرنہ ہر شخص میں شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کو سمجھنے کی صلاحیت نہیں ہے۔ اس لئے خطرہ ہے کہ اس کو پڑھنے والا شیخ کے متعلق غلط نہ سوچنے لگے یا اس کے مفہوم و مقصود کو الٹ سمجھ لے۔[31]

اس طرح مخالفین نے شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف یہ قول بھی منسوب کیا ہے کہ ''اہل جہنم نار جہنم میں لذت محسوس کریں گے۔ اور اگر ان کو وہاں سے نکال دیا جائے تو انہیں تکلیف ہوگی۔'' شیخ شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر یہ قول آپ کی

Marfat.com

کتب میں پایا جاتا ہے تو یہ مخالفین کا داخل کردہ ہے۔ کیونکہ میں نے آپ کی کتاب ''فتوحات مکیہ'' کو پڑھا ہے، اس میں آپ نے اہل جہنم کے بارے میں تفصیلاً گفتگو فرمائی ہے۔ آپ مزید برآں فرماتے ہیں کہ شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''فصوص الحکم'' میں آپ کی طرف یہ قول منسوب کیا گیا ہے کہ آپ نے فرمایا: ''اہل جہنم آپ کے ساتھ لذت محسوس کریں گے اور اگر ان کو وہاں سے نکال دیا گیا تو وہ واپس جہنم میں جانے کا مطالبہ کریں گے'' آپ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ قول آپ کی دونوں کتابوں میں دیکھا ہے۔ میں نے ''فتوحات مکیہ'' کے اختصار کے وقت یہ قول حذف کر دیا تھا۔ کیونکہ شیخ شمس الدین شریف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شیخ کی کتابوں میں بعض باطل عقائد کا اضافہ کر دیا گیا ہے کیونکہ اولیاء کرام میں اجماع ہے کہ آپ کا شمار اولیائے کاملین میں ہوتا ہے۔ آپ کو رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں دائمی حضوری حاصل تھی۔ آپ کے متعلق کیسے تصور کیا جا سکتا ہے کہ آپ کوئی ایسی گفتگو فرمائیں جو شریعت کے اساسی عقائد کے مخالف ہو اور جس کی وجہ سے دین اسلام اور دوسرے تمام باطل ادیان کے درمیان برابری لازم آئے۔ اور اس سے یہ ظاہر ہو کہ اصحاب جنت اور دوزخ برابر ہیں۔ شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق ایسی بات وہی کر سکتا ہے جو عقل سے فارغ ہو۔ اے میرے بھائی! محتاط رہنا، کہیں تم بھی اس کی تصدیق نہ کر دینا جو باطل عقائد کو شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کرتا ہے۔ اپنے سمع و بصر اور دل کی حفاظت کرو۔ میں تمہیں مخلصانہ نصیحت کر دی ہے والسلام۔

آپ فرماتے ہیں کہ میں نے شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کے عقائد وسطیٰ میں آپ کا یہ ارشاد پڑھا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ اہل جنت اور اہل جہنم ہمیشہ کیلئے اپنے اپنے مقام میں رہیں گے اور ان میں سے کوئی بھی باہر نہ نکلے گا۔ پھر آپ اس کی وضاحت فرماتے ہیں کہ جہنم سے کفار و مشرکین اور منافقین کسی حالت میں بھی نہیں نکلیں گے لیکن گنہگار موحدین سزا پانے کے بعد جہنم سے نکل آئیں گے۔ جیسا کہ قرآن و سنت سے ثابت ہے۔ [۳۱]

Marfat.com

ہمارے اس قول کی تائید شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کے اپنے ارشاد سے ہوتی ہے۔آپ نے ''فتوحات مکیہ'' کے باب نمبر ۳۷۱ میں فرمایا کہ ''جب جہنم کے دروازے بند کردیئے جائیں گے تو اہل جہنم کے جسم ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے۔جب نار جہنم بھڑکے گی تو اس کے اوپر والا حصہ نیچے ہو جائے گا''۔اسی طرح امام باجوری ''جوہرۃ توحید'' کی شرح میں فرماتے ہیں کہ بعض صوفیائے کرام کی طرف یہ جو قول منسوب ہے کہ اہل جہنم عذاب کے ساتھ عادی ہو جائیں گے۔حتیٰ کہ اگر انہیں جنت میں داخل کر دیا جائے تو وہ تکلیف محسوس کریں گے۔یہ سب جھوٹ اور افتراء ہے۔کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد نے فرمایا ہے:

فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِیْدَکُمْ اِلَّا عَذَابًا. (نبا: ۳۰)

''پس (اے منکرو! اپنے کئے کا) مزا چکھو، اب ہم نہیں زیادہ کریں گے تم پر مگر عذاب''۔

ایک مسلمان سے اس باطل عقیدہ کی کیسی توقع کی جا سکتی ہے جو اہلسنت و جماعت کے عقیدہ کے مخالف ہو۔شیخ محمد یوسف کافی صراحت فرماتے ہیں کہ اہل جنت ہمیشہ کے لئے جنت میں رہیں گے اور مختلف الانواع نعمتوں سے لطف اندوز ہوں گے۔اور اہل جہنم ہمیشہ جہنم میں رہیں گے اور ہمیشہ عذاب میں مبتلا ہوں گے۔اور بعض نے کہا ہے کہ عذاب ان سے منقطع ہو جائے گا اور یہ لذت میں تبدیل ہو جائے گا حتیٰ کہ اگر ان کو جنت میں داخلے کی پیش کش کی گئی تو انکار کر دیں گے۔کیونکہ وہ اس میں لذت محسوس کریں گے۔ آپ فرماتے ہیں کہ اس قسم کا عقیدہ رکھنے والا بلا شک وشبہ کافر ہے کیونکہ اس سے بہت سی آیات قرآنیہ کی تکذیب لازم آتی ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

(۱) اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَھُمْ کُفَّارٌ اُولٰٓئِکَ عَلَیْھِمْ لَعْنَۃُ اللّٰہِ وَالْمَلٰٓئِکَۃِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ. خٰلِدِیْنَ فِیْھَا لَا یُخَفَّفُ عَنْھُمُ الْعَذَابُ وَلَا ھُمْ یُنْظَرُوْنَ (البقرہ: ۱۶۱، ۱۶۲)

بے شک جن لوگوں نے کفر اختیار کیا وہ مرے اس حال پر کہ وہ کافر تھے۔یہی وہ

Marfat.com

لوگ ہیں جن پر لعنت ہے اللہ تعالیٰ کی اور فرشتوں کی اور سب لوگوں کی، ہمیشہ رہیں گے اس میں، نہ ہلکا کیا جائے گا ان سے عذاب اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی"۔

(۲) اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بِاٰیٰتِنَا سَوۡفَ نُصۡلِیۡهِمۡ نَارًا کُلَّمَا نَضِجَتۡ جُلُوۡدُهُمۡ بَدَّلۡنٰهُمۡ جُلُوۡدًا غَیۡرَهَا لِیَذُوۡقُوا الۡعَذَابَ (النساء: ۵۶)

"بے شک جنہوں نے انکار کیا ہماری آیتوں کا، ہم ڈال دیں گے انہیں آگ میں جب بھی پک جائیں گی ان کی کھالیں تو بدل کر دیں گے ہم انہیں کھالیں دوسری تاکہ وہ مسلسل چکھتے رہیں عذاب کو"۔

ان کے علاوہ دیگر آیات بھی ان کے دائمی عذاب پر دلالت کرتی ہیں"۔۳۲

یہ قول بھی آپ کی طرف منسوب کیا گیا ہے کہ آپ فرماتے ہیں۔ ولی اللہ سے بعض حالات میں تکالیف شرعیہ ساقط ہو جاتی ہیں۔

امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ اس کے جواب میں شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ذکر کرتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ اگر کسی ولی کو کشف کے ذریعہ معلوم ہو جائے کہ یہ برائی اس کے مقدر میں لکھی گئی ہے تو اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ اس برائی کا ارتکاب کرے۔ اسی طرح اگر کسی ولی کو کشف کے ذریعہ معلوم ہو جائے کہ رمضان شریف میں فلاں دن وہ بیمار ہو گا تو اس کے لئے اس دن روزہ چھوڑنا جائز نہیں ہے بلکہ اس پر واجب ہے کہ صبر کرے۔ حتیٰ کہ جب وہ بیماری میں مبتلا ہو جائے تو پھر اس کے لئے روزہ توڑنا جائز ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بیماری اور دوسرے اعذار کی وجہ سے روزہ توڑنے کی اجازت دی ہے۔ آخر میں شیخ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہی ہمارا اور محققین صوفیاء کا مذہب ہے۔۳۳

عارف باللہ شیخ ابراہیم دسوقی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف بعض حاسدین ومخالفین نے یہ قول منسوب کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے مجھے "انا اللہ" کہنے کی اجازت دی

Marfat.com

ہے'' اور فرمایا: ''اے ابراہیم! انا اللہ (میں اللہ ہوں) کہو اور کچھ پرواہ نہ کرو۔'' آپ کی طرف اس منسوب قول میں اللہ تعالیٰ کی شان میں جو بے ادبی گستاخی ہے اس کی تفصیل بیان کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ ۳۴

حضرت رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا کے بارے میں بھی یہ قول مشہور ہے کہ آپ نے کعبہ شریف کے بارے میں فرمایا۔ ''یہ وہ بت ہی جس کی زمین میں عبادت کی جاتی ہے''۔ آپ کی طرف اس قول کی نسبت کرنا محض کذب وافتراء ہے حتیٰ کہ ابن تیمیہ نے خود اس بات کی نفی کی ہے۔ جب ان سے اس قول کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ حضرت رابعہ کے بارے میں جو یہ مشہور ہے کہ انہوں نے بیت اللہ شریف کے بارے میں کہا کہ یہ زمین میں پوجا جانے والا بت ہے۔ یہ سب جھوٹ اور افتراء ہے۔ کیونکہ وہ تو انتہائی پرہیزگار مومنہ تھیں۔ اس قول کا قائل کافر ہے اسے توبہ کرائی جائے۔ اگر توبہ نہ کرے تو اسے قتل کر دیا جائے۔ کیونکہ مسلمان بیت اللہ شریف کی عبادت نہیں کرتے بلکہ وہ تو بیت اللہ شریف کے رب کی عبادت کرتے ہیں۔ اور اسی کے حکم سے اس کا طواف اور نماز میں اس کی طرف منہ کرتے ہیں۔ ۳۵

اگر ہم تاریخ اسلام اور تصوف کے متعلق چھان بین کریں تو اسلام دشمن عناصر کے اضافہ شدہ مختلف امور سے آگاہی ہو سکتی ہے۔ لیکن ہماری یہ کتاب اس قدر گنجائش کی متحمل نہیں۔

خصوصاً تصوف کے لٹریچر میں ان اسلام دشمن عناصر نے زیادہ دلچسپی لی۔ کیونکہ یہ لوگ اس حقیقت سے بخوبی آگاہ تھے کہ تصوف روح اسلام ہے اور صوفیائے کرام اسلام کی حقیقی قوت اور تبلیغ اسلام کے لئے مینارۂ نور ہیں، اس لئے وہ اس نور کو گل کرنا چاہتے تھے۔ اور ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ . (الصف: ۸)

Marfat.com

''یہ (نادان) چاہتے ہیں کہ بجھا دیں اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے لیکن اللہ اپنے نور کو کمال تک پہنچا کر رہے گا۔ خواہ سخت ناپسند کریں کافر''۔

اسلامی لٹریچر میں اسلام دشمن عناصر کی ریشہ دوانیوں کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اس دور میں کتابوں کی نشر و اشاعت کا کوئی منظم طریقہ نہیں تھا۔ اور نہ ہی حکومت کی طرف سے کڑی نگرانی ہوتی تھی جیسا کہ آج کا یہ قانون موجود ہے کہ جو شخص مؤلف کی اجازت کے بغیر کسی کتاب کو شائع کرے گا یا اس کتاب میں کوئی اضافہ کرے گا تو اس کے خلاف قانونی کارروائی ہو سکتی ہے۔ اس کے برخلاف اس دور میں ہاتھ کے ساتھ کتاب لکھنے کا رواج تھا۔ اس لئے بعض خود غرض اور کذاب کتابوں میں عبارات کا اپنی طرف سے اضافہ کر کے انہیں علماء اور صوفیاء کرام کی طرف منسوب کر دیتے۔

لیکن اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے امت محمدیہ میں ایسے نابغہ روزگار علماء پیدا کیے جنہوں نے اسلامی کتب کو ان چیزوں سے پاک کیا اور حق و باطل کے درمیان تمیز کی۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم نے اس مختصر سی کتاب کے ذریعہ اس پاکیزہ عمل میں حصہ ڈالا ہے۔ تاکہ اسلامی تصوف کی وہ چمک دمک واپس لوٹ آئے اور لوگ اس مادہ پرستی اور الحاد کے دور میں تصوف کے روحانی فیض سے نفع حاصل کریں۔

Marfat.com

صوفیائے کرام کے ارشادات کی تاویل

صوفیائے کرام کی کتب میں بعض اقوال ظاہری شریعت کے مخالف ہیں ان کی دو صورتیں ہیں:

(۱) یا تو یہ اقوال اسلام دشمن عناصر اور حاسدوں کے اضافہ شدہ ہیں جیسا کہ پہلے ہم بیان کر چکے ہیں۔

(۲) یہ اقوال قابل تاویل ہیں ان اقوال میں اشارہ، کنایہ اور مجاز کو استعمال کیا گیا ہے۔ اور یہ اسلوب کلام عرب میں کثیر استعمال ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ قرآن کریم میں کئی مقامات پر اسی اسلوب کو اختیار کیا گیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاُشْرِبُوْ فِیْ قُلُوْبِہِمُ الْعِجْلَ. (البقرہ: ۹۳)

''اور سیراب ہو چکے تھے ان کے دل بچھڑے (کے عشق) سے''۔

اس آیت کریمہ میں ''العجل'' سے مراد بچھڑے کی محبت ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاسْئَلِ الْقَرْیَۃَ. (یوسف: ۸۲)

''قریہ سے سوال کرو''۔

یہاں اہل قریہ سے سوال کرنا مراد ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

Marfat.com

اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنَاهُ (الانعام: ۱۲۲)

''کیا وہ جو پہلے مردہ تھا پھر زندہ کیا ہم نے اسے''

یعنی اس کا دل مردہ تھا پس اللہ تعالیٰ نے اسے زندہ کر دیا۔ اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ (ابراھیم: ۱)

''تا کہ آپ نکالیں لوگوں کو (ہر قسم کی) تاریکیوں سے نور (ہدایت و عرفان) کی طرف''

یہاں کفر کی تاریکیوں سے ایمان کی روشنی کی طرف نکالنا مراد ہے۔ اس طرح بعض قرآنی آیات میں بظاہر تعارض نظر آتا ہے لیکن گہری نظر و فکر اور تحقیق کے بعد ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ان آیت کی تاویل ہو سکتی ہے۔ اس لئے ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ قرآنی آیات میں باہمی تعارض ہے۔ مثلاً ایک مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّكَ لَاتَهْدِىْ مَنْ اَحْبَبْتَ (قصص: ۵۶)

''بے شک آپ نہیں دے سکتے ہدایت جس کو آپ پسند کریں''۔

دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

وَاِنَّكَ لَتَهْدِىْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ. (شوری: ۵۲)

''اور بلاشبہ آپ راہنمائی فرماتے ہیں صراط مستقیم کی طرف''۔

علم تفسیر سے ناواقف شخص کو یہ گمان ہو سکتا ہے کہ ان دو آیات کے درمیان تعارض ہے۔ کیونکہ پہلی آیت کریمہ رسول اللہ ﷺ سے ہدایت کی نفی کر رہی ہے اور دوسری آپ کے لئے ہدایت ثابت کر رہی ہے۔ اگر وہ اہل علم سے پوچھتا ہے تو وہ اسے بتاتے ہیں کہ پہلی آیت میں ہدایت سے مراد ہدایت پیدا کرنا ہے، اور دوسری آیت میں صراط مستقیم کی طرف راہنمائی کرنا ہے۔ اس طرح اہل علم کے نزدیک ان دونوں آیات میں کوئی تعارض نہیں۔

اسی طرح بعض احادیث طیبہ کو ان کے ظاہر پر محمول کرنا صحیح نہیں بلکہ ان میں تاویل کرنا ضروری ہے جس کی وجہ سے وہ حدیث دوسرے احکام شرعیہ کے موافق ہو

Marfat.com

جائے۔اسی سلسلہ میں امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اہل حق کا اس بات پر اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کے متعلقہ احادیث میں تاویل کرنا واجب ہے جیسا کہ اس حدیث پاک میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

ینزل ربنا تبارک وتعالیٰ کل لیلة الی سماء الدنیا حتی یبقی ثلث اللیل الاخر، فیقول: من یدعونی فاستجیب له ؟ من یسئلنی فاعطیه؟ من یستغفرنی فاغفرله؟(بخاری و مسلم)

''ہمارا رب ہر رات آسمان دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے حتیٰ کہ جب رات کا تیسرا پہر باقی رہ جاتا ہے تو وہ فرماتا ہے: ''کوئی ہے مجھ سے دعا کرنے والا کہ میں اس کی دعا کو قبول کروں۔کوئی ہے مجھ سے مانگنے والا کہ میں اسے عطا کروں۔کوئی ہے مجھ سے مغفرت مانگنے والا کہ میں اسے بخش دوں''۔

ایک جاہل نے تو جہالت کی انتہا کردی۔اس نے یہ حدیث منبر پر بیان کی اور پھر ایک سیڑھی نیچے اتر کر لوگوں سے کہنے لگا: ''تمہارا رب اس طرح اپنی کرسی سے آسمان دنیا کی طرف اترتا ہے جس طرح میں اس منبر کی سیڑھی سے اترا ہوں''۔اور یہ صریح جہالت ہے۔۶۳

اس طرح اس حدیث ''اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ آدَمَ عَلٰی صُوْرَتِهٖ'' کی علماء نے تاویل کی ہے۔علامہ ابن حجر ہیثمی اس حدیث پاک کی تاویل میں ارشاد فرماتے ہیں کہ ''صورتہ'' میں ''ہ'' ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹانا بھی جائز ہے۔جس طرح حدیث کا ظاہر سیاق دلالت کرتا ہے۔اس وقت صورت سے مراد صفت ہوگا۔اور حدیث کا معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے اوصاف پر پیدا کیا۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کردہ حدیث بھی اسکی مؤید ہے۔آپ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں ارشاد فرماتی ہیں۔

کان خلقه القرآن.(مسلم)

''آپ ﷺ کے اخلاق عالیہ سراپا قرآن ہیں''۔

Marfat.com

اسی طرح حدیث پاک ہے: تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ.

''اللہ تعالیٰ کے اوصاف کے ساتھ متصف ہو جاؤ''۔

شیخ کامل کیلئے ضروری ہے کہ وہ اپنے اخلاق واوصاف کو ہر قسم کے نقص سے پاک کرے تاکہ وہ اپنے پروردگار کی صفات سے متصف ہو سکے وگرنہ اللہ تعالیٰ کے اوصاف قدیم اور بندہ کے حادث اوصاف میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس حدیث پاک میں حضرت آدم علیہ السلام کی انتہائی مدح وستائش کی گئی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی صفات کے ساتھ متصف کر دیا۔ آپ فرماتے ہیں: ''حاصل کلام یہ ہے کہ جب ضمیر کو اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹایا جائے تو علمائے خلف کے نزدیک اس کی تاویل واجب ہے، سوائے ایک گمراہ کن فرقہ کی کہ وہ خود بھی گمراہ ہوئے اور ذات بات باری تعالیٰ کی طرف جہت اور جسم کی نسبت کر کے خطا کے مرتکب ہوئے جو اکثر علماء کے نزدیک صریح کفر ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل واحسان سے ہمیں ان فتنوں سے محفوظ رکھے''۔ ۳۷

علامہ مناوی رحمۃ اللہ علیہ ''جامع الصغیر'' میں حدیث قدسی: ان اللہ یقول یوم القیامة یا ابن آدم مرضت فلم تعدنی قال یا رب کیف اعودک وانت رب العلمین قال: اما علمت ان عبدی فلانا مرض فلم تعده اماعملت انک لوعدته لوجدتنی عنده.

''اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا: ''اے ابن آدم! میں بیمار ہوا تو تو نے میری عیادت نہیں کی''۔ بندہ عرض کرے گا: ''اے میرے پروردگار! میں تیری عیادت کیسی کرسکتا ہوں۔ تو تو سارے جہانوں کا پالنے والا ہے۔'' اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: ''کیا تجھے معلوم نہیں تھا کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہے تو نے اس کی عیادت نہیں کی۔ کیا تجھے معلوم نہیں کہ اگر تو اس کی عیادت کرتا تو مجھے اس کے پاس پاتا'' کی شرح میں فرماتے ہیں: ''کسی نے عارف باللہ سے پوچھا کہ حق تعالیٰ نے اس حدیث قدسی میں اپنی ذات کی طرف بھوک

Marfat.com

پیاس اور بیماری کی نسبت کی ہے۔کیاان الفاظ کواپنے ظاہر پر رکھنا بہتر ہے یاان کی تاویل کرنی چاہیے جس طرح کہ اسی حدیث میں تاویل موجود ہے کہ''بندہ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی کہ میں تیری عیادت کیسے کرسکتا ہوں حالانکہ تو رب العالمین ہے''تو انہوں نے جواب دیا کہ عوام کے لئے اس کی تاویل کرنا واجب ہے تاکہ وہ ذات باری تعالیٰ کے بارے میں کوئی غلط عقیدہ نہ رکھیں لیکن عارفین کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس کے ظاہر پر ایمان لائے اور یہ عقیدہ رکھے کہ اس کی حقیقت اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف ان چیزوں کی نسبت کرنا محال ہے۔حقیقت باری تعالیٰ تمام حقائق سے مختلف ہے،وہ کسی صورت میں بھی اپنی مخلوق کے ساتھ مجتمع نہیں ہوسکتی،اور نہ ہی صفت تشبیہ اسے لاحق ہوسکتی ہے،کیونکہ یہ صفت اسے ہی لاحق ہوتی ہے جو کسی حال میں اپنی مخلوق کے ساتھ مجتمع ہوسکتا ہو۔یہی وجہ ہے کہ سلف صالحین نے اس کو اپنے ظاہر پر باقی رکھا تاکہ کمال ایمان کی صفت سے محروم نہ ہوں کیونکہ ان کو اس کے ظاہر پر ایمان لانے کا مکلف بنایا گیا ہے نہ کہ اس کی تاویل پر ایمان لانا۔کیونکہ ممکن ہے کہ تاویل حق تعالیٰ کی مراد کے مخالف ہو۔پس ادب اسی میں ہے کہ ہم ہر اس چیز کو اس کی طرف منسوب کریں جو اس نے اپنی ذات کی طرف منسوب کی ہے۔[۳۸]

جب رسول اللہ ﷺ جن کو اللہ تعالیٰ نے فصاحت و بلاغت اور جوامع الکلم عطا فرمائے تھے کی کلام میں بعض اوقات تاویل کی ضرورت پڑتی ہے تو آپ ﷺ کے امتیوں کی کلام میں تاویل کی ضرورت بدرجہ اولیٰ ہوگی۔کیونکہ وہ فصاحت و بلاغت کے اس مقام پر فائز نہیں تھے جس مقام پر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی مکرم ﷺ کو سرفراز فرمایا تھا۔

دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ ہر علم وفن کی خاص اصطلاحات ہوتی ہیں جن کو اہل فن اور اہل علم بھی جان سکتے ہیں۔طب کی اصطلاحات انجینئر نہیں سمجھ سکتا۔اسی طرح انجینئرنگ کی اصطلاحات کو سمجھنا ڈاکٹر کے بس کی بات نہیں۔

Marfat.com

جو شخص کسی علم کی کتب اس کی اصطلاحات اور رموز و اشارات جاننے کے بغیر پڑھتا ہے وہ اپنی جہالت کی وجہ سے اس علم کی ایسی تاویلات کرتا ہے جو اصل مقصود کے مخالف ہوتی ہیں۔ اس طرح وہ حیران و پریشان ہو کر گمراہی کا شکار ہو جاتا ہے۔

صوفیائے کرام کی بھی بعض اصطلاحات ہیں جن کے ذریعہ وہ اپنے اوپر وارد ہونے والے انوار و تجلیات کو بیان کرتے ہیں کیونکہ لغت ان چیزوں کو بیان کرنے سے قاصر ہوتی ہے جو شخص صوفیائے کرام کے کلام کو سمجھنا چاہتا ہے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان کی صحبت اختیار کرے حتی کہ وہ ان کے اشارات اور اصطلاحات کو سمجھ سکے۔ تا کہ ان کی عبارات اس کے لئے واضح ہو سکیں اور اسے معلوم ہو جائے کہ ان کا کلام کتاب وسنت کے مخالف نہیں ہے۔ اور نہ ہی وہ خود شریعت سے ذرہ بھر انحراف کرتے ہیں، بلکہ وہی تو اس کی روح کو سمجھنے والے اور اس کی حقیقت سے آشنا اور اس کے ورثہ کے محافظ ہیں۔

کسی عارف نے کیا خوب فرمایا ہے:

نحن قوم يحرم النظر في كتبنا على من لم يكن من اهل طريقنا۔

''ہم وہ لوگ ہیں جن کی کتب میں نظر و فکر کرنا اس شخص کے لئے حرام ہے جو ہمارے طریقہ سے تعلق نہ رکھتا ہو''۔

کیونکہ ان علوم و معارف کی تدوین کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ان کو اس شخص تک پہنچایا جائے جو اس کو سمجھنے کا اہل ہے۔ اور جو شخص اس کا اہل نہیں ہے۔ وہ اس کے اسرار و رموز تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا۔ اس لئے وہ اس کا مخالف ہو جاتا ہے کیونکہ انسان جس چیز سے جاہل ہو اس کا دشمن ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے سید علی بن وفا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''ان علوم و معارف اور اسرار کی تدوین عوام الناس کیلئے نہیں ہوتی، بلکہ یہ یہ خواص کے لئے ہے۔ اگر کوئی غیر اہل اس کا مطالعہ کر رہا ہو تو اس کو منع کر دینا چاہیئے۔''

مصنف رحمۃ اللہ علیہ اس اجمال کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ صوفیائے کرام اپنی کتب کے مطالعہ سے ان لوگوں کو روکتے ہیں جو ان کے کلام کو سمجھنے سے

Marfat.com

قاصر اوران کی اصطلاحات سے ناواقف ہوتے ہیں۔اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ اس علم کو چھپانا چاہتے ہیں، بلکہ وہ اس خوف سے لوگوں کو منع کرتے ہیں کہ کہیں وہ اسے غیر مقصود چیز نہ سمجھ لیں یا اس کی ایسی تاویل کریں جو حقیقت سے بہت دور ہو۔اور اس طرح اپنی کم عقلی کی وجہ سے صوفیائے کرام پر اعتراض کرنے لگیں۔مومن کے لئے ضروری ہے کہ ہو لوگوں سے ایسی گفتگو کرے جو ان کے عقل وشعور کے مناسب ہو۔اور ان کے علم وفہم اور استعداد کے معیار کے مطابق ہو۔اسی سلسلہ میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح بخاری میں ایک باب قائم کیا ہے جس کا نام یہ رکھا ہے۔''علم کو بعض لوگوں کے ساتھ مخصوص کرنا اور بعض لوگوں کے ساتھ مخصوص نہ کرنا اس خوف سے کہ وہ اسے نہ سمجھ سکیں گے''۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

حدثوا الناس بما يعرفون اتحبون ان يكذب الله ورسوله(صحيح بخارى)

''لوگوں کے ساتھ ایسی گفتگو کرو جو وہ جانتے ہیں۔کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی تکذیب کی جائے''۔

علامہ عینی اس حدیث کی شرح کے تحت فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں کو یہ خصوصی علم اس لئے عطا نہیں کیا جاتا کیونکہ ان کی عقل وفہم اس کو سمجھنے سے قاصر ہوتی ہے۔اس سے مراد یہ ہے کہ لوگوں کے ساتھ ان کی عقلوں کے مطابق گفتگو کی جائے۔

آدم ابن انس رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب میں عبداللہ بن داؤد اور وہ حضرت معروف رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ اس چیز کو چھوڑ دو جس کا لوگ انکار کرتے ہیں۔یعنی وہ کلام جو ان کی سمجھ سے بالاتر ہو وہ ترک کر دو۔اس میں یہ دلیل ہے کہ متشابہات کو عوام کے سامنے ذکر نہیں کرنا چاہیے۔اور اسی کی مثل ایک اور امام مسلم نے صحیح مسلم کے مقدمہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔آپ فرماتے ہیں کہ اگر تم لوگوں سے ایسی گفتگو کرو گے جو ان کی عقل وفہم سے بالاتر ہو یہ بعض کیلئے باعث فتنہ ہو سکتی ہے۔

Marfat.com

کیونکہ جب کوئی شخص ایسا کلام سنتا ہے جو سمجھ نہیں سکتا اور نہ ہی اس کے ممکن ہونے کا تصور کر سکتا ہے تو وہ اپنی جہالت کی وجہ سے اسے محال گمان کرنے لگتا ہے اور اس کی تصدیق نہیں کرتا۔ جب اس کی نسبت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف کی جائے تو ان کی تکذیب لازم آتی ہے۔ ۳۹

شیخ احمد زروق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہر علم میں بعض چیزیں خاص ہوتی ہیں اور بعض عام۔ اسی طرح تصوف میں بھی عموم و خصوص کا لحاظ رکھا جاتا ہے اس لئے کہ معاملات کے متعلق احکام الٰہی کو عمومی طور پر ہر ایک کے لئے واضح کر دینا چاہیئے۔ اس کے علاوہ باقی امور کو مخاطب کی استعداد کے مطابق بیان کرنا چاہیئے۔ کیونکہ حدیث پاک ہے: ''لوگوں کے ساتھ ایسی گفتگو کرو جو وہ سمجھتے ہیں۔ کیا تم پسند کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی تکذیب کی جائے''۔ ۴۰

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کی گئی کہ ''آپ سے دو آدمی ایک ہی مسئلہ کے متعلق سوال کرتے ہیں لیکن آپ ہر ایک کو مختلف جواب دیتے ہیں''۔ تو آپ نے فرمایا: ''سوال کا جواب سائل کی استعداد کے مطابق دیا جاتا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہمیں یہ حکم ہے کہ ہم لوگوں سے ان کی عقلوں کے مطابق گفتگو کریں۔ ۴۱

یہی وجہ ہے کہ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے فتوحات مکیہ کے باب نمبر ۵۴ میں فرمایا ہے کہ صوفیائے کرام نے کچھ رموز اور اشارات واضع کیے ہیں جن سے وہ بخوبی آگاہ ہیں۔ اور ان کا مقصد اجنبی شخص کو اپنے درمیان داخل ہونے سے روکنا ہے تاکہ وہ ان احوال سے آگاہ نہ ہو جائے جن میں وہ مگن ہے۔ یہ ان کی شفقت اور مہربانی ہے کیونکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ نووارد کوئی ایسا لفظ سن لے جس کی حقیقت تک اس کی رسائی نہ ہو۔ وہ صوفیائے کرام پر اعتراض کرنے لگے۔ اس طرح اسے ان کے فیض سے محروم کر دیا جائے اور پھر اسی حالت میں وہ دنیا سے رخصت ہو جائے۔

Marfat.com

اہل طریقت میں ایک انتہائی عجیب چیز پائی جاتی ہے اوران کے علاوہ یہ چیز کسی اور گروہ میں نہیں پائی جاتی۔ اور وہ یہ کہ منطق ،نحو، انجینئر نگ، حساب، علم کلام اور فلسفہ اور دوسرے علوم کی خاص اصطلاحیں ہوتی ہیں جن کو نو وارد شخص صرف اسی وقت جان سکتا ہے جب ان علوم کے ماہرین ان اصطلاحات سے آگاہ کریں لیکن اہل طریقت کا انداز نرالا ہے کہ جب کوئی طالب صادق ان کے سلسلہ میں داخل ہوتا ہے تو اسے ان کے اشارات اور اصطلاحات کی خبر نہیں ہوتی۔ لیکن جونہی وہ ان کی صحبت میں بیٹھتا ہے اور ان اشارات اور رموز کو سنتا ہے جن کو وہ اپنے کلام میں استعمال کرتے ہیں وہ اس صحبت کی برکت سے ان تمام امور کو سمجھنے لگتا ہے۔ حتیٰ کہ ایسا لگتا ہے کہ یہ اصطلاحات اسی نے وضع کی ہیں۔ اس طرح وہ ان علوم و معارف کے حصول میں ان کے ساتھ شریک ہو جاتا ہے اور اسے یہ بات عجیب نہیں لگتی بلکہ اسے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ علم بالکل بدیہی ہے گویا کہ وہ پہلے ہی اسے جانتا تھا۔ اسے معلوم ہی نہیں کہ اسے یہ علم کیسے حاصل ہو گیا اور یہ طالب صادق کی شان ہے۔ لیکن اس کے مقابلہ میں جھوٹا دعویدار ان کے کلام کو نہیں سمجھ سکتا اور نہ ہی اسے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کیا پڑھ رہا ہے۔ علمائے ظاہر ہمیشہ سے ہی اہل تصوف کے کلام کو سمجھنے سے گریز کرتے ہیں۔ عظیم محدث احمد بن سریج ایک دن حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں حاضر ہوئے۔ کسی نے ان سے پوچھا: ''کیا آپ نے ان کے کلام کو سمجھا ہے'' تو انہوں نے جواب دیا ''یہ تو مجھے معلوم نہیں کہ وہ کیا فرمارہے تھے لیکن ان کا کلام دل میں اترتا جارہا تھا۔ اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ باطنی طور پر باعمل اور مخلص ہیں اور ان کا کلام لغو اور بے اثر نہیں۔

پھر دوسری بات یہ ہے کہ یہ لوگ اشارات کے ساتھ اسی وقت گفتگو کرتے ہیں کہ جب ان میں کوئی نو وارد داخل ہو یا ان اشارات کو اپنی تالیفات میں استعمال کرتے ہیں۔ اس کے بعد آپ فرماتے ہیں کہ یہ بات مخفی نہیں ہے کہ مخالفین کے انکار کی اصل وجہ حسد ہے۔ اگر یہ لوگ حسد کو ترک کر دیتے اور اہل اللہ کا طریقہ اپناتے تو صوفیائے کرام پر

Marfat.com

اعتراض نہ کرتے بلکہ ان کے علوم سے مستفید ہوتے لیکن خدا کو یہی منظور تھا۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم (۴۲)

صاحب درمختار سے جب شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''فصوص الحکم'' کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اس کے مطالعہ میں احتیاط ضروری ہے۔ علامہ ابن عابدین اس قول کے تحت لکھتے ہیں کہ احتیاط اس لئے اس لئے ضروری ہے کیونکہ اگر تو یہ ثابت ہو جائے کہ اس میں بعض کلمات مخالفین کے اضافہ شدہ ہیں تو یہ بات ظاہر ہے ورنہ اس کلام کو سمجھنا ہر آدمی کے بس کی بات نہیں۔ اس لئے خدشہ ہے کہ وہ شیخ پر اعتراض نہ کرنے لگے یا اصل مفہوم کے برخلاف سمجھ لے۔ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلہ میں ایک رسالہ تالیف فرمایا ہے جس کا نام ''تنبیہ الغبی بتبرئہ ابن عربی'' ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں لوگ دو گروہوں میں منقسم ہے: ایک گروہ حق پر ہے جو ان کی ولایت کا اعتراف کرتا ہے جب کہ دوسرا اس کے برخلاف ہے۔ پھر آپ فرماتے ہیں کہ میرا اس بارے میں قول فیصل یہ ہے کہ آپ کی ولایت کا اعتقاد رکھا جائے۔ اور یہ اعتقاد رکھا جائے کہ آپ کی کتب کا مطالعہ عوام الناس کے لئے حرام ہے اور آپ سے یہ منقول بھی ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہم لوگوں کی کتابوں میں نظر وفکر حرام ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ صوفیائے کرام اپنے کلام میں بعض اصطلاحات اور اشارات استعمال کرتے ہیں۔ اور ان سے وہ معنی مراد نہیں لیتے جو فقہاء کے درمیان معروف ہوتا ہے بلکہ اس سے وہ معنی مراد لیتے ہیں جو صوفیائے کرام کے نزدیک متعارف ہوتا ہے۔ جو شخص ان کے کلمات کو عام معنی پر محمول کرتا ہے وہ ان پر کفر کا فتویٰ لگا لیتا ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس بات کی صراحت فرمائی ہے کہ صوفیائے کرام کے یہ کلمات قرآن وسنت میں استعمال ہونے والے متشابہات کی مثل ہیں یعنی قرآن وسنت میں ذات باری تعالیٰ کے لئے چہرہ ہاتھ اور آنکھ وغیرہ کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں جن کی تاویل

Marfat.com

کرنا واجب ہے۔ اسی طرح صوفیائے کرام کے ان کلمات کی تاویل کرنا بھی واجب ہے۔
پھر علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں۔ جب اصل کتاب شیخ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ سے ثابت ہے تو اس کتاب کا ہر کلمہ ان کی طرف منسوب ہوگا مگر یہ احتمال باقی ہے کہ کسی ملحد اور بے دین مخالف نے اپنی طرف سے کچھ کلمات کا اضافہ کر دیا ہو۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ آپ نے ان کلمات سے عام معنی مراد لیا ہو لیکن اس تک رسائی ممکن نہیں۔ کیونکہ ان کا تعلق امور قلبیہ سے ہے جن پر اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا مطلع نہیں ہو سکتا۔ اس لئے اس چیز کا دعویٰ کرنا کفر کے مترادف ہے۔ کسی عالم نے کسی صوفی سے سوال کیا: ''کیا بات ہے کہ تم اپنے کلام میں ایسے الفاظ استعمال کرتے ہو جن کا ظاہری مفہوم صحیح نہیں ہوتا۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم غیرت کی وجہ سے یہ کلمات استعمال کرتے ہیں تاکہ کوئی شخص اس میں داخل نہ ہو جائے۔ ۴۳

علامہ ابن حجر ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ شیخ ابن عربی اور ابن فارض رحمۃ اللہ علیہ کی کتب کے مطالعہ کا کیا حکم ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ان کتب کا مطالعہ صرف جائز ہی نہیں بلکہ مستحب ہے کیونکہ ان میں بہت سے ایسے فوائد ہیں جو دیگر کتب سے نہیں ملتے۔ ان میں ایسے عجیب وغریب اسرار بیان کیے گئے ہیں جن کا فیض مسلسل جاری وساری رہتا ہے۔ اور بہت سے دقیق مسائل کی شرح ان کتابوں میں ملتی ہے۔ ان میں کثیر ایسے اسرار ورموز ہیں جن کو عارفین ہی سمجھ سکتے ہیں۔ اور ان کی حقیقت تک رسائی وہ علمائے ربانیین ہی کر سکتے ہیں جو احکام شریعت پر کامل دسترس رکھتے ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ ان کے مؤلفین کی فضیلت کے معترف ہیں۔ اس کے بعد آپ فرماتے ہیں کہ بعض جہلاء نے ان کتب کا مطالعہ کیا اور ان کے مطالعہ میں مستغرق ہو گئے۔ حالانکہ اس میں انتہائی دقیق معانی اور رموز اشارات بیان کیے گئے تھے۔ جن کو سمجھنے سے وہ قاصر ہو گئے۔ چونکہ ان امور کو سمجھنے کے لئے علوم ظاہرہ میں دسترس کے ساتھ ساتھ اخلاق عالیہ کے ساتھ متصف ہونا بھی ضروری ہے۔ اس لیے یہ کلام ان کے عقل وفہم سے بالاتر تھا۔ اس لئے ان کے قدم

Marfat.com

جادہ حق سے ڈگمگا گئے۔ اور انہوں نے اصل معنی ومقصود کی بجائے غلط معنی سمجھ لیا۔ اور اسی کو انہوں نے صحیح گمان کر لیا۔ اور قیامت کے دن خسارہ کے مستحق ہو گئے۔ کیونکہ وہ عقیدہ اہل حق سے منحرف ہو گئے۔ اور اپنے کم عقلی کی وجہ سے حلول واتحاد کے غلط عقیدہ میں مبتلا ہو گئے حتیٰ کہ میں نے بعض مفاسد قبیحہ اور کفرات صریحہ ان لوگوں سے سنے ہیں جنہوں نے ان کتب کا مطالعہ تو کیا لیکن ان کے اسلوب وطریقہ سے ناواقف تھے۔ یہی وجہ تھی کہ بعض علمائے کرام نے ان کتابوں پر اعتراض کیا ہے لیکن ہماری نظر میں وہ معذور ہیں، کیونکہ ان کا مقصد ان جہلاء کو ان کتب سے دور رکھنا تھا جو ان کے لئے زہر قاتل تھیں نہ کہ ان کے مؤلفین کی ذات واحوال پر اعتراض کرنا۔[۴۴]

علامہ شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''المختصر یہ کہ علم کلام اور عارفین کی کتب کا مطالعہ صرف علمائے ربانیین اور ان لوگوں کے لئے جائز ہے جو راہ سلوک پر گامزن ہیں۔ ان کے علاوہ کسی کے لئے ان کتب کا مطالعہ جائز نہیں ہے۔ کیونکہ خدشہ ہے کہ وہ کہیں ایسے شبہ میں گرفتار نہ ہو جائیں جس سے چھٹکارا حاصل کرنا اس کے لئے مشکل ہو جائے۔ لیکن نفس انسانی ہمیشہ لغو اور ایسی فضول باتوں میں مشغول رہتا ہے جو اس کیلئے فائدہ مند نہیں ہوتیں۔[۴۵]

شیخ عبدالکریم جبلی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''انسان کامل'' میں فرماتے ہیں کہ ''میں اس کتاب کا مطالعہ کرنے والے سے التماس کرتا ہوں کہ اگر اس میں کتاب وسنت کے خلاف کوئی چیز نظر آئے تو اسے جان لینا چاہیئے کہ یہ اس کے مفہوم کے اعتبار سے ہے نہ کہ اس اعتبار سے کہ وہ میری مراد ہے جس کے لئے میں نے یہ کتاب تصنیف کی ہے۔ اسے چاہئے کہ وہ اس پر عمل کرنے سے رک جائے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسے اس کی معرفت عطا فرمائے اور کتاب وسنت سے اس کی کوئی دلیل مل جائے۔ کیونکہ میں نے جو کچھ بھی اس کتاب میں ذکر کیا ہے کتاب وسنت اس کی مؤید ہے، پھر آپ فرماتے ہیں کہ ''ہر وہ علم جس کی تائید کتاب وسنت سے نہ ہو وہ سراسر ضلالت وگمراہی ہے، لیکن عام قاری اپنے

Marfat.com

گمان کے مطابق کسی چیز کے خلاف کتاب وسنت ہونے کا فیصلہ نہیں کرسکتا۔ کیونکہ ہوسکتا ہے کہ وہ درحقیقت کتاب وسنت کے مخالف نہ ہو لیکن وہ اپنی کم علمی کی وجہ سے اس حقیقت تک نہ پہنچ سکا ہو۔ اس لئے اسے تسلیم کرلینا ہی بہتر ہے"۔ ۴۶؎

علمائے کرام اور صوفیائے کرام کے ان اقوال وفرمودات سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

(۱) جو شخص راہ طریقت پر گامزن نہیں ہے اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ اہل طریقت کی کتب کا مطالعہ کرے۔ کیونکہ خدشہ ہے کہ وہ اس حقیقت تک نہ پہنچ سکے جس کا ارادہ ان کتب کے مؤلفین نے کیا ہے۔ کیونکہ یہ شخص اہل طریقت کی اصطلاحات اور اشارات سمجھنے سے قاصر ہے۔ لیکن اجمالی طور پر صوفیائے کرام کی کتب تین حصوں میں منقسم ہیں:

(i) یہ کتب عبادات کو ان کے ظاہری اور باطنی آداب کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے احسن طریقہ سے ادا کرنے کے متعلق بحث کرتی ہیں۔

(ii) یہ کتب مجاہدۂ نفس، تزکیہ دل اور اس کے احوال یعنی ناقص صفات، شک، وسوسہ، ریا، حسد، شہرت اور حب مرتبہ سے دل کو صاف کرنے اور اس کو صفات کاملہ، توبہ، رضا، توکل، تسلیم ورضا، محبت اخلاص، صدق اور خشوع وغیرہ سے آراستہ کرنے کے متعلق بحث کرتی ہیں۔

یہ دونوں اقسام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی "احیاء العلوم" اور شیخ ابو طالب مکی رحمۃ اللہ علیہ کی "قوت القلوب" اور اس قسم کی دیگر کتب میں مذکور ہیں اور ان علوم کو "علوم معاملات" کہتے ہیں۔

(iii) یہ کتب معارف ربانیہ، علوم لدنیہ اور ذوق ووجدان اور حقائق کشفیہ کے متعلق بحث کرتی ہیں۔ شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کی اکثر کتب اسی قسم سے

Marfat.com

تعلق رکھتی ہیں جیسا کہ ''فتوحات مکیہ'' اور ''فصوص الحکم'' ہیں۔ اس طرح شیخ عبدالکریم جیلی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''انسان کامل'' بھی اسی میں شامل ہے۔ اور اس قسم کی کتابوں کے مطالعہ سے ان لوگوں کو منع کیا گیا ہے جو اہل طریقت میں سے نہیں ہیں۔ اور ان علوم کو ''علوم مکاشفہ'' کہتے ہیں۔

(۲) مصنف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تصوف، مطالعہ کتب اور اس کی اصطلاحات جاننے سے حاصل نہیں ہوتا، بلکہ اس کے لئے کسی شیخ کامل کی صحبت ضروری ہے۔ شیخ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے مرشد علی خواص رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ یہ گمان نہ کرنا کہ تم صوفیاء کرام کی کتب کے مطالعہ اور ان کی اصطلاحات جان لینے سے صوفی بن جاؤ گے، بلکہ صوفی بننے کے لئے ان کے اخلاق عالیہ سے متصف ہونا ضروری ہے۔ اور اسی طرح کتاب وسنت کے جن اخلاق وآداب سے آراستہ ہوئے ان کو جاننا بھی ضروری ہے۔ ۴۷

(۳) صوفیائے کرام نے ان رموز واشارات کو اس لئے وضع کیا تاکہ اس علم کو وہی حاصل کر سکے جو راہ سلوک کو اپنانا چاہتا ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ تصوف، مطالعہ کتب سے حاصل نہیں ہوتا، بلکہ اس کے لئے اہل ذوق کی صحبت ضروری ہے۔

(۴) وہ عبارات جن میں عقائد حقہ کے برخلاف باطل عقائد کا ذکر ہے وہ یقیناً مخالفین کی اضافہ شدہ ہیں۔ کیونکہ آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ صوفیائے کرام کتاب و سنت پر سختی سے کاربند ہوتے ہیں۔

(۵) وہ عبارات جو ان سے بالیقین ثابت ہیں اور ان کی تاویل ممکن ہے اور ان کو صحیح عقیدہ اہلسنت پر محمول کرنا ممکن ہے تو اسکی تاویل کرنا واجب ہے، کیونکہ یہی ان

Marfat.com

کا عقیدہ ہے جس کی تصریح انہوں نے اپنی کتاب کے مقدمات میں کی ہے۔
اس سلسلہ میں آپ ''رسالہ قشیریہ، فتوحات مکیہ، التعرف اور احیاء العلوم'' وغیرہ کے مقدمات کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔

(۲) اس کے علاوہ ان کی طرف منسوب شدہ وہ عبارات جنکی تاویل ممکن نہیں ہے۔ اگر تو یہ ثابت ہو جائے کہ یہ واقعی ان کی عبارات میں، ان عبارات کا انہیں ذمہ دار ٹھرایا جائے گا لیکن ہم انہیں تسلیم نہیں کریں گے بلکہ ایسا عقیدہ رکھنے والے کی تکفیر کریں گے، لیکن کسی معین شخص کو کافر نہیں کہیں گے کیونکہ ہمیں معلوم نہیں کہ اس کا خاتمہ کیسے ہوگا؟ ہم صرف عقیدہ اہلسنت کے ذمہ دار ہیں اس کے علاوہ کسی دوسرے شخص کے عقیدہ کے ذمہ دار نہیں ہیں۔

اب ہم آپ کے سامنے کچھ ایسی عبارات پیش کرتے ہیں جن پر بعض جہلاء نے اعتراض کیا ہے اور اس کی وجہ سے صوفیائے کرام کے شریعت سے خارج ہونے کا الزام لگایا ہے۔ لیکن جب آپ کو ان عبارات کے صحیح مفہوم سے آگاہی ہو جائے گی تو آپ پر یہ بات واضح ہو جائے گی کہ معترضین کے اعتراضات یا تو جہالت کی بنا پر ہیں یا حسد کی وجہ سے۔

(۱) امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض صوفیاء سے یہ قول نقل کیا گیا ہیں:

دخلنا حضره الله ، وخرجنا عن حضرة الله۔

''ہم بارگاہ الٰہی میں داخل ہوئے اور اس کی بارگاہ سے نکلے''۔

یہاں ''حضرة'' (بارگاہ) سے مراد کوئی معین جگہ نہیں ہے۔ کیونکہ ذات باری تعالٰی زماں و مکاں کی حدود سے بالاتر ہے، بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ جب تک کسی عارف کو مشاہدہ حق حاصل رہتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ وہ اللہ تعالٰی کی بارگاہ میں ہے اور جب وہ مشاہدہ حق سے محجوب ہو جائے تو کہتے ہیں کہ وہ بارگاہ الٰہی سے خارج ہو گیا۔

(۲) شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ایک دن اپنے بعض دوستوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا تو میں نے یہ شعر پڑھا:

Marfat.com

یا من یرانی ولاأراہ کم ذا اراہ ولا یرانی

''اے وہ ذات جو مجھے دیکھتی اور اسے نہیں دیکھ سکتا۔ اور کئی دفعہ میں اسے دیکھتا ہوں اور وہ مجھے نہیں دیکھتا''۔

میرے ایک دوست نے یہ سن کر کہا: یہ تم کیا کہہ رہے ہو کہ وہ تمہیں نہیں دیکھتا حالانکہ تم جانتے ہو کہ وہ تمہیں ہر حال میں دیکھ رہا ہوتا ہے۔

میں نے اس کے جواب میں فی البدیہ شعر پڑھا[۴۸]

یا من یرانی مذنبا ولا راہ اخذا

کم ذا اراہ منعما ولا یرانی لائذا

(۱) ''اے وہ ذات جو مجھے گناہ کرتے ہوئے دیکھتی ہے اور میں اسے گرفت کرتے ہوئے نہیں دیکھتا''۔

(۲) ''میں اسے انعام واکرام کرتے ہوئے دیکھتا ہوں اور وہ مجھے پناہ طلب کرتے ہوئے نہیں دیکھتا''۔

(۳) امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف یہ قول منسوب ہے کہ آپ نے فرمایا:

"لیس فی الامکان ابدا مما کان"۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ تخلیق کیا ہے اس سے عمدہ ممکن نہیں۔ شاید آپ کی مراد یہ ہے کہ یہ تمام ممکنات جن کو اللہ تعالیٰ نے کسی بھی صورت میں پیدا کیا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے علم قدیم میں موجود تھیں اور اس کا علم قدیم زیادتی اور اضافے کو قبول نہیں کرتا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی. (طٰه: ۵۰)

''جس نے عطا کی ہر چیز کو (موزوں) صورت پھر (مقصد تخلیق کی طرف) ہر چیز کی راہنمائی کی''۔

Marfat.com

شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس قول کی تاویل میں یہی مفہوم بیان کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام انتہائی محققانہ ہے۔ کیونکہ مراتب صرف دو ہی ہیں ایک قدم، دوسرا حدوث۔ حق سبحان وتعالیٰ قدم کے مرتبہ پر فائز ہے اوراس کے علاوہ باقی تمام حدوث کے مرتبہ پر۔ اگر اللہ تعالیٰ اتنی مخلوق پیدا کر دیتا جو عقلاً حد وحساب سے ماوراء ہوتی تو تب بھی یہ مخلوق مرتبہ حدوث سے مرتبہ قدم تک ترقی نہ کرسکتی۔

(۴) ابو یزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف یہ قول منسوب ہے کہ آپ نے فرمایا:

خضنا بحرا وقفت الانبیاء بساحله

''ہم اس بحر میں غوطہ زن ہوئے کہ انبیاء علیہم السلام جس کے ساحل پر کھڑے ہیں''۔

شیخ ابوالمواہب شاذلی رحمۃ اللہ علیہ اس قول کی تاویل میں فرماتے ہیں:

''عارفین اولاً بحر توحید میں دلیل کے ساتھ غوطہ زن ہوتے ہیں اور اس کے بعد مرتبہ شہود پر فائز ہوتے ہیں، اور انبیاء علیہم السلام پہلے مرحلہ میں ہی مرتبہ شہود کے ساحل پر پہنچ جاتے ہیں۔ پھر ایسے ایسے مقامات کو طے کرتے ہیں جن کو احاطہ تحریر میں لانا ممکن نہیں ہے۔ گویا کہ عارفین کی جس مقام پر انتہا ہوتی ہے وہاں انبیاء علیہم السلام کی ابتداء ہوتی ہے''۔

(۵) شیخ ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا:

یصل الولی الی رتبه یزول عنه فیها کلفه التکلیف

''آپ فرماتے ہیں کہ ولی دوران سلوک اس مرتبہ تک پہنچ جاتا ہے کہ اس سے عبادات کی مشقت زائل ہوجاتی ہے''۔

ابوالمواہب شاذلی رحمۃ اللہ علیہ اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ ''ولی ابتدائے سلوک میں مشقت اور تھکاوٹ محسوس کرتا ہے لیکن جب وہ معرفت کے انتہائی مقام پر پہنچ جاتا ہے تو وہ عبادت میں راحت وسکون محسوس کرتا ہے جس طرح کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

Marfat.com

ارحنابھا یا بلال

''اے بلال! ہمیں نماز سے راحت پہنچاؤ''۔

اور یہی سالک کا مطلوب ومقصود ہوتا ہے۔

(٦) صوفیائے کرام اکثر اوقات مدد کا کلمہ بھی استعمال کرتے ہیں وہ کہتے ہیں ''المدد یا رسول اللہ ﷺ المدد یا شیخ کامل'' اس کلمہ کی بھی صحیح شرعی تاویل ممکن ہے۔

معترضین کہتے ہیں کہ اس کلمہ کا استعمال جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں غیر اللہ سے سوال اور مدد طلب کرنا ہے حلانکہ اللہ کے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے سوال کرنا اور مدد طلب کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اذا سالت فاسئل اللہ و اذا استعنت فاستعن باللہ

''جب تو سوال کرے تو اللہ تعالیٰ سے سوال کر اور جب تو مدد طلب کرے تو اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کر''۔

اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب مقدس میں بیان کیا ہے کہ اسی کی ذات امداد کا مصدر ومنبع ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

کلا نمدھولاء وھو لاء من عطاء ربک

''ہم ہر ایک کی امداد کرتے ہیں ان کی بھی (جو طالب دنیا ہیں) اور ان کی بھی (جو طالب آخرت ہیں) آپ کے رب کی بخششوں سے''۔

یہ معترضین تو انتہائی جاہل ہیں جن کو یہ معلوم نہیں کہ صوفیائے کرام ہی خالص موحد ہیں۔ وہ اپنے مرید کا ہاتھ پکڑ کر اسے ایمان ویقین کی حلاوت سے آشنا کرتے ہیں اور اس کو شرک اور اس کی جملہ آرائشوں سے دور کرتے ہیں۔

المدد کے کلمہ کی وضاحت سے پہلے یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ مومن کیلئے ضروری ہے کہ وہ اپنے تمام احوال میں دو چیزوں پر نظر رکھے:

Marfat.com

(i) اس کی نظر اللہ تعالیٰ کی توحید پر ہو کہ وہی مسبب الاسباب اور اس کائنات میں کسی چیز کی تخلیق اور اسکی امداد کرنے میں فاعل حقیقی ہے۔ بندہ کیلئے جائز نہیں کہ وہ اس کی مخلوق میں سے کسی کو اس کا شریک ٹھہرائے۔ خواہ اس کا مقام و مرتبہ کتنا بلند ہو نبی ہو یا ولی۔

(ii) اس کی نظر ان اسباب پر بھی ہونی چاہئے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے ہر شے کیلئے سبب بنا دیا ہے۔

مومن مختلف اسباب کو بروئے کار لاتا ہے لیکن ان پر کلی طور پر اعتماد نہیں کرتا اور نہ ہی مستقل طور پر ان کی تاثیر کا عقیدہ رکھتا ہے۔ کیونکہ بندہ اگر یہ عقیدہ رکھے کہ یہ اسباب بذات خود موثر ہیں تو اس کے لئے عقیدہ شرک کے مترادف ہے کیونکہ اس نے ایک الہ کو چھوڑ کر کئی کو اپنا معبود بنا لیا ہے۔ اور اگر مومن صرف مسبب پر نظر رکھے اور اسباب سے قطع نظر کرلے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی اس سنت کی مخالفت ہے جس نے ہر چیز کے لئے سبب مقرر کیا ہے۔ مومن کا کمال اسی میں ہے کہ وہ بیک وقت ان دونوں چیزوں پر نظر رکھے۔ یعنی مسبب سے بھی غافل نہ ہو اور نہ ہی سبب سے بے نیاز۔ اس مفہوم کو بیان کرنے کے لئے ہم چند مثالیں بیان کرتے ہیں:

(۱) اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی ہر بشر کا خالق ہے لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق کا ایک ظاہری سبب بنا دیا ہے اور وہ زوجین کا باہمی ملاپ اور پھر رحم مادر میں جنین کی افزائش، پھر ایک خاص مدت کے بعد اس کی پیدائش ہوتی ہے۔

(۲) زندگی کی طرح موت بھی اس کے قبضہ قدرت میں ہے۔ لیکن اس نے موت کے لئے بھی ایک ظاہری سبب بنا دیا ہے اور وہ ملک الموت ہے، جب ہم مسبب کی طرف دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں:

Marfat.com

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ (الزمر: ۴۲)

''اللہ تعالیٰ قبض کرتا ہے جانوں کو''۔

اور اگر ہم کہیں کہ ملک الموت نے فلاں کی روح قبض کی ہے تو ہم نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنایا۔ بلکہ ہم نے سبب کو مدنظر رکھا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خود ارشاد فرمایا ہے:

قُلْ يَتَوَفّٰكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِیْ وُكِّلَ بِكُمْ .(السجدہ: ۱۱)

''فرمایئے جان قبض کرے گا تمہاری موت کا فرشتہ جو تم پر مقرر کر دیا گیا ہے''۔

(۳) اسی طرح حقیقی روزق تو اللہ تعالیٰ کی ذات ہے لیکن اس نے حصول زرق کے بہت سے اسباب پیدا کر دیئے ہیں جیسے تجارت، زراعت، صنعت کاری وغیرہ۔ اگر ہم مسبب حقیقی کو مدنظر رکھیں تو ہمیں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے مفہوم کی سمجھ آتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُوالْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ. (الذاریات: ۵۸)

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہی (سب کو) روزی دینے والا اور زور والا ہے''۔

اگر ہم اسباب کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ کہیں کہ فلاں آدمی اپنا کمایا ہوا رزق کھاتا ہے تو اس کی وجہ سے ہم مشرک نہیں بن جائیں گے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

مااکل احد طعاماقط خیرا من ان یاکل من عمل یدہ

''کسی نے اپنے ہاتھ کی کمائی سے بہتر کھانا نہیں کھایا''۔ (بخاری)

رسول اللہ ﷺ نے مسبب اور سبب کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

وانما انا قاسم واللہ یعطی. (بخاری)

''میں تو صرف تقسیم کرنے والا ہوں عطا کرنے والا اللہ ہے''۔

(۴) اسی طرح منعم حقیقی تو اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور اسی چیز کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ارشاد فرمایا:

Marfat.com

وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ (النحل: ۵۳)

''وہ اور تمہارے پاس جتنی نعمتیں ہیں او وہ تو اللہ کی دی ہوئی ہیں''۔

اور مسبب اور سبب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

وَاِذْ تَقُولُ لِلَّذِیْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَیْهِ(احزاب: ۳۸)

''اور یاد کیجئے جب آپ نے فرمایا اس شخص کو جس پر اللہ نے بھی احسان فرمایا اور آپ نے بھی احسان فرمایا''۔

معاذ اللہ اس کا یہ مفہوم نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کی عطا میں شریک ہیں۔ بلکہ آپ ﷺ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ پر انعام کے سبب ہیں۔ کیونکہ وہ آپ کے دست اقدس پر ہی ایمان لائے۔ آپ کی وجہ سے انہیں آزادی کی دولت نصیب ہوئی۔

بعینہ کسی دوسرے سے مدد طلب کرنے کا معاملہ ہے۔ جب ہم مسبب حقیقی کی طرف دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں:

اذا استعنت فاستعن با اللّٰہ

ترجمہ

''جب کبھی تو مدد طلب کرے تو اللہ تعالیٰ سے ہی مدد طلب کر''

اور جب ہم سبب کی طرف دیکھیں تو کہتے ہیں:

وَتَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی. (المائدہ: ۲)

''اور ایک دوسرے کی مدد کرو نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں''۔

اسی ضمن میں حدیث نبوی ﷺ ہے:

واللّٰہ فی عون العبد ما کان العبد فی عون اخیہ

''اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کی مدد کرتا رہتا ہے جب تک وہ اپنے بھائی کی مدد کرتا ہے''۔

جب کوئی مومن اپنے بھائی کو کہے کہ یہ سامان اٹھانے میں میری مدد کرنا تو وہ

Marfat.com

اپنے اس قول کی وجہ سے مشرک نہیں بن جائے گا۔ اور نہ ہی اس کا شمار غیر اللہ سے مدد طلب کرنے والوں میں ہوگا۔ کیونکہ مومن کی دونوں آنکھیں روشن ہوتی ہیں۔ اس لیے اس کی نگاہ مسبب پر بھی ہوتی ہے اور سبب پر بھی اور جو اس پر شرک کی تہمت لگاتا ہے وہ خود بھی گمراہ ہے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرنے والا ہے۔

(۵) اسی طرح ہدایت کیلئے بھی یہی قاعدہ کلیہ استعمال کرتے ہوئے جب ہم مسبب کی طرف دیکھتے ہیں تو ہم کہتے ہیں کہ ہدایت کا حقیقی سرچشمہ تو اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو ارشاد فرمایا

اِنَّکَ لَاتَھْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ (القصص: ۵۶)

''بے شک آپ ہدایت نہیں دے سکتے جس کو آپ پسند کریں''۔

اور جب ہم سبب کو مدنظر رکھیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول مکرم ﷺ کو ارشاد فرما رہا ہے

وَاِنَّکَ لَتَھْدِیْ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ (الشوری: ۵۲)

''بلاشبہ آپ راہنمائی کرتے ہیں صراط مستقیم کی طرف''

یعنی اللہ تعالیٰ جس کی ہدایت کا ارادہ فرماتا ہے تو رسول اللہ ﷺ اس کو ہدایت دینے کے سبب ہیں۔

علمائے ربانیین اور شیخ کاملین مخلوق کو ہدایت دینے اور ان کو معرفت الٰہی تک پہنچانے میں رسول اللہ ﷺ کے حقیقی جانشین ہیں۔ جب کوئی مرید اپنے شیخ سے ہدایت حاصل کرتا ہے تو وہ ہدایت کے اسباب میں سے ایک سبب کو اختیار کرتا ہے جن کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے اور ان لوگوں کو ہدایت کا وسیلہ بنا دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَجَعَلْنَا مِنْھُمْ اَئِمَّۃً یَّھْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا وَکَانُوْا بِاٰیٰتِنَا یُوْقِنُوْنَ۔
(السجدہ: ۲۴)

Marfat.com

''اور ہم نے بنایا ان میں سے بعض کو پیشوا، وہ راہبری کرتے رہے، ہمارے حکم سے جب تک وہ صابر رہے اور جب تک وہ ہماری آیتوں پر پختہ یقین رکھتے تھے''۔

مرید کا اپنے شیخ سے روحانی تعلق ہوتا ہے جس کے درمیان مادی رکاوٹیں اور مسافت حائل نہیں ہو سکتی۔ اسی وجہ سے صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ شیخ کامل وہ ہے جس کی دوری بھی سالک کو فائدہ دے جس طرح اس کا قرب اس کے لئے فائدہ مند ہوتا ہے۔ کیونکہ شیخ مرید کی ہدایت کا سبب ہے تو اگر مرید اپنے شیخ سے مدد طلب کرتا ہے تو اس کی وجہ سے وہ مشرک نہیں ہو جائے گا۔ کیونکہ وہ یہاں سبب کو ملحوظ خاطر رکھتا ہے اور اس کا یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ حقیقی طور پر ہدایت دینے والا اور امداد کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے شیخ تو صرف ایک سبب ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی راہنمائی کے لئے مقرر کر دیا ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ وہ بحر ذخار ہیں جس سے یہ اولیائے کرام فیض حاصل کرتے ہیں۔

جب ہم نے شیخ اور مرید کے درمیان روحانی تعلق کو تسلیم کر لیا تو اس تعلق پر مرتب ہونے والی مدد کو بھی تسلیم کرنا پڑے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دینی و دنیاوی امور میں بعض کو بعض کے لئے سبب بنا دیا ہے۔

ایک سلیم الفطرت شخص کے لئے اتنی مثالیں کافی ہیں۔ اور جب بھی صوفیائے کرام کے کلام میں کوئی ایسی چیز دیکھے گا جو ظاہراً شرع کے خلاف ہو وہ اس کے ساتھ حسن ظن رکھتے ہوئے اس میں تاویل کرے گا۔ کیونکہ اب اس پر بخوبی واضح ہو چکا ہے کہ تاویل اللہ تعالیٰ، اس کے رسول ﷺ کے کلام، فقہاء و محدثین اور اصولیین کے کلام میں جائز ہے۔ اسی وجہ سے امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہر صاحب عقل و شعور کے لئے کسی بھی ولی کے متعلق سوء ظن رکھنا حرام ہے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ جب تک ان کے مرتبہ تک نہیں پہنچتا، ان کے اقوال و افعال میں تاویل کرے۔ اور اس تاویل سے وہی شخص پس و پیش کرتا ہے جو توفیق الٰہی سے محروم ہو۔

Marfat.com

وحدۃ الوجود، حلول اور اتحاد

بعض مخالفین جہالت کی بنا پر صوفیاء کرام پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ وہ حلول اور اتحاد کا عقیدہ رکھتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ شجر وحجر، بحر و بر، انسان وحیوان حتیٰ کہ کائنات کے تمام اجزاء میں حلول کر گیا ہے۔ یا اس کا مفہوم یہ ہے کہ مخلوق عین خالق ہے یعنی اس کائنات میں موجود ہر چیز بعینہ ذات باری تعالیٰ ہے۔

بلاشک وشبہ یہ عقیدہ صریح کفر اور امت کے عقائد کے مخالف ہے۔ صوفیائے کرام جو کہ اسلام ایمان اور احسان کو جامع ہوتے ہیں۔ ان کے متعلق تو یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ وہ اس درجہ گمراہی اور کفر میں مبتلا ہوں۔ ایک منصف مزاج مومن کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ بغیر کسی تحقیق کے ان پر کفر کی تہمت لگا دے بلکہ اسے چاہیئے کہ وہ ان کی امہات الکتب (فتوحات مکیہ، احیاء العلوم، رسالہ قشیریہ وغیرہ) میں ذکر کردہ ان کے عقائد کا مطالعہ کرے۔

شاید کہ مخالف یہ کہے کہ تمہارے اس قول کی وجہ سے صوفیائے کرام حلول واتحاد کے عقیدہ سے بری نہیں ہو سکتے، بلکہ یہ تو حقیقت سے فرار اختیار کرنا ہے یا حقائق سے چشم پوشی کرتے ہوئے صوفیائے کرام کے ساتھ والہانہ عقیدت کی بنا پر ان کا دفاع کرنا ہے۔ کیونکہ ان کو اس تہمت سے بری الذمہ قرار دینے کے لئے دلیل پیش کرنا ضروری ہے۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اب ہم صوفیائے کرام کے اپنے اقوال پیش

Marfat.com

کرتے ہیں جوان کو اس تہمت سے بری الذمہ قرار دینے کے لئے کافی ہیں۔ بلکہ وہ تو خود لوگوں کو اس باطل عقیدہ سے بچنے کی تلقین کرتے ہیں اور اس سے یہ بھی واضح ہو جائے گا کہ ان کی طرف منسوب اقوال یا تو حاسدین ومخالفین کے اضافہ شدہ ہیں یا اہلسنت و جماعت کے عقیدہ کے مطابق ان کی تاویل ممکن ہے۔

امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''کہ جب بتوں کے پجاریوں کی اتنی جرأت نہیں کہ وہ اپنے معبودان باطلہ کو عین ذات باری تعالیٰ قرار دیں، بلکہ انہوں نے تو کہا:

مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّ بُوْنَا اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى (زمر: ۳)

''ہم نہیں عبادت کرتے ان کی مگر محض اس لیے کہ یہ ہمیں اللہ تعالیٰ کا مقرب بنادیں''۔

تو صوفیائے کرام کے بارے میں کیسے گمان کیا جا سکتا ہے کہ وہ اتحاد وحلول کا عقیدہ رکھتے ہوں۔ بلکہ یہ تو ان کے حق میں محال ہے۔ کیونکہ ہر ولی کو یہ یقین حاصل ہوتا ہے کہ حقیقت باری تعالیٰ باقی تمام حقائق کے برعکس اور مخلوق کی تمام معلومات سے خارج ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو محیط ہے۔

حلول واتحاد اجناس میں ممکن ہے۔ اور ذات باری تعالیٰ جنس سے پاک ہے اور پھر قدیم حادث میں اور خالق مخلوق میں کیسے حلول کر سکتا ہے۔ اور اگر اس سے مراد عرض کا جوہر میں حلول کرنا ہو تو اللہ تعالیٰ کی ذات عرض سے پاک ہے اور اگر جوہر کا جوہر میں حلول کرنا مراد ہو تب بھی ذات باری تعالیٰ کو جوہر نہیں کہہ سکتے۔ بلکہ مخلوقات کا ایک دوسرے میں حلول واتحاد محال ہے۔ کیونکہ دو شخصوں کا ایک بن جانا ممکن نہیں۔ چونکہ ان دونوں کی ذات میں تباین موجود ہے۔ جب مخلوقات کا یہ حال ہے تو خالق اور مخلوق، صانع اور صنعت، واجب الوجود اور حادث الوجود میں تباین بھی انتہائی ضروری ہے۔

علمائے کرام اور محقق صوفیائے کرام ہمیشہ سے ہی حلول واتحاد کے عقیدہ کے بطلان کی صراحت کرتے رہے ہیں اور اس کے فاسد اور گمراہ کن ہونے پر تنبیہ کرتے

Marfat.com

رہے ہیں۔ شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ''ذات باری تعالیٰ اس چیز سے ارفع واعلیٰ ہے کہ حوادث اس میں حلول کریں یا وہ حوادث میں حلول کرے۔ ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں کہ اس بات پر اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے اور اس کی ذات اس سے بالاتر ہے کہ اس میں کوئی شے حلول کرے، یا وہ کسی شے میں ملول کرے'' یا وہ چیز کے ساتھ متحد ہو جائے۔''

آپ ''باب الاسرار'' میں فرماتے ہیں: ''عارف کے لئے انا اللہ (میں اللہ ہوں) کہنا جائز نہیں۔ خواہ وہ قرب کے انتہائی اعلیٰ مقام پر فائز ہو۔ بلکہ عارف باللہ سے تو ایسے قول کا صدور ممکن ہی نہیں ہے۔ کیونکہ وہ کہتا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کا حقیر سا بندہ ہوں''۔

آپ ''فتوحات مکیہ'' کے باب نمبر ۱۶۹ میں فرماتے ہیں کہ قدیم (ذات باری تعالیٰ) کبھی حوادث یعنی مخلوقات کا محل نہیں ہوسکتا۔ اور نہ ہی وہ مخلوقات میں حلول کرتا ہے۔

آپ ''باب الاسرار'' میں فرماتے ہیں کہ جس نے حلول کا عقیدہ رکھا وہ مریض ہے اور وہ لاعلاج مرض میں مبتلا ہے۔ اتحاد کا عقیدہ رکھنے والے ملحد ہیں اور حلول کا عقیدہ رکھنے والے جاہل ہیں۔

''فتوحات مکیہ'' کے باب نمبر ۵۵۷ میں اس موضوع پر طویل گفتگو کے بعد فرماتے ہیں کہ'' کائنات بعینہ ذات باری تعالیٰ نہیں ہے اور نہ ہی حق سبحانہ وتعالیٰ نے اس میں حلول کیا ہے۔ کیونکہ اگر بات ایسی ہوتی تو ذات باری تعالیٰ کو نہ ہم قدیم کہہ سکتے ہیں اور نہ بدیہہ''۔ اور باب نمبر ۳۱۴ میں فرماتے ہیں کہ ''اگر انسان کا انسانیت سے اور فرشتے کا ملکیت سے ترقی کرنا اور اپنے خالق کے ساتھ اتحاد صحیح ہوتا تو تمام حقائق تبدیل ہو جاتے۔ اور معبود، معبود نہ رہتا، خالق، مخلوق بن جاتا اور مخلوق، خالق بن جاتا۔ اور کوئی بھی کسی علم پر اعتماد نہ کرتا۔ اس لیے حقائق کا تبدیل ہو جانا ممکن نہیں ہے۔''

اس طرح آپ کے اشعار بھی حلول واتحاد کی نفی کرتے ہیں:

Marfat.com

(i) ان لوگوں کی بات چھوڑ دو جن کے عالم نے کہا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ متحد ہو گیا۔

(ii) اتحاد محال ہے اس کا عقیدہ وہی رکھتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات سے بے خبر۔

(iii) اور اس کی حقیقت و شریعت سے جاہل ہے۔ اے مخاطب! تو اپنے معبود کی عبادت کر اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرا۔

آپ ''فتوحات مکیہ'' کے باب نمبر ۲۹۲ میں فرماتے ہیں کہ حلول واتحاد کی نفی کی سب سے بڑی عقلی دلیل یہ ہے کہ چاند پر سورج کا عکس پڑتا ہے۔ اس وجہ سے وہ روشن ہو جاتا ہے۔ چاند بذات خود اس میں منتقل نہیں ہوتا بلکہ چاند تو اس کی روشنی کا محل ہے۔ اسی طرح بندہ میں ذات باری تعالیٰ حلول نہیں کرتا بلکہ وہ اس کے انوار وتجلیات کا مظہر ہے۔

صاحب کتاب ''نہج الارشاد'' فرماتے ہیں کہ ''مجھے شیخ کمال الدین مراغی نے بتایا ہے آپ فرماتے ہیں کہ میں ایک دفعہ شیخ ابوالعباس مرسی رحمۃ اللہ علیہ جو کہ شیخ ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ ہیں، کی خدمت میں حاضر ہوا اور حلول واتحاد کے قائلین کے بارے میں بات کی تو آپ نے ان کی شدید مخالفت کی اور فرمایا کیا مخلوق بعینہ خالق ہو سکتی ہے۔''

اس کے علاوہ اگر صوفیائے کرام کے کتب میں بعض ایسے اشارات ملتے ہیں جو ظاہراً حلول واتحاد پر دلالت کرتے ہیں یہ یا تو مخالفین کے اضافہ شدہ ہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ ہم پہلے وضاحت کر چکے ہیں کہ وہ اس عقیدہ باطلہ سے برأت کا اظہار کرتے ہیں یا ان اشارات سے ان کا مقصد حلول واتحاد نہیں تھا۔ مگر بعض خود غرض مخالفین نے ان کے متشابہ کلام کو اس غلط مفہوم پر محمول کیا ہے۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علمائے محققین کو ہی صوفیائے کرام کے کلام تک رسائی حاصل ہے اور ان کے نزدیک یہ کلام عقیدۂ اہلسنت و جماعت کے مطابق ہے۔ کیونکہ وہ صوفیائے کرام کے کامل ایمان اور تقویٰ کی کیفیت سے آگاہ تھے، اس لیے اگر انہیں ظاہر طور پر کوئی چیز مخالف شرع نظر آئے تو اس کی تاویل کرتے ہیں۔

Marfat.com

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''الحاوی للفتاوی'' میں فرماتے ہیں: ''بعض محقق صوفیائے کرام کی کتب میں لفظ ''اتحاد'' آیا ہے لیکن یہ حقیقت توحید کی طرف اشارہ ہے۔ کیونکہ جب توحید میں مبالغہ مقصود ہو تو وہ لفظ اتحاد بولتے ہیں۔ توحید واحد اور احد کی معرفت کا نام ہے۔ بعض جاہل اس حقیقت تک رسائی نہ کر سکے اور اس کا غلط مفہوم سمجھ کر تباہ و برباد ہو گئے۔'' پھر فرماتے ہیں کہ ''عقیدہ اتحاد باطل اور محال'' شرعاً اور عقلاً مردود، انبیاء علیہم السلام مشائخ کرام اور علمائے عظام کے اجماع سے مردود ہے۔ محقق صوفیاء کا یہ مذہب نہیں بلکہ بعض لوگوں نے اپنی جہالت کی وجہ سے اس کا قول کیا ہے۔ اس طرح وہ نصرانیوں کے مشابہ ہو گئے ہیں جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کہا کہ ان کا ناسوت لاہوت کے ساتھ متحد ہو گیا ہے۔ ان کے علاوہ اکثر مشائخ کو اللہ تعالیٰ نے اس عقیدہ باطلہ سے محفوظ رکھا ہے۔ اگر ان کی کلام میں لفظ اتحاد واقع ہوا ہے تو اس سے مراد اپنی ذات کو مٹا کر اثبات توحید ہوتا ہے۔''

آپ فرماتے ہیں کہ ''کبھی کبھی لفظ اتحاد فنائے مخالفات اور بقائے موافقات، دنیاوی خواہشات کے فنا ہونے اور اخروی خواہشات کے باقی ہونے، اوصاف مذمومہ کے فنا ہونے اور اوصاف حمیدہ کے باقی رہنے، شک وشبہات کے فنا ہونے اور ایمان و یقین کے باقی رہنے، غفلت و سستی کے فنا ہونے اور ذکر و فکر کے باقی رہنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔''

آپ فرماتے ہیں کہ ''ابو یزید بسطامی کے قول ''سبحانی ما اعظم شانی '' (میں ہر عیب سے پاک ہوں اور میری شان بہت بلند ہے) کی تاویل یہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد کو اپنی زبان سے بیان کیا ہے نہ کہ ان کا اپنا قول ہے۔ اسی طرح جس نے ''انا الحق '' کہا اس کا قول بھی اسی پر محمول کیا جائے گا۔ کیونکہ ان عارفین کے متعلق یہ گمان بھی نہیں کیا جا سکتا کہ وہ حلول و اتحاد کے قائل تھے۔ کیونکہ ایک عام عقلمند آدمی کے بارے میں بھی یہ گمان نہیں کیا جا سکتا۔ وہ تو مکاشفہ مشاہدہ کی منازل پر متمکن تھے۔ اور اس

Marfat.com

کے ساتھ ساتھ صاحب علم وعمل مجاہدہ اور حدود شریعت پر سختی سے کار بند تھے۔ ایسے لوگوں کی طرف حلول واتحاد کے عقیدہ کی نسبت کرنا خطا ہے جس طرح نصرانیوں نے اپنے غلط گمان کی وجہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف اس کی نسبت کر دی تھی۔ دین اسلام میں بعض جاہل صوفیاء کی وجہ سے یہ عقیدہ پیدا ہوا ہے۔ محقق صوفیاء وعارفین اس سے بری الذمہ ہیں''۔

آپ فرماتے ہیں کہ'' حاصل کلام یہ ہے کہ لفظ اتحاد دو معنوں کے درمیان مشترک ہے۔ ایک وہ مذموم معنی جو لفظ حلول کے ساتھ استعمال ہوتا ہے اور یہ صریح کفر ہے۔ اور دوسرا مقام فنا پر اس کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ یہ صوفیائے کرام کی خاص اصطلاح ہے جس پر کوئی اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ کسی لفظ کو صحیح معنی میں استعمال کرنے سے کسی شخص کو روکا نہیں جا سکتا۔ اور نہ ہی یہ شرعاً ممنوع ہے۔ کیونکہ اگر یہ شرعاً ممنوع ہوتا تو کوئی بھی اس کو استعمال نہ کرتا۔ حالانکہ آپ کہتے ہیں کہ میرے اور میرے ساتھی کے درمیان اتحاد ہے۔ اسی طرح محدثین کا قول یہ ہے: ''مخرج حدیث میں اتحاد ہے'' فقہاء کہتے ہیں: ''مویشیوں کی نوع میں اتحاد ہے'' اور نحوی کہتے ہیں: ''عامل لفظاً یا معنیً متحد ہے''۔

اس بحث سے معلوم ہوا کہ محقق صوفیاء کے کلام میں اگر لفظ اتحاد استعمال ہوا ہے تو اس سے ان کی مراد فنا ہوتی ہے یعنی اپنے نفس کو مٹا کر تمام امور کو اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت کرنا۔ اس سے وہ مذموم معنی مراد نہیں ہوتا جس کو سن کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

حضرت علی بن وفا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک قصیدہ میں اسی بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے:

یظنوابی حلولا واتحادا وقلبی من سوی التوحید خالی

''وہ میرے متعلق حلول واتحاد کا گمان کرتے ہیں حالانکہ میرا دل توحید کے علاوہ ہر چیز سے خالی ہے''۔

اس شعر میں آپ نے حلول واتحاد سے برأت کا اظہار فرمایا ہے۔

شیخ شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی بن وفا رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول نقل کیا ہے۔

Marfat.com

آپ فرماتے ہیں کہ صوفیائے کرام کے کلام میں جہاں بھی لفظ 'اتحاد' آیا ہے اس سے مراد بندہ کا حق تعالیٰ کے ارادہ میں فنا ہونا ہے۔ جس طرح کہ ''فلاں اور فلاں بندے کے درمیان اتحاد ہے'' اس وقت کہا جاتا ہے جب ان میں سے ہر ایک دوسرے کے ارادہ کے مطابق عمل کرے۔

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''مدارج السالکین'' میں فرماتے ہیں کہ ''فنا کے درجات میں تیسرا درجہ خواص اور اولیائے کرام اور ائمہ مقربین کا ہے۔ اور اس سے مراد ماسویٰ اللہ کے ارادہ سے فنا اور اس راستہ پر چلنا ہے جو اس کے نزدیک محبوب اور پسندیدہ ہے۔ اور اپنی مراد کو محبوب کی مراد میں فنا کرنا ہے حتیٰ کہ غیر کا تصور ہی باقی نہ رہے۔ اس طرح اس کی مراد اور محبوب کی مراد متحد ہو جاتی ہے اس طرح یہ دونوں مرادیں ایک بن جاتی ہیں''۔ پھر آپ فرماتے ہیں کہ ''عقلاً اس اتحاد کے علاوہ کوئی اتحاد صحیح نہیں۔ اور اسی طرح علم وخبر کا اتحاد بھی ممکن ہے۔ اس طرح دو مرادیں اور دو معلوم چیزیں اور دو مذکور امر ایک ہو جاتے ہیں حالانکہ ان دونوں ارادوں اور علم وخبر میں تباین ہوتا ہے۔ محبت کی غایت یہی ہے کہ محبّ کی مراد محبوب کی مراد کے ساتھ متحدہ ہو جائے اور محبّ کا ارادہ محبوب کی مراد میں فنا ہو جائے۔ یہ اتحاد اور فنا محبین کا خاصہ ہے۔ یہ لوگ اپنے محبوب کی عبادت میں فنا ہو کر غیر کی عبادت سے دور ہو جاتے ہیں، اور اس کی محبت، خوف، رجاء، توکل اور اس سے استعانت طلب کرنے میں فنا ہو کر غیر کی محبت سے بے نیاز ہو جاتے ہیں۔ اور جس کو فنا کا یہ مقام حاصل ہو جائے وہ صرف اللہ تعالیٰ کے لئے محبت کرتا ہے۔ اور اگر کسی سے بغض رکھتا ہے تو صرف اللہ کے لئے۔ اس کی دوستی اور دشمنی اللہ کے لئے ہوتی ہے۔ وہ اللہ کے لئے عطا کرتا ہے اور اسی کے حکم سے اپنی عطا کو روکتا ہے۔ اسی کی بارگاہ سے اپنی امیدیں وابستہ کرتا ہے اور صرف اسی سے مدد طلب کرتا ہے۔ اس کا کامل دین ظاہری و باطنی طور پر اللہ تعالیٰ کیلئے ہوتا ہے اور اس کے رسول ﷺ اس کے نزدیک ہر چیز سے زیادہ محبوب ہوتے ہیں اور و

Marfat.com

اللہ ورسول علیہ وسلم سے مخالفت کرنے والوں سے دوستی نہیں رکھتا اگر چہ وہ اس کا قریب ترین ہو۔ اور حقیقت میں یہ مقام اسی وقت حاصل ہوتا ہے جب انسان اپنی خواہشات نفس کو اپنے رب کی رضا میں فنا کردے اور اس کی بنیاد اس بات کی شہادت پر ہے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اور یہ شہادت، علم ومعرفت، عمل، حال اور قصد کے اعتبار سے ہونی چاہیے۔ اور اس شہادت میں جو نفی واثبات پایا جاتا ہے اس کی حقیقت فنا اور بقا ہے۔ یعنی غیر اللہ کو معبود بنانے کی نفی کرے اور اس وحدہ لاشریک کی معبودیت پر باقی رہے، یہی فناد بقا اس توحید کی حقیقت ہے۔ جس پر تمام انبیاء ومرسلین علیہم السلام متفق ہیں۔ اسی کے لئے آسمانی کتابیں نازل ہوئیں اور اسی کے لئے مخلوق کی تخلیق ہوئی۔ تمام شریعتیں بھی اسی پر قائم ہوئیں۔ بازار جنت بھی اسی پر قائم ہے۔ اور اسی پر خلق اور امر کی بنیاد ہے'' آخر میں فرماتے ہیں کہ ''اس مقام پر بہت سے لوگوں کے قدم ڈگمگا گئے، لیکن معصوم وہی ہے جس کو اللہ تعالیٰ گناہوں سے محفوظ رکھ لے۔ استعانت، توفیق اور عصمت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے''۔

ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں: ''اگر تو سالک فنا کے بلند مقام کیلئے کوشاں ہے تو اس کے دل میں کوئی ایسی مراد باقی نہیں رہے گی جو دینی، شرعی، نبوی اور قرآنی مراد کے مخالف ہو، بلکہ یہ دونوں مرادیں متحد ہو جائیں گی اور وہ عین مراد الٰہی بن جائے گا۔ اور رب تعالیٰ بندے کی مراد بن جائے گا۔ اور یہی خالص محبت کی حقیقت ہے، اور اسی میں اتحاد صحیح ہوسکتا ہے یعنی مراد میں متحد ہو جانا نہ کہ مرید اور ارادہ میں''۔

اس کے باوجود کہ ابن تیمیہ صوفیائے کرام کا مخالف اور ان کے ساتھ سخت عداوت رکھتا ہے۔ وہ بھی ان کو اتحاد کی تہمت سے بری قرار دیتا ہے۔ اور ان کے کلام کی تاویل کرتا ہے اور اپنے فتاویٰ میں بیان کیا ہے کہ اہل معرفت میں سے کوئی بھی یہ عقیدہ نہیں رکھتا کہ اللہ تعالیٰ اس میں یا اس کے علاوہ کسی مخلوق میں حلول کر گیا ہے یا اس کے ساتھ متحد ہو گیا ہے۔ اگر بعض اکابر صوفیائے کرام سے اس قسم کے قول منقول ہیں تو یہ سب جھوٹ ہیں

Marfat.com

جو اتحاد کے قائل بعض انتہاء پسندوں نے ان کی طرف منسوب کیے ہیں۔ شیطان نے انہیں گمراہ کر کے ان کو نصرانیوں کے ساتھ ملا دیا ہے۔

آپ فرماتے ہیں کہ تمام مشائخ کرام سلف صالحین اور ائمہ کرام اس بات پر متفق ہیں کہ خالق اور مخلوق جدا جدا ہیں۔ نہ تو مخلوق میں اس کی ذات شامل ہے اور نہ ہی اس کی ذات میں مخلوق کا حصہ شامل ہے۔ قدیم اور حادث اور خالق و مخلوق میں فرق کرنا ضروری ہے۔ اور یہ عقیدہ ان کی کتب میں کثیر مقامات پر موجود ہے جس کو یہاں ذکر کرنا ممکن نہیں۔

وہ صوفیائے کرام کے کلام کی تاویل کرتے ہوئے اپنے مجموعہ رسائل میں فرماتے ہیں کہ ''کسی شاعر کے قول ''میں اور میرا محبوب دونوں ایک ذات ہو گئے'' کی تاویل یہ ہے کہ شاعر نے یہاں معنوی اتحاد مراد لیا ہے۔ جس طرح کہ دو محبت کرنے والے ایک جان ہو جاتے ہیں۔ ان میں سے ایک جس چیز سے محبت کرتا ہے دوسرا بھی اسی سے محبت کرتا ہے۔ جب ایک کسی سے بغض رکھتا ہے تو دوسرا بھی اس سے بغض رکھتا ہے۔ ان کا قول وفعل ایک ہو جاتا ہے۔ یہاں ایک ذات کا دوسری ذات سے متحد ہونا مراد نہیں بلکہ ان کے افعال واقوال کا مشابہ ہونا مراد ہے۔ کیونکہ جب محبّ، محبوب کی محبت میں مستغرق ہو جاتا ہے تو وہ اپنی ذات سے بے خبر ہو جاتا ہے۔ جس طرح کہ کسی شاعر کا قول ہے:

غبت بک عنی   فظننت انک انی

''میں تیری وجہ سے اپنی ذات سے بے خبر ہو گیا، حتیٰ کہ میں یہ خیال کرنے لگا کہ تو میں ہوں''

ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ اس اتحاد کو موافقت کا نام دیا جاتا ہے اور یہ اتحاد جائز ہے۔

اس تمام بحث سے روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتا ہے کہ صوفیائے کرام کے کلام میں لفظ اتحاد کا یہی صحیح معنی مراد ہوتا ہے جو عقیدہ اہلسنت و جماعت کے موافق ہے۔ اور اس کو کسی دوسرے معنی پر محمول کرنا صحیح نہیں۔ انصاف پسند مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان کے بارے میں حسن ظن رکھے اور ان کے کلام کی ایسی تاویل کرے جو شرعی قواعد کے موافق ہو۔

Marfat.com

مسئلہ وحدۃ الوجود:

مسئلہ وحدۃ الوجود کے بارے میں علمائے کرام کی مختلف آراء ہیں ان میں سے بعض نے جلد بازی کا مظاہرہ کرتے ہوئے وحذ الوجود کے قائلین پر کفر و گمراہی کا فتویٰ لگا دیا ہے اور ان کے کلام کے صحیح مفہوم کو نہ سمجھ سکے۔ اور ان میں سے بعض نے احتیاط سے کام لیتے ہوئے ان پر کفر و گمراہی کا فتویٰ نہیں لگایا بلکہ اس مسئلہ کی حقیقت تک رسائی حاصل کرنے کے لئے صوفیاء و مشائخ کی بارگاہ میں رجوع کیا ہے۔ کیونکہ ان عارفین نے اگرچہ اس مسئلہ پر طویل بحث فرمائی ہے۔ لیکن اس سے علمائے کرام کا اشکال زائل نہیں ہوتا۔ کیونکہ مشائخ کرام نے یہ گفتگو اپنے مریدین کے لئے فرمائی ہے نہ کہ ان لوگوں کے لئے جو اس کو تسلیم نہیں کرتے۔ اس لیے یہ مسئلہ وضاحت طلب ہے تا کہ اہل نظر کے دل مطمئن ہو جائیں۔

سید مصطفیٰ شریف ان علماء میں سے ہیں جنہوں نے اس مسئلہ کی تحقیق کی ہے اور اس کے صحیح مفہوم کو سمجھا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ ''وجود ایک ہے۔ کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفت ہے۔ ذات باری تعالیٰ واجب الوجود ہے اس میں تعدد صحیح نہیں۔ اس کے برعکس موجود ہر ممکن چیز کو کہتے ہیں۔ اور اس میں حقائق کے اعتبار سے تعدد صحیح ہے۔ لیکن ہر موجود کا قیام ذات واجب الوجود کے ساتھ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ موجود اور وجود دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ اس لیے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وجود کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) وجود قدیم (۲) وجود حادث

مگر جب وجود ثانی سے موجود مراد لیا جائے یعنی مصدر بول کر مفعول کا معنی مراد ہو۔ اس وقت ہم اس کو دو قسموں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ اگر وجود ثانی سے یہ معنی مراد لیا جائے تو وہ تمام اعتراضات ختم ہو جاتے ہیں جو اہل نظر وحدۃ الوجود کے قائلین پر کرتے ہیں۔

آپ فرماتے ہیں کہ ظاہری حس صرف موجود کا مشاہدہ کرتی ہے اور روح، وجود کا۔ اور جب روح موجود کا مشاہدہ کرتی ہے تو یہ مشاہدہ ثانوی ہوتا ہے۔ جیسا کہ کسی کا قول

Marfat.com

ہے: ''میں نے کوئی چیز نہیں دیکھی مگر اس سے پہلے اللہ کو دیکھا'' یہاں رویت سے مراد مشاہدہ ہے، آنکھ سے دیکھنا نہیں کیونکہ رویت بصر کے خصائص میں سے ہے اور مشاہدہ بصیرت کے خصائص سے ہے۔ اسی وجہ سے کلمہ شہادت میں ''اشھد'' کے الفاظ ہیں نہ کہ ''اری'' (میں دیکھتا ہوں)۔ بلکہ یہ لفظ استعمال کرنا جائز نہیں۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انصاف پسند اور غیور علماء کی یہی شان ہے کہ وہ ہر معاملہ میں احتیاط برتتے ہیں اور کسی مومن کی تکفیر میں جلدی نہیں کرتے۔ بلکہ حقیقت تک رسائی حاصل کرنے کے لئے وہ ان لوگوں کی طرف رجوع کرتے ہیں جو اس فن میں مہارت تامہ رکھتے ہیں۔ کیونکہ مسئلہ وحدۃ الوجود بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ اس لیے چاہتے ہیں کہ ہم اس کی مزید وضاحت کر دیں تا کہ اس طرح دین کی خدمت بھی ہو جائے اور متلاشیان حق کی راہنمائی بھی ہو سکے۔

وجود کی اقسام:

مصنف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وجود کی دو قسمیں ہیں:

(۱) قدیم اور ازلی وجود

اور یہ واجب اور ضروری ہے۔ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰہَ ھُوَ الْحَقُّ. (الحج: ٦)

''یہ (رنگارنگیاں اس کی دلیل ہیں) کہ اللہ تعالیٰ ہی برحق ہے''

(۱) اس آیت کریمہ میں حق سے مراد ''ثابت الوجود'' ہے۔

(۲) ممکن عرضی اور جائز وجود:

اور اس سے مراد اللہ تعالیٰ کے سوا ہر موجود چیز ہے۔ وحدۃ الوجود یعنی ایک ہی ہے اور وہ حق سبحانہ وتعالیٰ ہے۔ دو معنوں کا احتمال رکھتا ہے ان میں سے ایک حق ہے اور دوسرا کفر۔

Marfat.com

قائلین وحدۃ الوجود:

اس لیے وحدۃ الوجود کے قائلین کے دو گروہ ہیں۔

(۱) پہلا گروہ:

یہ وحدۃ الوجود سے یہ مراد لیتے ہیں کہ حق سبحانہ وتعالیٰ اور مخلوق متحد ہیں۔ ذات باری تعالیٰ کے علاوہ کوئی وجود نہیں۔ ہر چیز وہی ہے اور وہی تمام اشیاء کا عین ہے اور ہر چیز میں کوئی نہ کوئی نشانی ہے جو دلالت کرتی ہے کہ وہی اس کا عین ہے۔ یہ قول صریح کفر اور زندیقی ہے اور یہود و نصاریٰ اور بتوں کے پجاریوں کے باطل عقائد سے بھی زیادہ گمراہ کن عقیدہ ہے۔

صوفیائے کرام نے اس باطل عقیدہ کے قائلین کی سخت مذمت کی ہے اور ان کی تکفیر کی ہے۔ اور لوگوں کو ان کی مجلس میں بیٹھنے سے منع کیا ہے۔ عارف باللہ ابو بکر محمد بنانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اے سالک! اس شخص کی ہم نشینی سے محتاط رہ، جو کہتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی چیز موجود نہیں۔ کیونکہ یہ صراحۃ زندیقیت ہے کیونکہ عارف جو شریعت کا پابند اور حقیقت میں راسخ قدم ہو، اس قسم کے عارف باللہ کے بارے میں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ اس سے اس قسم کی گفتگو صادر ہو۔

(۲) دوسرا گروہ:

انہوں نے پہلے گروہ کے عقیدہ کو باطل قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ '' یہ عقیدہ '' خالق عین مخلوق ہے''۔ رکھنا صریح کفر ہے۔ اور انہوں نے وحدۃ الوجود سے یہ مراد لیا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ذات جو کہ قدیم اور ازلی ہے، اس کا وجود ایک ہے۔ بلا شک وشبہ وہ تعدد سے پاک ہے۔ انہوں نے وجود سے وجود عرضی اور حادث وجود مراد نہیں لیا۔ کیونکہ اس کا وجود مجازی ہے۔ اور اپنی اصل کے اعتبار سے عدمی ہے۔ کسی کو نفع ونقصان دینے کی قوت نہیں رکھتا۔ کائنات فی نفسہ فانی اور ہلاک ہونے والی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

Marfat.com

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلاَّ وَجْهَهُ (القصص: ۸۸)

''ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے سوائے اس ذات کے''

اس کی ایجادات اس کا مظہر ہیں۔ کائنات اسی کے حکم سے قائم اور ثابت ہے اور اسی کے اشارہ سے فنا ہوسکتی ہے۔ اس کی صفت قیومیت سے ہی نظام کائنات چل رہا ہے۔ پھر ان لوگوں کی بھی دو قسمیں ہیں:

(i) وہ لوگ جنہوں نے یہ مفہوم پہلے اعتقاد اور دلیل اور پھر ذوق وشہود سے اخذ کیا۔ پھر شہود ان پر غالب آ گیا ہے تو بحر توحید میں گم ہو کر اپنی ذات سے بے خبر ہو گئے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ شریعت پر ثابت قدم رہے اور یہی قوم حق ہے۔

(ii) وہ لوگ جنہوں نے لفظی علم گمان کیا اور اس کی عبارات میں مستغرق ہو کر اس کے ظاہری اشارات کو مضبوطی سے تھام لیا اور شہود حق سے غافل ہو گئے۔ بعض اوقات ان الفاظ کی حلاوت میں ایسے کھو گئے کہ اس کے مقابلہ میں شرعی احکام کو حقیر سمجھنے لگے، اور ایسی گفتگو کرنے لگے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شریعت پر عمل پیرا لوگ اہل غفلت ہیں اور حقیقت پر عمل پیرا اہل عرفان۔ لیکن ان کا یہ کلام صریح جھوٹ اور بہتان پر مبنی ہے، کیونکہ شریعت اور مقام احسان ایک ہی چیز ہے۔ بہرحال اس دور میں صوفیائے کرام کے لئے بہتر یہی ہے کہ وہ اس قسم کے الفاظ اور تعبیرات سے اجتناب کریں جن میں محض الہام، غموض اور اشتباہ کا خدشہ ہو۔ تاکہ لوگ ان سے بدظن نہ ہوں، یا ایسا نہ ہو کہ ان کے کلام کی ایسی تعبیر کریں جو غیر مقصود ہو۔ کیونکہ بہت سے بے دین اور جعلی پیر اس قسم کے الفاظ وعبارات استعمال کرتے ہیں تاکہ اپنے دل میں چھپے ہوئے باطل عقائد کو ظاہر کر سکیں، اور اس طرح محرمات کو حلال کر کے ان منکرات اور فواحش کو جائز قرار دے سکیں جن کا وہ ارتکاب کرتے ہیں۔ اس دور میں حق وباطل کے درمیان تمیز ختم ہو چکی ہے۔ جرم کا ارتکاب کوئی کرتا ہے اور اس کی سزا کسی کو ملتی ہے۔

Marfat.com

اسی لیے صوفیائے کرام نے اپنے ظاہر و باطن پر احکام شریعت کو لازم کیا ہوا تھا۔ اور وہ اپنے مریدین کو بھی شریعت پر مضبوطی سے قائم رہنے کی نصیحت کرتے تھے۔ ان کے نزدیک شریعت، طریقت میں داخل ہونے کا دروازہ اور معرفت الٰہی تک پہنچنے کی سیڑھی ہے۔ اور جس سالک نے شریعت سے ذرا بھی انحراف کیا وہ ہلاک ہو جائے گا۔ اور صوفیائے کرام کے شریعت پر سختی سے کاربند ہونے کے بارے میں ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ (ملاحظہ فرمائیے حقیقت و شریعت کی بحث)۔

علمائے کرام اور مشائخ عظام کے اقوال سے قارئین کرام پر یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ صوفیائے کرام کی طرف حلول و اتحاد اور وحدۃ الوجود کی طرف جو نسبت کی جاتی ہے وہ ان سے بری الذمہ ہیں۔ اور ان کے کلام کی ایسی تاویل ہو سکتی ہے جو شرعاً جائز اور اہلسنت و جماعت کے عقیدہ کے مطابق ہو۔ مشائخ عظام اور صوفیائے کرام نے یہ مراتب و منازل کتاب و سنت پر عمل پیرا ہو کر حاصل کیے ہیں، اور یہی وہ سلف صالحین ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو مضبوطی سے تھاما اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اتباع سے رضائے الٰہی کے مستحق ہوئے، اور سعادت دارین سے بہرہ مند ہوئے۔ اور انہی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔

وَمَنۡ يُطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوۡلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَيۡهِمۡ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيۡقِيۡنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيۡنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيۡقًا. (النساء: ۶۹)

''اور جو اطاعت کرتے ہیں اللہ کی اور اس کے رسول کی، تو وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین، اور کیا ہی اچھے ہیں یہ ساتھی''۔

Marfat.com

حقیقی صوفیاء کرام اور جعلی پیر

کچھ خودغرض لوگوں نے تصوف کا لبادہ اوڑھ کر صوفیائے کرام کو بدنام کر دیا ہے۔ یہ لوگ اپنے آپ کو ان میں شمار تو کرتے ہیں لیکن ان کے اقوال و افعال اور سیرت کے لحاظ سے ان کا صوفیاء عظام سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔

ہمارے لیے ضروری ہے کہ اظہار حق کے لئے ہم حقیقی اور جعلی صوفیاء کے درمیان فرق کریں۔ خصوصا وہ مشائخ عظام جو ایمان، تقویٰ اور ورع کی اعلیٰ منازل پر فائز تھے اور اسلام کی نشر و اشاعت میں اہم کردار رہے۔ اس لیے ہمیں یہ بات بخوبی سمجھ لینی چاہیئے کہ تصوف اور صوفیاء کے درمیان واضح فرق ہیں۔ جس طرح ایک مسلمان اپنے افعال قبیحہ کی وجہ سے دین اسلام کی نمائندگی نہیں کر سکتا۔ اسی طرح ایک جعلی پیر اپنی بدکرداری کی وجہ سے تصوف کا نمائندہ نہیں بن سکتا۔

شریعت میں یہ جائز نہیں کہ ایک پڑوسی کے ظلم کی وجہ سے دوسرے پڑوسی سے مواخذہ کیا جائے۔ اسی طرح یہ بھی جائز نہیں کہ مسلمانوں کی بدکرداریوں کا الزام پاکیزہ دین اسلام پر لگا دیا جائے۔ اور اسی طرح یہ بھی مناسب نہیں کہ بعض جعلی پیروں کی حرکات کو نیک طینت اور پاکیزہ سیرت صوفیاء کرام کی طرف منسوب کر دیا جائے۔ اگر بعض علمائے کرام نے صوفیاء کرام کی طرف منسوب بعض افعال قبیحہ پر اعتراض کیا ہے تو اس سے ان کا

Marfat.com

مقصود تصوف کو بدنام کرنے والے جعلی پیر ہیں۔

مشائخ کرام نے بھی ان لوگوں سے اجتناب کرنے کی نصیحت فرمائی ہے۔ شیخ احمد زروق رحمۃ اللہ علیہ ''قواعد تصوف'' میں فرماتے ہیں کہ ''جعلی پیر، اہل ھویٰ اصولیین کی طرح ہیں۔ ان کے اقوال کو رد کیا جائے اور ان کے افعال سے اجتناب۔ لیکن اہل تصوف میں ان کے داخل ہونے کی وجہ سے اہل حق کو ترک نہیں کیا جا سکتا۔ اچھے برے لوگ ہر شعبہ میں موجود ہوتے ہیں اور یہ سلسلہ اسی طرح قیامت تک جاری رہے گا جس طرح تمام علماء، فقہاء، مدرسین، قاضی، تاجر اور امراء برابر نہیں ہیں، اسی طرح تمام صوفیاء بھی برابر نہیں ہیں۔ اس میں بعض لوگ نیک اور پرہیزگار اور بعض اس سے بھی اعلیٰ درجات پر فائز ہیں۔ اور اسی طرح ان میں بعض جعلی پیر بھی ہیں۔ یہ بات اتنی واضح ہے کہ اسے ہر عام و خاص جانتا ہے۔ اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ انسان کو چاہیئے کہ وہ پہلے حق کو پہچانے تاکہ اہل حق کو پہچان سکے۔ اور یہ مشہور کلیہ ہے کہ ''آدمی حق سے پہچانا جاتا ہے نہ کہ حق آدمی کی وجہ سے پہچانا جاتا ہے۔''

علمائے کرام جن جعلی پیروں پر اعتراض کرتے ہیں، ہم بھی ان کے خلاف ہیں مگر وہ صوفیاء کرام جو کتاب وسنت پر عمل پیرا ہو کر شرعی احکام پر سختی سے کاربند رہتے ہیں۔ ہم ان کی بات کرتے ہیں اور ان کے نقش قدم پر چلتے ہیں۔ آئندہ فصل میں علمائے سلف و خلف کی صوفیائے کرام کے بارے میں آراء ذکر کریں گے۔

Marfat.com

تصوف کے مخالفین

وہ لوگ جو اسلامی تصوف پر تنقید کرتے ہیں اور اس پر طعن و تشنیع کے تیر برسا کر مختلف قسم کے الزامات لگاتے ہیں۔ان کی دو قسمیں ہیں:

(۱) وہ لوگ جو اپنی اسلام دشمنی اور اسلام کے خلاف بغض و عناد کی وجہ سے ایسا کرنے پر مجبور ہیں۔

(۲) وہ لوگ جو تصوف کی حقیقت سے نا آشنا ہونے کی وجہ سے اس گناہ میں گرفتار ہیں۔

پہلی قسم کے مخالفین:

(۱) پہلی قسم میں اسلام دشمن مستشرقین اور ان کے وہ ایجنٹ شامل ہیں جن کو انہوں نے اسلام پر تنقید کرنے ،اس کی جڑیں کھوکھلی کرنے اور حقائق اسلام مسخ کرنے اور مسلمانوں کے درمیان فرقہ بندی کا زہر پھیلانے کے لئے تیار کیا ہے۔

شیخ محمد اسد نے اپنی کتاب ''الاسلام علی مفترق الطرق'' میں ان کے حقیقی چہرے سے نقاب اٹھایا ہے۔

یہ لوگ دقت نظر سے اسلامی علوم کا مطالعہ کرتے ہیں تا کہ وہ اسلام کی قوت کے راز تک رسائی حاصل کر سکیں ،اور یہ معلوم کر سکیں کہ کس دروازے کے ذریعہ اس میں داخل ہو سکتے ہیں اور کس راستہ پر چل کر اپنے خبیث مقاصد تک پہنچ سکتے ہیں۔ان مستشرقین میں

Marfat.com

سے سب سے زیادہ مشہور نکلسن، گولڈزیہر اور مینسن وغیرہ ہیں۔

بعض اوقات یہ لوگ زہر کو شہد میں ملا کر دیتے ہیں، یعنی پہلے اپنی بعض کتب میں اسلام کی تعریف و توصیف کرتے ہیں۔ جب قاری ان پر اعتماد کرنے لگتا ہے اور ان پر مطمئن ہو جاتا ہے تو وہ اس کے عقائد میں تشکیک پیدا کر دیتے ہیں، اور اس کے دل کو بے بنیاد اعتراضات سے بھر دیتے ہیں جو انہوں نے اپنے پاس سے ہی گھڑے ہوتے ہیں۔

کبھی یہ لوگ علمی مفکرین اور محققین کا لبادہ اوڑھ لیتے ہیں، اور بعض اوقات دین پر غیرتمندی کا اظہار کر کے اس کے قیمتی اثاثہ پر رونے کا ڈھونگ رچاتے ہیں، اور اس طرح تصوف پر طعن و تشنیع کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ تصوف اسلام کی روح اور اس کا دھڑکتا ہوا دل ہے۔ مسلمانوں کو اس سے بدظن کرنے کے لئے کبھی تو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ تصوف یہودیت سے ماخوذ ہے، اور کبھی کہتے ہیں کہ یہ نصرانیت اور بدھ مت کی ایک شکل ہے۔ اور صوفیائے کرام کی طرف باطل عقائد اور گمراہ کن افکار کی نسبت کرتے ہیں۔ یعنی حلول واتحاد، وحدۃ الوجود اور وحدۃ الادیان وغیرہ۔

ہمیں ان سے کوئی گلہ نہیں، کیونکہ وہ ہمارے دشمن ہیں اور یہ مکار دشمن کی چالیں ہیں۔ کیونکہ ہم ان کے خبیث مقاصد سے بخوبی آگاہ ہیں، اس لیے ہمیں ان کے اقوال کی تردید کے لئے تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔ مگر ہمیں ان لوگوں پر افسوس ہے جو اسلام کے مدعی ہیں۔ لیکن اس کے باوجود وہ اسلام کے شدید دشمنوں کی آراء کو اپنا کر اسلام کی روح اور جوہر یعنی تصوف کو تنقید کا نشانہ بناتے ہیں۔ کیا ایک عقلمند مسلمان کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ ایک مشرک کافر اور دشمن اسلام کے اقوال کو اپنے مسلمان بھائیوں پر طعن کرنے کے لئے حجت سمجھے۔

اگر یہ مستشرقین دین اسلام کے متعلق اپنے دفاع میں سچے اور اس سے محبت اور اس پر غیرت کا مظاہرہ کرنے میں مخلص ہیں تو پھر کیوں نہیں دائرہ اسلام میں داخل ہو جاتے؟ اور دین اسلام کو کیوں اپنی زندگی کا نصب العین نہیں بنا لیتے؟

Marfat.com

دوسری قسم کے مخالفین:

(۲) یہ وہ لوگ ہیں جو اسلامی تصوف کی حقیقت سے نا آشنا ہیں۔ انہوں نے اس علم کو مخلص علمائے کرام اور کامل صوفیاء سے حاصل نہیں کیا بلکہ ان کا علم تصوف کے بارے میں سطحی مطالعہ ہوتا ہے۔ ان لوگوں کی بھی مختلف قسمیں ہیں:

(ا) یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے تصوف بعض جعلی پیروں اور مدعیان تصوف سے حاصل کیا ہوتا ہے۔ یہ لوگ حقیقی تصوف اور ان مسخ شدہ حقائق کے درمیان فرق نہیں کرتے جو ان جعلی پیروں سے صادر ہوتے ہیں جن کا اس کام سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔

(ب) یہ وہ لوگ ہیں جو صوفیائے کرام کی کتب میں موجود امور سے دھوکہ کھا گئے جو کہ مخالفین کی اضافہ شدہ تھیں انہوں نے تحقیق اور گہری نظر و فکر کے بغیر ہی ان کو تصوف کے حقیقی اصول تسلیم کر لیا۔ یا انہوں نے بذات خود کتب صوفیاء کا مطالعہ کیا اور اپنے محدود سطحی علم اور خاص قلبی رجحان کی وجہ سے ان کے حقیقی مفہوم کو نہ سمجھ سکے۔ اور انہوں نے یہ تکلیف گوارا نہ کی کہ وہ صوفیائے کرام کی متشابہ کلام کی تاویل کے لئے اس واضح کلام کی طرف رجوع کرتے جو شریعت کے ذرا بھر بھی مخالف نہیں۔ بلکہ یہ کلام اس شفاف نور کی طرح ہے جو ظلمتوں اور تاریکیوں کو ختم کر دیتا ہے۔ ان کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس کے دل میں کجی اور مرض ہوتا ہے وہ قرآن کریم کے متشابہ کلام کو لے کر اپنی خواہشات نفس کے مطابق اس کی تاویل کرتا ہے اور اس کے علاوہ دیگر محکم آیات کی طرف نہیں دیکھتا جو ان متشابہ آیات کی وضاحت کرتی ہیں۔ انہیں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ (آل عمران:۷)

''وہی ہے جس نے نازل فرمائی آپ پر کتاب۔ اس کی کچھ آیتیں محکم ہیں

Marfat.com

وہی کتاب کی اصل ہیں اور دوسری آیتیں متشابہ ہیں پس وہ لوگ جن کے دل میں کجی ہے سو وہ پیروی کرتے ہیں ان آیتوں کی جو متشابہ ہیں قرآن سے۔ ان کا مقصد فتنہ انگیزی اور (غلط) معنی کی تلاش ہے''۔

یہی وجہ ہے کہ صوفیائے کرام اور مشائخ عظام نے اپنے واضح صریح عقائد کو اپنی کتب میں درج کر دیا ہے تاکہ کسی جاہل احمق یا خودغرض پر یہ عقائد متشابہ نہ ہو جائیں۔ شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''فتوحات مکیہ'' کی ابتدا میں اپنے عقیدہ کو تفصیلا بیان کیا ہے۔ اسی طرح صاحب ''رسالہ قشیریہ'' اور دیگر صوفیائے کرام نے بھی اپنی کتب میں ان عقائد کو ذکر کیا ہے۔

(ج) یہ وہ فریب خوردہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے علوم وثقافت کو مستشرقین سے اخذ کیا ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ انہوں نے اپنے مزعومہ اعتراضات کے بارے میں یہ سمجھ لیا ہے کہ ان کا جواب ممکن ہی نہیں ہے یا یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل شدہ ہیں۔ اگر ان میں کچھ عقل وفہم ہوتی تو وہ اس حقیقت کا ادراک کر لیتے کہ یہ مستشرقین جن سے علم حاصل کر رہے ہیں یہ اسلام دشمن ہیں، اور انہوں نے اسلامی حقائق کو مسخ کرنے اور اس کے جوہر وروح یعنی تصوف میں تنقید کرنے کو اپنی زندگی کا نصب العین بنا لیا ہے۔

حاصل کلام:

بہرحال امت اسلامیہ میں ایک گروہ ہمیشہ حق پر قائم رہے گا، ان کی مخالفت کرنے والے ان کی مدد سے دست بردار ہونے والے انہیں نقصان نہ پہنچا سکیں گے۔ یہاں تک کہ امر الٰہی (روز قیامت) آ جائے۔ اگر جن وانس متحد ہو کر ان کے خلاف محاذ آراء ہو جائیں تو تب بھی گم کردہ راہوں کو ہدایت دیتے رہیں گے۔ اور اس راہ میں آنے والے مصائب پر صبر کرتے رہیں گے۔ گمراہی وجہالت کی تاریکیوں میں ڈوبے ہوئے لوگوں کو نور الٰہی سے منور وتاباں کرتے رہیں گے۔ یہ لوگ خود بھی نبی کریم ﷺ کی سنت پر سختی سے عمل پیرا رہتے ہیں اور مرور زمانہ کے باوجود آپ ﷺ کے نور سے فیض یاب ہوتے ہیں۔

Marfat.com

تصوف کے بارے میں علمائے کرام کی آراء

اس کتاب کے آخر میں تصوف کے بارے میں بعض اکابرامت اور مفکرین کی آراء ذکر کرتے ہیں۔ اگرچہ یہ جان لینے کے بعد کہ تصوف روح اسلام اور اس کے تین بنیادی ارکان یعنی اسلام، ایمان اور احسان میں سے ایک رکن ہے۔ ان آراء کی چنداں ضرورت نہیں تھی۔ لیکن بعض لوگ جو نور بصیرت سے محروم اور حقائق اسلام سے نا آشنا ہیں اور جعلی پیروں کی حرکات کی وجہ سے تصوف پر تنقید کرتے ہیں۔ ان کے لئے اور ہر اس شخص کے لئے جو حقیقت تصوف سے نا آشنا ہے۔ ہم ان آراء کو ذکر کر رہے ہیں تا کہ تہذیب نفوس اور قلوب کو حقیقی زندگی عطا کرنے کے سلسلہ میں تصوف کی اہمیت سے آگاہ ہو جائیں۔ اور انہیں یہ معلوم ہو جائے کہ پوری دنیا میں اسلام کی نشر و اشاعت میں تصوف نے کیا کردار ادا کیا ہے۔

(۱) امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ:

شریعت اور حقیقت کی بحث میں امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق تفصیلی کلام گزر چکا ہے۔ آپ شریعت و طریقت ہر دونوں کو اہمیت دیتے تھے۔ اور آپ میدان طریقت کے شہسوار تھے جیسا کہ علامہ ابن عابدین نے اپنے مشہور حاشیہ میں ذکر کیا ہے۔

Marfat.com

(۲) امام مالک رحمۃ اللہ علیہ:

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مَنْ تفقَّهَ وَلَمْ يَتَصَوَّفْ فَقَدْ تَفَسَّقَ وَمَنْ تَصَوَّفَ وَلَمْ يَتفقَّه فَقَدْ تَزَنْدَقَ وَمَنْ جَمَعَ بَيْنَهُمَا فَقَدْ تَحَقَّقَ.

''جس نے فقہ میں مہارت حاصل کی لیکن تصوف سے نابلد رہا وہ فاسق ہو گیا۔
اور جس نے تصوف میں کمال حاصل کیا لیکن فقہ سے ناآشنا رہا وہ زندیق ہو گیا۔
اور جس نے ان دونوں کو جمع کیا اس نے حقیقت کو پالیا''۔

(۳) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ:

آپ فرماتے ہیں کہ میں نے صوفیائے کرام کی صحبت اختیار کی ہے اور ان سے تین باتیں سیکھی ہیں:

(i) **الوقت سيف، ان لم تقطعه قطعك**

''وقت ایک تلوار کی طرح ہے اور تو اسے نہیں کاٹے گا تو وہ تجھے کاٹ دے گی''

(ii) **نفسك ان لم تشغلها بالحق شغلتك بالباطل**

''اپنے نفس کو اگر حق میں مشغول نہیں کرو گے تو یہ تمہیں باطل میں مصروف کر دے گا''

(iii) **العلم عصمة**

''علم انسان کو برائیوں سے محفوظ رکھتا ہے۔''

(ا) آپ فرماتے ہیں کہ دنیا کی تین چیزیں میرے نزدیک محبوب ہیں:

(۱) ترک تکلیف (۲) لوگوں کے ساتھ نرمی سے پیش آنا

(۳) اہل تصوف کے نقش قدم پر چلنا۔

(۴) امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ:

آپ صوفیائے کرام کی صحبت سے پہلے اپنے بیٹے کو فرمایا کرتے تھے: ''اے

Marfat.com

بیٹے! علم حدیث کو مضبوطی سے تھام لو اور ان لوگوں کی صحبت سے بچو جو اپنے آپ کو صوفیاء کہتے ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ اکثر دینی احکام سے ناواقف ہوتے ہیں''۔ لیکن جب آپ نے ابوحمزہ صوفی بغدادی کی صحبت اختیار کی اور صوفیائے کرام کے احوال سے آگاہ ہوئے تو فرمانے لگے: ''اے بیٹے! ان لوگوں کی ہم نشینی کو لازم پکڑو کیونکہ یہ لوگ کثرت علم، مراقبہ، خشیت الٰہی، زہد اور بلند ہمتی کی وجہ سے ہم پر فوقیت لے گئے''۔

علامہ محمد سفارینی حنبلی رحمۃ اللہ علیہ شیخ ابراہیم بن عبداللہ قلانسی سے روایت کرتے ہیں کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے صوفیاء کرام کے متعلق فرمایا: ''میرے علم میں ان سے افضل کوئی قوم نہیں''۔ آپ سے عرض کی گئی کہ ''یہ لوگ جب محفل سماع میں حاضر ہوتے ہیں تو ان پر وجد کی کیفیت آ جاتی ہے'' آپ نے فرمایا کہ ''انہیں اپنے حال پر چھوڑ دو۔ تاکہ اللہ تعالیٰ کی معیت میں خوشی کا اظہار کریں''۔

(۵) امام حارث محاسبی رحمۃ اللہ علیہ:

امام حارث محاسبی رحمۃ اللہ علیہ راہ حق تک رسائی حاصل کرنے کے لیے اپنی سخت جدوجہد کے متعلق گفتگو فرماتے ہیں: ''حدیث میں وارد ہوا ہے کہ یہ امت تہتر (۷۳) فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی جن میں سے ایک فرقہ ناجی ہے۔ اور باقی کے متعلق اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ میں نے زندگی کا ایک حصہ اختلاف امت میں غور وفکر کرنے میں صرف کر دیا۔ اس سلسلہ میں میں واضح راستہ اور صراط مستقیم کا متلاشی رہا۔ طلب علم اور اس پر عمل میں مصروف رہنے کے ساتھ ساتھ علمائے کرام کے ارشادات کے مطابق آخرت کی طرف لے جانے والے راستہ کو تلاش کرتا رہا۔ اس دوران میں نے قرآن کریم کے اکثر حصہ کو تاویلات فقہاء کے ساتھ سمجھ لیا۔ اور اس کے بعد احوال امت میں غور وفکر کیا۔ اس کے مختلف مذاہب اور ان کے دلائل کو پرکھا، اور اپنی عقل کے مطابق اس کو سمجھنے کی کوشش کی۔ میں نے جان لیا کہ ان کا یہ اختلاف بحر عمیق ہے۔ اس میں کثیر لوگ غرق ہو گئے، بہت کم لوگ محفوظ رہ سکے۔ میں

Marfat.com

نے یہ بھی دیکھا کہ ان میں سے ہر ایک گروہ یہ خیال کرتا ہے کہ نجات انہیں کے لئے ہے اور ان کے مخالفین کے لئے ہلاکت ہے۔ پھر میں نے دیکھا لوگوں کی مختلف قسمیں ہیں:

(۱) وہ لوگ جو احوال آخرت سے آگاہ ہیں ان کی تعداد انتہائی قلیل ہے ان کے ساتھ ملاقات انتہائی مشکل ہے۔

(۲) وہ لوگ جو جاہل ہیں اور ان سے دوری ہی بہتر ہے۔

(۳) وہ لوگ جو علماء کا لبادہ اوڑھے ہوئے ہیں۔ امور دنیا میں مشغول ہو کر اسی پر قناعت کر بیٹھے ہیں۔

(۴) وہ لوگ جو اپنے آپ کو عالم کہتے ہیں اور اپنے علم کی وجہ سے تعظیم و تکریم کے متلاشی ہیں اور دین کے بدلے دنیا حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

(۵) وہ لوگ عالم ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن علم کی حقیقت سے ناآشنا ہیں۔

(۶) وہ جو عبادت گزاروں کے مشابہ اور اعمال خیر میں پیش پیش ہیں، لیکن نہ تو ان کے پاس غنا ہے اور نہ ہی ان کا علم سامعین کے دلوں میں اثر کرتا ہے، اور نہ ہی ان کی رائے پر کوئی اعتماد کرتا ہے۔

(۷) وہ لوگ جو انتہائی زیرک اور ہوشیار ہیں لیکن تقویٰ و پرہیز گاری سے کوسوں دور ہیں۔

(۸) وہ لوگ جو اپنی خواہشات کے تابع ہیں دنیا کے لئے ذلیل ہوتے ہیں اور اس میں ریاست و سرداری کو طلب کرتے ہیں۔

(۹) شیطان نما انسان جو آخرت کو بھول کر دنیا پر حریص ہیں اور اس کو جمع کرنے میں مصروف ہیں اور ''هَلْ مِنْ مَّزِيْد'' کے خواہشمند ہیں۔ وہ دنیا میں ظاہری طور پر زندہ ہیں لیکن حقیقت میں مردہ ہیں۔

میں نے اپنی ذات کو ان لوگوں میں تلاش کیا تو مجھے بڑی پریشانی لاحق ہوئی تو میں نے صراط مستقیم کی تلاش میں ہدایت یافتہ لوگوں کی راہنمائی کے حصول کا قصد کیا۔ علم

Marfat.com

کو پیش نظر رکھ کر گہری نظر وفکر کی تو مجھے کتاب وسنت اور اجماع امت سے معلوم ہوا کہ خواہشات نفس کی پیروی ہدایت سے بے بہرہ اور حق سے دور کر دیتی ہے اور انسان ہمیشہ تاریکی میں بھٹکتا رہتا ہے۔ اس لیے میں نے سب سے پہلے اپنے دل سے خواہشات کو ختم کرنے سے ابتداء کی۔ اور تباہ کن خواہشات، ہلاکت خیز فرقوں سے بچتے ہوئے میں نے کسی فرقہ پر ناجی ہونے کا حکم نہ لگایا، اور ناجی امت کا حکم لگانے میں کافی دیر متردد رہا۔ اور پھر راہ نجات کی تلاش میں کوشاں رہا۔

پھر میں نے پایا کہ قرآن کریم کے حکم کے مطابق امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ تقویٰ و پرہیز گاری کو اپنانے، ادائیگی فرائض، حلال وحرام اور اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ حدود میں انتہائی احتیاط، اطاعت الٰہی اور اتباع رسول کریم ﷺ میں اخلاص پر راہ نجات کی بنیاد ہے۔ اس لیے محدثین سے فرائض وسنن کا علم حاصل کیا۔ میں نے ان کا بعض مسائل میں اتفاق اور بعض میں اختلاف دیکھا لیکن وہ تمام اس بات پر متفق تھے کہ فرائض وسنن کا حقیقی علم ان علماء کے پاس ہے جن کو ذات باری تعالیٰ اور اس کے احکام کی معرفت حاصل ہے۔ اور ان فقہاء کے پاس بھی یہ علم موجود ہے جو اپنے علم پر عمل کرتے ہیں۔ رضائے الٰہی کا حصول ان کا مطلوب ومقصود ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ اشیاء سے بچتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی پیروی کرتے ہیں اور آخرت کو دنیا پر ترجیح دیتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو احکام الٰہیہ اور انبیاء ومرسلین کی سنتوں کے امین ہیں۔

میں نے امت کے مختلف گروہوں میں ان صفات سے متصف گروہ کو تلاش کیا اور ان کے علم سے فیض یاب ہوا۔ میں نے دیکھا کہ یہ لوگ قلیل تعداد میں ہیں اور ان کا یہ علم کم ہوتا جا رہا ہے۔ جس طرح کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اسلام کا آغاز پردیس میں ہوا اور عنقریب پردیسی ہو جائے گا جس طرح اس کی ابتدا ہوئی۔ خوشخبری ہے پردیسیوں کے لئے''۔ (مسلم)

Marfat.com

مجھے یقین ہو گیا کہ یہی لوگ اسلام میں منفرد حیثیت رکھتے ہیں لیکن ان کی قلت تعداد کی وجہ سے مجھے افسوس ہوا۔ مجھے خدشہ لاحق ہوا کہ اختلاف امت کی وجہ سے مجھ پر جو شدید اضطرابی کیفیت طاری ہوئی اسی حالت میں پیغام اجل نہ آ جائے۔ اس لیے میں نے ان علوم کی تحصیل میں جلدی کی جو ایک مسلمان کے لئے ضروری ہوتے ہیں۔ اور حصول علم میں انتہائی احتیاط سے کام لیا۔ پھر اللہ تعالیٰ کے فضل واحسان سے ان لوگوں کی صحبت حاصل ہو گئی جن میں تقویٰ و پرہیز گاری اور آخرت کو دنیا پر ترجیح دینے کے آثار نمایاں تھے۔ میں نے ان کے ارشادات اور نصائح کو سلف صالحین کے عمل کے مطابق پایا۔ میں نے انہیں دیکھا کہ وہ امت کو ارشاد و رہنمائی کرنے میں متفق ہیں۔ نہ تو وہ لوگوں کو اللہ کی رحمت سے مایوس کرتے ہیں اور نہ ہی رجاء کی اتنی تلقین کرتے ہیں کہ لوگ معصیت میں مبتلا ہو جائیں اور مصائب و مشکلات میں صبر کرنے اور اس کی قضا پر راضی رہنے اور اس کی نعمتوں پر شکر کرنے کی تلقین کرتے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے انعامات واحسانات ذکر کر کے اس کو بندوں کے نزدیک محبوب بناتے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں رجوع کرنے پر ابھارتے۔ یہی وہ لوگ تھے جو اللہ تعالیٰ کی عظمت و قدرت کے معترف اور اس کی کتاب اور سنت رسول اللہ ﷺ کو جاننے والے اور دینی احکام کو سمجھنے والے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کن چیزوں کو پسند کرتا ہے اور کن کو ناپسند۔ یہ لوگ بدعات اور خواہشات نفس سے بچتے اور دین کے معاملہ میں غلو سے اجتناب کرتے۔ لڑائی جھگڑے کو ناپسند کرتے۔ غیبت اور ظلم کے قریب تک نہ جاتے۔ اپنی خواہشات کی مخالفت اور اپنے نفوس کا محاسبہ کرتے۔ انہیں اپنے اعضاء پر پورا کنٹرول تھا۔ اپنے کھانے پینے، لباس اور تمام احوال میں انتہائی تقویٰ و پرہیز گاری سے کام لیتے۔ شبہات سے پہلوتہی کرتے اور خواہشات نفس کو ترک کر کے قوت لایموت پر گزارہ کرتے۔ مباح اور حلال چیزوں میں بھی بہت کم رغبت رکھتے۔ قیامت کے دن ہونے والے حساب و کتاب سے خوفزدہ رہتے، اپنے حال میں ہی مگن رہتے۔ اپنے آپ کو انتہائی حقیر سمجھتے۔ ان میں سے ہر ایک اپنی فکر میں مبتلا رہتا۔ یہ لوگ احوال آخرت اور روز جزا،

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کے عظیم ثواب اور دردناک عذاب سے باخبر تھے۔ اور یہ چیز ان کے دائمی غمگین رہنے کا سبب تھی۔ اس لیے انہوں نے دنیا کے سرور اور نعمتوں سے اعراض کیا۔ انہوں نے دین کے ایسے اوصاف اور تقویٰ و پرہیز گاری کی ایسی حدود بیان کیں جس کی وجہ سے میرا دل خوفزدہ ہو گیا۔ میں نے یہ جان لیا کہ دین کے آداب اور ورع و پرہیز گاری ایسا سمندر ہے جس سے نجات میرے بس کی بات نہیں۔ اور مجھ جیسا شخص ان حدود پر قائم نہیں رہ سکتا۔ جب میں نے یہ تمام اوصاف ان لوگوں میں دیکھے تو مجھ پر ان کی فضیلت ظاہر ہوئی اور ان کا خلوص دکھائی دیا، تو میں نے یقین کر لیا کہ یہی لوگ راہ آخرت کے مسافر اور انبیاء و مرسلین کی سنت کے تابع ہیں۔ یہی وہ چراغ ہیں جن سے روشنی حاصل کی جاسکتی ہے۔ یہی وہ مینارہ نور ہیں جن سے راہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے۔ اس لیے میں ان کے مذہب میں رغبت کرنے لگا۔ اور ان کے آداب کو تسلیم کر کے ان سے اکتساب فیض کرنے لگا۔ میں ان کی خدمت میں مشغول ہو گیا۔ میرے نزدیک دنیا کی کوئی چیز بھی ان سے عزیز نہ تھی اور نہ ہی کسی کو اُن پر ترجیح دیتا تھا۔ اس کی برکت کیوجہ سے مجھے اللہ تعالیٰ نے وہ علم عطا فرمایا. جس کے دلائل قوی اور دیگر علوم پر اس کی فضیلت عیاں تھی۔ مجھے یقین ہو گیا کہ جو اس کو اختیار کر کے اس پر عمل پیرا ہو گا وہ نجات پا جائے گا۔ اور جو اس کی مخالفت کرے گا وہ کجرو ہو گا، اور جو اس کا انکار کرے گا اس کے دل پر سیاہی جم جائے گی، اور اس کو سمجھنے والا کامیاب ہو جائے گا۔ ان سب چیزوں کو جان لینے کے بعد میں نے یقین کر لیا کہ اس علم کو اپنانا اور اس کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونا واجب ہے۔ اس لیے میں نے صدق دل سے اس کو قبول کر لیا اور اس کو اپنے دین کی اساس قرار دیا اور اسی پر اپنے اعمال کی بنیاد رکھی۔ اس کی برکت سے میرے احوال میں تبدیلی آئی اور میں نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی کہ وہ مجھے اس نعمت کا شکر ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور جو علم مجھے عطا فرمایا ہے اس پر عمل کرنیکی قوت عطا فرمائے۔ حقیقتہ میں اس کا شکریہ ادا نہیں کر سکتا۔

Marfat.com

(۶) شیخ عبدالقاہر بغدادی رحمۃ اللہ علیہ:

عظیم امام حجۃ المتکلمین شیخ عبدالقاہر بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''الفرق بین الفرق'' میں فرماتے ہیں: ''اس باب کی فصل اول اہلسنت و جماعت کی اقسام کے بیان میں ہے۔ یہ جاننا ضروری ہے کہ اہلسنت و جماعت میں آٹھ قسم کے لوگ شامل ہیں:

(۱) وہ لوگ جو توحید و نبوت، احکامُ وعد و وعید، ثواب وعقاب، شرائط اجتہاد، امامت وقیامت وغیرہ علوم کے ماہر ہیں۔

(۲) ان میں وہ ائمہ وفقہاء شامل ہیں جن کا تعلق اہل رائے اور حدیث سے ہے۔ یہ لوگ اصول دین میں اللہ تعالیٰ اوراس کی ازلی صفات کے بارے میں صفاتیہ مذہب والوں کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ قدریہ اور معتزلہ کے مخالف ہیں۔ جنت کی نعمتوں اور عذاب جہنم کے دائمی ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ خلفائے راشدین کی خلافت کو تسلیم کرتے ہیں۔ سلف صالحین کے ساتھ دلی لگاؤ رکھتے ہیں۔ ان کے نزدیک جمعہ ہر اس امیر کے پیچھے واجب ہے جو صحیح العقیدہ ہو۔ قرآن وسنت اور اجماع صحابہ سے احکام شریعت کا استنباط بھی ان کے نزدیک واجب ہے۔ یہ جماعت امام مالک، امام شافعی، ابوحنیفہ اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم کے اصحاب پر مشتمل ہے۔

(۳) یہ محدثین کا گروہ ہے جنہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی احادیث پر گہری درک ہے۔ یہ لوگ صحیح اور ضعیف حدیث کے درمیان امتیاز کرنے کے ماہر ہیں۔ اسی طرح جرح وتعدیل کے اسباب سے واقف ہوتے ہیں۔ ان کا یہ علم باطل فرقوں کے عقائد سے پاک ہوتا ہے۔

(۴) یہ وہ لوگ ہیں جو ادب اور صرف ونحو کے ماہر شمار ہوئے ہیں۔ یہ خلیل بن احمد، ابی عمرو بن علا اور سیبویہ جیسے مایہ ناز ائمہ کے طریقہ پر چلتے ہیں۔

Marfat.com

(۵) یہ لوگ قرآن کریم کی مختلف قرأتوں میں مہارت تامہ رکھتے ہیں۔ اور اس کے ساتھ ساتھ مذہب اہلسنت کے مطابق قرآنی آیات کی تفسیر و تاویل بھی جانتے ہیں۔ اور اہل ھوی کی تاویلات سے گریز کرتے ہیں۔

(۶) یہ صوفیائے کرام کا وہ گروہ ہے جو دنیا کی بے ثباتی پر یقین رکھتا ہے۔ اور اس سے اپنا ہاتھ کھینچ لیتے ہیں۔ اور جب انہیں آزمائش میں مبتلا کیا جائے تو اس سے نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ راضی برضارہ کر جو کچھ میسر ہو اسی پر قناعت کرتے ہیں انہیں بخوبی علم ہے کہ کان، آنکھ اور دل ان میں سے ہر ایک سے اچھائی اور برائی کے متعلق سوال ہوگا۔ ذرے ذرے کا حساب دینا پڑے گا۔ اس لیے وہ یوم آخرت کے لئے تیاری کرتے ہیں۔ محدثین کے کلام کی طرح ان کا کلام عبارت واشارہ پر مشتمل ہوتا ہے۔ ریاء کیلئے نیکی نہیں کرتے اور نہ ہی حیاء کی وجہ سے اس کے تارک ہوتے ہیں۔ ان کے عقیدہ کی بنیاد توحید پر اور تشبیہ کی نفی پر ہے اپنے معاملے کو اللہ کے سپرد کرنا، اسی پر توکل کرنا اور اس کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرنا، جو میسر ہو اسی پر قناعت کر لینا، اور اس پر اعتراض نہ کرنا ان کا مذہب ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

ذٰلِکَ فَضۡلُ اللّٰہِ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ وَ اللّٰہُ ذُو الۡفَضۡلِ الۡعَظِیۡمِ (الجمعہ: ۴)

''یہ اللہ کا فضل ہے عطا فرماتا ہے جسے چاہتا ہے، اور اللہ تعالیٰ صاحب فضل عظیم ہے''

(۷) یہ وہ لوگ ہیں جو مسلمانوں کی حفاظت کے لیے اسلامی سرحدوں پر ڈیرہ ڈالے ہوئے دشمنان اسلام سے برسر پیکار رہتے ہیں۔

(۸) ان سے مراد وہ لوگ ہیں جو ان علاقوں میں آباد ہیں جن میں اہلسنت و جماعت کے طور طریقے غالب ہیں، نہ کہ ان علاقوں میں آباد لوگ جن میں باطل فرقوں کے عقائد غالب ہیں۔

Marfat.com

(۷) امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ:

امام ابوقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ اپنے مشہور رسالہ کے مقدمہ میں صوفیاء کرام کے متعلق فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس گروہ کو اپنا مقرب بنایا ہے۔ انبیاء و رسل علیہم السلام کے بعد ان کو اپنے تمام بندوں پر فضیلت عطا فرمائی ہے اور ان کے دلوں کو اپنے اسرار کا خزینہ بنا دیا ہے، اور تمام امت میں سے اپنے انوار و تجلیات کے لئے ان کو خاص کر لیا ہے۔ یہ مخلوق خدا کے فریادرس بھی ہیں۔ عمومی احوال میں انہیں اللہ تعالیٰ کی معیت حاصل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی بشری کدورتوں کو پاک کر کے انہیں مقام مشاہدہ پر فائز کر دیتا ہے۔ اور انہیں آداب عبودیت کے بجالانے کی توفیق عطا کرتا ہے اور احکام ربوبیت کے مصدر و منبع سے انہیں روشناس کرا دیتا ہے۔ وہ فرائض و واجبات کو احسن طریقے سے ادا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے خاص فضل و احسان سے کائنات میں جو تصرف کا اذن ملتا ہے لیکن وہ اس کے باوجود انتہائی عاجزی و انکساری سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں رجوع کرتے ہیں، اور اپنے احوال و مقامات کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ کیونکہ انہیں یقین ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے۔ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے نواز دیتا ہے۔ مخلوق کا اس پر کوئی حکم نہیں، اور نہ ہی اس پر کسی کا کوئی حق واجب ہے۔ مخلوق کو ثواب عطا کرنا اس کا محض فضل و احسان ہے، اور اس کو عذاب دینا عدل ہے اور اس کا ہر فیصلہ اٹل ہے۔

(۸) امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ:

حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ صوفیائے کرام بارگاہ الٰہی تک پہنچانے والے ان کے سلوک اور طریقے کے متعلق فرماتے ہیں کہ مجھے یقین ہو گیا کہ صوفیائے کرام ہی اللہ تعالیٰ کے خاص راستہ پر چلنے والے ہیں۔ ان کی سیرت اچھی، ان کا طریقہ تمام طرق سے صحیح اور ان کے اخلاق تمام سے عمدہ ہوتے ہیں۔ پھر صوفیائے کرام کے مخالفین کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ معترضین اس طریقہ کے بارے میں کیا کہہ سکتے ہیں جس کی پہلی شرط

Marfat.com

ماسویٰ اللہ سے دل کو پاک کرنا ہے اور پھر کلیۃ ذکر الٰہی میں دل کو مستغرق کرنا، نماز کی تکبیر تحریمہ کے قائم مقام ہے اور جس کی انتہا فنا فی اللہ ہے۔

(۹) امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ:

عظیم مفسر امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''اعتقادات فرق المسلمین والمشرکین'' میں فرمایا کہ امت اسلامیہ کے فرقوں کے متعلق لکھنے والے اکثر لوگوں نے گروہ صوفیاء کا ذکر نہیں کیا اور یہ خطا ہے کیونکہ صوفیائے کرام کی تعلیمات کا لب لباب یہ ہے کہ معرفت الٰہی کے حصول کا طریقہ اپنے آپ کو علائق بدنیہ سے پاک کرنا ہے اور یہ بہترین طریقہ ہے۔ اور دوسرے مقام پر آپ فرماتے ہیں: ''صوفیائے کرام وہ لوگ ہیں جو غور و فکر اور نفس کو علائق بدنیہ سے پاک کرنے میں مصروف رہتے ہیں اور اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ تمام تصرفات اور اعمال میں ان کا دل ذکر الٰہی سے خالی نہ ہو وہ بارگاہ الٰہی میں انتہائی باادب رہتے ہیں، اور یہ لوگ تمام انسانی فرقوں میں افضل ترین ہیں۔

(۱۰) العز بن عبد السلام رحمۃ اللہ علیہ:

سلطان العلماء عز بن عبد السلام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''صوفیائے کرام نے اپنے اصولوں کی بنیاد شریعت کے ان قواعد پر استوار کی ہے جنہیں دنیا و آخرت میں زوال نہیں۔ اور دوسرے لوگوں نے اپنے اصولوں کی بنیاد محض رسوم پر رکھی ہے۔ صوفیائے کرام کے ہاتھوں واقع ہونے والی کرامات اس کی دلیل ہیں، کیونکہ یہ چیزیں قربت اور رضا پر دلالت کرتی ہیں۔ کیونکہ عمل کے بغیر علم اگر بارگاہ الٰہی میں پسندیدہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ اہل علم کے ہاتھ پر کرامات کا ظہور فرما دیتا اگرچہ وہ اپنے علم پر عمل پیرا نہ بھی ہوتے لیکن یہ بعید از قیاس ہے۔

(۱۱) امام نووی رحمۃ اللہ علیہ:

امام نووی اپنے رسالہ ''المقاصد'' میں فرماتے ہیں تصوف کے پانچ اصول ہیں:

Marfat.com

(i) ظاہراً وسراً اللہ تعالیٰ سے تقویٰ اختیار کرنا۔

(ii) اقوال وافعال سنت کی اتباع کرنا۔

(iii) ہر حال میں مخلوق خدا سے لاتعلق رہنا۔

(iv) قلیل وکثیر میں اللہ تعالیٰ پر راضی رہنا۔

(v) تنگی وخوشحالی میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں رجوع کرنا

(۱۲) شیخ ابن تیمیہ:

شیخ احمد بن تیمیہ نے اپنے فتاویٰ میں صوفیائے کرام کے کتاب وسنت پر عمل پیرا ہونے کے بارے میں فرمایا ہے کہ ''سالکین میں سے صاحب استقامت جس طرح جمہور مشائخ سلف جن میں فضیل بن عیاض، ابراہیم بن ادھم، ابوسلیمان دارانی، معروف کرخی، سری سقطی اور جنید بن محمد رحمہم اللہ وغیرہ متقدمین سے اور متاخرین میں سے شیخ عبدالقادر جیلانی، شیخ حماد شیخ ابوالبیان رحمہم اللہ وغیرہ شامل ہیں۔

یہ تمام مشائخ سالک کے لئے شرعی امر اور نہی سے آزاد ہونے کو جائز قرار نہیں دیتے۔ اگرچہ وہ ہوا میں اڑتا ہو یا پانی پر چلتا ہو۔ بلکہ اس پر لازم ہے کہ وہ تادم واپسی امر کو بجالائے اور نہی سے اجتناب کرے۔ اور یہی بات حق ہے جس پر کتاب وسنت اور سلف صالحین کا اجماع دال ہے۔

(۱۳) امام شاطبی رحمۃ اللہ علیہ:

عشیرہ محمدیہ کے مجلہ مسلم میں سید ابوتقی احمد خلیل کا مضمون ''امام شاطبی صوفی سلفی'' کے عنوان سے چھپا ہے۔ آپ فرماتے ہیں: ''امام شاطبی کی کتاب ''الاعتصام'' کو وہابی اپنی بعض آراء کے لئے بنیادی ماخذ شمار کرتے ہیں۔ صاحب کتاب کو اپنا امام مانتے ہیں۔ لیکن اس کے برعکس امام شاطبی نے اپنی کتاب میں اسلامی تصوف کے متعلق چند اہم فصلیں ذکر کی ہیں۔ اور یہ ثابت کیا ہے کہ تصوف دین کا اہم رکن ہے۔ یہ نئی چیز نہیں ہے کہ اسے

Marfat.com

دین میں داخل کیا گیا ہو۔ آپ نے یہاں تحقیق کا حق ادا کر کے مخالفین کی زبانوں کو بند کر دیا ہے۔ قلوب واذہان میں ان کی تحقیق نے گہرے نقوش چھوڑے۔

آپ فرماتے ہیں، اکثر جہلاء کا صوفیاء کے بارے میں یہ اعتقاد ہے کہ وہ کتاب وسنت کی اتباع میں تساہل پسندی سے کام لیتے ہیں۔ اور غیر شرعی امور کو اپنے اوپر لازم قرار دیتے ہیں۔ لیکن یہ الزام خلاف واقع ہے اور اس قسم کے اعتقاد کی ان سے توقع نہیں کی جا سکتی۔ کیونکہ سب سے پہلے جس چیز پر ان کے طریقہ کی بنیاد ہے وہ اتباع سنت اور ان چیزوں سے اجتناب کرنا ہے جو خلاف سنت ہوں حتی کہ امام الصوفیاء ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صوفیائے کرام نے اپنے لیے تصوف کا نام اسی وجہ سے خاص کیا تھا۔ تا کہ وہ اہل بدعت سے ممتاز ہو جائیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد مسلمان صحابی کے لقب سے موسوم تھے کیونکہ صحبت رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر کوئی فضیلت نہ تھی۔ پھر ان کے بعد آنے والے لوگوں کو تابعی کا لقب دیا گیا۔ ان کے بعد لوگوں کے مراتب مختلف ہو گئے۔ اور وہ خواص جو دین پر سختی سے کاربند تھے انہیں زاہد و عابد کہا جانے لگا۔ پھر جب بدعتوں کا ظہور ہوا تو ہر فریق دعویٰ کرنے لگا کہ ان میں زاہد و عابد ہیں۔ اس صورت حال میں اہلسنت کے وہ خواص جو اپنے نفوس پر خصوصی توجہ رکھتے تھے اور اپنے دلوں کو غفلت سے محفوظ رکھتے تھے وہ تصوف کے اس نام کے ساتھ مشہور ہو گئے۔

(۱۴) ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ:

ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ تصوف کے بارے میں فرماتے ہیں: ''علم تصوف ان علوم شرعیہ میں سے ہے جو ملت اسلامیہ میں معرض وجود میں آئے۔ صوفیائے کرام کا طریقہ صحابہ کرام، تابعین اور بعد میں آنے والے سلف صالحین کے نزدیک حق و ہدایت کا طریقہ سمجھا جاتا تھا۔ اس کی بنیاد عبادت کی طرف بھرپور توجہ اور ذات باری تعالیٰ سے خاص تعلق، دنیا کی زیب و زینت سے اعراض اور لذت مال و جاہ و حشمت جس کی طرف عوام الناس

Marfat.com

متوجہ ہوتے ہیں، ان سے زہد اختیار کرنے اور عبادت کے لئے خلوت نشینی اختیار کرنے پر ہے۔ یہ تمام چیزیں صحابہ کرام اور سلف صالحین میں عام تھیں لیکن دوسری صدی اور اس کے بعد والے دور میں لوگ دنیا کی طرف متوجہ ہو گئے تو عبادت گزار لوگوں کے ساتھ صوفیاء کا لقب خاص ہو گیا۔

(۱۵) شیخ تاج الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ:

شیخ تاج الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''معید النعم ومبید النقم'' میں صوفیاء کے عنوان کے تحت رقمطراز ہیں: ''اللہ تعالیٰ انہیں طویل زندگی عطا فرمائے انہیں اور ہمیں اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے صوفیائے کرام کی حقیقت سے لاعلمی اور جعلی پیروں کی کثرت سے ان کے بارے میں مختلف اقوال مشہور ہیں۔ حتیٰ کہ امام جوینی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ان کی حقیقت سے آگاہی ممکن نہیں۔ کیونکہ ان کو کسی ایک تعریف کے ساتھ مقید نہیں کیا جا سکتا۔ امام سبکی فرماتے ہیں کہ علم تصوف کی تعریف کرنا ممکن ہے۔ صوفیاء کرام وہ لوگ ہیں جو دنیا سے اعراض کرتے ہیں اور اکثر اوقات عبادت میں مصروف رہتے ہیں پھر آپ نے تصوف کی مختلف تعریفات ذکر کی ہیں اور آخر میں فرمایا'' حاصل کلام یہ ہے کہ صوفیائے کرام اللہ تعالیٰ کے وہ خاص بندے ہیں جن کے ذکر سے رحمت سایہ فگن ہوتی ہے اور جن کی دعا سے بارش نازل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سے اور ان کے طفیل ہم سے بھی راضی ہو''۔

(۱۶) امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ:

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب '' تائید الحقیقہ'' میں فرماتے ہیں:

''علم تصوف فی نفسہ ایک عظیم علم ہے۔ اس کا دارومدار اتباع سنت، ترک بدعت، نفس اور اس کی خواہشات سے کنارہ کشی، اللہ تعالیٰ کے سامنے سرتسلیم خم کرنے اور اس کی قضا پر راضی رہنے، اس کی محبت کی خواہش اور ماسوی اللہ سے ناپسندیدگی پر ہے۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ اس میں بہت سے ایسے لوگ داخل ہو گئے ہیں جن کا تصوف سے دور کا بھی واسطہ

Marfat.com

نہیں اور انہوں نے تصوف میں غیر شرعی امور کو داخل کر دیا ہے۔ اور یہ بات تمام صوفیائے کرام کے بارے میں بدگمانی کا سبب بنی ہے اسی لیے اہل علم نے حقیقی صوفیائے کرام اور جعلی صوفیاء کے درمیان تمیز کرنے کی کچھ علامات ذکر کی ہیں تا کہ حق و باطل کے درمیان فرق ہو سکے۔ میں نے ان امور میں غور و فکر کیا ہے جن کی وجہ سے اہل علم صوفیاء پر اعتراض کرتے ہیں۔ لیکن میں نے کوئی ایسا حقیقی صوفی نہیں دیکھا جو ان عقائد کا حامل ہو۔ بلکہ ان امور کا ارتکاب وہ اہل بدعت اور غالی لوگ کرتے ہیں جو دعویٰ تو صوفیاء ہونے کا کرتے ہیں لیکن حقیقت میں صوفیاء نہیں ہوتے۔

(۱۷) علامہ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ:

خاتمۃ المحققین عظیم فقیہ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''مجموعہ رسائل'' میں دین میں اضافہ شدہ بدعات کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں جن کا ارتکاب وفات اور ختم وغیرہ کے موقع پر کیا جاتا ہے۔ ان امور کا ارتکاب وہ لوگ کرتے ہیں جو اہل علم کا لبادہ اوڑھے ہوئے ہوتے ہیں اور اپنے آپ کو صوفیاء کی طرف نسبت کرتے ہیں۔ اس کے بعد آپ اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے کہ یہاں صوفیاء سے مراد حقیقی صوفیاء نہیں۔ مزید فرماتے ہیں کہ ''ہماری گفتگو ان مشائخ عظام اور صوفیاء کرام کے بارے میں نہیں ہے جو ہر قسم کی گھٹیا خصلت سے مبرا ہیں۔ امام الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ بعض لوگوں پر وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ اور دائیں بائیں جھکنے لگتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی معیت میں خوش ہونے دو۔ معرفت الٰہی کے سفر نے ان لوگوں کے جگروں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے۔ تھکاوٹ نے ان کے دلوں کو پاش پاش کر دیا ہے۔ ان پر اضطراب کی کیفیت طاری ہے۔ اگر وہ اپنے حال کے مداوی کی خاطر کچھ آرام کر لیں تو کوئی حرج نہیں۔ اگر تو بھی یہ لذت چکھ لیتا تو آہ بکا میں ان کو معذور سمجھتا۔ علامہ کمال پاشا سے جب اس کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے حضرت جنید رحمۃ

Marfat.com

اللہ علیہ کی طرح جواب دیا۔ آپ نے فرمایا

(i) اگر تیری حقیقت تک رسائی ہے تو وجد میں کوئی حرج نہیں ۔ اور اگر تو مخلص ہے تو رقص میں کوئی مضائقہ نہیں ۔

(ii) تو تو ایک ٹانگ پر چل رہا ہے اور جس کو اس کا مولا پکارے اس پر لازم ہے کہ وہ سر کے بل چلے ۔

آپ فرماتے ہیں کہ ذکر اور سماع کے وقت جو مختلف کیفیات ہم نے ذکر کی ہیں ان میں رخصت ان عارفین کیلئے ہے جو اپنے اوقات کو اچھے اعمال میں صرف کرتے ہیں ۔ افعال قبیحہ سے اپنے آپ کو محفوظ رکھتے ہیں ۔ اگر وہ کچھ سنتے ہیں تو اسی ذات سے ۔ اور اگر وہ کسی کے مشتاق ہوتے ہیں تب بھی اسی کے لیے ۔ جب وہ اس کا شکر کرتے ہیں تو اس کی نعمتوں کا اظہار کرتے ہیں ۔ جب وہ اسکو پالیتے ہیں تو نعرۂ مستانہ بلند کرتے ہیں ۔ جب اس کا مشاہدہ کرتے ہیں تو پرسکون ہو جاتے ہیں ۔ جب اس کے قرب سے سرفراز ہوتے ہیں تو بارگاہ قدس میں خوب سیر کرتے ہیں ۔ جب ان پر وجد غالب آ جاتا ہے اور اس کی ارادت کا جام طہور نوش کر لیتے ہیں تو بعض سالکین پر ہیبت طاری ہو جاتی ہے تو وہیں سجدے میں گر کر اپنی جان جاں آفریں کے سپرد کر دیتے ہیں، اور بعض پر لطف وکرم کے بادل برستے ہیں تو وہ جھومنے لگتے ہیں اور خوشی محسوس کرتے ہیں ۔ اور بعض وہ خوش نصیب ہوتے ہیں کہ مطلع قرب سے محبوب ان کیلئے جلوہ افروز ہوتا ہے تو وہ جلوہ محبوب میں مست ہو کر بیخود ہو جاتے ہیں ۔

آپ مزید فرماتے ہیں کہ عارفین کا سماع حقائق ربانیہ کے حصول کا سبب ہے، اور یہ سماع ذات باری تعالیٰ کی حمد وثنا نعت رسول مقبول ﷺ اور حکیمانہ مواعظ پر مشتمل ہوتا ہے ۔ ہمارا اعتراض ان لوگوں پر نہیں ہے جو ان عارفین کی اقتدا کرتے ہیں اور ان کی بارگاہ سے کچھ فیض حاصل کر لیتے ہیں، اور ذات باری تعالیٰ کی محبت اور شوق میں مگن رہتے ہیں ۔ بلکہ ہمارا اعتراض تو ان فاسق وفاجر عام لوگوں پر ہے جو صوفیائے کرام کو بدنام کرتے ہیں ۔

Marfat.com

(۱۸) شیخ محمد عبدہٗ:

مجلّہ مسلم نے شیخ محمد عبدہٗ کی تصوف کے متعلق رائے ذکر کی ہے اور شیخ علی محفوظ نے اپنی کتاب ''ابداع'' میں اس کو نقل کیا ہے کہ شیخ محمد عبدہ فرماتے ہیں: ''تاریخ اسلام اور اسلام میں ظاہر ہونے والی وہ رسوم و بدعات جنہوں نے اسلام کے حقیقی حسن کو مسخ کر دیا ہے اور مسلمانوں کے جہالت میں گرفتار ہونے کے اسباب کے متعلق تحقیق کرنے والے بعض محققین غلط فہمی کا شکار ہیں ان کے خیال کے مطابق تصوف بھی ان اسباب میں شامل ہے جنہوں نے مسلمانوں کو اپنے دین سے بے بہرہ اور اس توحید خالص سے دور کر دیا ہے جو اخروی عذاب سے نجات کی بنیاد ہے اور اسی پر اعمال کے صحیح ہونے کا دارومدار ہے۔ لیکن ان کا یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ ہم اجمالی طور پر تصوف کی حقیقت کو بیان کرتے ہیں۔

تصوف کا ظہور اسلام کے ابتدائی دور میں ہوا اس وقت اس کو ایک امتیازی حیثیت حاصل تھی، اور اس کا بنیادی مقصد تعمیر اخلاق اور نفوس کو تہذیب و شائستگی سے آراستہ کر کے احکام دین پر عمل پیرا ہونے کے لئے نفوس کی تربیت اور ان کو دین کی طرف مائل کرنا، اور تدریجا دین کے اسرار و رموز سے ان کو آگاہ کرنا تھا۔ فقہاء اور علمائے ظاہر صوفیاء پر اعتراض کرتے تھے۔ ان پر بے دینی کی تہمت لگاتے تھے۔ اس وقت فقہاء کو بڑی اہمیت حاصل تھی کیونکہ امراء اور سلاطین اسلامی احکام نافذ کرنے میں ان کے دست نگر تھے۔ اس صورت حال میں صوفیاء اپنے طرز عمل کو مخفی رکھنے پر مجبور ہو گئے، اور انہوں نے اپنا مقصد سمجھانے کے لیے بعض اشارات، رموز اور اصطلاحات وضع کر لیے اور صرف اسی کو اپنے ساتھ ملاتے جو ان کی کڑی شرائط اور آزمائش پر پورا اترتا ہو۔ اور یہ کہا کرتے کہ ''جو ہمارے ساتھ چلنے کا خواہشمند ہے پہلے طالب، پھر مرید اور پھر سالک ہے اور سلوک کے بعد یا تو وہ منزل مقصود تک پہنچ جائے گا یا راستہ سے بھٹک جائے گا'' وہ طویل عرصہ تک طالب کے اخلاق و اطوار کا امتحان لیتے تا کہ وہ جان لیں کہ طالب صحیح الارادہ اور پختہ عزم

Marfat.com

ہے۔صرف ان کے اسرار پر آگاہی حاصل کرنے کے لئے نہیں آیا۔اس چیز کا یقین ہونے کے بعد تدریجاً اس کی تربیت کرنا شروع کر دیتے۔

(۱۹) الامیر شکیب ارسلان رحمۃ اللہ علیہ:

امیر شکیب ارسلان اپنی کتاب ''حاضر العالم الاسلامی'' میں ''افریقہ میں اسلام کی ترقی اور اس کے اسباب'' کے تحت لکھتے ہیں کہ اٹھارویں انیسویں صدی میں سلسلہ قادریہ اور شاذلیہ کے پیروکاروں میں ترقی کی نئی تحریک پیدا ہوئی۔اور سلسلہ تیجانیہ اور سنوسیہ کا آغاز ہوا۔

سلسلہ قادریہ کے پیروکار مغربی افریقہ میں دین اسلام کے انتہائی پر جوش مبلغ تھے۔انہوں نے سینی گال سے بنین تک اسلام کا پیغام پہنچایا۔انہوں نے ان علاقوں میں تعلیم وتجارت کے ذریعہ دین کی نشر واشاعت کی۔مغربی افریقہ کے اکثر تاجر سلسلہ قادریہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ان میں سے بعض مریدین جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے وہ چھوٹے چھوٹے مدارس کھول لیتے اور یہ مدارس صرف سلسلہ قادریہ کی خانقاہوں میں ہی نہ قائم کرتے بلکہ قریہ قریہ میں مدارس قائم کرتے۔اور دوران تعلیم افریقی بچوں کو دین کی تبلیغ کرتے،اور پھر محنتی اور ذہین طلبہ کو خانقاہ کے خرچ پر طرابلس،قیروان کے مدارس فاس کی جامع القرویین اور مصر کی جامع الازہر میں اعلیٰ تعلیم کے لئے بھیجتے۔یہ طلبہ وہاں اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے سوڈان میں عیسائیوں کے مشنری مبلغین سے مقابلہ کرتے۔

آپ سلسلہ قادریہ کے شیخ طریقت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ''شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ایران کے شہر جیلان میں پیدا ہوئے۔آپ ایک عظیم صوفی تھے۔آپ کے مریدین کی تعداد شمار سے باہر ہے۔حتی کہ آپ کے سلسلہ سے تعلق رکھنے والے اسپین تک پہنچ گئے۔جب غرناطہ میں عربوں کی سلطنت کا زوال آیا پھر سلسلہ قادریہ کا مرکز وہاں سے فاس منتقل ہوگیا۔اس سلسلہ کی برکت کی وجہ سے اہل بربر کی کثیر بدعات کا خاتمہ ہوگیا۔اور وہ اہلسنت وجماعت سے وابستہ ہوگئے۔اسی طرح پندرہویں صدی عیسوی میں مغربی افریقہ

Marfat.com

کے بہت سے حبشی اس سلسلہ کی برکت سے دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔

سلسلہ سنوسیہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ سلسلہ سنوسیہ کے متعلقین افریقہ کے مختلف علاقوں میں اسلام کی شمع کو روشن کرتے ہوئے نائیجر تک پہنچ گئے، اور وہاں کے قبائل کوا اسلام کی دعوت دی اور اسی سلسلہ کی برکت سے بحیرہ چاڈ کے اردگرد کے علاقے وسط افریقہ میں عالم اسلام کا مرکز بن گئے۔ ان علاقوں میں سلسلہ سنوسیہ کے مریدین کی تعداد چار ملین کے لگ بھگ ہے۔ ان کا طریقہ تبلیغ یہ ہے کہ یہ سوڈان سے چھوٹی عمر کے غلاموں کو خریدتے ہیں پھر جغبوب اور غزامس وغیرہ کے علاقہ جات میں تربیت کرتے ہیں۔ جب یہ بلوغ کی حد تک پہنچ کر اپنی تعلیم کو مکمل کرتے ہیں تو انہیں آزاد کر کے سوڈان کے قرب وجوار میں چھوڑ دیتے ہیں تاکہ وہ اپنی قوم کے باقی لوگوں کی دین اسلام کی طرف راہنمائی کریں۔ اس طرح سلسلہ سنوسیہ کے سینکڑوں مبلغین براعظم افریقہ کے مختلف ممالک میں اسلام کی نشرو اشاعت کیلئے کوچ کرتے ہیں۔ شیخ محمد مہدی اور ان کے بھائی شیخ شریف اپنے والد محترم کے نقش قدم پر چل کر اسی مقصد کے لئے کوشاں ہیں یعنی براعظم افریقہ میں اسلام کو بیرونی اثرات سے آزاد کر کے خلافت راشدہ کے نظام کو قائم کرنا۔ الختصر یہ کہ ان سلاسل کے مریدین نے براعظم افریقہ میں اسلام کی نشرواشاعت میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

آپ سلسلہ سنوسیہ کے متعلق مزید فرماتے ہیں ''سلسلہ سنوسیہ کے مبلغین انتہائی جوشیلے اور غیور ہیں۔ یہ صحرائی خانقاہوں کے تربیت یافتہ ہیں۔ یہ ہزاروں کی تعداد میں دین اسلام کی نشرواشاعت کے لئے ان تمام علاقوں میں نکلتے ہیں جن کے باشندے بت پرست ہیں۔ انیسویں صدی سے لے کر آج تک ان مسلمان مبلغین نے مغربی افریقہ اور وسطی افریقہ میں اسلام کی نشرواشاعت کے لئے حیران کن کامیابیاں حاصل کی ہیں حتی کہ بہت سے یورپی مفکرین نے بھی اس بات کو تسلیم کیا ہے۔ بیس سال پہلے اسی سلسلہ میں ایک انگریز نے کہا تھا کہ وسط افریقہ میں اسلام کو بہت کامیابی ہو رہی ہے اور بت پرستی کا نام

Marfat.com

ونشان اس طرح مٹتا جا رہا ہے جس طرح سورج کی کرنوں کے سامنے رات کی تاریکی چھپ جاتی ہے اور اس کے مقابلہ میں عیسائی مشنری ناکام ہوگئی ہے۔

آپ فرماتے ہیں کہ سلسلہ شاذلیہ شیخ ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب ہے۔ ان کی بیعت عبداللہ بن سلام بن مشیش سے تھی اور ان کے مرشد و مربی ابومدین رحمۃ اللہ علیہ تھے جو ۱۱۲۷ء کو اشبیلیہ میں پیدا ہوئے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم فاس میں حاصل کی اور پھر حج کا ارادہ کر کے نکلے اور حج بیت اللہ کے بعد جابیہ کے مقام پر اقامت پذیر ہو گئے اور درس تصوف دیتے رہے۔ بہت سی مخلوق خدا آپ کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئی اور یہ سلسلہ ان سلاسل میں سے تھا جو پہلے پہل سرزمین مغرب میں داخل ہوئے۔ اور اس کا مرکز مراکش میں تھا اور اسی سلسلہ کے مشائخ میں سے شیخ عربی درقاوی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۱۸۲۳ء تھے۔ جنہوں نے اپنے مریدوں میں نئے سرے سے دینی حمیت کی روح پھونک دی۔ فرانسیسی فوج کو روکنے میں ان لوگوں نے اہم کردار ادا کیا۔

امیر شکیب ارسلان اپنے اس موضوع کو سمیٹتے ہوئے فرماتے ہیں کہ براعظم افریقہ میں اسلام کی اس ترقی کا سہرا تصوف اور اولیائے کرام سے اعتقاد پر ہے۔

(۲۰) شیخ رشید رضا رحمۃ اللہ علیہ:

شیخ رشید رضا فرماتے ہیں کہ صوفیاء کرام کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ بلا شرکت غیر ارکان دین میں سے ایک اہم رکن کی تعلیم و تربیت ان کے ذمہ ہے اور وہ علم و اخلاق حسنہ اپنانے کے ذریعہ نفس کو مہذب بنانا ہے۔ پھر جب ملت اسلامیہ میں علوم کی تدوین ہوئی تو مشائخ کرام نے بھی تہذیب اخلاق اور محاسبہ نفس کے بارے میں کتب تالیف فرمائیں۔

(۲۱) شیخ راغب الطباخ رحمۃ اللہ علیہ:

عظیم مورخ شیخ محمد راغب اپنی کتاب ''ثقافت اسلامیہ'' میں فرماتے ہیں کہ جب تصوف تزکیہ نفوس اور تصفیہ اخلاق سے عبارت ہے تو یہ بہترین طریقہ اور اعلیٰ ترین

Marfat.com

مقصد ہے بلکہ انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا بھی مقصد تھا۔ رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے:

انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق۔ (مسند امام احمد)

''میں مکارم اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہوں''

آپ فرماتے ہیں۔ ''جب ہم پہلے دور کے صوفیاء کرام کی سیرتوں میں غور وفکر کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ان کی سیرت مکارم اخلاق، زہد، ورع وعبادت پر مشتمل اور قرآن وسنت کی عملی تصویر ہے۔ حتیٰ کہ شیخ الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے:

مذھبنا ھذا مقید باصول الکتاب والسنۃ

''ہمارا یہ مذہب کتاب وسنت کے اصولوں کے ساتھ مقید ہے''۔

علامہ زبیری شرح احیاء العلوم کی جلد ا صفحہ نمبر ۱۷۴ میں حضرت جنید بغدادی کا قول نقل کرتے ہیں:

الطرق کلھا مسدود علی الخلق الاعلی من اقتدی اثر الرسول ﷺ

''مخلوق خدا پر تمام راستے بند ہیں سوائے اس شخص کے جس نے رسول کریم ﷺ کے نقش قدم کی پیروی کی''۔

رسالہ قشیریہ میں آپ فرماتے ہیں کہ جس نے قرآن پاک حفظ نہ کیا اور حدیث پاک نہ روایت کی وہ علم تصوف میں اقتداء کے قابل نہیں۔ کیونکہ ہمارا یہ علم کتاب وسنت کے ساتھ مقید ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ ہمارا یہ علم حدیث رسول ﷺ سے مؤید ہے۔

حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''علم تصوف تین چیزوں کا نام ہے:

(۱) صاحب تصوف وہ ہے جس کی معرفت کا نور اس کے تقویٰ و پرہیزگاری کے نور کو نہ بجھائے۔

(۲) ایسے باطنی علم کے متعلق گفتگو نہ کرے جو ظاہر کتاب اللہ کے منافی ہو۔

Marfat.com

(۳) کرامات اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں کی بے ادبی کا سبب نہ ہوں۔

صاحب ''شذرات الذھب'' نے جلد ۵ صفحہ ۲۷۹ میں شیخ ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ''ہر وہ علم جس میں خواطر قلب تیری طرف سبقت لے جائے، نفس اس کی طرف مائل اور اس سے لذت محسوس کرے، اسے ترک کردو۔ اور کتاب وسنت پر عمل پیرا ہو جاؤ۔

''کتاب التعرف'' اور ''رسالہ قشیریہ میں'' ان کے علاوہ بھی دیگر مشائخ کرام کے اقوال موجود ہیں۔

یہ مشائخ عظام خود بھی تہذیب نفس، ورع و زہد اور عبادت کے ساتھ متصف تھے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ اپنے دور میں مختلف اہم دینی فرائض بھی سرانجام دیتے رہے۔ انہوں نے مخلوق خدا کی راہ خدا کی طرف راہنمائی کی اور دعوت دی۔ اور لوگوں کو دنیا پر مرمٹنے اور جہنم کا ایندھن اکٹھا کرنے سے منع کیا اور ان کو ان شہوات ولذات سے روکا جو ارتکاب محرمات میں منہمک رہنے اور ان واجبات کی ادائیگی سے جو غفلت کا سبب بنتی ہیں جس کے لیے انسان کی تخلیق ہوئی۔ اگر انسان ان شہوات پر کنٹرول نہ کرے تو اس کا نتیجہ لاقانونیت، فساد، کثرت زنا اور قتل وغارت کی صورت میں نکلتا ہے۔

یہ مشائخ عظام اپنے وعظ وارشاد اور نورانی قلوب سے پھوٹنے والی حکمتوں اور حقائق کی وجہ سے مخلوق خدا کے اخلاق کے محافظ تھے۔ انہوں نے امت کو صراط مستقیم کی راہ دکھائی اور انہیں حقیقی سعادت کی طرف دعوت دی۔ یعنی انسان کو چاہیے کہ وہ ان تمام امور کو بجالائے جن کا اسے حکم ہوا ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ دنیا کو نظر انداز نہ کرے۔ اس طرح یہ مشائخ کرام اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (آل عمران: ۱۰۴)

''ضرور ہونی چاہیے تم میں ایک جماعت، جو بلایا کرے نیکی کی طرف اور حکم دیا

Marfat.com

کرے بھلائی کا اور روکا کرے بدی سے، اور یہی لوگ کامیاب وکامران ہیں۔"

پر ہمیشہ سے عمل پیرا رہے۔

یہ سلف صالحین ملت کے نگہبان، امت کے سردار اور اس کی ہدایت کے لیے مینارہ نور تھے۔ انہی مشائخ عظام اور دیگر محدثین وفقہاء کی بدولت امت صراط مستقیم پر گامزن ہوئی۔ ان کے دنیاوی حالات مستحکم ہونے کے ساتھ ساتھ ان کے اخروی امور بھی بہتر ہو گئے اس طرح وہ دنیا اور آخرت میں سرخرو ہوئے۔

ان صوفیائے کرام کے حالات زندگی میں غور وفکر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے اکثر مشائخ کے مریدین ہزاروں کی تعداد میں تھے۔ جب بھی کوئی نیا شخص ان کے سلسلہ میں داخل ہوتا تو وہ سابقہ مریدین کے ساتھ اس کا بھائی چارہ قائم کر دیتے۔ اس طرح مریدین کے درمیان الفت ومحبت کی فضا قائم ہو جاتی۔ وہ باہم ہمدردی سے پیش آتے اور نیکی کی نصیحت کرتے۔ غنی فقیر پر رحم کرتا۔ بڑا چھوٹے سے شفقت سے پیش آتا۔ اس طرح وہ اللہ تعالیٰ کے فضل واحسان سے بھائی بھائی اور ایک جسم کی مانند بن گئے۔ یہ لوگ اپنے مشائخ کرام کا انتہائی ادب واحترام اور خدمت کرتے۔ جب مشائخ عظام مجلس میں تشریف لاتے تو مریدین احترام کے لیے کھڑے ہو جائے۔ اور جب وہ تشریف فرما ہو جاتے تو یہ مریدین حضرات بیٹھ جایا کرتے تھے۔ ان کے حکم کی بجا آوری کرتے اور ان کے اشارۂ ابرو کے منتظر رہتے۔

صوفیاء عظام کا ملت اسلامیہ کے لئے عظیم اور اہم کارنامہ یہ ہے کہ جب امیر سلطنت جہاد کا قصد کرتا ہے تو یہ اپنے مریدین کو جہاد پر برانگیختہ کرتے تو مریدین اپنے مشائخ سے قلبی اعتقاد کی وجہ سے مجاہدین میں شریک ہو جاتے اور اکثر اوقات بذات خود بھی لشکر اسلام میں شامل ہو کر حدود اسلام کا دفاع کرتے، اور دوسروں کو بھی ثابت قدمی کی تلقین کرتے اور یہ چیز دشمن پر فتح ونصرت کا سبب بنتی۔

Marfat.com

علم تاریخ کے مطالعہ سے اس قسم کے کثیر واقعات سے آ گاہی ہوتی ہے۔لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس بات کو بھی مدنظر رکھنا چاہیے کہ بہت سے محدثین اور علماء کرام بھی میدان جہاد میں پیش پیش رہے۔

صوفیائے کرام کی یہ خصوصیت ہے کہ جب ان کے متبعین کے درمیان دنیاوی امور میں اختلاف پیدا ہو جائے تو وہ اپنے شیخ کی طرف رجوع کرتے ہیں،اور وہ کتاب وسنت کے مطابق فیصلہ صادر فرماتا ہے تو اس طرح وہ راضی خوشی اپنے گھروں کی طرف لوٹ جاتے ہیں، اور انہیں عدالتوں میں مقدمہ پیش کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔شیخ راغب طباخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان تمام امور کا ہم نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا ہے اور اپنے کانوں سے سنا ہے۔بلکہ بعض اوقات تو ایسا ہوتا ہے کہ ایک مرید دوسرے کو کہتا ہے کہ اگر تم نے میرے ساتھ انصاف نہ کیا تو میں شیخ کے پاس تمہاری شکایت کردوں گا۔تو وہ اس خوف کی وجہ سے اپنی مذموم حرکت سے باز آ جاتا ہے کیونکہ اسے یہ خواہش ہوتی کہ شیخ کے پاس اس کی شہرت خراب نہ ہو۔

(۲۲) علامہ احمد شرباصی:

شیخ احمد شرباصی جو معروف اسلامی رائٹر اور جامعہ ازہر کے استاذ ہیں، وہ ''مجلہ اصلاح اجتماعی'' میں ''الاخلاق عندالصوفیہ'' کے عنوان کے تحت رقمطراز ہیں: ''میرا یہ عقیدہ ہے کہ تصوف کی مکمل حقیقت اور بنیاد اس مرتبہ احسان پر ہے جس کو رسول اللہ ﷺ نے حدیث جبریل میں ارشاد فرمایا ہے۔آپ نے فرمایا کہ: ''احسان یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کرے گویا کہ اسے دیکھ رہا ہے۔اور اگر تو اسے نہیں دیکھ رہا تو وہ تجھے دیکھ رہا ہے''۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تصوف کے کثیر مدعیان اس تعریف پر پورے نہیں اترتے۔اس لیے وہ حقیقت سے بہت دور ہیں۔

حقیقت میں تصوف کی بنیاد ذوق پر ہے۔کریمانہ اخلاق ذوق سلیم کا ہی دوسرا نام ہے۔اسی کی وجہ سے انسان حیوان سے ممتاز ہوتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ صوفیائے کرام اخلاق

Marfat.com

کو بڑی اہمیت دیتے ہیں۔ بلکہ انہوں نے اخلاق کو تصوف کی اساس و بنیاد قرار دیا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اگر تصوف کی جگہ لفظ اخلاق کو استعمال کیا جائے تب بھی مقصود میں فرق نہیں آئے گا۔ کیونکہ تصوف کا دارو مدار مجاہدہ نفس، تطہیر نفس اور اس کو ہر جمال وکمال سے آراستہ کرنے پر ہے۔اور یہی مکارم اخلاق کی اصل ہے۔

صوفیائے کرام کے نزدیک اخلاق کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ انہوں نے فتوت اور شجاعت کو تصوف کی اصل قرار دیا ہے حتیٰ کہ تاریخ فتوت میں ''فتوت صوفیہ'' کے نام سے مستقل عنوان ملتا ہے۔ ایثار اور دوسروں کو اپنی ذات پر مقدم کرنے کا اصول اسی سے لیا گیا ہے۔ امام قشیری نے فرمایا کہ فتوت کی اصل یہ ہے کہ بندہ ہمیشہ غیر کی خدمت کو ترجیح دے اور حضرت ابن ابی بکر اہوازی نے فرمایا کہ فتوت کی اصل یہ ہے کہ تو اپنی ذات کو بہتر خیال نہ کرے۔

اسی وجہ سے صوفیاء کرام ان سنہری اصولوں پر گامزن ہیں کہ نہ ہی وہ کسی کو تکلیف پہنچاتے ہیں اور نہ شکوہ کرتے ہیں۔ جود وسخا ان کا شیوہ ہے۔ مصائب وتکالیف کو دوسروں سے چھپاتے ہیں۔ دشمنوں کو معاف کرتے ہیں اور ہمیشہ بلندی کے طالب ہوتے ہیں۔

وہ اس حدیث **طوبی لمن شغلہ عیبہ عن عیوب الناس** ''خوشخبری ہے اس شخص کے لیے جس کے عیب نے اس کو لوگوں کے عیوب سے غافل کر دیا'' کو اصل بنا کر اخلاق محمدی ﷺ کو اپناتے ہیں۔ اسی وجہ سے ابن عطاء اللہ سکندری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''تیرا اپنے باطنی عیوب کی طرف متوجہ ہونا ان عیوب کی طرف متوجہ ہونے سے بہتر ہے جو تجھ سے چھپا دیئے گئے ہیں''۔

صوفیائے کرام حرص وطمع ختم کرنے کے لئے مختلف اسباب و وسائل کو بروئے کار لاتے ہیں تا کہ انسانی شخصیت میں روحانی منازل طے کرنے کی قوت پیدا ہو جائے اسی وجہ سے حضرت ابوبکر وراق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ''اگر طمع سے کہا جائے کہ تیرا باپ کون

Marfat.com

ہے" تو وہ جواب دے گا کہ "قضاوقدر میں شک"۔ اگر اس سے پوچھا جائے کہ "تیرا پیشہ کیا ہے"؟ وہ جواب دے گا: "حصول ذلت"۔ اگر اس سے پوچھا جائے کہ "تیرا مقصد کیا ہے"؟ وہ جواب دے گا۔ "محرومی" اسی سلسلہ میں ابن عطاء اللہ سکندری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ذلت کا درخت طمع کے بیج سے پروان چڑھتا ہے۔

جب حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بصرہ تشریف لائے اور جامع مسجد تشریف لے گئے تو آپ نے دیکھا کہ وہاں کچھ قصہ گو لوگوں کو قصے سنا رہے ہیں۔ آپ نے انہیں منع کر دیا حتی کہ آپ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پہنچے جو صوفیائے کرام کے پیش رو ہیں۔ آپ نے فرمایا: "اے نوجوان! میں تجھ سے ایک سوال کرنا چاہتا ہوں۔ اگر تم نے صحیح جواب دے دیا تو تمہیں یہاں وعظ کی اجازت مل جائے گی۔ وگرنہ دوسرے ساتھیوں کی طرح تمہیں بھی کنارہ کش ہونا پڑے گا"۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کی: آپ جو پوچھنا چاہتے ہیں پوچھیں آپ نے فرمایا کہ: "دین کا دارومدار کس چیز پر ہے"؟ جواب دیا ورع و پرہیزگاری پر۔ فرمایا یہ بتاؤ کہ دین کا فساد کس چیز پر ہے جواب دیا کہ "طمع پر" حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "بیٹھو۔ تم جیسے لوگوں کو چاہیے کہ وہ لوگوں کو وعظ و نصیحت کریں"۔

ابن عطاء اللہ سکندری رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں کسی چیز کا طمع و حرص پیدا ہوا تو ہاتف غیبی نے ندا دی کہ "تیرا دین تب محفوظ و سلامت رہے گا کہ جب تو دنیاوی چیزوں کی لالچ کو چھوڑ دے گا۔"

صاحب طمع کبھی بھی سیر نہیں ہوتا۔ اگر آپ لفظ طمع کے حروف میں غور کریں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اس کے تمام حروف مجوف یعنی نکتوں سے خالی ہیں۔ صوفیائے کرام نے اپنے متبعین کو قناعت اور استغفار کا درس دیا اور ان کے لئے خودی اور عزت نفس کا دروازہ کھولا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ بدکاری اور بدکاروں کے خلاف جہاد کرتے ہیں۔ اور ظلم و سرکشی کی پرواہ نہیں کرتے اور نہ ہی جاہ و مرتبہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ دین کی خاطر قربانی اور

Marfat.com

دعوت جہاد دینا صوفیاء کی اقدار میں سے ہے۔ اسی طرح صبر کا درس اور اس میں مبالغہ انہی اخلاقیات کا حصہ ہے۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک صوفی دوست کی عیادت کے لیے گئے۔ مرض کی شدت سے ان کے منہ سے آہ نکل گئی۔ تو آپ نے اسے فرمایا کہ ''جو محبوب کی ضرب پر صبر نہ کرے وہ سچا عاشق نہیں ہے۔'' اس مریض نے جواب دیا ''بلکہ جو محبوب کی چوٹ پر لذت محسوس نہ کرے وہ سچا عاشق نہیں''۔

مراقبہ کی حالت میں زندگی گزارنا بھی صوفیاء کرام کے اخلاق کا حصہ ہے۔ اس مراقبہ کی وجہ سے بندے کا اپنے رب سے تعلق مضبوط ہوتا ہے۔ اور اس کا قرب و جوار حاصل ہوتا ہے۔ ان کی اخلاقی تربیت کی ایک خوبی یہ ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے متعلقین کو نرم مزاج اور باہمی تعاون کا درس دیتے ہیں تاکہ ان کے درمیان تکلف ختم ہو جائے۔ کیونکہ جب ایک سالک کا دوسرے کے ساتھ دین، اخلاق اور تصوف کے اعتبار سے مضبوط تعلق استوار ہو جاتا ہے، پھر وہاں کسی اعتراض کی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنے مریدین کی توجہ اس طرف بھی مبذول کرتے ہیں کہ کہیں وہ اپنی عبادت سے دھوکہ نہ کھا جائیں نہ ہی اللہ تعالیٰ کی مغفرت سے مایوس ہو جائیں۔

ثابت قدمی، وقار و سنجیدگی اور اسباب ذلت سے بچنے کا درس دینا بھی صوفیاء کرام کے اخلاقی نظام کا حصہ ہے۔

شیخ احمد شرباصی ''نور التحقیق'' کے مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ تصوف وہ عظیم دستور ہے جس کو دور حاضر کے اہل تصوف نے ضائع کر دیا۔ اس کے مخالفین اور دشمنوں نے اس پر ظلم کیا، اور مدعیان تصوف نے اس کے جمال اور خوبصورتی کو ضائع کر دیا، اور کچھ عرصہ سے بعض لوگوں کے نزدیک تصوف انتہائی مذموم اور ناپسندیدہ سمجھا جانے لگا ہے۔ حالانکہ اس کا جمال و خوبصورتی اور صوفیاء کرام کی عظمت کا انکار ممکن نہیں۔ دوسری طرف ان کے اقوال و

Marfat.com

اعمال کو بھی بڑی اہمیت حاصل ہوئی۔ گویا کہ تصوف کی حالت اس قیمتی موتی کی طرح ہے جس کو سیاہ چیتھڑوں میں لپیٹ دیا گیا ہو۔ جس کی وجہ سے کچھ جاہل اس موتی کو سیاہ گمان کرنے لگے ہیں۔ اگر انہیں اس کی حقیقت تک رسائی ہو جائے اور اس کے گرد لپیٹے ہوئے تمام پردوں کو اٹھا دیا جاتا تو اس کی چکا چوند روشنی سے ان کی آنکھیں چندھیا جاتیں۔ مجھے تصوف کے اس صاف شفاف چشمے پر افسوس ہے جس کو گردش دوراں نے گدلا کر دیا ہے۔

اس دور میں وہ علماء اور صوفیاء جو حیران و پریشان دنیا دار لوگوں کو تصوف کے اسرار و رموز سے آگاہ کریں، اور ان راہ راست سے بھٹکے ہوئے لوگوں کو بتائیں کہ تصوف اسلام کا ایک اہم جزو اور رسول اللہ ﷺ کی بنیادی تعلیمات کا ایک اہم حصہ ہے۔ اور انہیں اس بات سے آگاہ کریں کہ تصوف پر انتہائی ظلم و ستم کیا گیا ہے۔ اس میں بہت سی ایسی چیزیں ملا دی گئی ہیں جن کا تصوف سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ مدعیان تصوف نے بعض اہم چیزوں کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ بعض لوگوں نے اس میں تحریف کر دی ہے۔ اور بعض جلد باز اس کا تمسخر اڑاتے ہیں جو نہ تو اس کی حقیقت سے آشنا ہیں اور نہ ہی اس کے مشرب سے بہرہ ور۔ مزید براں یہ کہ انہوں نے تصوف کی کسی کتاب کا مطالعہ تک نہیں کیا۔ ان تمام مذکورہ عوامل کی وجہ سے تصوف کی اہمیت و قدر کم ہوگئی۔ لیکن افسوس اس بات پر ہے کہ آج کے دور میں کوئی کامل شخصیت نظر نہیں آتی جو لوگوں کو حقیقت تصوف سے آگاہ کرے۔ تحقیق اور تجربہ سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ حق کو جب اس کے قبول کرنے والے نہ ملیں تو وہ مخفی و پوشیدہ ہو جاتی ہے۔ حتی کہ کچھ عرصہ بعد اللہ تعالی ایسے لوگوں کو بھیجتا ہے جو اس کی اشاعت اور ترویج میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں، اور لوگوں کو اس پر طوعا و کرھا برانگیختہ کرتے ہیں۔ تو پھر وہی حق اپنی پوری شان و شوکت سے آشکارا ہو جاتا ہے۔

تمہارا اس وسیع ترین اور عجیب خزانے کے بارے میں کیا خیال ہے جس میں بے حد و حساب مال و دولت اور جسمانی امراض کے دواؤں کے ساتھ ساتھ نفسانی علاج کا

Marfat.com

روحانی طریقہ کار اور کبھی نہ ماند پڑنے والا دل کا نور ہو۔ اگر تمہیں کوئی شخص اس قسم کے خزانے کے بارے میں بتائے اور اس ک پہنچنے کے لئے اپنی مکمل کوشش صرف نہیں کرو گے۔ جس میں تمہیں دنیا و آخرت کی ہر نعمت ملے گی۔ یہی حال تصوف کا ہے کہ یہ مخفی دوا، پوشیدہ خزانہ اور سراسر علمی اسرار و رموز پر مبنی ہے۔ یہ وہ دوا ہے کہ جس کی تجھے تیرے علم و فہم اور اخلاق کو ضرورت ہے۔ لیکن تو نہ تو اس تک پہنچ سکتا ہے اور نہ اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے، جب تک تو اپنے مکمل ہوش وحواس کے ساتھ اپنی بصیرت اور بصارت کے ساتھ اس کی طرف متوجہ نہ ہو۔ اس کے لیے تجھے اپنا مال، جان اور وقت نکالنا پڑے گا۔ اور ان عوامل کی وجہ سے تو اس تک رسائی حاصل کر سکے گا۔ کیا تو نے ان میں سے کسی چیز پر عمل کیا ہے اور حقیقی نعمتوں تک پہنچنے کا راستہ دریافت کیا ہے۔

مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں کہ تیرا تعلق صوفیاء سے ہے یا نہیں۔ اور نہ ہی مجھے اس چیز کی پرواہ ہے کہ تو صوفیائے کرام کے مخالفین میں سے ہے یا ان کے دوستوں میں سے۔ میرے نزدیک سب سے اہم بات ہے کہ تو حقیقت حال سے آگاہ ہو اور اس عظیم مقصد سے آشنا ہو کہ جس سے آگاہی حاصل کرنے کا مطالبہ دین بھی کرتا ہے اور عقل بھی۔ اس لیے تجھ پر لازم ہے کہ تو تصوف کا مطالعہ کرے تاکہ تو اس کی حقیقت سے آشنا ہو سکے۔ اس کے بعد تجھے حق حاصل ہے کہ تو تصوف کے حق میں فیصلہ دے یا اس کے خلاف۔ اور یہ بات قابل غور ہے کہ تاریخ تصوف اور صوفیاء کرام کے احوال میں بعض چیزیں مخالفین کی زیادہ کی ہوئی ہیں۔ اس چیز کو ذہن میں رکھنا ضروری ہے۔ وگرنہ بعض اوقات حق باطل کے پس پردہ ہو جاتا ہے۔ اسی لیے یہ دینی فریضہ ہے کہ تو باطل کے ان حجابات کو تار تار کر دے تاکہ تو نور حق سے مستفید ہو سکے۔

اختتام میں میری خواہش ہے کہ ایک مضبوط علمی تحریک منظم کی جائے جو تصوف پر تحقیق کرے اور اس کی کتب کی اشاعت کا بندوبست کرے۔ بلکہ تصوف میں شامل ہونے

Marfat.com

والے ناپسندیدہ خرافات واقوال اور سیاہ کاریوں سے تصوف کو پاک کردے۔ تاکہ ہم باطل کو پہچان کر اس کی جڑوں کو اکھاڑ پھینکیں تاکہ ایک دفعہ پھر حق چار دانگ عالم میں عام ہو جائے۔

اے نوجوانان اسلام! تصوف تمہاری تاریخ اور اخلاق کا ایک اہم حصہ ہے جس کو تم طویل عرصے سے ضائع کر رہے ہو۔ ماضی میں تصوف کے ساتھ جو بے اعتنائی برتی گئی ہے وہ کافی ہے۔ لیکن اب سستی کو چھوڑ کر تصوف کو اپنا لو۔ کیونکہ یہ دواء بھی ہے اور غذا بھی۔ اللہ تعالیٰ ہی صراط مستقیم کی ہدایت دینے والا ہے۔

(۲۳) شیخ ابوالحسن ندوی:

آپ اپنی ''المسلمون فی الھند'' میں فرماتے ہیں کہ صوفیائے کرام لوگوں سے توحید، اخلاص، اتباع سنت، گناہوں سے توبہ، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے حضور اطاعت پر بیعت لیا کرتے تھے۔ اور لوگوں کو برائی، بدکاری، برے اخلاق ظلم اور قساوت قلبی سے بچنے کی تلقین کیا کرتے تھے۔ اخلاق حسنہ سے آراستہ ہونے کی رغبت دلاتے اور تکبر، حسد، بغض، ظلم، حب جاہ جیسے برے اخلاق سے کنارہ کشی اختیار کرنے کی نصیحت فرماتے۔ تزکیہ نفس اور اس کی اصلاح کی ترغیب دلاتے۔ اور لوگوں کو ذکر الٰہی، اخلاص، قناعت اور ایثار کا درس دیتے۔ مزید برآں یہ بیعت شیخ اور مریدین کے درمیان مضبوط اور گہرے تعلق کی علامت گردانی جاتی ہے۔ یہ مشائخ عظام ہمیشہ وعظ و نصیحت کیا کرتے اور یہ کوشش کرتے کہ ان میں حب الٰہی اور اس کی رضا کا شوق اور نفس کی اصلاح کا جذبہ بھڑک اٹھے۔ پھر شیخ معاشرے میں صوفیاء کرام کے اخلاق، اخلاص اور تعلیم و تربیت کی تاثیر کے بارے میں بیان فرماتے ہیں اور بعض مثالیں بیان کرتے ہیں۔ جو اس تاریخی حیثیت پر روشنی ڈالتی ہیں۔ سید احمد شہید کے بارے میں لکھتے ہیں کہ لوگوں کا ان کی طرف شدید رجحان تھا وہ جس شہر سے بھی گزرتے کثیر تعداد میں لوگ ان کے دست پر بیعت اور گناہوں سے توبہ کرتے۔ آپ دو ماہ تک کلکتہ میں مقیم رہے۔ تقریباً ایک ہزار افراد روزانہ آپ کے

Marfat.com

ہاتھ پر بیعت کرتے۔ اور بیعت کا یہ سلسلہ آدھی رات تک جاری رہتا۔ لوگوں کی کثرت کی وجہ سے وہ ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ بیعت نہیں کرتے تھے۔ بلکہ چھ سات عمامے باہم باندھ کر لوگوں میں پھیلا دیتے تھے تو لوگ ان عماموں کو پکڑ کر بیعت کرتے۔ اور اس طرح وہ دن میں سترہ یا اٹھارہ دفعہ بیعت کا اہتمام کرتے۔

آپ شیخ الاسلام حضرت علاؤالدین رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ آپ کے عہد کے آخری سالوں کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ اس دور میں شراب، فسق و فجور، جوا، بدکاری اور عشق اور دیگر منکرات میں کمی واقع ہوگئی تھی۔ لوگ ان چیزوں کا نام لینا بھی گناہ سمجھتے تھے، بلکہ گناہ کبیرہ کو لوگ کفر کی مثل سمجھتے اور اعلانیہ طور پر سودی کاروبار اور ذخیرہ اندوزی سے حیا کرتے۔ حتیٰ کہ بازاروں میں جھوٹ، ناپ تول میں کمی اور ملاوٹ کے واقعات نادرالوقوع ہو گئے۔

آپ فرماتے ہیں کہ ان صوفیاء و مشائخ عظام کی تربیت نے مریدین میں باہمی تعاون اور خدمت خلق کا جذبہ پیدا کر دیا۔ آپ فرماتے ہیں کہ ان مشائخ کی وعظ و نصیحت اور تہذیب و تربیت کی وجہ سے لوگ شریعت پر سختی سے کاربند ہو گئے تھے۔ حتیٰ کہ کلکتہ (جو کہ ہندوستان کا بہت بڑا شہر اور انگریزوں کا مرکز تھا) میں شراب کی تجارت ختم ہوگئی۔ شراب خانے اجڑ گئے۔ اور شراب بیچنے والوں نے حکومت کو ٹیکس دینے سے انکار کر دیا۔ حتی کہ ان کا کاروبار ٹھپ ہو گیا۔ اور یہ ان مشائخ عظام اور صوفیائے کرام اور مصلحین کے اخلاق و عمل کا نتیجہ تھا۔ کہ ان کی کوششوں سے بہت سے لوگ راہ راست پر آ گئے۔ انہوں نے گناہوں، برائیوں اور خواہشات نفسانی سے توبہ کر لی۔ اور یہ کسی حکومت یا قانون کے بس کی بات نہیں تھی کہ وہ اتنی کثیر تعداد میں موثر ہو اور انہیں راہ راست پر لا سکے۔

آپ اپنی کتاب ''رجال الفکر والدعوہ فی الاسلام'' میں مشہور صوفی بزرگ حضرت عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں لکھتے ہیں: ''آپ کی مجلس وعظ میں ستر ہزار

Marfat.com

آدمی ہوتے تھے۔آپ کے دست اقدس پر پانچ ہزار سے زیادہ یہود ونصاریٰ نے اسلام قبول کیا،اور ایک لاکھ سے زائد لوگوں نے آپ کے دست اقدس پر توبہ کی۔آپ نے عوام الناس کے لئے بیعت اور توبہ کا دروازہ کھول دیا اور کثیر تعداد آپ کے فیض سے مستفید ہوئی۔ان لوگوں کی زندگیاں تبدیل ہوگئیں اور سختی سے شریعت پر کاربند ہو گئے۔آپ اپنے مریدین کی تربیت ونگرانی پر خصوصی توجہ فرماتے تھے۔حتیٰ کہ یہ مریدین بیعت اور تجدید ایمان کے بعد احکام شریعت پر کاربند رہنے کی ذمہ داری محسوس کرتے تھے۔پھر آپ جس مرید میں استقامت اور تربیت خلق کی اہلیت اور صلاحیت دیکھتے اسے بیعت کی اجازت دے دیتے۔آپ کے خلفاء دین کی نشرواشاعت کے لئے مختلف علاقوں میں پھیل گئے جنہوں نے مخلوق خدا کی تربیت کی شرک و بدعات ، جاہلیت اور منافقت کے خلاف جہاد کیا اور اس طرح دین اسلام کا پیغام دور دور تک پھیل گیا اور تمام عالم اسلام میں ان لوگوں نے مدارس وخانقاہیں قائم کیں۔

آپ کے خلفاء ومریدین اور دیگر مشائخ وصوفیاء جنہوں نے آپ کا طریقہ تبلیغ اپنایا،روح اسلام،شعلہ ایمان اور جہاد تبلیغ اسلام کا فریضہ سرانجام دینے میں اہم کردار ادا کیا اور طاغوتی طاقتوں کے سامنے سینہ سپر ہو گئے۔اگر یہ روحانی شخصیات نہ ہوتیں تو وہ مادی قوتیں امت اسلامیہ کا کام تمام کر دیتیں جو مختلف حکومتوں کے بل بوتے پر کام کر رہی تھیں۔ان مشائخ عظام کو ہی یہ اعزاز حاصل ہے کہ ان کی مساعی جمیلہ سے ان دور دراز علاقوں میں اسلام کی شمع روشن ہوئی جہاں اسلامی لشکر کو رسائی حاصل نہ ہو سکی۔اور انہی کی برکت سے افریقہ، ملائشیا میں اسلام پھیل گیا۔

شیخ ابوالحسن ندوی اپنی کتاب ''روائع اقبال'' میں علامہ اقبال کے ساتھ اپنی ملاقات کا ذکر کرتے ہیں کہ علامہ اقبال نے تصوف ، اہل تصوف اور ان کے ذریعہ سے ہندوستان میں دین اسلام کی تجدید کا ذکر کیا اور شیخ مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی شیخ ولی

Marfat.com

اللہ دہلوی اور سلطان محی الدین اورنگزیب رحمہم اللہ علیہ کی تعریف وتوصیف فرمائی۔آپ فرماتے ہیں کہ ہمیشہ میرا نظریہ یہی رہا ہے کہ اگر ان لوگوں کا وجود مسعود اور جہاد نہ ہوتا تو ہندوستان کی تہذیب وتمدن اور فلسفہ دین اسلام پر غالب آجاتا۔

(۲۴) صبری عابدین:

استاذ صبری عابدین ''مجلہ لواء الاسلام'' میں فرماتے ہیں کہ میں نے بذات خود سوڈان، اری ٹیریا حبشہ اور صومالیہ میں صوفیائے کرام کے احوال کا مطالعہ کیا ہے۔ان علاقوں میں اہل تصوف کی مکمل قیادت سید میرغنی کے ہاتھ میں تھی اور خصوصا اری ٹیریا میں شرعی قاضی کی تقرری آپ کے کنٹرول میں تھی۔اس میں حکومت کا کائی عمل دخل نہیں تھا۔ بلکہ آپ قاضی کے علاوہ خطیب اور مؤذن بھی خود ہی مقرر کرتے تھے شیخ طریقت ہونے کے سبب آپ کو یہ حق حاصل تھا۔

دراصل صوفیائے کرام پوری دنیا میں اسلام کی اشاعت کا فریضہ سرانجام دے رہے ہیں۔پچاس سال پہلے شیخ بکری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک کتاب لکھی جس میں آپ نے عیسائی مبلغین کا قول نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ ان مبلغین کا کہنا ہے کہ ہم ایشیا اور افریقہ کے جن دور دراز علاقوں میں گئے تو وہاں ہم نے پہلے سے ایک صوفی کو پایا جو ہم پر غالب آجاتا''

کاش کہ آج کا مسلمان اہل تصوف کی روحانی اور مادی قوت کا ادراک کر لیتا انہی لوگوں کے لشکر دفاع اسلام کے لئے برسرپیکار ہیں۔میں نے خود حبشہ،سوڈان اور اری ٹریا کی سڑکوں پر سویڈن کے عیسائی مبلغین کو دیکھا ہے جو عیسائیت کی اشاعت کے لئے وہاں بھیجے گئے تھے۔ان مبلغین کے قریب ہی میں نے کچھ خیمے دیکھے جن کو اہل تصوف نے نصب کیا تھا اور یہ لوگ چالیس سال تک ان عیسائی مبلغین کا مقابلہ کرتے رہے۔اس لئے میری یہ استدعا ہے کہ ہم ان تحریکوں کو ختم کرنے کے لئے باہم تعاون کریں جو ہمیں دینی اور سیاسی طور پر نقصان پہنچا رہی ہیں۔صوفیائے کرام پر اعتراض کرنے والے اپنی

Marfat.com

جہالت کی بنا پر اعتراض کرتے ہیں۔

آپ فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کی بے عملی ہی ان کے لئے سب سے بڑی مصیبت ہے۔ صرف صوفیا کرام کا ہی ایسا گروہ ہے جو نہ صرف مکمل طور پر احکام پر عمل پیرا ہیں بلکہ اس سے بھی بڑھ کر عمل کی کوشش کرتے ہیں۔ انہوں نے اپنے آپ پر لازمی قرار دیا ہے کہ وہ رخصت کو چھوڑ کر عزیمت پر عمل کریں گے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ عزیمت پر عمل کے ساتھ ساتھ رخصت کو اپنانا بھی پسند فرماتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ صوفیاء کرام کے مسلک کی بنیاد زہد پر ہے اور یہ بات جاننا ضروری ہے کہ زہد نبی کریم ﷺ کے عمل سے ماخوذ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے زندگی اور اس کی لذتوں میں زہد اختیار فرمایا۔ آپ نے ساری زندگی میں نہ تو پتلی روٹی کھائی اور نہ ہی میز پر کھانا کھایا۔ رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ، خلفائے راشدین اور بعد میں آنے والے مسلمانوں کے لئے بہترین نمونہ ہے۔ مشائخ عظام نے واضح طور پر یہ ارشاد فرمایا تھا کہ "حقیقی صوفی وہی ہے جو سختی سے کتاب وسنت پر کاربند رہے"۔ انہوں نے اپنے اصولوں کو اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے اور ان کتب میں درج ذیل کتابیں مشہور و متداول ہیں:

رسالہ قشیریہ	ابوالقاسم قشیری
احیاء العلوم	امام غزالی
حلیۃ الاولیاء	ابونعیم اصفہانی
کتاب قواعد التصوف	شیخ احمد زروق

وہ لوگ جو بعض علوم کا انکار کر کے ان پر تنقید کرتے ہیں حالانکہ وہ خود ان علوم سے قطعاً ناواقف ہوتے ہیں۔ ان کی مثال اس آدمی کی طرح ہے جو طب و حکمت سے ہی بے بہرہ ہونے کی وجہ سے اس کا انکار کرتا ہے جس طرح کہ علا اسلکافی نے طب کا انکار کیا ہے۔

جب مصر میں صلیبی لشکر نے دمیاط پر حملہ کیا تو شیخ ابوالحسن شاذلی جو اپنے وقت

Marfat.com

کے بہت بڑے بزرگ تھے۔ امام عزالدین بن عبدالسلام اور ابوالفتاح ابن دقیق العیداور دوسرے علماء نے اس جہاد میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

(۲۵) شیخ محمد ابوزہرہ رحمۃ اللہ علیہ:

علامہ شیخ محمد ابوزہرہ ''مجلہ لواء الاسلام'' میں تصوف کے بارے میں فرماتے ہیں:
ظاہری طور پر تصوف تین حقائق پر مشتمل ہے:

(۱) صوفیاء خواہشات نفسانیہ کی مخالفت اور تزکیہ نفس پر توجہ دیتے ہیں اس ضمن میں صوفیائے کرام امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس ارشاد پر عمل پیرا ہیں۔ آپ نے فرمایا ''اے لوگو اپنی نفسانی خواہشات پر کنٹرول کرو کیونکہ یہ خواہشات ظاہری طور پُر لطف ہیں لیکن ان کا انجام برا ہوتا ہے۔''

(۲) اہل تصوف کو روحانی تعلق اور وجدانی کیفیت حاصل ہوتی ہے۔ تصوف کی تعلیمات میں غور وفکر کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ تابع اور متبوع پیر اور مرید کا متقاضی ہے اور اس چیز کا بھی تقاضا کرتا ہے کہ وہاں کوئی توجہ دینے والی شخصیت اور وہ مرید باصفا جس پر توجہ دی جائے موجود ہو۔ اور اس کے ساتھ ساتھ مرید کی طرف سے طالب صادق اور شیخ کی طرف سے روحانی راہنمائی کا متقاضی ہے۔

یہ تینوں ثابت شدہ حقائق قطع نظر اس کے کہ اسلام تائید کرتا ہے یا نہیں، اس صورت حال میں کیا یہ ممکن ہے کہ تصوف کو تربیت واصلاح کا ذریعہ بنایا جائے یا اسے محض ضرر رساں سمجھ کر چھوڑ دیا جائے۔

تصوف کو محض ضرر رساں کہنا زیادتی ہوگی۔ کیونکہ یہ بھی دوسری اشیاء کی طرح ایک حقیقت ہے کہ یہ فائدہ مند بھی ہوسکتا ہے اور ضرر رساں بھی، ممدوح بھی ہوسکتا ہے اور مذموم بھی۔ ارکان اسلام میں سے نماز کو ہی لے لیجئے قرآن کریم میں اس کی مدح بھی بیان کی گئی ہے اور مذمت بھی۔ اللہ تعالیٰ مومنین کی مدح وستائش کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

Marfat.com

اَلَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃ وَ ھُمْ بالْاٰخِرۃِ ھُمْ یُوْقِنُوْنَ. (لقمان: ۴)

''وہ جو صحیح صحیح ادا کرتے ہیں نماز کو، اور دیتے ہیں زکوۃ، اور یہی وگ ہیں جو آخرت پر پختہ یقین رکھتے ہیں''۔

نئی بات: نماز میں سستی کرنے والوں کو فرماتا ہے۔

فَوَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَ اَلَّذِیْنَ ھُمْ عَنْ صَلوتھِم ساھُوْن. (ماعون: ۴)

''پس خرابی ہے ایسے نمازیوں کے لئے جو اپنی نماز کی ادائیگی سے غافل ہیں''

اور یہی کیفیت تصوف کی ہے۔ استاذ فودی فرماتے ہیں کہ ہمارے دور میں بھی تصوف کی خوبیاں اور آثار و برکات واضح ہیں۔ مغربی وسطی اور جنوبی افریقہ میں مسلمانوں کا وجود اہل تصوف کا مرہون منت ہے۔

شیخ سنوسی رحمۃ اللہ علیہ نے جب مسلمانوں کی اصلاح و تربیت کا ارادہ فرمایا تو آپ نے صوفیاء کرام کے طریقہ کو اختیار کیا۔ آپ کا طریقہ تربیت عجیب تھا۔ آپ نے پہلے کچھ لوگوں کو مرید بنایا اور پھر آپ نے ان مریدوں کو مجاہدانہ زندگی گزارنے اور تربیت دینے کیلئے خانقاہیں تعمیر کیں۔ آپ نے سب سے پہلے خانقاہ مکہ شریف کے پہاڑ میں بنائی۔ پھر آپ نے خانقاہوں کا سلسلہ صحرا کی طرف پھیر دیا مختلف مقامات پر خانقاہیں قائم کیں۔ آپ نے اپنے مجاہدین کی مدد سے پانی نکال کر ان صحراؤں کو گل و گلزار بنا دیا۔ وہاں آپ نے ان مجاہدین کو فنون حرب سکھائے۔ جب سلطنت عثمانی لیبیا والوں کی مدد سے عاجز آگئے تو ان مجاہدین نے اٹلی کی فوجوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ انہی خانقاہوں کے مجاہدین برسر پیکار رہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اٹلی فوجوں کو ذلیل و رسوا کر دیا۔ اس طرح سلسلہ سنوسیہ کو نئی زندگی حاصل ہوئی۔

میں اس گہرائی میں نہیں جانا چاہتا کہ تصوف کی ابتدا زمانہ اسلام سے پہلے ہوئی یا

Marfat.com

بعد میں، لیکن میں یہ بھی کہہ سکتا ہوں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ صوفی نہیں تھے۔ آپ کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''میری امت میں بعض لوگ محدث ہیں اور عمر بھی ان میں سے ہے''۔ رسول اللہ ﷺ کے نزدیک حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو قرب الٰہی کا مقام حاصل تھا۔ حتیٰ کہ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ عمرہ کے لئے جانے لگے تو آپ نے ان سے فرمایا: ''اے بھائی! ہمیں اپنی دعاؤں میں نہ بھولنا''۔

میں یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ صوفی نہیں تھے۔ وہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جو ہمیشہ سخت مجاہدانہ زندگی گزارتے تھے اور اپنے نفس کا خاص خیال رکھتے تھے۔ اور انہی سے یہ قول منقول ہے جس کو بعض لوگوں نے نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب کر دیا ہے۔ آپ نے فرمایا: **رجعنا من الجهاد الاصغر الى الجهاد الاكبر** ''ہم جہاد اصغر (جہاد) سے جہاد اکبر (نفس سے جہاد) کی طرف لوٹ رہے ہیں''۔

آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ تم دنیا کی عظمت و شان سے دور بھاگو تو وہ تمہارے پیچھے آئے گی''۔

پہلے دور میں مشائخ عظام اور ان کے مریدین انتہائی مخلص ہوتے تھے بلکہ آجکل بھی بعض مخلص لوگ موجود ہیں۔ ہماری خواہش ہے کہ یہ مخلص لوگ تصوف کی تعلیم کو عام کریں جس طرح پہلے لوگوں نے اس سلسلہ میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ آجکل کے دور میں اصلاح معاشرہ اور اس کی تربیت کے لئے اس کی اشد ضرورت ہے۔

شیخ ابوزہرہ فرماتے ہیں کہ پہلے دور میں تصوف کی اتنی ضرورت نہیں تھی لیکن اس دور میں اس کی اشد ضرورت ہے۔ ایک ایسا شیخ کامل ہونا چاہئے جو نظام تصوف کو دوبارہ زندہ کرے۔ کیونکہ ہمارے نوجوانوں پر نفسانی خواہشات غالب ہیں حتیٰ کہ ہر وقت ان کے دلوں پر یہ چیز چھائی رہتی ہے سینما، ریڈیو، ٹی وی اور گھٹیا قسم کے رسائل ان کی گمراہی کا سبب ہیں۔ ہر نوجوان ان چیزوں کو پسند کرتا ہے۔ جب کسی قوم پر نفسانی خواہشات کا غلبہ ہو جائے پھر

Marfat.com

وہاں نہ تو علماء کے وعظ وارشادات فائدہ مند ثابت ہوتے ہیں اور نہ ہی مفکرین کی تحریریں۔حتیٰ کہ ارشاد وہدایت کے تمام وسائل بے فائدہ ہو جاتے ہیں۔ان حالات میں ضروری ہے کہ ہم ان لوگوں کی اصلاح کیلئے کوئی دوسرا طریقہ اختیار کریں۔یعنی ہم اپنے نوجوانوں پر غلبہ اور کنٹرول حاصل کریں اور یہ غلبہ شیخ طریقت اور مریدین کے ذریعے ہی ہو سکتا ہے لہذا ضروری ہے کہ قریہ قریہ اور بستی بستی ان لوگوں کی تربیت کے لئے ایک شیخ طریقت موجود ہو۔

بلکہ یہ رسول اللہ ﷺ سے مروی حدیث ہے جس کو امام ویلمی نے حضرت جابر سے روایت کیا ہے۔کہ ''شیخ اور مرید کے درمیان تعلق ہی ایسی چیز ہے جو تہذیب و تربیت کا بہترین ذریعہ بن سکتا ہے۔'' امام شافعی اپنی کتاب ''الموافقات'' میں فرماتے ہیں کہ استاذ وشاگرد کے درمیان ایک روحانی تعلق ہوتا ہے جس کی وجہ سے استاذ کی فکر شاگرد میں منتقل ہو جاتی ہے۔اور اسی طرح وہ تمام معلومات شاگرد کے ذہن پر نقش ہو جاتی ہیں جو اس کا استاد اسے مہیا کرتا ہے۔ہمیں بھی ایسے شیوخ کی ضرورت ہے جو نوجوانوں کے دلوں کو اپنی طرف کھینچتے ہیں اور انہیں ناجائز خواہشات سے روک کر محفوظ کر دیتے ہیں۔کچھ عرصہ پہلے ایک شخص نوجوان طبقہ کی طرف متوجہ ہوا تھا، اور اس نے ان کی تربیت کے لئے وہی طریقہ اختیار کیا تھا جو ایک شیخ اپنے مرید کے ساتھ کرتا ہے۔ اور اسے کافی حد تک کامیابی ہوئی تھی لیکن اس کے سیاست میں مشغول ہونے کی وجہ سے تمام نظام درہم برہم ہو گیا تھا۔اگر ہم اپنے نوجوانوں کو ان برائیوں سے محفوظ رکھنا چاہتے ہیں تو میرے نزدیک ضروری ہے کہ ہم صوفیائے کرام کی بارگاہ میں حاضر ہوں۔ میری نگاہ میں اس سے مؤثر کوئی دوسرا علاج نہیں ہے۔

خلاصہ کلام:

یہ ہے کہ تصوف دوسرے امور کی طرح ہے، کچھ برے لوگ اس میں داخل ہو گئے ہیں۔اگر اس کو ان لوگوں سے پاک کر کے خالصۃ روحانی مقصد کے لئے استعمال کیا

Marfat.com

جائے تو یہ اسلامی معاشرہ کی اصلاح کا بہترین ذریعہ ہے۔ آج کل کا مسلم نوجوان مختلف نفسانی خواہشات کا اسیر ہو گیا ہے جنہوں نے اس کو صراط مستقیم سے ہٹا دیا ہے اور اس کو دوبارہ صراط مستقیم پر لانے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ ان کے دلوں کو اپنی طرف مائل کیا جائے اور یہ کام ایک شیخ کامل ہی کرسکتا ہے۔ اگر نوجوان نسل کو تصوف کی طرف مائل کر دیا جائے اور ان کی اصلاح کر کے صراط مستقیم پر گامزن کیا جائے تو یہ تصوف کی بہت بڑی کامیابی اور افضل ترین عمل ہے۔

Marfat.com

تصوف اور مفکرین برصغیر پاک و ہند

﴿اضافہ از ناشر﴾

(1) اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک فتویٰ میں ارشاد فرماتے ہیں: ''شریعت منبع ہے اور طریقت اس میں سے نکلا ہوا ایک دریا، بلکہ شریعت اس مثال سے بھی متعالی ہے۔ منبع سے پانی نکل کر دریا بن کر جن زمینوں پر گزرے انہیں سیراب کرنے میں اسے منبع کی احتیاج نہیں، نہ اس سے نفع لینے والوں کو اصل منبع کی اس وقت حاجت، مگر شریعت وہ منبع ہے کہ اس سے نکلے ہوئے دریا یعنی طریقت کو ہر آن اس کی احتیاج ہے۔ منبع سے اس کا تعلق ٹوٹے تو یہی نہیں کہ صرف آئندہ کے لئے مدد موقوف ہو جائے۔ فی الحال جتنا پانی آ چکا ہے چند روز تک پینے نہانے، کھیتیاں باغات سینچنے کا کام دے، نہیں نہیں منبع سے تعلق ٹوٹتے ہی یہ دریا فوراً فنا ہو جائے گا۔ بوند تو بوند نم کا نام نظر نہ آئے گا۔ نہیں نہیں، میں نے غلطی کی کاش اتنا ہی ہوتا کہ دریا سوکھ گیا پانی معدوم ہوا، باغ سوکھے کھیت مرجھائے، آدمی پیاس سے تڑپ رہے ہیں، ہرگز نہیں۔ بلکہ یہاں اس مبارک منبع سے تعلق ٹوٹتے ہی یہ تمام دریا والبحر المسجور ہو کر شعلہ فشاں آگ ہو جاتا ہے جس کے شعلوں سے کہیں پناہ نہیں، پھر کاش وہ شعلے ظاہری آنکھوں سے سوجھتے تو جو تعلق توڑنے

Marfat.com

والے جلے خاک سیاہ ہوئے تھے، اتنے ہی جل کر باقی بچ جاتے کہ ان کا یہ بدانجام دیکھ کر عبرت پاتے مگر نہیں وہ تو نَارُ اللہِ الْمُوْقَدَةُ تَطَّلِعُ عَلَى الْأَفْئِدَةِ ہے۔ اللہ کی بھڑ کائی ہوئی آگ کہ دلوں پر چڑھتی ہے۔ اندر سے دل جل گئے ایمان خاک سیاہ ہوئے، اور ظاہر میں وہی پانی نظر آ رہا ہے۔ دیکھنے میں دریا اور باطن میں آگ کا دھارا۔ آہ آہ آہ! کہ اس پردے نے لاکھوں کو ہلاک کیا۔ پھر دریا و منبع کی مثال سے ایک اور فرق عظیم ہے جس کی طرف اشارہ گزرا کہ نفع لینے والوں کو اس وقت منبع کی حاجت نہیں، مگر حاشا یہاں منبع سے تعلق نہ بھی توڑیئے کہ پانی باقی رہے اور آگ نہ ہو جائے۔ جب بھی ہر آن سے اس کی جانچ پڑتال کی حاجت ہے۔ وہ یوں کہ یہ پاکیزہ شیریں دریا جو اس برکت والے منبع سے نکل کر اس دارالالتباس کی وادیوں میں لہریں لے رہا ہے۔ یہاں اس کے ساتھ ایک ناپاک سخت کھاری دریا بھی بہتا ہے۔

هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّهٰذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ

ایک خوب میٹھا شیریں ہے اور سخت نمک کھاری۔ وہ دریائے شور کیا ہے۔ شیطان ملعون کے وسوسے دھوکے، تو دریائے شیریں سے نفع لینے والوں کو ہر آن احتیاج ہے کہ ہر نئی لہر پر اس کے رنگت، مزے بو کو اصل منبع کے لون طعم ریح سے ملاتے رہیں کہ یہ لہر اسی منبع سے آئی ہوئی ہے یا شیطانی پیشاب کی بدبو کھاری دھار دھوکا دے رہی ہے۔ سخت وقت یہ ہے کہ اس پاک مبارک منبع کی کمال لطافت سے اس کا مزہ جلد زبان سے اتر جاتا ہے۔ رنگت بو کچھ یاد نہیں رہتی اور ساتھ ہی ذائقہ شامہ باصرہ کا معنوی حس فاسد ہو جاتا ہے کہ آدمی منبع سے جدا ہو، اور پھر اسے گلاب اور پیشاب میں تمیز نہیں رہتی۔ ابلیس کا کھاری بدبو بدرنگ موت غٹ غٹ چڑھاتا اور گمان کرتا ہے کہ دریائے طریقت کا شیریں خوشبو خوش رنگ پانی پی رہا ہوں۔ لہٰذا شریعت منبع و دریا کی مثال سے بھی نہایت متعالی ہے۔ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْأَعْلٰى شریعت مطہرہ ایک ربانی نور کا فانوس ہے کہ دینی عالم میں اس کے

Marfat.com

سوا کوئی روشنی نہیں۔ اس کی روشنی بڑھنے کی کوئی حد نہیں زیادت چاہئے۔ افزائش پانے کے طریقے کا نام طریقت ہے۔ نہ روشنی بڑھ کر صبح اور پھر آفتاب اور پھر اس سے بھی غیر متناہی درجوں زیادہ تک ترقی کرتی ہے، جس سے حقائق اشیاء کا انکشاف ہوتا اور نور حقیقی تجلی فرماتا ہے۔ یہ مرتبہ علم میں معرفت اور مرتبہ تحقیق میں حقیقت ہے۔ تو حقیقت میں وہی ایک شریعت ہے کہ باختلاف مراتب اس کے مختلف نام رکھے جاتے ہیں۔ جب یہ نور بڑھ کر صبح روشن کے مثل ہوتا ہے، ابلیس لعین خیر خواہ بن کر آتا اور اس سے کہتا ہے:

أَطْفِئِ الْمِصْبَاحَ فَقَدْ اَشْرَقَ الصَّبَاحَ

''چراغ ٹھنڈا کر کہ اب تو صبح خوب روشن ہوگئی''۔

اگر آدمی دھوکے میں نہ آیا اور نور فانوس بڑھ کر دن ہوگیا۔ ابلیس کہتا ہے کہ کیا اب بھی چراغ نہ بجھائے گا، آفتاب روشن ہے۔ احمق اب مجھے چراغ کی کیا حاجت ہے۔

ابلہے کو روز روشن شمع کا فوری نہد

ہدایت الٰہی اگر دستگیر ہے تو بندہ لاحول پڑھتا اور اس ملعون کو دفع کرتا ہے کہ یہ جسے تو دن یا آفتاب کہہ رہا ہے آخر کیا ہے۔ اسی فانوس کا تو نور ہے، اسے بجھایا تو نور کہاں سے آئے گا۔ اس وقت وہ دغا باز خائب خاسر پھرتا ہے اور بندہ نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ یَھْدِی اللّٰہُ لِنُوْرِہٖ مَنْ یَّشَاءُ کی حمایت میں نور حقیقی تک پہنچتا ہے۔ اور اگر دم میں آگیا اور سمجھا کہ وہاں دن تو ہوگیا، اب مجھے چراغ کی کیا حاجت رہی۔ ادھر فانوس بجھایا اور معاً اندھیرا گھپ کہ ہاتھ سے ہاتھ نہیں سوجھائی دیتا جیسا کہ قرآن عظیم نے فرمایا:

ظلمت بعضها فوق بعض اذا اخرج يده لم يكدیراها ومن لم يجعل الله له نورا فماله من نور۔

''ایک پر ایک اندھیریاں ہیں اپنا ہاتھ نکالے تو نہ سوجھے، اور جسے خدا نور نہ دے اس کے لئے نور کہاں۔''

Marfat.com

یہ ہیں وہ کہ طریقت بلکہ حقیقت تک تک پہنچ کر اپنے آپ کو شریعت سے مستغنی سمجھے، اور ابلیس کے فریب میں آ کر اس الٰہی فانوس کو بجھا بیٹھے۔ کاش یہی ہوتا کہ اس کے بجھنے سے جو عالمگیر اندھیرا ان کی آنکھوں میں چھایا جس نے دن دہاڑے چوپٹ کر دیا۔ ان کو اس کی خبر ہوتی کہ شاید توبہ کرتے۔ فانوس کا مالک ندامت والوں پر مہر رکھتا ہے پھر انہیں روشنی دیتا، مگر ستم اندھیر تو یہ ہے کہ دشمن ملعون نے جہاں فانوس ختم کرائی اس کے ساتھ ہی معاً اپنی سازشی بتی جلا کر ان کے ہاتھ میں دے دی۔ یہ اسے نور سمجھ رہے ہیں اور وہ حقیقتاً نار ہے۔ یہ مگن ہیں کہ شریعت والوں کے پاس کیا ہے ایک چراغ ہے ہمارا، نور آفتاب کو لجا رہا ہے۔ وہ قطرہ اور یہ ایک دریا ہے۔ اور خبر نہیں کہ وہ حقیقۃ نور ہے اور یہ دھوکے کی ٹٹی آنکھ بند ہوتے ہی حال کھل جائے گا

کہ با کہ باختہ عشق در شب دیجور۔

بالجملہ شریعت کی حاجت ہر مسلمان کو ایک ایک سانس ایک ایک پل ایک ایک لحہ پر مرتے دم تک ہے۔ اور طریقت میں قدم رکھنے والوں کو اور زیادہ، کہ راہ جس قدر باریک اسی قدر ہادی کی زیادہ حاجت۔ ولہذا حدیث میں آیا حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا:

اَلْمُتَعَبِّدُ بِغَیْرِ فِقْهٍ کَالْحِمَارِ فِی الطَّاحُوْنِ

''بغیر فقہ کے عبادت میں پڑنے والا ایسا ہے جیسا چکی کھینچنے والا گدھا کہ مشقت جھیلے اور نفع کچھ نہیں''

رواہُ ابُو نعیم فِی الْحِلْیَةِ مِنْ دَاثِلَةِ بْنِ الْاَسْقَع رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُ

مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہ الکریم فرماتے ہیں:

تصم ظهری اثنان جاهل متنسک وعالم منهتک

''دو شخصوں نے میری پیٹھ توڑ دی یعنی وہ بلائے بے درماں ہیں جاہل عابد اور عالم کہ علانیہ بے باکانہ گناہوں کا ارتکاب کرے۔''

Marfat.com

اے عزیز! شریعت عمارت ہے۔ اس کا اعتقاد بنیاد اور عمل چنائی، پھر اعمال ظاہر وہ دیوار ہیں کہ اس بنیاد پر ہوا میں چنے گئے، اور جب تعمیر اوپر بڑھ کر آسمان تک پہنچی وہ طریقت ہے۔ دیوار جتنی اونچی ہوگی نیو کی زیادہ محتاج ہوگی۔ اور نہ صرف نیو بلکہ اعلیٰ حصہ اسفل حصے کا بھی محتاج ہے۔ اگر دیوار نیچے سے خالی کر دی جائے اوپر سے بھی گر پڑے گی۔ احمق وہ جس پر شیطان نے نظر بندی کر کے اس کی چنائی آسمانوں تک دکھائی، اور دل میں ڈالا کہ ''اب ہم تو زمین کے دائرے سے اونچے گزر گئے۔ ہمیں اس سے تعلق کی کیا حاجت ہے''۔ نیو سے دیوار جدا کر لی۔ اور نتیجہ وہ ہوا جو قرآن عظیم نے فرمایا کہ:

فَانْهَارَ بِهٖ فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ

''اس کی عمارت اسے لے کر جہنم میں ڈھے پڑی''۔

وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ اسی طرح اولیاء کرام فرماتے ہیں: ''جاہل صوفی شیطان کا مسخرہ ہے''۔ اس لئے حدیث میں آیا حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا:

فَقِیْهٌ وَاحِدٌ اَشَدُّ عَلَی الشَّیْطَانِ مِنْ اَلْفِ عَابِدٍ

''ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابدوں سے زیادہ بھاری ہے۔''

رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا

''بے علم مجاہدہ والوں کو شیطان انگلیوں پر نچاتا ہے۔ منہ میں لگام ناک میں نکیل ڈال کر جدھر چاہے کھینچے پھرتا ہے۔''

وَهُمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ یُحْسِنُوْنَ صُنْعًا

''وہ اپنے جی میں سمجھتے ہیں کہ ہم اچھا کام کر رہے ہیں'' (شریعت و طریقت)

سید جلال الدین قادری اپنی کتاب ''امام احمد رضا کا نظریہ تعلیم'' میں رقم طراز ہیں کہ ''برصغیر میں اسلام صوفی علماء کی کوششوں سے پھیلا اور جب بھی اسلام پر ابتلا عام کا دور آیا انہی صوفیاء نے بڑھ کر اصلاح کا بیڑا اٹھایا۔ سلطان الہند خواجہ غریب نواز

Marfat.com

اجمیری، سلطان الاولیاء حضور داتا گنج بخش علی ہجویری، امام ربانی مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی، محقق علی الاطلاق شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور دوسرے علماء نے تصوف کی شیریں مقالی سے اعلاء کلمۃ الحق، تجدید و احیائے دین اور اصلاح احوال کا فریضہ سرانجام دیا۔

امام احمد رضا قدس سرہٗ کے عہد میں دیگر فتنوں کے علاوہ تصوف سے برگشتہ کرنے کی مذموم سازش کی جارہی تھی۔ کچھ جاہل متصوف غیر شرعی حرکات کو تصوف کا نام دے رہے تھے، اکابر اسلاف کی اتباع میں آپ نے مسلمانوں کے روحانی امراض کے علاج کے لئے تصوف کا مجرب عمل دہرایا۔ خود جلیل القدر مشائخ عظام سے سلاسل طریقت کی اجازتیں حاصل کیں، اور علماء و مشائخ اخلاف کو ان اجازات سے نوازا۔ اگرچہ مفتی کا کام صرف جسمانی احکام سے متعلق جواز و عدم جواز کا حکم جاری کرنا ہوتا ہے۔ مگر امام احمد رضا قدس سرہ نے افتاء کی ذمہ داریوں کے ساتھ تصوف کی تعلیم کو بھی رائج کیا۔۔

(الف) آپ نے علوم نافعہ کثیرہ کے فضائل بیان کرتے ہوئے تصوف کو بھی ان علوم نافعہ میں شمار فرمایا۔ فرماتے ہیں:

''اور ان کا ضابطہ یہ ہے کہ وہ علوم جو آدمی کو اس کے دین میں نافع ہوں۔ خواہ اصالتہً فقہ و حدیث و تصوف، بے تخلیط، و تفسیر قرآن بے افراط، و تفریط خواہ وساطتہً مثلاً ''نحو و صرف و معانی و بیان کہ فی حد ذاتہٖ امر دینی نہیں، مگر فہم قرآن و حدیث کے لئے وسیلہ ہیں''۔ (فتاویٰ رضویہ۔ جلد دہم۔ ص ۱۲)

(ب) تصوف کے بارے میں اکثر لوگ افراط و تفریط میں پڑ کر جادۂ حق سے ہٹ گئے اور کچھ انکار کر بیٹھے اور کچھ غلو و مبالغہ میں پڑ گئے۔ مگر امام احمد رضا قدس سرہ تصوف بے تخلیط کے مؤید و عامل ہیں۔ اس سلسلہ میں آپ کا ارشاد ملاحظہ ہو۔

''شریعت اصل ہے اور طریقت اس کی فرع، شریعت منبع ہے اور طریقت اس سے نکلا ہوا دریا۔ طریقت کی جدائی شریعت سے محال و دشوار ہے۔ شرعت پر ہی طریقت کا

Marfat.com

دارومدار ہے شریعت ہی اصل کار محک ومعیار ہے۔ شریعت ہی وہ راہ ہے جس سے وصول الی اللہ ہے۔ اس کے سوا آدمی جو راہ چلے گا، اللہ تعالیٰ کی راہ سے دور جا پڑے گا۔ طریقت میں جو کچھ منکشف ہوتا ہے۔ شریعت مطہرہ ہی کی اتباع کا صدقہ ہے۔ جس حقیقت کو شریعت رد فرمائے وہ حقیقت نہیں بے دینی اور زندقہ ہے۔'' (بیعت وخلافت)

عبدالعزیز عرفی اپنے مقالہ ''فاضل بریلوی کا مسلک (شریعت مطہرہ کا مظہر)''

میں لکھتے ہیں:

''باطن کی طہارت سے متعلق اسلام نے شریعت مطہرہ کے اندر رہتے ہوئے اپنے طور وطریق اور اصول وضوابط مرتب کیے جو کہ عامۃ الناس میں تصوف کے نام سے معروف ہیں۔ اسی لئے اسلامی تصوف اس تصوف سے قطعی جدا ہے جو باطن کی صفائی کے نام پر دیگر مذاہب میں پایا جاتا ہے۔ اسی لئے اس راہ پر گامزن ہونے کے لئے ایسے رہبرو رہنما اور پیرو مرشد کی ضرورت ہوتی ہے جو شریعت وطریقت کا علم بھی رکھتا ہو اور اس پر عمل پیرا بھی ہو۔ لیکن بدقسمتی سے ہمارے ہاں ایسے افراد بھی پیری مریدی کا ڈھونگ رچا لیتے ہیں جن کے پاس نہ علم ہوتا ہے اور نہ عمل۔ وہ ظاہری رنگ وروپ اختیار کر کے ضعیف الاعتقاد لوگوں کو فریب دیتے رہتے ہیں۔ اسی لاعلمی کی بناء پر بہت سی غیر اسلامی باتیں دیگر مذاہب کی اختیار کر لی جاتی ہیں۔ فاضل بریلوی نے ایسے نام نہاد پیروں اور غیر اسلامی باتوں کی سختی سے مخالفت کی ہے۔ ایک فتوے میں وہ پیرو مرشد میں چار ضروری شرائط کی نشاندہی کرتے ہیں''۔ (فتاویٰ افریقہ ص ۱۴۶ تا ۱۴۷)

(۱) شیخ کا سلسلہ باتصال صحیح حضور اقدس ﷺ تک پہنچا ہو۔ بیچ میں منقطع نہ ہو کہ منقطع کے ذریعہ سے اتصال ناممکن۔ بعض لوگ بلا بیعت محض بزعم وراثت اپنے باپ دادا کے سجادے پر بیٹھ جاتے ہیں، یا بیعت تو کی تھی لیکن خلافت و اجازت نہ تھی بلا اذان مرید کرنا شروع کر دیا۔

Marfat.com

(۲) شیخ سنی صحیح العقیدہ ہو۔مکاری کے لئے پیری مریدی کا جال نہ پھیلا رکھا ہو۔

(۳) عالم ہو، یعنی علم فقہ اپنی ضرورت کے قابل اور کافی جانتا ہو۔اہلسنت کے عقائد سے واقفیت رکھتا ہو۔کفر و اسلام اور ضلالت و ہدایت کے فرق کا عارف ہو۔

(۴) فاسق معلن نہ ہو۔

فاضل بریلوی اس فتوے میں بیعت کی اقسام بیان کرتے ہوئے مزید رقم طراز ہیں:

''بیعت کی بھی دو قسم ہیں: (۱) اول بیعت برکت کہ صرف تبرک کے لئے داخل سلسلہ ہو جانا۔آجکل عام بیعتیں بھی ہیں وہ بھی نیک نیتوں کی۔ ورنہ بہتوں کی بیعت دنیاوی اغراض فاسدہ کے لئے ہوتی ہیں وہ خارج از بحث ہیں۔اس بیعت کے لئے شیخ اتصال کہ شرائط اربع (مذکورہ بالا) کا جامع ہو، بس ہے۔اقول بے کار یہ بھی نہیں مفید اور بہت مفید دنیا و آخرت میں بکار آمد ہے۔محبوبان خدا کے غلاموں کے دفتر میں نام لکھ جانا، ان سے سلسلہ متصل ہو جانا فی نفسہ سعادت ہے۔

(۲) دوئم بیعت ارادت کہ اپنے ارادہ و اختیار سے یکسر باہر ہو کر اپنے آپ کو شیخ مرشد ہادی برحق واصل بحق کے ہاتھ میں بالکل سپرد کر دے۔اسے مطلقاً اپنا حاکم و مالک و متصرف جانے۔اس کے چلانے پر راہ سلوک چلے۔کوئی قدم بے اس کی مرضی کے نہ رکھے۔اس کے لئے اس کے بعض احکام یا اپنی ذات میں خود اس کے کچھ کام اگر اس کے نزدیک صحیح نہ معلوم ہوں انہیں افعال خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مثل سمجھے، اپنی عقل کا قصور جانے، اس کی کسی بات پر دل میں بھی اعتراض نہ لائے۔اپنی ہر مشکل اس پر پیش کرے۔غرض اس کے ہاتھ میں مردہ بدست زندہ ہو کر رہے۔ یہ بیعت سالکین ہے اور یہی مقصود مشائخ مرشدین ہے۔یہی اللہ عزوجل تک پہنچاتی ہے۔یہی حضور اقدس ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے لی ہے'' (فتاویٰ افریقہ)

Marfat.com

فاضل بریلوی کی ان واشگاف تحریروں سے یہ حقیقت قطعی واضح ہے کہ وہ ان نام نہاد پیروں کو جو بلا بیعت محض بزعم وراثت اپنے باپ دادا کے سجادے پر بیٹھ جاتے ہیں، یا خلافت واجازت کے بغیر بلا اذن مرید کرنے لگتے ہیں، برحق تسلیم نہیں کرتے۔ وہ ان لوگوں کو بھی پسند نہیں کرتے جو ''دنیاوی اغراض ومقاصد کے لیے'' راہ بیعت اختیار کرتے ہیں۔ ان کی نظر میں ایسے پیر اور مرید دونوں غلط ہیں۔ لہٰذا ایسے حضرات کو ان کے مسلک کیوں کر وابستہ کیا جا سکتا ہے۔ مزید قابل افسوس بات تو یہ ہے کہ لوگ لاعلمی اور بدگمانی کی بناء پر ان خود ساختہ پیروں کو بھی فاضل بریلوی کے مسلک سے منسوب کر دیتے ہیں جو نہ صرف شریعت وطریقت کے علوم وآداب سے ناواقف ہوتے ہیں! بلکہ اپنی عیاری ومکاری سے سادہ لوح لوگوں کو فریب دیتے ہیں۔ ایسے لوگ تو معاشرہ اسلامی میں گم کردہ راہ ہوتے ہیں۔ ان کی اصلاح ہر ایک پر واجب ہے۔

فاضل بریلوی کا مسلک تو اس پیری ومریدی کا علم بردار ہے جو بندہ کے قلب کو حب رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام سے معمور کرتا ہے اور اس کا تعلق الی اللہ قائم کر دیتا ہے۔ انہیں طریقہ قادریہ سے نسبت حاصل تھی اور اسی راہ سے انہوں نے سلوک کی منزلیں طے کی تھیں۔ انہوں نے غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے دامن کو تھاما اور فلاح پائی۔ ایسے ہی مریدوں کی نشاندہی کرتے ہوئے حضرت قدس سرہ العزیز نے فرمایا تھا:

''جب میں سچے مرید کا منہ دیکھتا ہوں جس نے میرے ہاتھوں پر فلاح حاصل کی تو سیر ہو جاتا ہوں، صاحب لباس ہو جاتا ہوں''۔ (الفتح الربانی)

(۲) ضیاء الامت حضرت جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ

''گزشتہ زمانے میں اور آج بھی، اپنوں نے بھی اور بیگانوں نے بھی، بدنیتی سے یا غلط فہمی کے باعث، بڑی بے رحمی سے طعن وتشنیع کے تیروں کا مینہ برسایا ہے۔ اور آج اس تحریک میں مزید شدت پیدا ہوتی جا رہی ہے۔ یہاں تک کہ عدل وتحقیق کا دامن بھی بسا

Marfat.com

اوقات ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے۔اس حالیہ شدت کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ مادی لذتوں کی طرف رجحان روز بروز بڑھتا جارہا ہے، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جو لوگ تصوف کے علمبردار بنے بیٹھے ہیں ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو باعث رسوائی اسلاف ہیں، یا اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے آثار کو دیکھ کر ابلیسی قوتیں ہراساں ہیں۔ اور وہ مسلمانوں کو اس چشمہ حیات سے بدظن اور متنفر کرنے کا قبل از وقت پروگرام بنا رہی ہیں۔ تا کہ مسلمان اس بیداری سے پوری طرح فائدہ اٹھانے کے قابل نہ رہیں۔ وجہ کچھ بھی ہو ہمیں حقیقت پسندی سے کام لیتے ہوئے ان اعتراضات کا جائزہ لینا چاہئے۔ انہوں نے اگر کسی واقعی خامی کی نشاندہی کی ہے تو اس کے ازالہ کی طرف متوجہ ہونا چاہئے اور اگر انہوں نے غلط اعتراضات کئے ہیں تو ان کا مسکت جواب دینا چاہیئے۔

ایک بات میں ابتداء ہی میں صاف طور پر کہہ دینا چاہتا ہوں کہ ہمیں اس سے انکار نہیں کہ صوفیاء کی صفوں میں ایسے لوگ بھی درآئے ہیں جو بظاہر عابد و زاہد نظر آتے ہیں لیکن دراصل اپنے زہد و عبادت کو حصول مال و جاہ کا ذریعہ بنائے ہوئے ہیں لیکن مجھے یہ تو بتائیے انسانی زندگی کا کون سا شعبہ ایسا ہے جہاں یہ کالی بھیڑیں موجود نہیں۔ علماء، اطباء، قضاۃ، تجار، صنعت کار، سب جگہوں پر ایسے لوگ موجود ہیں جو اپنے طبقہ کے لئے ننگ و عار کا باعث ہیں۔ لیکن اگر ان کے وجود سے صحیح اور راستباز لوگوں کی افادیت کم نہیں ہوئی تو جعلی صوفیوں کے ہتھکنڈوں سے بھی صوفیاء کرام کی عظمت پر حرف نہیں آسکتا، ہم جن صوفیاء کے بارے میں کلام کریں گے وہ، وہ لوگ ہیں جو صحیح معنی میں اس لقب کے اہل ہیں۔

پہلا اعتراض

تصوف پر سب سے بڑا اعتراض یہ کیا جاتا رہا ہے اور اب بھی کیا جارہا ہے کہ:

''اس کا ماخذ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ نہیں بلکہ یہ ایک اجنبی چیز ہے جسے اسلام میں زبردستی ٹھونس دیا گیا ہے''۔ لیکن جب ان معترضین سے اس اجنبی مصدر اور منبع کے

Marfat.com

بارے میں استفسار کیا جاتا ہے تو بھانت بھانت کی بولیاں سننے میں آتی ہیں، اور انسان تصویر حیرت بن کر رہ جاتا ہے کہ تصوف کے کس معترض کی بات کو وقیع اور وزنی سمجھا جائے اور کسے لایعنی سمجھ کر نظرانداز کر دیا جائے۔ ان معترضین کا باہمی اختلاف اور کسی ایک منبع پر متحد نہ ہونا ہی ان کے اس قول کے بطلان کے لئے کافی ہے۔ لیکن پھر بھی ہم تمام اقوال کا ایک ایک کر کے ذکر کرتے ہیں، اور اس کا علمی تجزیہ قارئین کرام کی خدمت میں پیش کرتے ہیں، وہ خود ہی حق و باطل میں امتیاز کر لیں گے۔

☆ معترضین کا ایک طبقہ جس میں مستشرقین کے جید علماء بھی شامل ہیں، یہ کہتا ہے کہ تصوف کا مآخذ ہندوؤں کے وید ہیں، وہ بڑے وثوق سے دعویٰ کرتے ہیں کہ تصوف میں چلہ کشی، ریاضت وغیرہ کے سارے طریقے ہندو جوگیوں اور سادھوؤں سے مستعار لئے گئے ہیں۔ اس طبقہ کا سرخیل ہارٹن (Horton) بلوشیٹ (Blochet) اور میسگنن (Massignon) ہیں۔ یہ لوگ بڑی بڑی کتابوں کے مصنف ہیں اور بڑے محقق اور مدقق شمار ہوتے ہیں۔ معلوم نہیں ان صاحبان کو اس بے مقصد تکلف کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی۔ کیا انہیں معلوم نہیں کہ مسلمان صوفیاء کے ہادی اور راہبر نبی کریم ﷺ نے غار حرا میں چلہ کشی کی تھی اور ذکر الہٰی پر مداومت کے متعدد احکام قرآن کریم اور احادیث نبوی میں بصراحت موجود ہیں۔ اور یہ سب اس وقت ان کو میسر تھا جبکہ ہندوؤں کے تہذیب و تمدن کے بارے میں جزیرۂ عرب کے باشندوں کو سطحی قسم کی معلومات بھی میسر نہ تھیں۔ اس لئے صوفیاء کرام کی ریاضتوں اور چلہ کشیوں کو ہندو جوگیوں کی طرف منسوب کرنا لغویت کی انتہا ہے۔ مزید برآں دونوں ریاضتوں کے مقاصد میں بعد المشرقین ہے۔

☆ دوسرا طبقہ ان معترضین کا ہے جو مسلمانوں کے زہد و تبتل کو بدھ مت سے ماخوذ سمجھتے تھے۔ گولڈزیہر (Goldziher) اور اولیری (O,Leary) کے پایہ کے مستشرق بھی یہ کہتے ہوئے نہیں تھکتے کہ صوفیاء کا دنیا سے قطع تعلق درحقیقت گوتم بدھ کی تقلید ہے۔

Marfat.com

جس طرح اس نے تخت و تاج کو ترک کر کے فقر و فاقہ کی زندگی اختیار کر لی تھی، اسی طرح مسلمان صوفیاء نے بھی اپنے گھروں کے راحت و آرام کو ترک کر کے جنگلوں اور پہاڑوں کے غاروں میں آ کر بسیرا کیا۔ لیکن اتنا بڑا الزام لگانے سے پہلے ان حضرات نے یہ غور کرنے کی زحمت برداشت نہیں کی کہ گوتم بدھ خدا کے وجود کا منکر ہے۔ وہ نفس انسانی ہی کو سب کچھ خیال کرتا ہے۔ اس کے برعکس مسلمان اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی وحدانیت پر پختہ ایمان رکھتے ہیں، اور یہ ریاضتیں مقصود بالذات نہیں، بلکہ بارگاہ الٰہی میں شرف باریابی حاصل کرنے کا ایک ذریعہ ہیں۔

بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ اسلام کا تصوف دراصل ایرانی تصوف کا آئینہ دار ہے۔ عرب ہر لحاظ سے ایران سے فروتر تھے۔ انہوں نے ان سے ہی سب کچھ لیا ہے، ایرانیوں کو دینے کے لئے ان کے پاس کوئی چیز نہ تھی۔ اگر یہ لوگ اسلام سے پہلے کی بات کہہ رہے ہیں تو ہم اسے تسلیم کر لیتے ہیں لیکن ہم اس زمانہ سے کوئی سروکار نہیں رکھتے، ہماری بحث اس تصوف سے ہے جو آفتاب اسلام کے طلوع ہونے کے بعد رونما ہوا۔ جب قرآن کریم کے فیضان سے عرب مسلمانوں کی جھولیاں علم و حکمت کے جواہرات سے بھر گئیں تو وہ اپنے گھروں سے نکل کر دنیا کے گوشہ گوشہ میں پہنچے اور بڑی دریا دلی اور فیاضی سے انہوں نے ان جواہرات کو لٹایا۔ تاریخ کا ایک ادنیٰ طالبعلم یہ کہنے کی جسارت نہیں کر سکتا کہ اہل فارس نے عرب مسلمانوں کو دینی، تہذیبی اور علمی اعتبار سے متاثر کیا، بلکہ یہ وہ عرب تھے جنہوں نے اپنی ظاہری فتوحات کے جھنڈے گاڑنے کے بعد اہل ایران کے عقائد، نظریات و افکار اور تہذیب و تمدن کو یکسر بدل کر رکھ دیا۔ جب اسلام کی برکت سے اہل فارس آتش پرستی چھوڑ کر خداوند واحد و یکتا کے پرستار بن گئے۔ باقی اور کیا چیز تھی جس کے لئے مسلمان صوفی ان کے شکست خوردہ افکار سے دریوزہ گری کرتے۔ پروفیسر براؤن کا یہ کہنا سراسر خلاف حقیقت ہے کہ ایرانی افکار نے عربوں کو متاثر کیا اور اسی سے تصوف ماخوذ ہے اسکا حقیقت سے کوئی تعلق

Marfat.com

نہیں۔ بہر حال اگر کہیں کچھ مشابہت پائی بھی جاتی ہے تو اس سے ہرگز یہ لازم نہیں آتا کہ اسلامی تصوف اہل فارس کے نظریات سے ماخوذ و مستعار ہے۔ اسلام کا تصوف صرف اسلام سے ماخوذ ہے، اور وہ الگ اعتبار سے ایک الگ اور جداگانہ چیز ہے۔

معترضین کے گروہ کا یہ خیال ہے کہ اسلام کے تصوف پر نصرانی تصوف کا بہت بڑا اور گہرا اثر ہے۔ اس دعویٰ کی تائید کے لیے وہ یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ عربوں اور عیسائیوں میں عہد قدیم سے باہمی روابط تھے۔ عرب ایک غیر متمدن اور جاہل قوم تھے جب کہ عیسائی دنیا علم و حکمت کے نور سے جگمگا رہی تھی۔ اس لئے لازمی طور ر مسلمان صوفیوں نے عیسائی راہبوں سے تصوف سیکھا اور اس کو اپنایا۔ ہم عرض کرتے ہیں کہ اسلام کی آمد سے پہلے کے بارے میں آپ کا یہ نظریہ درست ہو سکتا ہے، لیکن ہم اس زمانہ کی بات کر رہے ہیں کہ جب عرب کے ظلمت کدہ کو وحی الٰہی کے نور تاباں نے رشک صد طور بنا دیا تھا۔ اور ان ابجد ناشناسوں کو نہاں خانہ تقدیر کے اسرار و رموز سے آشنا کر دیا تھا۔ حضور نبی کریم ﷺ نے خود اپنے ماننے والوں کو دنیا کی لذتوں میں کھو جانے سے سختی کے ساتھ روکا تھا۔ قرآن کریم کی صدہا آیات ایسی ہیں جو مسلمانوں کو زہد و تقویٰ کی تلقین کرتی ہیں اور دنیا کی بے ثباتی کا نقش لوح قلب پر ثبت کرتی ہیں۔ سورۃ الحدید کی ایک آیت ملاحظہ ہو۔

اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا وَفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ (آیت: ۲۰)

ترجمہ: ''تم خوب جان لو کہ دنیوی زندگی محض لہو و لعب، زینت اور ایک دوسرے

پر اترانے اور مال و اولاد میں زیادتی پر فخر کرنے کا نام ہے۔ جیسے مینہ ہے اور اس کی پیداوار کاشت کاروں کو اچھی معلوم ہوتی ہے۔ پھر وہ خشک ہو جاتی ہے، سو تو

Marfat.com

اس کو زرد دیکھتا ہے پھر وہ چورا چور ہو جاتی ہے۔ اور آخرت میں عذاب شدید ہے اور خدا کی طرف سے مغفرت اور رضا مندگی بہت بہتر چیز ہے، اور نہیں ہے دنیا مگر دھوکے کا سامان"۔

اور حضور ﷺ کی ایک حدیث بھی سماعت فرمایئے:

ان مما اخاف علیکم من بعدی مایفتح علیکم من زھرة الدنیا و زینتھا۔ (بخاری و مسلم)

ترجمہ: "اپنے بعد میں تم سے جس چیز کے بارے میں ڈرتا ہوں، وہ یہ ہے کہ دنیا کی زینت اور کامیابی کے دروازے تم پر کھول دیئے جائیں گے۔"

خود سوچئے کہ جس قوم کے پاس ان کی کتاب مقدس میں زہد و پرہیز گاری کے اتنے مؤثر مواعظ موجود ہوں انہیں ان پریشان حال راہبوں کی تقلید کی کیا ضرورت ہے، جو خود بے یقینی کی موجوں کے تھپیڑے کھا رہے ہیں۔ اسی طرح عبادت الٰہی کی تلقین و ترغیب میں قرآن کریم کی بے شمار آیات موجود ہیں، ان کے ہوتے ہوئے کسی اور واعظ کی ایک مومن کو کیوں ضرورت محسوس ہوگی۔ ارشاد ربانی ہے:

وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَاتَكُنْ مِّنَ الْغَافِلِيْنَ (الاعراف۔ ۲۰۵)

ترجمہ: "اپنے رب کو یاد کرو، اپنے دل میں عاجزی اور خوف کے ساتھ، زور کی آواز کی نسبت کم آواز کے ساتھ صبح اور شام، اور غافلوں میں مت ہو جانا"۔

يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا

ترجمہ: "اے ایمان والو! تم اللہ کو خوب کثرت سے یاد کیا کرو۔ اور صبح و شام اس کی تسبیح کرتے رہا کرو"۔

قرآن کریم کی دوسری سورت کی یہ دل افروز اور روح افزا آیت بھی پڑھ لیجئے:۔

Marfat.com

فَاذْكُرُوْنِیْ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْالِیْ وَلَاتَكْفُرُوْنِ (البقرۃ: ۱۵۲)

ترجمہ: ''تم مجھے یاد کیا کرو۔ میں تمہیں یاد کیا کروں گا۔ میرا شکر ادا کرو اور ناشکری نہ کرو۔''

جب ذکر الٰہی کے لئے ایسی آیات موجود ہوں تو ان کے ہوتے ہوئے کسی مسلمان کو کسی غیر کی طرف متوجہ ہونا کم از کم ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔ مستشرقین جن کے غول کے غول اسلامی تصوف کو غیر اسلامی ثابت کرنے کے جنون میں جگہ جگہ ٹامک ٹوئیاں مارتے ہوئے نظر آتے ہیں، ان میں چند ایسی شخصیتیں بھی ہیں جنہوں نے پہلے تو اپنے پیشرووں کی تقلید کرتے ہوئے اسلامی تصوف کو غیر اسلامی افکار کا نتیجہ کہا ہے لیکن مزید تحقیق کے بعد جب حقیقت ان کے سامنے واشگاف ہوگئی تو انہوں نے بڑی جرأت سے اپنے سابق افکار و نظریات سے رجوع کیا۔ یہی نکلسن جو پہلے تصوف کو عیسائیت کا عطیہ کہتے رہے، بعد میں ''انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھک'' میں تصوف کے موضوع پر اظہار خیال کرتے ہوئے اعتراض کرتے ہیں کہ ''آج تک اسلامی تصوف کے آغاز و نشو و نما کے بارے میں غلط اندازے لگائے گئے ہیں۔ یہ کہنا کہ تصوف اسلامی میں باہر سے آیا قطعاً قابل تسلیم نہیں، بلکہ روز اول ہی سے مسلمانوں میں ایک ایسا گروہ تھا جو تلاوت قرآن اور مطالعہ حدیث میں مشغول رہتا تھا، اور ان کے تمام افکار و نظریات کا منبع قرآن و سنت کے بغیر کچھ بھی نہیں تھا۔''

اکابر صوفیاء نے اپنی مستند کتب میں اس بات کو واضح طور پر لکھ دیا ہے کہ صوفی کے لئے کتاب و سنت کے ارشادات پر عمل پیرا ہونا کامیابی کے لئے شرط اول ہے۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول ہر قسم کے شک و شبہ کے بطلان کے لئے کافی ہے، فرماتے ہیں:

''ایں راہ کس یابد کہ کتاب بردست راست گرفتہ باشد و سنت مصطفی ﷺ بردست چپ و در روشنائی ایں دو شمع میرود تا نہ در مغاک شبہت افتد نہ در ظلمت بدعت''۔

(تذکرۃ الاولیاء، شیخ عطار ص ۸)

Marfat.com

ترجمہ: ''یہ راہ تو وہی شخص پا سکتا ہے جس کے دائیں ہاتھ میں قرآن پاک ہو اور بائیں ہاتھ میں سنت مصطفیٰ ﷺ، اور ان دونوں شمعوں کی روشنی میں وہ قدم بڑھاتا جائے تاکہ نہ شبہات کے گڑھوں میں گرے اور نہ بدعت کے اندھیروں میں پھنسے۔

شیخ ابوبکر طمستانی فرماتے ہیں:

الطریق واضح والکتاب والسنة قائم بین اظهرنا

''راستہ کھلا ہوا ہے اور کتاب وسنت ہمارے سامنے موجود ہے۔

حضرت شاہ کلیم اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ایک خط میں لکھتے ہیں:

''اے برادر! در تفاوت مراتب فقرا اگر امروز خواہی کہ دریابی بجانب شریعت اور نگاہ کن کہ شریعت معیار ست۔ عیار فقیر بر شریعت روشن میگردد۔''

ترجمہ:''اے بھائی! اگر تم فقراء کے مراتب کا پتہ آج لگانا چاہو تو ان کے اتباع شریعت پر نظر کرو۔ شریعت معیار ہے، اس کسوٹی پر فقیر کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے''۔

صوفیاء کرام نے خود بھی کتاب وسنت پر عمل کیا اور اپنے حلقہ عقیدت میں داخل ہونے والوں کو کتاب وسنت کی پیروی کی تاکید فرمائی۔ مندرجہ بالا تصوریحات کے علاوہ آپ قوت القلوب رسالہ قشیریہ، کشف المحجوب، عوارف المعارف، فوائد الفواد غیرہ کا مطالعہ کریں۔ آپ کو ان کے ہر ہر صفحہ پر کتاب وسنت پر عمل کرنے کی تلقین ملے گی۔ ان اس کے باوجود اگر کوئی شخص تصوف کو شریعت کے خلاف کہتا ہے تو اس کی اپنی مرضی!

دوسرا اعتراض

معترضین یہ بھی کہتے ہیں کہ

''تصوف جاہلوں اور ناخواندہ لوگوں کا مسلک ہے۔ جو لوگ زیور علم سے آراستہ ہیں اور تحقیق وتدقیق کے میدان میں یدطولیٰ رکھتے ہیں، وہ تصوف کے قریب بھی نہیں پھٹکتے''

یہ ایک ایسا الزام ہے، جو الزام لگانے والوں کی کم نظری اور لاعلمی پر دلالت کرتا

Marfat.com

ہے۔ اکابر صوفیاء اپنے اپنے زمانہ میں علم وفضل میں بھی اپنی نظیر نہیں رکھے تھے وہ اپنے ہمعصر علماء وفضلاء پر ہر لحاظ سے فوقیت رکھتے تھے بلکہ تصوف کے میدان میں قدم رکھنے سے پہلے وہ علوم وفنون میں مہارت حاصل کرنا ضروری سمجھے تھے۔ حضرت غوث الاعظم، حضرت خواجہ معین الحق والدین اجمیری، حضرت شہاب الدین سہروردی، غوث العالمین شیخ الاسلام حضرت بہاء الحق والدین زکریا ملتانی، حضرت بہاؤ الدین نقشبندی، حضرت مجدد الف ثانی والشاھم قدس اللہ اسرارھم نہ صرف اقلیم فقر و درویشی کے شہنشاہ تھے بلکہ کشور علم وفضل کے بھی تاجدار تھے۔ کون ہے جو ان حضرات اور ان کے جلیل القدر خلفاء پر جہالت کی تہمت لگا سکے۔ ان کی تصانیف آج بھی اہل علم وتحقیق سے خراج تحسین وصول کر رہی ہیں۔ حضرت فرید الدین مسعود شکر رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ''جاہل کبھی مسخر شیطان ہو جاتا ہے اس کی نگاہ حقیقت اور سراب میں امتیاز کرنے سے قاصر رہتی ہے۔ وہ دل کی بیماریوں کی صحیح تشخیص اور مناسب علاج نہیں کرسکتا''۔

حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے:

''پیر آن چناں باید کہ در احکام شریعت وطریقت وحقیقت عالم باشد وچوں ایں چنیں باشد اوخود ہیچ نامشروع نفرمائید۔'' (فوائد الفواد)

ترجمہ: ''پیر ایسا ہونا چاہیے جو شریعت، طریقت اور حقیقت کے احکام کا علم رکھتا ہو، اگر ایسا ہوگا تو وہ کسی ناجائز بات کے لئے نہ کہے گا۔''

حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ احوال بھی تھا کہ وہ کسی ایسے شخص کو خلاف عطا نہیں فرماتے تھے جو عالم نہ ہو۔ حضرت یحیٰی بن معاذ رازی کا قول ہے:

اجتنب صحبة ثلاثة اصناف من الناس العلماء الغافلين والفقراء المداهنين والمتصوفة الجاهلين. (كشف المحجوب)

ترجمہ: ''تین قسم کے آدمیوں کی صحبت سے اجتناب کیا کرو۔ ایسے عالموں

Marfat.com

سے جو غافل ہوں، ایسے فقیروں سے جو دھوکے باز ہوں اور ایسے صوفیوں سے جو جاہل ہوں"

علامہ ابن جوزی جو صوفیاء پر تنقید کرنے میں مشہور عالم ہیں، وہ بھی یہ تسلیم کرنے پر مجبور رہیں کہ:

" وما کان المتقدمون فی التصوف الارؤسافی القرآن والفقه والحدیث والتفسیر"

ترجمہ: "یعنی صوفیاء متقدمین علوم قرآن، فقہ، حدیث اور تفسیر میں امام ہوا کرتے تھے"

تیسرا اعتراض

"صوفیاء نے عیسائی راہبوں کی طرح دنیا سے قطع تعلق کر لیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی وہ نعمتیں جو اس نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کی تھیں ان سے وہ لطف اندوز ہونے سے دست کش ہو گئے تھے۔ حالانکہ حدیث پاک میں موجود ہے کہ: لَارَهْبَانِيَةَ فِي الْاِسْلَامِ اسلام میں رہبانیت کے لئے کوئی گنجائش نہیں"۔

بے شک صوفیاء کرام ابتدا میں ہر قسم کی علائق سے دست کش ہو کر خلوت گزیں ہو جاتے ہیں اور اچھے کھانے اچھے پہننے رات کو آرام کرنے وغیرہ راحتوں کو ترک کر دیتے ہیں، لیکن یہ ان کا مقصد حیات نہیں ہوتا۔ بلکہ وقتی طور پر وہ تزکیہ قلب اور تربیت نفس کے لئے ان مجاہدات کو اختیار کرتے ہیں، اور جب وہ اس مقصد میں کامیاب ہو جاتے ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ کے نور عشق سے ان کے سینے منور ہو جاتے ہیں۔ مذموم عادات سے ان کی طبیعت پوری طرح متنفر ہو جاتی ہے اور محاسن اخلاق ان کی فطرت ثانیہ بن جاتے ہیں، تو پھر ستیزہ گاہِ حیات میں اسلام کا پرچم تھامے ہوئے وہ قدم رنجہ فرماتے ہیں۔ ان کے تربیت یافتہ نفوس کے راستہ میں آلام و مصائب کی کوئی چٹان حائل نہیں ہو سکتی۔ ابلیس کی کوئی فسوں کاری ان کو متاثر نہیں کر سکتی۔ بلکہ وہ عزم و ثبات کا پیکر بن کر تسلیم و رضا کے پرخار راستہ پر

Marfat.com

خراماں خراماں گزرتے چلے جاتے ہیں۔ اور وہ شخص جو اپنے زندگی اسلام کی سربلندی کے لئے وقف کرنا چاہتا ہو، اس کے لئے ناگزیر ہے کہ پہلے وہ تزکیہ قلب اور تربیت نفس کے کٹھن مرحلہ کو کامیابی سے طے کرلے۔ اگر اس میں ذرا بھی خامی باقی ہوگی تو اس کی ادنیٰ سی لغزش اسلام کے وقار کو سخت نقصان پہنچانے کا باعث بنے گی۔

آج جب کہ ہم تبلیغ اسلام کے لئے تحصیل علم کو ہی کافی سمجھتے ہیں، اور ریاضت و مجاہدہ کو غیر ضروری بلکہ خلاف اسلام چیز قرار دیتے ہیں، تو ہماری تبلیغ کا رنگ ہی بدل گیا ہے۔ نہ کلام میں اثر ہے نہ وعظ و نصیحت کا کوئی نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔ اور ہماری اخلاقی کمزوریاں قدم قدم پر عیاں ہوتی ہیں اور اسلام کی تضحیک کا باعث بنتی ہیں۔ آپ یوں سمجھئے کہ کفار کے ساتھ گھمسان کی لڑائی شروع ہے۔ آپ سپاہی بھرتی کرتے ہیں، کیا آپ انہیں بھرتی کرنے کے بعد فوراً میدان جنگ کی طرف روانہ کر دیں گے، یا میدان جنگ سے بہت دور ایک چھاؤنی میں بھیجیں گے اور جب وہ تربیت کے اس مرحلہ کو مکمل کرلیں گے، تب وہ اس قابل ہوں گے کہ انہیں میدان جنگ میں کسی محاذ پر متعین کیا جائے۔ اگر آپ عجلت سپاہیوں کو فوراً جنگ میں جھونک دیں گے تو وہ دشمن کے بجائے اپنے دوستوں کو نقصان پہنچائیں گے اور کوئی بعید نہیں کہ وہ خود ہی اپنی گولی کا نشانہ بن جائیں۔

عیسائیوں کے نزدیک رہبانیت مقصد حیات ہے۔ وہ ہمیشہ کے لئے دنیا سے الگ تھلگ زندگی بسر کرنے میں ہی سلامتی اور نجات سمجھتے ہیں۔ صوفیاء کرام کے ہاں اس قسم کا قطعاً کوئی تصور نہیں۔ صوفیاء کرام کی سوانح حیات کا مطالعہ کیا جائے تو روز روشن کی طرح یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ انہوں نے دنیا کو ترک کرنے کی تلقین نہیں کی بلکہ دنیا کے بے اعتدالانہ استعمال اور اس کی محبت میں کھو جانے سے منع کیا ہے۔ انہوں نے شادیاں کیں، ان کے اہل و عیال تھے، ان کے ذاتی مکانات اور مزروعہ اراضی تھیں۔ ان حقائق کی موجودگی میں ان پر رہبانیت کا الزام کیوں کر درست ہوسکتا ہے۔ اور یہ قرآن حکیم کا حکم ہے

Marfat.com

اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کی ان الفاظ میں ثنا گستری فرماتا ہے:

رِجَالٌ لَّاتُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللهِ

یعنی ''یہ وہ مردان پاکباز ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے انہیں نہ تجارت غافل کر سکتی ہے اور نہ خرید و فروخت''۔

حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد بھی سماعت فرمائیے:

''ترک دنیا آں نیست کہ کسے خود را برہنہ کند مثلاً لنگوتہ بہ بندو بنشیند ترک دنیا آن ست کہ لباس بپوشد، طعام بخورد و آنچہ فی رسد روا بدارد و بجمیع او میل نکند و خاطر را متعلق چیزے ندارد۔ (فوائد الفواد)

ترجمہ: ترک دنیا کا یہ معنی نہیں کہ کوئی آدمی اپنے آپ کو برہنہ کرے اور لنگوٹہ باندھ کر بیٹھ جائے، بلکہ ہماری نزدیک ترک دنیا یہ ہے کہ لباس بھی پہنے، کھانا بھی کھائے اور حلال کی جو چیز دستیاب ہو اسے استعمال بھی کرے۔ لیکن دولت کو جمع کرنے کی طرف راغب نہ ہو اور دل میں اس کو جگہ نہ دے''۔

چوتھا اعتراض

یہ اعتراض بڑے زور شور سے تصوف اور صوفیاء پر کیا جاتا ہے اور اس زمانہ میں تو اس اعتراض نے بڑی اہمیت اخیار کر لی ہے اور ہر شخص جو چند سطریں لکھنے کی صلاحیت حاصل کر لیتا ہے وہ اہل حق پر یہ اعتراض کرنا اپنا فرض منصبی سمجھتا ہے۔ آیئے پہلے ان معترضین کی بات سنیں اور اس کے بعد حقیقت کی کسوٹی پر اسے پرکھیں:

معترضین حضرات کہتے ہیں کہ ''تصوف ایک افیون ہے اور صوفیاء نے ملت کے قوائے عمل کو مضمحل بلکہ مفلوج کر کے رکھ دیا ہے۔ ان کو اس بات پر اصرار ہے کہ ملت کو چاہئے کہ تصوف کی بنائی ہوئی ان روپہلی اور سنہری زنجیروں سے اپنے آپ کو رہا کرائیں اور تصوف کی پیدا کردہ خواب آلود فضا سے نکل کر حقائق کی تلخیوں سے دوچار ہونے کے لئے

Marfat.com

تیار ہو جائیں۔"

بات یہی ہے لیکن معترضین نے اسے نئے نئے جاذب قلب ونظر اسالیب میں بیان کر کے بڑی رنگ آمیزیاں کی ہیں۔

ہم بڑی ذمہ داری اور وثوق کے ساتھ یہ کہتے ہیں کہ یہ الزام سراسر غلط اور بے بنیاد ہے۔ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ ان بزرگوں نے ملت کے عروق مردہ میں ہمیشہ نئی روح پھونکی ہے۔ ان کے فیض نگاہ سے حوصلوں میں بلندی، عزائم میں پختگی، ولولوں میں جولانی اور قوت عمل میں برق آسا سرعت اور چمک پیدا ہوتی ہے۔ آپ ذرا تعصب کی پٹی اتار دیجئے اور تبلیغ اسلام کی تحریک کے جوانمرد علمبرداروں کے نقوش پا کو دیکھتے ہوئے ان میدانوں تک پہنچنے کی کوشش کیجئے جہاں حق نے باطل پر ابدی فتح حاصل کی۔ برصغیر پاک وہند پر ذرا سرسری نظر ڈالئے۔ سجستان کا ایک درویش تبلیغ اسلام کے جذبہ سے سرشار ہو کر اپنے وطن کو چھوڑتا ہے، اپنے اقارب واحباب کو الوداع کہتا ہے۔ اپنی منقولہ اور غیر منقولہ املاک سے دست کش ہوتا ہے اور تنہا بتکدہ ہند کا رخ کرتا ہے۔ یہاں بھی کئی ایسے گوشے تھے جہاں اسلام نے اپنے قدم جمالئے تھے۔ لیکن اس کے حوصلہ کی بلندی، اور اس کے عزائم کی پختگی اور اس کے جوش کی جولانی اسے راجپوتانہ کے اس علاقہ میں لے جاتی ہے جہاں کفر کی کالی رات چھائی ہوئی ہے۔ ایک آمر مطلق راجہ وہاں کا حکمران ہے۔ وہ ظالم راجہ کی اس ریاست کے کسی دور افتادہ گوشہ کو اپنا مسکن نہیں بناتا بلکہ اس کی راجدھانی میں جا کر اپنا مصلیٰ بچھا دیتا ہے۔ ساری آبادی بت پرست ہے اور اپنے ان مشرکانہ عقائد میں حد درجہ غلو رکھتی ہے۔ وہ اپنے ان معبودوں کے خلاف کوئی بات سننا گوارا تک نہیں کر سکتی۔ جگہ جگہ مندر موجود ہیں۔ بڑے بڑے برہمن ان لوگوں کے عقائد اور نظریات کی حفاظت کے لئے ہر قسم کے علوم وفنون سے مسلح ہیں۔ مسند حکومت پر پرتھوی راج جیسا جابر، ظالم اور متعصب ہندو راجہ براجمان ہے۔ اس ناسازگار ماحول میں جو شخص حق کی دعوت دیتا ہے اور

Marfat.com

ہر قسم کے خطرات کے سامنے سینہ سپر ہوتا ہے اور پھر اسلام کے پرچم کو یوں لہراتا ہے کہ اسے صدیوں کے انقلابات بھی سرنگوں نہیں کر سکتے۔ وہ شخص کون ہے؟ وہ ایک صوفی ہے تصوف کے رنگ میں اس کا ظاہر اور باطن، اس کا ذہن، اس کا دل، اس کی سوچ اور اس کا نطق سب رنگے ہوئے ہیں۔ کیا ایسے شخص کے بارے میں آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس کی تعلیمات قوائے عمل کو مفلوج کر دینے والی ہیں۔ وہ رزمگاہ حیات سے فرار کا راستہ بتاتا ہے۔ اگر آپ نے یہ جرات ہے تو آپ کہیے اور کہتے رہیے۔ لیکن آپ کے غل مچانے سے حقیقت مسخ نہیں ہو سکتی۔ اس کی خانقاہ کے فیض یافتہ صوفی ہندوستان کے شرق و غرب میں پھیل جاتے ہیں اور کفر و شرک کا اندھیرا جو صدیوں سے یہاں خیمہ زن تھا اس کو اپنے نعرۂ قلندرانہ سے نیست و نابود کر کے رکھ دیتے ہیں۔ کاش! اس قسم کے نفوس قدسیہ ملت کو ہمیشہ نصیب ہوئے۔

شاید معترضین کے علم میں نہ ہو کہ چنگیزی طوفان نے دنیائے اسلام کو تہ و بالا کر کے رکھ دیا تھا۔ ہزاروں آباد شہر ویران کر دیئے گئے تھے۔ لاکھوں بے گناہوں کو تہ تیغ کر دیا گیا تھا۔ عروس البلاد بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی تھی۔ عقل و دانش کے پرستار اسلام کے مستقبل سے مایوس ہو گئے تھے۔ معلوم ہے آپ کو کہ کس نے ان سرکش طوفانوں کا رخ موڑا تھا، کس نے اسلام کے دشمنوں کو اسلام کی شمع کا پروانہ دیا تھا۔ وہ انہی صوفیا کے گروہ کا فرد تھا جس کی ایک نظر نے ساری فضا کو بدل کر رکھ دیا تھا۔ ایک خراسانی بزرگ جو سلسلہ عالیہ قادریہ سے نسبت رکھتے تھے۔ اشارۂ غیبی کے تحت ہلاکو خان کے بیٹے تگودار خان کو دعوت اسلام دینے کے لئے تشریف لائے۔ وہ شکار سے واپس آ رہا تھا۔ اپنے محل کے دروازے پر ایک درویش کو دیکھ کر اس نے ازراہ تمسخر پوچھا۔

''اے درویش! تمہاری داڑھی کے بال اچھے ہیں یا میرے کتے کی دم؟''

اس بے ہودہ سوال پر آپ قطعاً برہم نہ ہوئے۔ بڑے تحمل سے فرمایا:

''اگر میں اپنی جاں نثاری اور وفاداری سے اپنے مالک کی خوشنودی حاصل کر

Marfat.com

لوں تو میری داڑھی کے بال اچھے ہیں، ورنہ آپ کے کتے کی دم اچھی ہے جو آپ کی فرمانبرداری کرتا ہے اور آپ کے لئے شکار کی خدمت انجام دیتا ہے"

تگودار خان، اس غیر متوقع جواب سے بہت متاثر ہوا اور آپ کو مہمان کی حیثیت سے اپنے پاس ٹھہرایا اور آپ کی تبلیغ سے اس نے در پردہ اسلام قبول کرلیا، لیکن اپنی قوم کی مخالفت کے خوف سے اس کا اظہار نہ کیا۔ پھر انہیں یہ کہہ کر رخصت کیا کہ

''سردست آپ تشریف لے جائیں۔ میں اپنی قوم کو ذہنی طور پر اسلام قبول کرنے پر آمادہ کروں گا''۔

چنانچہ آپ وطن واپس آ گئے کچھ عرصہ بعد آپ کا انتقال ہو گیا۔ وفات سے پہلے اپنے بیٹے کو وصیت کی کہ وہ تگودار خان کے پاس جائے اور اسے اپنا وعدہ یاد دلائے۔ کچھ عرصہ بعد وہ تگودار خان کے پاس پہنچے، اس سے اپنا تعارف کرایا اور اپنے آنے کی وجہ بتائی۔ اس نے کہا کہ

''دوسرے تمام سردار اسلام قبول کرنے پر آمادہ ہیں، لیکن فلاں سردار ابھی اسلام قبول کرنے کے لئے تیار نہیں۔ اگر وہ راہ راست پر آجائے تو یہ مشکل آسان ہوسکتی ہے۔''

آپ نے اسے بلا بھیجا اور تبلیغ کی۔ اس نے کہا

''میری ساری عمر میدان جنگ میں گزری ہے۔ میں عملی دلائل کو نہیں سمجھ سکتا۔ میرا ایک ہی مطالبہ ہے کہ یہ درویش میرے پہلوان سے مقابلہ کرے۔ اگر اسے بچھاڑ دے تو میں مسلمان ہو جاؤں گا''۔

تگودار خان نے آپ کا نحیف ولاغر جسم دیکھ اس مطالبہ کو مسترد کرنا چاہا۔ لیکن آپ نے اس کا چیلنج منظور کر لیا۔ مقابلہ کی تاریخ اور جگہ کا تعین ہو گیا۔ مقررہ دن بے شمار مخلوقات یہ عجیب وغریب دنگل دیکھنے کے لئے جمع ہو گئی۔ ایک طرف نحیف وکمزور پیر فرتوت اور دوسری طرف ایک چیل تن گرانڈیل نوجوان۔ تگودار خان نے بڑی کوشش کی کہ یہ مقابلہ نہ ہو، لیکن وہ درویش مقابلہ کے لئے مصر تھا۔ جب دونوں پہلوان اکھاڑے میں نکلے تو

Marfat.com

آپ نے اس زور سے اپنے حریف کو ایک طمانچہ مارا کہ اس کا سر پھٹ گیا۔ وہ غش کھا کر زمین پر آ گرا۔ وہ سردار حسب وعدہ میدان میں نکل آیا۔ آپ کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔ تگودار خان نے بھی اپنے ایمان کا اظہار کر کے اپنا نام احمد رکھا۔

بلاکو خان کا ایک چچا زاد بھائی تھا جس کا نام برکہ تھا۔ اسے بھی حضور شیخ شمس الدین باخوری نے مشرف باسلام کیا۔ اس طرح اس پاک نہاد صوفیاء کی جرأت ایمانی اور دلآویز اسلوب تبلیغ کے طفیل پاسبان مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے۔ فتح قسطنطنیہ اسلامی فتوحات کی تاریخ کا ایک لافانی واقعہ ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ بائیس سالہ سلطان محمد کو کس نے اس کٹھن مہم کو سر کرنے کے لئے برانگیختہ کیا۔ وہ ایک صوفی تھے۔ (حضرت عاق شمس الدین) جو سلطان محمد کے مرشد طریقت تھے۔ انہی کی ترغیب اور بشارت سے سلطان نے یہ بے نظیر کارنامہ انجام دیا۔

جب صوفیا کی مساعی جمیلہ کے صدقے دنیا میں اسلام پھیلا، قلعے اور شہر فتح ہوئے، قوموں اور ملکوں کے مقدر سنور گئے۔ ان کے بارے میں اسی ملت کے افراد اگر یہ کہیں کہ تصوف ایک افیون ہے، یہ غور و فکر کی قوتوں کو شل کر دیتا ہے، قوائے عمل کو اپاج بنا دیتا ہے، تو اس زیادتی پر کس سے شکوہ کیا جائے؟۔

آیئے بیگانوں سے پوچھیے کہ وہ صوفیاء کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں۔
پروفیسر خلیق احمد نظامی کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

''یورپ کے مستشرق جب اسلامی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو انہیں یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ مسلمانوں کا سیاسی زوال کبھی ان کے دینی نظام کو تباہ نہ کر سکا بلکہ بقول پروفیسر ہٹی (HITTI) ''اکثر ایسا ہوا کہ سیاسی اسلام کے تاریک ترین لمحات میں مذہب اسلام نے بعض نہایت شاندار کامیابیاں حاصل کیں'' ہالینڈ کے ایک فاضل لوکے گادر نے دبے انداز میں اس بات پر استعجاب کا اظہار کیا ہے کہ ''گو اسلام کا سیاسی زوال تو بار ہا ہوا لیکن روحانی اسلام میں ترقی کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہا''۔ (تاریخ مشائخ چشت ص ۹)

Marfat.com

پروفیسر موصوف نے ایک مشہور مشترق ایچ اے آر گب (Gibb) کی تقریر کا حوالہ بھی دیا ہے جو انہوں نے آکسفورڈ یونیورسٹی کی مجلس کے سامنے کی تھی گب نے کہا:

''تاریخ اسلام میں بارہا ایسے مواقع آئے ہیں کہ اسلام کے کلچر کا شدت سے مقابلہ کیا گیا، لیکن بایں ہمہ وہ مغلوب نہ ہوسکا۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ تصوف یا صوفیاء کا انداز فکر فوراً اس کی مدد کو آجاتا تھا۔ اور اس کو اتنی قوت اور توانائی بخش دیتا تھا کہ کوئی طاقت اس کا مقابلہ نہ کرسکتی تھی''۔

اسلام کے مخالف اور بدخواہ تو اس طوفانی قوت کا اندازہ کر کے لرزہ براندام ہیں جو تصوف کے چشمہ شیریں سے ملت کو حاصل ہوتی ہے۔ ادھر ہم ہیں کہ احساس کمتری میں مبتلا ہیں اور شکوک وشبہات کے خس وخاشاک سے اس چشمہ صافی کو گدلا کرنے کے درپے ہیں۔

تحریک پاکستان میں صوفیاء کرام نے جو شاندار کردار انجام دیا ہے، یہ تو کل کی بات ہے اس کا کون انکار کرسکتا ہے۔

عصر حاضر مادیت گزیدہ ہے۔ ہر شخص مادی ثروت، مادی لذتوں، مسرتوں اور مادی جاہ ومنصب کے حصول کے لئے دیوانہ وار مصروف عمل ہے۔ اس دور میں اسے اس کی قطعاً کوئی پرواہ نہیں کہ پاکیزہ اخلاقی قدریں کس طرح پامال ہورہی ہیں۔ آلائشوں سے کس قدر متعفن ہورہی ہے۔ اگر یہ دیوانگی ہمیں کسی اچھے انجام سے دوچار کردیتی تو ہم قطعاً اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند نہ کرتے، لیکن ہم کھلی آنکھوں دیکھ رہے ہیں کہ بڑی سرعت سے زوال وانحطاط کے گڑھے کے قریب ہوتے جارہے ہیں۔ اور یہ ایسا گڑھا ہے جس میں جو قوم گری ہے پھر اسے ابھرنا نصیب نہیں ہوا۔ ملت کے بہی خواہوں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنی جملہ علمی، روحانی، اور عملی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر اپنی ملت کو اس گڑھے میں گرنے سے بچائیں۔ اس کا مؤثر ترین طریقہ یہ ہے کہ ان پاکیزہ فطرت ہستیوں کی زندگی کا مرقع زیبا پیش کریں۔ جہاں للّٰہیت، خلوص، قناعت، استغناء، عالی حوصلگی، جرأت، سخاوت اور ہر انسان سے بے پناہ ہمدردی کے انوار قلب ونظر کو روشنی بخش

Marfat.com

رہے ہوں۔ اور یہ ساری خوبیاں اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ صوفیاء کرام کے سوانح حیات میں ہی دستیاب ہوسکتی ہیں۔ (مقالات)

(۳) ڈاکٹر پیر محمد حسن رحمۃ اللہ علیہ

صوفی کا لفظ سنتے ہی اس لفظ کی ماہیت اور ان لوگوں کے اعتقادات اور اس مذہب کی بنیاد کے بارے میں ذہن میں سوالات اٹھنے لگ جاتے ہیں۔ ہر شخص اپنے خیال اور اپنے ذہن کی ساخت کے مطابق اس میں معانی گھسیڑنا چاہتا ہے حالانکہ درست بات لازمی طور پر وہی ہوتی ہے اور ہونی چاہیئے جوان کے اپنے لوگ کہیں۔ چنانچہ یہاں ہمیں ابو القاسم عبدالکریم بن ھوازن قشیری م ۴۶۵ھ جیسی بزرگ ہستی مل جاتی ہے۔ قشیری صوفی، مفسر، محدث، فقیہ، ادیب اور شاعر بھی کچھ تھے انہوں نے اپنے رسالہ میں صوفی اور تصوف کے بارے میں الگ باب باندھا ہے، فرماتے ہیں:

لیس یشھد لھذا الاسم من حیث العربیة قیاس و لا اشتقاق.

''عربی زبان کے اعتبار سے اس نام کی شہادت نہ قیاس سے ملتی ہے نہ اشتقاق سے'' اس کے بعد فرماتے ہیں: **و الاظھر فیه انه کاللقب** ''امر واضح یہی ہے کہ یہ لقب کی طرح ہے'' پھر فرماتے ہیں:

اماقول من قال انه من الصوف و تصوف اذا لبس الصوف کما یقال تقمص اذا لبس القمیص فذلک وجه (ابوالقاسم قشیری رسالہ قشیریہ ص ۱۲۸)

جو یہ کہے کہ یہ لفظ صوف سے لیا گیا ہے اور تصوف کے معنی ہیں اس نے صوف پہنا۔ جس طرح تقمص کے معنی ہیں اس نے قمیص پہنی، تو یہ ایک وجہ ہوسکتی ہے۔

اس کے علاوہ جو دیگر احتمالات پیش کیے جاتے ہیں وہ قشیری کے نزدیک درست نہیں، فرماتے ہیں جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ لفظ صفہ سے نکلا ہے اور صفہ سے مراد صفہ مسجد رسول اللہ ﷺ ہے تو یہ اس لئے درست نہیں کہ صفہ سے اسم نسبت صوفی نہیں آسکتا۔ یا جن لوگوں نے اسے صفا سے مشتق سمجھا ہے تو یہ بھی درست نہیں کیونکہ صوفی کو صفا سے

Marfat.com

مشتق سمجھنا عربی زبان کے تقاضوں سے مطابقت نہیں رکھتا نیز جن لوگوں نے اسے صف سے مشتق سمجھا ہے اور مراد یہ لی ہے کہ اپنے دلوں کے ساتھ بارگاہ رب العزت میں حاضر ہوتے ہوئے یہ صف اول کے لوگ ہیں تو معنی کے اعتبار سے یہ درست ہے، مگر عربی لغت کے قوانین کے مطابق صف سے اسم نسبت صوفی نہیں آ سکتا۔

قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی وضاحت سے اس لفظ کی توجیہ بیان کر دی ہے لہٰذا اس وضاحت کے ہوتے ہوئے ادھر ادھر ہاتھ پاؤں مارنا غلط اور نامناسب ہے۔

مگر ہمارے مہربان مستشرقین اپنی تیخ لگائے بغیر نہیں رہتے اور جو زہر ان کے دماغوں میں اسلام اور مسائل اسلام کے خلاف بھری ہوئی ہے اس کا اظہار کرنے سے باز نہیں آتے۔ صرف ایک مثال پیش کرتا ہوں:

وعندنا انها مشتقه من لفظة يونانية الاصل هى صوفيا و معناها الحكمة (جرجی زیدان، تاریخ ادب اللغۃ العربیۃ: ۲:۳۳۲)

ہمارے نزدیک یہ لفظ یونانی الاصل لفظ سے مشتق ہے اور یہ لفظ صوفیا ہے) جس کے معنی حکمت کے ہیں۔

نولڈ کے (Noldeke) نے بھی تصوف پر ایک مقالہ لکھا ہے جس میں اسی قسم کے خیالات کا اظہار کیا گیا ہے۔ راقم کہتا ہے کہ جرجی زیدان کا یہ کہنا کہ یہ یونانی لفظ صوفیا سے لیا گیا ہے غلط ہے کیونکہ عربی زبان کے اصولوں کے مطابق اس لفظ سے اسم نسبت صوفیاوی ہونا چاہیئے نہ کہ صوفی۔

اب رہا یہ سوال کہ ان صوفیاء کے کیا عقائد ہیں اور ان کے مذہب کی بنیاد کس چیز پر ہے تو یہاں بھی قشیری رحمۃ اللہ علیہ ہماری رہنمائی کرتے ہیں، فرماتے ہیں:

اعلموا رحمكم الله ان شيوخ هذه الطائفه بنوا قواعد امرهم على اصول صحيحة فى التوحيد صانوا بها عقائد هم من البدع ودانوا بما وجدوا عليه السلف واهل السنة من توحيد ليس فيه تمثيل

Marfat.com

ولا تعطیل و عرفوا ماھو حق القلم. (ابوالقاسم قشیری، رسالہ قشریہ:۳)

''تمہیں معلوم ہونا چاہئے خدا تم پر رحم کرے کہ اس جماعت کے شیوخ نے تصوف کے اصولوں کی بنیاد توحید کے صحیح اصولوں پر رکھی ہے، اور انہوں نے اپنے عقائد کو بدعتوں سے محفوظ رکھا ہے اور ان قواعد کی پیروی کی ہے جن پر انہوں نے سلف صالحین اور اہل سنت کو پایا ہے۔ یعنی ایسی توحید جس میں نہ فرقہ ممثلہ کی تمثیل پائی جاتی ہے نہ فرقہ معطلہ کی تعطیل اور انہوں نے قدم یعنی خدائے قدیم کے حق کو پہچانا ہے۔

صوفیاء کے شیوخ کی لاتعداد ایسی عبارتیں پیش کی جاسکتی ہیں جن میں انہوں نے اپنے عقائد اور ان عقائد کی بنیاد کا ذکر کیا ہے یہاں چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

☆ ربما وقع فی قلبی النکتة من نکت القوم ایاما فلا اقبل منه الابشاھدین عللین الکتاب والسنه.

(ابوالقاسم قشیری رسالہ قشیریہ، طبع القاہرہ ۱۹۴۰ء، ص ۱۶)

☆ ربما وقع فی قلبی النکتة من نکت القوم ایاما فلا اقبل منه الابشاھدین عللین الکتاب والسنه.

(ابوالقاسم قشیری رسالہ قشیریہ، طبع القاہرہ ۱۹۴۰ء، ص ۱۶)

''بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ صوفیاء کے نکات میں سے کوئی نکتہ کئی دن تک میرے دل پر وارد ہوتا رہا ہے مگر میں اسے دو عادل شاہدوں یعنی کتاب وسنت کی تائید کے بغیر قبول نہیں کرتا''۔

☆ ابوعبداللہ الحارث بن اسد المحاسبی متوفی ۲۴۳ھ فرماتے ہیں:

من صحح باطنه بالمراقبة والاخلاص زین الله ظاھره بالمجاھدة واتباع السنة (ابوالقاسم قشیری، رسالہ قشیریہ، لواقع الانوار ۶۶)

''سھل تستری رحمۃ اللہ م ۲۸۳ھ فرماتے ہیں:

Marfat.com

اصولنا سبعة اشياء التمسک بکتاب والاقتداء بسنة رسول الله ﷺ واکل الحلال وکف الاذی واجتناب المعاصی والتوبة واداء الحقوق (لواقع الانوار ٦٦)

''ہمارے سات اصول ہیں (۱) کتاب اللہ کو مضبوط پکڑنا (۲) رسول اللہ ﷺ کی سنت کی پیروی کرنا (۳) حلال کی روزی کھانا (۴) کسی کو دکھ نہ دینا (۵) گناہوں سے پرہیز کرنا (۶) توبہ کرنا (۷) اور لوگوں کے حقوق ادا کرنا

(۴) ابوالقاسم جنید بن محمد متوفی ۲۹۷ھ فرماتے ہیں:

من لم یحفظ القران ولم یکتب الحدیث لا یقتدی به فی هذا الامر لان علمنا هذا مقید بالکتاب والسنة.

(ابو القاسم قشیری رسالہ قشیریہ ۲۵)

''جس نے نہ قرآن حفظ کیا ہو نہ حدیث لکھی ہو، تصوف کے معاملہ میں اس کی پیروی نہیں کی جائے گی اس لئے کہ ہمارے علم میں کتاب وسنت کی قید پائی جاتی ہے۔

(۵) ابوحمزہ محمد بن ابراہیم بغدادی متوفی ۲۸۹ھ فرماتے ہیں:

من علم طریق الحق سهل علیه سلوکه ولادلیل علی الطریق الی الله الا متابعة الرسول ﷺ فی احواله وافعاله و اقواله

''جس شخص نے طریق حق کو معلوم کرلیا اس کے لئے اس راستہ پر چلنا آسان ہو جاتا ہے، اور اللہ کی راہ کی طرف رسول اللہ کے اقوال اور افعال کی تابعداری کے بغیر کوئی رہنمائی نہیں ہوسکتی''۔

یہ ہیں وہ بلند اقوال اور پاکیزہ احوال جو ان لوگوں کے طرۂ امتیاز ہیں۔ بایں ہمہ لوگ ان پر زبان طعن دراز کرنے میں کوشاں رہتے ہیں سب سے زیادہ ابن عربی متوفی ۶۳۸ھ پر طعن وتشنیع کی گئی ذرا ان کا بھی عقیدہ سن لیجئے۔

Marfat.com

انہوں نے "فتوحات مکیہ" کے آخری باب ۵٦۰ میں دوسو کے قریب وصیتیں دی ہیں، ایک وصیت میں فرماتے ہیں:

علیک بالا قتداء برسول اللہ ﷺ فی احواله واقواله و افعاله الا مانص علیه انه مختص به فیما لا یجوزلنا ان نفعله

"رسول اللہ ﷺ کے احوال واقوال وافعال کی تابعداری کرنا اپنے اوپر لازم سمجھو سوائے ان امور کے جن کے بارے میں آپ نے وضاحت سے فرمادیا ہے کہ وہ آپ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے اور ہمارے لئے ان کا کرنا جائز نہیں۔"

یہ ہے ان کا مذہب اور یہ ہیں ان کے بنیادی اصول۔ بھلا یہ لوگ ان بلند اصولوں کو چھوڑ کر کہیں اور جا سکتے ہیں یا اغیار کی طرف ان کی توجہ ہو سکتی ہے۔ پھر بھی نکلسن لکھتا ہے:

(A Literary History of the Arabs:231)

Accordingly I do not think that we need look beyound islam for the origin of the sufi doctrine, although it would be a mistake not to recognise the partwhich christian inristian influence have hadinshaping their early Development

یہاں نکلسن کہہ رہا ہے کہ تصوف کی تعلیمات میں عیسائیت کے اثر کو تسلیم نہ کرنا غلطی ہے۔ اس قول میں نکلسن اپنی اسلام دشمنی کے اظہار سے باز نہیں رہ سکا۔ یہی حال دیگر مستشرقین کا ہے کیونکہ استشراق کی بنیاد ہی پادریوں نے ڈالی تھی۔

سب سے پہلے شخص جنہیں صوفی لقب دیا گیا ابوہاشم کوفی ہیں، انہوں نے ١٦٠ھ کے قریب وفات پائی۔

ان کے بارے میں سفیان ثوری م ١٦١ھ جیسے عظیم المرتبہ محدث فرماتے ہیں۔

مازلت ارائی وانا لا اشعر حتی جالست اباهاشم فاخذت منه ترک الریاء (صفوۃ الصفوۃ۔٢:٣٧١)

Marfat.com

''ایک عرصہ تک میں ریاکاری کرتا رہا اور مجھے اس بات کا احساس ہی نہ ہوا (کہ ریاکاری کر رہا ہوں) تا آنکہ میں ابو ہاشم کی صحبت میں بیٹھنے لگا تو ان سے میں نے ریاکاری کو ترک کرنا سیکھا''

ان کے زہد و تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ جب انہوں نے شریح قاضی (م ۱۷۷ھ) کو یحیٰ بن خالد برمکی (م ۱۹۰ھ) کے گھر سے نکلتے ہوئے دیکھا رو پڑے اور فرمایا:

اعوذ باللہ من علم لا ینفع

صوفیاء نے وقت کی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے بہت جلد تصانیف کرنا شروع کر دیا تھا۔ چنانچہ سب سے پہلے عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ (م ۱۸۱ھ) نے ''کتاب الزھد'' لکھی۔ انہوں نے اس میں ان احادیث کا ذکر کیا ہے جن میں زہد کی ترغیب پائی جاتی ہے۔

اسی طرح ابو عبداللہ حارث بن اسد محاربی (م ۲۴۳ھ) نے کتاب الخلوۃ والتنقل فی العبادۃ التفکر والاعتبار اور الرعایۃ لحقوق اللہ لکھی۔

مگر یہ کتابیں خاص موضوعات پر لکھی گئی تھیں۔

پھر وقت کی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے انہوں نے ایسی کتابیں تالیف کیں جو صوفیاء کے متعدد مسائل پر مشتمل ہوں۔ چنانچہ جس طرح عربی ادب میں چار کتابیں بنیادی تصور کی جاتی ہیں اسی طرح تصوف میں بھی چار کتابوں کو بنیادی حیثیت دی جای ہے:

سب سے پہلے ہم کتاب ''التعرف'' کو لیتے ہیں۔

اس کے مصنف ابو بکر بن ابو اسحاق محمد بن ابراہیم بن یعقوب بخاری کلاباذی ہیں۔ کتاب کا نام ''التعرف لمذہب اہل تصوف'' ہے۔ کتاب کے نام ہی سے اس کے موضوع کا پتہ چل جاتا ہے۔ اسی کتاب پر کلاباذی کی تمام تر شہرت کا مدار ہے۔ کلاباذی نے اس کتاب میں صوفیاء کے عقائد، احوال اور بعض اصلاحات کی تشریح کی ہے۔

کلاباذی نے اس کتاب کے لکھنے کی ضرورت کیوں محسوس کی۔ آربری اس بارے میں خاموشی سے گزر گیا ہے۔ صوفیاء کے اخلاق اس بات کی اجازت نہیں دیتے کہ

Marfat.com

کسی کا نام لے کر اس کی برائی بیان کی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ کلا باذی نے کسی کا صراحۃ ذکر نہیں کیا مگر کتاب کی بعض عبارتوں پر غور کرنے سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ کلا باذی اہل سنت کا عقیدہ پیش کر کے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ہمارا عقیدہ نہ تو معتزلہ کا عقیدہ ہے نہ کرامتیہ کا۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

اجمعوا ان القرآن کلام اللہ علی الحقیقة ولیس بمخلوق ولا محدث ولاحدث (ابو القاسم قشیری رسالہ قشیریہ ص ۱۸)

''تمام صوفیاء کا اس پر اتفاق ہے کہ قرآن درحقیقت اللہ کا کلام ہے اور یہ کہ قرآن نہ مخلوق ہے نہ محدث نہ حدث''

کلا باذی نے یہاں قرآن کو مخلوق یا محدث کہنے والوں میں سے کسی کا نام نہیں لیا۔ ''تعرف'' کے شارح المستملی البخاری اس قول کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

گفت المخلوق نیست و حدث نیست امام مخلوق و محدث معتزلہ گفتند واما حدث وحادث کرامیان گفتند چنیں گفتند کہ ما قرآن را حادث گوئیم و محدث و مخلوق نہ گوئیم وقدیم وازلی ھم نگوئیم (شرح التعرف ۱:۱۵۸)

یہاں کلا باذی نے اپنا عقیدہ بیان کرتے ہوئے وضاحت کر دی ہے کہ صوفیاء کا عقیدہ نہ تو معتزلہ کا عقیدہ ہے نہ کرامتیہ کا، اور یہ وہ زمانہ تھا کہ کرامتیہ صوفیاء کے بھیس میں لوگوں کو گمراہ کر رہے تھے۔ مزید برآں کلا باذی ایمان کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ایمان زبان سے اقرار کرنے اور دل سے تصدیق کرنے کا نام ہے اور فرائض پر عمل کرنا ایمان کی فرع ہے'' (التعرف ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن: ۱۹۹)

اس کے خلاف معتزلہ اور خوارج اعمال کو ایمان کا جزو قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ صوفیاء کے نزدیک فاسق مومن ہے اور معتزلہ اور خوارج کے نزدیک فاسق مومن نہیں کیونکہ ان کے نزدیک اعمال ایمان کا جزو ہیں اور کرامتیہ کے نزدیک ایمان صرف زبان سے اقرار کر لینے کا نام ہے خواہ دل سے اس کی تصدیق نہ بھی کی جائے۔ لہٰذا ان کے نزدیک وہ شخص جو

Marfat.com

دل میں کچھ اور ہی عقیدہ رکھے مگر زبان سے اقرار کرے تو وہ شخص ان کے نزدیک مومن ہے۔

ان دو اندرونی شہادتوں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ کلاباذی اپنی برأت بیان کرنے کے لئے یہ بتا رہے ہیں کہ ان کے عقائد معتزلہ یا کرامتیہ یا خوارج کے سے عقائد نہیں اور یہی کتاب لکھنے کی غرض وغایت ہے۔

کلاباذی کی کتاب ''التعرف'' کو اس قدر مقبولیت حاصل ہوئی کہ شہاب الدین سہروردی متوفی ۷۵۸ھ کو یہ کہنا پڑا ''لولا التعرف لماعرف التصوف'' اس مقبولیت کے بناء پر اس کتاب کی شرحیں لکھی گئیں۔

حاجی خلیفہ نے اس کتاب کی چار شرحوں کی نشاندہی کی ہے۔

(۱) خود کلاباذی نے اس کی شرح لکھی جس کا نام ''حسن التعرف'' رکھا۔ مگر آربری نے اسے غلط قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ نام تو قونوی کی شرح کا ہے۔

(۲) عبداللہ بن محمد بن علی الانصاری الھروی المتوفی ۴۸۱ھ نے بھی شرح لکھی۔

(۳) علاؤالدین علی بن اسماعیل القونوی المتوفی ۷۲۹ھ نے بھی شرح لکھی۔

(۴) اسماعیل بن محمد بن عبداللہ المستملی المتوفی ۴۳۴ھ نے بھی شرح لکھی۔ یہ شرح چھپ چکی ہے اور مستملی نے اس میں بہت مفید باتیں پیش کی ہیں۔

المستملی کلاباذی کے لئے شیخ کا لفظ استعمال کرتے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے کلاباذی سے استفادہ کیا ہے۔

مستملی پہلے اصل عبارت کا فارسی میں ترجمہ پیش کرتے ہیں، پھر موقع اور محل کے مطابق اس کی شرح بھی کرتے ہیں۔ مگر کئی ایک مقامات پر ترجمہ کی بجائے محض مفہوم دے دیا ہے۔ کلاباذی کی ایک اور تصنیف کا بھی پتا چلتا ہے جس کا نام ''بحر الفوائد فی معانی الاخبار'' ہے۔ اس میں کلاباذی نے ۲۲۲ احادیث کی شرح کی ہے۔

مستملی نے کلاباذی کی ایک اور کتاب کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: (شرح تعرف: ۱۶۶:۲) باز شیخ رحمۃ اللہ علیہ در کتاب کہ آں را مثل الروح والجسد والقلب نام کردہ است۔

Marfat.com

اسی زمانہ میں ابونصر عبداللہ بن علی بن محمد بن یحییٰ سراج طوسی نے کتاب "اللمع فی التصوف" لکھی۔ ابونصر زاہدوں کی اولاد تھے۔ فتوت اور صوفیاء کی ترجمانی کرنے میں یہ اپنے علاقے میں مرجع خلائق تھے۔ انہوں نے مسائل تصوف کی تائید میں شرعی دلائل و براہین پیش کیے ہیں۔ سراج صوفیاء کے فقیہہ مانے جاتے تھے انہوں نے ۳۷۸ھ میں وفات پائی۔

ابوالمحاسن ۸۷۴ھ نے "نجوم" میں لکھا ہے کہ سراج کی وفات نیشاپور میں نماز کے دوران ہوئی اور انہیں طوس میں دفن کیا گیا۔ (آربری مقدمہ تعریف)

ذہبی کے بیان کے مطابق ان کے والد کی وفات سجدے کی حالت میں ہوئی۔ (آربری)

ابونصر نے کتاب "اللمع" کو نہایت عمدہ طریقے سے مرتب کیا ہے۔ اس میں انہوں نے نہ صرف صوفیاء کے اقوال پیش کیے ہیں بلکہ ان کے اشعار اور خطوط کے اقتباسات بھی درج کر دیئے ہیں۔

جن لوگوں سے انہوں نے اقوال نقل کیے ہیں ان میں بیشتر اولیائے کبار اور زھاد عظام ہوئے ہیں، اور یہ ان کی خوش بختی اور عنداللہ عظیم المرتبت ہونے کا بین ثبوت ہے۔

ابونصر سراج کے ایک معاصر ابوطالب محمد بن علی عطیہ مکی حارثی (متوفی ۳۸۶ھ) نے بھی تصوف پر کتاب لکھی جس کا نام "قوت القلوب فی معاملۃ المحبوب و وصف طریق المرید الی مقام التوحید" رکھا۔ کتاب کا نام سنتے ہی معلوم ہو جاتا ہے کہ مصنف اس کتاب میں کس قسم کے مسائل اور مضامین پیش کرنا چاہتا ہے۔

حاجی خلیفہ کہتا ہے: "دقائق طریقت کے بارے میں ایسی کتاب نہیں لکھی گئی اور اس کا مؤلف علوم صوفیاء کی ایسی باتیں پیش کرتا ہے کہ اس سے پہلے کسی نے پیش نہیں کیں۔ اس کتاب کی ۴۸ فصلیں ہیں مثلاً "کتاب الزکوۃ" کتاب الصوم کتاب الحج وغیرہ۔ رسالہ قشیریہ کے بعض ابواب اور اس کتاب کے بعض ابواب میں مطابقت پائی جاتی ہے۔

ابوطالب کو فقہ اور حدیث میں کامل عبور حاصل تھا۔ انہوں نے فقہی مسائل کو صوفیوں کے طرز میں پیش کیا ہے اور مسائل تصوف کی دلائل کے ساتھ توضیح کی ہے۔

Marfat.com

ابوطالب نے اس کتاب میں روزمرہ کے اس قدر اوراد درج کر دیئے ہیں کہ راقم کے نزدیک اس زمانے میں ان پر عمل کرنا ناممکن ہے۔

اس کتاب کی اہمیت کے پیش نظر شیخ امام محمد بن خلف اموی اندلسی متوفی ۴۸۵ھ نے اس کا اختصار کیا اور اس کا نام "الوصول الی الغرض المطلوب من جواھر قوت القلوب" رکھا۔ تصوف کی بنیادی کتابوں میں زمانہ کے اعتبار سے آخری کتاب جو تصوف پر لکھی گی وہ "رسالہ قشیریہ ہے"، اس کے مؤلف ابوالقاسم عبدالکریم بن ھوازن قشیری (متوفی ۴۶۵ھ) ہیں۔

قشیری نے رسالہ میں خود ذکر کیا ہے کہ انہوں نے اسے ۴۳۷ھ میں تالیف کیا۔ انہوں نے اس کتاب کے لکھنے کی وجہ کہیں بیان نہیں کی۔

سید عطا حسین (مقدمہ شرح گیسودراز) کا یہ کہنا کہ یہ کتاب باطنیہ کو پیش نظر رکھ کر لکھی گئی ہے درست نہیں، کیونکہ باطنیہ نے بہت بعد زمانے میں زور پکڑا۔

اسی طرح آربری کا یہ کہنا (Sufism:74) کہ یہ کتاب ملامتیہ کے خلاف لکھی گئی، درست نہیں ہے۔ اس لئے کہ ملامتیہ کا کتاب میں کہیں ذکر نہیں آیا۔ نہ اشارۃً نہ کنایۃً اس کے برعکس قشیری کی اپنی عبارت جس کا پہلے ذکر ہو چکا ہے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ کتاب معتزلہ اور کرامیہ کے خلاف لکھی گئی۔

ذہبی نے "تذکرۃ الحفاظ" میں قشیری کا ذکر کیا ہے جو اس کے عظیم المرتبت محدث ہونے کی دلیل ہے۔ قشیری مفسر بھی ہیں اور محدث بھی، فقیہہ بھی ہیں اور ادیب بھی ہیں اور بلند پایہ شاعر بھی۔ انہوں نے رسالہ میں ایک باب حب کے بارے میں لکھا ہے۔ جس میں انہوں لفظ حب کے اشتقاقات کی لغوی تحقیق کی ہے اور ساتھ ساتھ شعری استشہادات پیش کئے ہیں، جس کے مطالعہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قشیری ایک عظیم لغت دان تھے۔

بلند پایہ مصنفین اپنی تصانیف میں قشیری کے اقوال بطور سند پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ ابن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ) نے "فتح الباری" میں جا بجا انہیں بطور سند کے پیش کیا ہے۔

قشیری نے رسالہ میں صوفیاء کے مشہور افراد کا مختصراً ذکر کر دیا ہے اور ان کے

Marfat.com

احوال واقوال کا بھی ذکر کیا ہے اور چند اصطلاحات کی تشریح کی ہے۔ اولیاء اللہ کی کرامات کے لئے ایک الگ باب باندھا ہے اور آخر میں شیخ اور مرید کے آداب بیان کر دیئے ہیں۔

رسالہ کی قدر و قیمت کے پیش نظر شیخ الاسلام قاضی القضاۃ ذکریا بن محمد بن احمد انصاری متوفی ۹۲۵ھ نے اس کی شرح لکھی، اور اس شرح پر استاذ سید مصطفیٰ عروسی نے حاشیہ لکھا جس کا نام "نتائج الافکار القدسیۃ فی بیان معانی شرح الرسالۃ القشیریہ" رکھا۔ سید مصطفیٰ عروسی نے یہ حاشیہ ۱۲۷۱ھ میں مکمل کیا۔

تصوف میں مذکورہ بالا جو کتب لکھی گئیں ان میں شرعی حدود کو مکمل طور پر پیش نظر رکھا گیا۔ اس لئے کہ ان کے مذہب کی بنیاد ہی کتاب وسنت پر ہے۔ یہ تو وہ امور ہیں جن پر عمل کرنا ہی نیک آدمی نہیں ہر مومن پر فرض ہے۔ اہل اللہ اس سے آگے قدم رکھتے ہیں کیونکہ منتہی یہیں تک نہیں۔ ان کا مطمح نظر اور مقصد اعلیٰ قرب الٰہی ہے، اور وہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ لہٰذا یہ ان تمام منازل کو جن کا ذکر کیا گیا ہے، سے گزر کر روحانیت کے باب میں داخل ہو جاتے ہیں۔ یہ روحانیت ان کی خاص باطنی کیفیت ہوتی ہے جس کے لاتعداد مراحل و مدارج ہیں۔ اس مقام پر ہر صوفی کی کیفیت اپنے اپنے مرتبہ و مقام و حال کے مطابق ہوتی ہے۔ اس کیفیت کو الفاظ کا جامہ نہیں پہنایا جا سکتا اور نہ ہی اہل ظاہر میں اس کیفیت کو سمجھنے کی طاقت ہے۔

شیخ احمد سرہندی المعروف بہ مجدد الف ثانی متوفی ۱۰۳۴ھ نے اس کی صرف جھلک دکھائی جسے میں یہاں پیش کر رہا ہوں، تاکہ آپ کو کچھ اندازہ ہو جائے کہ ان کے باطن کی کیا کیفیت ہوتی ہے۔ فرماتے ہیں:

واعلم ان الروح لم فارق الجسد بالموت الذی ھوقبل الموت وجد العارف الواصل روحہ غیر داخل فی الجسد ولا خارج منہ ولا متصل معہ ولا منفصل منہ ووجد ان للروح تعلقامع الجسد لصلاح الجسد بل لغرض یعود الی الروح کما لہ ایضا وذلک

Marfat.com

التعلق هو منشا الصلاح والخير فی الجسد ولولا ذلک التعلق لصار الجسد بهذا فیره شرا و نقصا (مبداء ومعاد: ۲۲)

''آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ جب روح اس موت کی وجہ سے جسم سے جدا ہو جاتی ہے جو حقیقی موت سے پہلے ہوتی ہے۔تو عارف واصل یوں پاتا ہے کہ اس کی روح نہ جسم میں داخل ہے اور نہ جسم سے باہر، نہ روح کا جسم سے اتصال ہے اور نہ اس سے جدا ہے۔اور یہ بھی محسوس کرتا ہے کہ جسم کی بہتری کے لئے روح کا جسم سے تعلق ہے۔ بلکہ اس تعلق کی ایک غرض ہوتی ہے اور وہ یہ ہے کہ اس روح کا کمال روح کی طرف عود کرآتا ہے۔یہی تعلق جسم کی صلاح وغیر کا سبب ہوتا ہے اگر یہ تعلق نہ ہوتو جسم ہمہ تن شر اور نقص بن جائے۔ (سہ ماہی فکرونظر۔اسلام آباد)

(۴) ڈاکٹر برہان احمد فاروقی

مسلم ذہن کا انداز فکر یہ ہے کہ وہ حواس کو ذریعہ علم حقیقت سمجھتا ہے اور محسوسات کو حقیقت سمجھتا ہے لیکن حواس کے علاوہ دوسرے ذرائع علم کا اور ورائے محسوسات کے حقیقت ہونے کا انکار نہیں کرتا۔ اس طرز فکر کو علامہ اقبال ''مسلم ذہن کی فکر مرکب کی عادت'' سے تعبیر کرتے ہیں۔

جدید ذہن اور مسلم ذہن کی فکر مرکب کی عادت میں فرق یہ ہے کہ جہاں مسلم ذہن حواس کو ذریعہ علم اور محسوسات کو حقیقت سمجھتا ہے، وہاں وجدان اور عقل کے بھی ذریعہ علم ہونے کو تسلیم کرتا ہے،اسی لئے مسلمانوں میں محسوسات کو حقیقت سمجھنے کے باوجود تصوف کی نشوونما ہوئی۔''

مسلمانوں میں تصوف کی نشوونما اس لئے ہوسکی کہ بخلاف جدید مغربی ذہن کے مسلمان نہ صرف حواس ہی کو ذریعہ علم اور صرف محسوسات ہی کو حقیقت سمجھتے تھے بلکہ حواس کے علاوہ عقل اور وجدان کے ذریعہ علم ہونے بھی تسلیم کرتے تھے۔اس لئے وجدان کو ذریعہ علم حقیقت مان کر حقیقت کے نظریئے کی تشکیل کی جدوجہد کی''۔

Marfat.com

مذہبی تصور کی نمائندگی دو طبقے کرتے تھے: صوفیاء اور علماء ان دونوں میں فرق یہ تھا کہ صوفیاء کا مسلک ہی ایسا تھا کہ زندگی کے باہمی تضاد، نفرت اور دشمنی کی طوفان بدوش، موجیں اس کی کشتی میں بیٹھنے والوں کو غرق نہ کرسکتی تھیں۔ علماء جن رسوم واطوار کا ذوق رکھنے کی بنا پر گروہ بندی کے بھنور میں پھنستے چلے گئے تھے، صوفیاء ایک ہی جست میں اس سے باہر نکل گئے تھے۔ رسوم واطوار کی پابندی صوفیاء بھی کرتے تھے مگر انہیں زندگی کی بنیادی سچائیوں سے کبھی ٹکرانے کے قابل نہ ہونے دیا۔ مذہبی علوم ان میں سے بہت کم حضرات ہی کے حصے میں آسکے تھے مگر پیغمبرانہ روح کی زد سے اس کی بنیادی تعلیم اور اس کے ہموار نظام زندگی کا کوئی گوشہ باہر نہ جاسکا۔ رند سبو بدوش ہو یا مذہبی رسوم کا پابند، مسلمان ہو یا کافر، غریب ہو یا امیر، سبھی کو انہوں نے اپنا بھائی سمجھا۔ سبھی کی معاشی الجھنوں میں سہارے دیئے اور سبھی کی کمزوریوں کو اپنی کمزوریوں کے برابر سمجھا۔ اپنی تخیلی طاقتوں کو انہوں نے کبھی ذریعہ معاش نہیں بنایا۔ بلکہ انہیں انفرادی زندگی کی گوناگوں مشکلات حل کرسکنے کے لئے مفید بنالیا۔

خاص طور پر برعظیم پاک وہند میں صوفیاء کا نیا نظام فکر نہ ہوتا تو معاشرتی تاریکیوں میں ٹھوکریں کھانے والا ہندوستان بہت بڑی سہولت سے محروم رہ جاتا۔ جس طرح مسلمان صوفیاء کے گرد جمع ہوتے، ان کے احکام کی تعمیل کرتے اور ان کی جاں نثاری پر فخر کرتے، ایسے لاکھوں ہندو بھی ان کے گرد پروانہ وار گردش کرتے نظر آتے۔ صوفیاء نے تضاد اور نفرت سے بھری ہوئی دنیا کو محبت اور خدمت کا پیغام دیا اور یہاں تک کامیاب ہوئے کہ معاشرتی زندگی میں کوئی سوسائٹی ان سے بازی نہ لے جاسکی۔ صوفیائے کرام اگرچہ بکھرے ہوئے موتیوں کی طرح ایک دوسرے سے بظاہر الگ ہی معلوم ہوتے تھے لیکن وہ اپنی تاریخ میں سب سے زیادہ منظم اور سب سے زیادہ بیدار طاقت بنے رہے۔ شاید اسی کا نتیجہ تھا کہ سیاسی تضاد کے باوجود متحدہ تمدن کی بنیاد پڑتی چلی گئی۔ آج ہر شخص متحدہ انسانیت کی ستائش میں ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی کوشش کررہا ہے لیکن جن ناگوار حالات میں صوفیائے کرام یہ مشکل فرض انجام دیتے رہے، اس کا اندازہ کرسکنا بھی ہم لوگوں کے لئے

Marfat.com

آسان نہیں۔ سجادہ و دلق ہی کی بنیادوں پر امتیازی پوزیشن دے سکنے والی سوسائٹی میں "طریقت بجز خدمت خلق نیست بہ تسبیح و سجادہ و دلق" کا نعرہ لگانا کوئی بچوں کا کھیل نہیں، صوفیاء کی پاکیزہ دل اور پاکیزہ کردار سوسائٹی نے وہ سب کچھ کیا جس کی آئیڈیل سوسائٹی (مثالی معاشرہ) سے توقع کی جا سکتی تھی۔ (قرآن اور مسلمانوں کے زندہ مسائل)

(۵) حضرت شیخ الحدیث علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری رحمۃ اللہ علیہ

بندہ مومن کی زندگی میں جمود اور تعطل کا گزر نہیں ہوتا اس کا ہر لمحہ جہد مسلسل سے عبارت ہے، وہ ہر وقت کلمہ حق کی سربلندی اور باطل کی سرکوبی کے محاذ پر رہتا ہے اور اس کا نام جہاد ہے۔ جہاد دو قسم کا ہے:

(۱) خارجی دشمنوں کے خلاف جہاد، آیہ کریمہ میں اسی کا ذکر ہے۔

يَآ اَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ (القرآن، التوبۃ۹ الایۃ۷۳)

"اے غیب کی خبر والے! کافروں اور منافقوں سے جہاد کرو اور ان پر سختی کرو"

(۲) داخلی دشمن، نفس امارہ سے جہاد، حدیث شریف میں ہے۔

المجاهد من جاهد نفسه في طاعة الله

"مجاہد وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اپنے نفس سے جہاد کرے"

خطیب بغدادی اپنی تاریخ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک غزوہ سے تشریف لائے تو صحابہ کرام کو فرمایا:

قد متم خير مقدم و قدمتم من الجهاد الاصغر الى الجهاد الاكبر (عبدالرحمن السيوطي جلال الدين: (الدرر المنتشرة "مطبوعه مصطفى البابي، مصر ص ۱۹۸)

ترجمہ: "تمہارا آنا خیر و برکت والا ہے۔ اور تم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف آئے ہو"

Marfat.com

صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے عرض کیا: ''یارسول اللہ! جہاد اکبر کیا ہے؟ فرمایا:
''انسان کا اپنی خواہش نفس سے جہاد''۔

مجاہدہ نفس کو جہاد اکبر اس لئے فرمایا کہ خارجی دشمن کا مقابلہ نسبتاً آسان ہوتا ہے لیکن اندر سے اٹھنے والی ناروا خواہشات کا گلا دبانا مشکل ہوتا ہے۔اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی خصوصی تائید کی ضرورت ہوتی ہے، نفس کو اخلاق ذمیمہ اور اوصاف قبیحہ سے پاک کر کے مقام اخلاص واحسان تک پہنچانے کا نام ہی تصوف ہے۔

تکمیل انسانیت کے لئے عقائد اور اعمال کا صحیح نہج پر قائم ہونا ضروری ہے پھر اعمال دو قسم کے ہیں: (۱) بعض کا تعلق ظاہری اعضاء سے ہے جیسے نماز اور روزہ وغیرہ۔ (۲) بعض کا تعلق دل سے ہے جیسے شکر اور خضوع وخشوع وغیرہ، ظاہری و باطنی عمل اور عقیدے کی صحت کا نام ہی دین ہے۔

حضرت جبرئیل علیہ السلام بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر اسلام ایمان اور احسان کے بارے میں پوچھتے ہیں۔حضور سید عالم ﷺ نے ان سوالات کے جوابات ارشاد فرمائے اور ان کے جانے کے بعد فرمایا:

هذا جبرئیل جاء یعلم الناس دینهم (محمد بن اسماعیل البخاری، الامام)

''یہ جبرائیل امین تھے جو لوگوں کو دین سکھانے کے لئے آئے تھے'' یعنی انہوں نے یہ سوالات اس لئے کئے تھے کہ سامعین کو معلوم ہو جائے کہ دین کسے کہتے ہیں، اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ ''ایمان نور اور عقیدہ کا نام ہے، اور اسلام طاعت وعبادت ہے اور احسان، مقام مراقبہ ومشاہدہ ہے۔

ان تعبد الله کانک تراه فان لم تکن تراه فانه یراک

''اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح ادا کرنا کہ گویا تو اسے دیکھ رہا ہے اور اگر یہ مقام حاصل نہ ہو تو یہ یقین رکھے کہ وہ تو مجھے دیکھ رہا ہے''۔

شیخ محقق حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

Marfat.com

دین کی بنیاد تین چیزوں پر ہے: فقہ، کلام اور تصوف، اس حدیث شریف میں ان تینوں مقامات کا بیان فرمایا گیا ہے۔ اسلام کا اشارہ فقہ کی طرف ہے جو شرعی احکام و اعمال پر مشتمل ہے ایمان کا اشارہ ان عقائد کی طرف ہے جو علم کلام کے مسائل ہیں، اور احسان کا اشارہ تصوف کی بنیاد کی طرف ہے اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سچی توجہ کا ہونا۔ تصوف کے تمام وہ مطالب جو مشائخ طریقت نے بیان فرمائے ہیں وہ اسی معنی (احسان) کی طرف راجع ہیں۔

علم تصوف اور کلام آپس میں لازم و ملزوم ہیں، ان میں سے کوئی بھی دوسرے کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتا، اسی طرح تصوف فقہ کے بغیر نامکمل ہے کیونکہ حکم الٰہی فقہ کے بغیر معلوم نہیں ہو سکتا، اور فقہ تصوف کے بغیر ناقص ہے کیونکہ عمل اس وقت تک نامکمل رہے گا جب تک صدق توجہ حاصل نہیں ہوگا اور یہ دونوں ایمان کے بغیر صحیح نہیں ہو سکتے، ان کی مثال ایسے ہی ہے جیسے جسم اور روح کہ ان میں سے کوئی بھی دوسرے کے بغیر مرتبہ کمال کو نہیں پہنچ سکتا۔ اسی لئے امام مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

من تصوف ولم تیفقه فقد تزندق و من تفقة ولم یتصوف فقد تفسق ومن جمع بینهما فقد تحقق

''وہ صوفی جو فقہ سے باخبر نہیں وہ زندیق ہے، اور جو فقیہ تصوف سے آشنا نہیں وہ فاسق ہے۔ جو دونوں کا جامع ہو وہ محقق ہے (عبدالحق محدث دہلوی، شیخ محقق)

اس تفصیل سے جہاں تصوف کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے وہاں یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ تصوف کی بنیاد وحی الٰہی ہے اور اس کا منبع کتاب و سنت ہے، نبی اکرم ﷺ کا اعلان نبوت سے پہلے غار حراء میں کئی کئی دن مصروف عبادت رہنا، اور اعلان نبوت کے بعد بے شمار مصروفیات کے باوجود ایک ایک لمحہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی یاد میں صرف کرنا، راتوں کو اٹھ کر طویل قرأت کے ساتھ نوافل پڑھنا حسن اخلاق کی ممکنہ حدود کی انتہا پر فائز ہونا ایسے معروف و مشہور امور ہیں جن کی تفصیل کتب سیرت و حدیث میں موجود ہے، نبی اکرم ﷺ کا یہ معمول رہا ہے کہ کیسا بھی موقع کیوں نہ آپ نے صحابہ کرام کی تربیت،

Marfat.com

اطاعت الٰہیہ کی تلقین اور آخرت کی یاد دلانے سے بے اعتنائی نہیں فرمائی۔

سرور دو عالم ﷺ کے فیض نظر کا یہ عالم تھا کہ صحابہ کا عبادت و ریاضت میں انہماک بہت بڑھ جاتا۔ نبی اکرم ﷺ انہیں اس کثرت سے منع فرماتے اور توازن اختیار کرنے کی تلقین فرماتے۔ ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ ''مجھے بتایا گیا ہے کہ تم کہتے ہو کہ میں زندگی بھر دن کو روزہ رکھوں اور رات کو قیام کروں گا'' انہوں نے عرض کیا کہ ''ہاں! میں نے یہی طے کیا ہے''۔ فرمایا: ''تم اسے نبھا نہیں سکو گے اس لئے روزہ بھی رکھو اور افطار بھی کرو، رات کو قیام بھی کرو اور نیند بھی لو'' (محمد بن اسماعیل البخاری، امام)

اس جگہ فطری طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو صوفی کا لقب کیوں نہیں دیا گیا؟ جب کہ وہ اخلاق حسنہ اور اوصاف فاضلہ کے اعلیٰ معیار کے حامل تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ صحابہ کرام آفتاب رسالت سے براہ راست اکتاب فیض کی بدولت عقائد صحیحہ، اعمال حسنہ اور احوال قلوب کے علیٰ وجہ الکمال جامع تھے، وہ بیک وقت میدان جنگ اور مسجد و خانقاہ کی تقاضوں کو پورا کرتے تھے۔ وہ ایمان و عمل کے اس مقام رفیع پر فائز تھے جو منشائے ایزدی کا مطلوب تھا، ان ہی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اصالتہ یہ فرمان صادر فرمایا:

''کُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ ''(القرآن آل عمران ۳، آیہ ۱۱۰)

تم بہترین امت ہو جسے اقوام عالم کے سامنے (بطور مثال) پیش کیا گیا ہے''

البتہ جوں جوں آفتاب نبوت و رسالت سے زمانی بعد بڑھتا گیا، افراد امت میں ضعف اور اضمحلال بڑھتا گیا، اور ضرورت محسوس کی گئی کہ بعض حضرات خصوصی طور پر علم کلام و عقائد کی طرف متوجہ ہوں، جنہیں متکلمین کہا گیا۔ اور بعض فقہ اور تصوف کو اپنا موضوع بنائیں، جنہیں فقہاء اور صوفیاء کہا گیا۔ اس طرح امت مسلمہ کی دینی اور علمی ضرورتوں کو پورا کیا گیا، اور ایسے رجال تیار ہوئے جو اپنے اپنے فن کے امام تسلیم کیے گئے۔ جن کی تحقیقات اور تعلیمات رہتی دنیا تک مینارہ نار کا کام دیتی رہیں گی۔

Marfat.com

ضرورت مرشد

آج کے پر فتن ماحول میں جب کہ ہر شخص لذت اور دولت کی تلاش میں سرگرداں ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب پاک ﷺ کے احکام وفرامین کا اول تو اکثریت کو علم ہی نہیں ہے، اور جنہیں علم ہے وہ ان میں عمل پیرا نہیں، دل خوف خدا جل مجدہ، اور خوف آخرت سے عاری ہیں۔ اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ بے چینی اور بے اطمینانی کی وباء ہر کس وناکس کو اپنی لپیٹ میں لئے ہوئے ہے، اور عزت کامرانی کا دور دور پتا نہیں ہے، جسے دیکھو مایوسی اور نا امیدی کی تصویر بنا ہوا پوچھ رہا ہے کہ ایسا کیوں ہے؟

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِىْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى (القرآن طه ۲۰ آیه ۱۲۴)

''جس نے میری یاد سے پہلو تہی کی اس کے لئے سامان زندگی کی تنگی ہے، اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔''

مادہ پرستی کے اس دور میں ہر شخص سکون قلب کا متلاشی ہے، اور یہ طے شدہ حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کی اطاعت وعبادت کے بغیر سکون قلب میسر نہیں آ سکتا، یہی وجہ ہے کہ آج کا انسان تلاش بسیار کے باوجود جب کہیں سے دولت سکون حاصل نہیں کر پاتا تو دین اور تصوف کی طرح رجوع کرتا ہے، ارباب صفا اور اصحاب ارشاد کے آستانوں پر حاضری دیتا ہے۔

مرشد کیسا ہونا چاہیے

مرشد کا کام ہدایت وراہنمائی ہے۔ وہ آنے والوں کے عقائد، اعمال اور احوال قلب کی اصلاح کرتا ہے، طالبان ہدایت کو اللہ تعالیٰ کے رنگ میں رنگ دیتا ہے، اس لیے ضروری ہے کہ کسی کی طرف رجوع کرنے سے پہلے پوری طرح اطمینان کر لیا جائے کہ ہم صحیح شخصیت کے پاس جا رہے ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ کوئی جعلی اور غلط رنگ چڑھا دے اور بجائے فائدے کے نقصان ہی اٹھانا پڑے۔

Marfat.com

دینی مدارس اور خانقاہوں میں تصوف کی ضرورت

ایک وقت تھا کہ خانقاہی نظام، اصلاح امت کا فریضہ بڑی عمدگی سے ادا کر رہا تھا، مشائخ کرام، قرآن وحدیث اور بزرگان دین کی تصانیف مبارکہ پڑھ کر حاضرین کو سناتے تھے، یا ان کے مضامین زبانی بیان فرمایا کرتے تھے۔ نتیجہ یہ تھا کہ ہر آنے والا، اپنی ہمت اور استطاعت کے مطابق تقویٰ وطہارت اور دین اخلاق کا کچھ نہ کچھ حصہ حاصل کر لیتا تھا۔ دینی مدارس میں فارسی کا نصاب پڑھایا جاتا، تصوف کی کتابیں سبقاً، پڑھی جاتیں یا زیر مطالعہ رہی تیں۔ جس سے علماء کرام کے کردار میں استقامت اور راستی پیدا ہوتی، اخلاق دلکشی اور چاشنی کا مرقع ہوتے اور ان کے اقوال وافعال، خلوص اور للّٰہیت کے آئینہ دار ہوتے، مگر آج ذرا توجہ سے دیکھئے تو عالم ہی بدلا ہوا نظر آئے گا۔

مانا کہ سائنس اور دیگر دنیاوی علوم وفنون کی ترقی کا رخ، مستقبل کی طرف ہے، مگر دینی اور روحانی ترقی کا راز ماضی کی جانب متوجہ ہونے میں ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کے حبیب ﷺ کے علم وعمل کے جس قدر قریب ہوگا اسی قدر ترقی کرے گا۔

موجودہ دور کی اہم ضرورت یہ ہے کہ دینی مدارس اور خانقاہوں میں زیادہ سے زیادہ قرآن وحدیث، فقہ اور کتب تصوف مثلاً ''کشف المحجوب حضرت داتا گنج بخش سید علی ہجویری''، ''احیاء العلوم اور کیمیائے سعادت''، امام غزالی، قوت القلوب''، حضرت ابوطالب مکی، ''مثنوی'' مولانا جلال الدین رومی اور ''مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی'' ایسی کتابوں کے مطالعہ پر زور دیا جائے ان کے خصوصی لیکچروں کا اہتمام کیا جائے، ذکر وفکر کی محفلیں منعقد کی جائیں تاکہ امت مسلمہ تقویٰ وپرہیزگاری، خلوص اور للّٰہیت، اتباع شریعت، حسن عقائد اور حسن اخلاق اور حسن معاملات سے آراستہ ہو کر فوز وفلاح کی راہ پر گامزن ہو جائے۔

مقدمہ ''مرشد ومرید کے آداب از معین نظامی)

اردو ترجمہ: الامر الحکیم المربوط فی مایلزم اہل طریق اللہ من الشروط۔ للشیخ الاکبر، ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ۔

Marfat.com

ہمارے شیخ محمد الہاشمی

یہ میری خوش نصیبی ہے کہ اس بحث کے اختتام میں اپنے شیخ و مرشد عظیم مربی عارف باللہ حضرت سید محمد ہاشمی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات ذکر کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ اور اپنی کتاب کا اختتام آپ کے ذکر مبارک اور آپ کی حیات طیبہ کے بعض واقعات سے کروں۔

ولادت باسعادت

آپ کی ولادت باسعادت بروز ہفتہ ۲۲ شوال ۱۲۹۸ھ کو الجزائر کے مشہور شہر سبدہ میں ہوئی جو تلمسان کے قریب واقع ہے۔ آپ کے والدین کریمین کا تعلق اہل بیت سے ہے اور ان کا نسب حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ آپ کے والد گرامی اپنے شہر کے بہت بڑے عالم اور قاضی تھے۔ طویل عرصہ تک شیخ مختلف علماء ومشائخ کی مجالس میں حصول علم کی خاطر حاضر ہوتے رہے۔ پھر آپ فرانسیسی سامراج سے رنگ آ کر اپنے شیخ محمد بن رحمۃ اللہ علیہ کی معیت میں شام کی طرف ہجرت فرما گئے۔ کیونکہ اس ظالم سامراج نے لوگوں کو علمی مجالس میں حاضر ہونے سے روک دیا تھا۔ آپ نے ۲۰ رمضان المبارک ۱۳۲۹ھ میں طنجہ اور مریسیلہ کے راستے شام کی طرف ہجرت کی اور کچھ دن دمشق ٹھہرے۔ پھر جب ترکی حکومت نے الجزائر سے آنے والے مہاجرین کو مختلف علاقوں میں تقسیم کیا تو آپ کو دمشق چھوڑ کر ترکی

Marfat.com

جانا پڑا۔ دو سال بعد آپ دمشق واپس لوٹ آئے اور اپنے شیخ کی صحبت سے مستفید ہوتے رہے۔ اس دوران آپ شام کے اکابر علماء سے حصول علم کی تگ ودو میں مصروف رہے۔ آپ کے مشہور اساتذہ میں عظیم محدث بدرالدین حسنی، شیخ امین سوید، شیخ محمود عطار، وغیرہ ہیں۔ ان سے فقہ مالکی کا علم حاصل کیا۔ آپ کے اساتذہ نے آپ کو علوم عقلیہ ونقلیہ کی اسناد عطا فرمائیں۔ جب آپ کے شیخ محمد بن یلس رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھا کہ آپ ان کے تمام شاگردوں میں علم، معرفت، اخلاص اور خدمت کے لحاظ سے فوقیت رکھتے ہیں، تو انہوں نے آپ کو اذان عطا فرمایا۔ آپ کے شیخ کے وصال کے بعد مرشد کبیر حضرت احمد بن مصطفیٰ علوی رحمۃ اللہ علیہ الجزائر سے فریضہ حج کی ادائیگی کے لئے تشریف لائے تو انہوں نے آپ کو خاص ورد (اسم اعظم) کی اجازت فرمائی۔ اس کے علاوہ آپ کو اجازت عام عطا فرمائی۔

اخلاق اور سیرت

آپ نبی کریم ﷺ کے اخلاق سے متصف تھے اور اپنے تمام اقوال، احوال اخلاق اور افعال میں نبی کریم ﷺ کے متبع تھے۔ اس لئے آپ کو رسول اللہ ﷺ سے خصوصی فیض حاصل ہوا۔ آپ انتہائی متواضع اور منکسر المزاج تھے، حتیٰ کہ آپ کی تواضع مشہور ہوگئی اور آپ کے معاصرین اس مقام کو حاصل نہ کر سکے۔

آپ لوگوں کے ساتھ ایسا ہی سلوک کرتے جس طرح چاہتے کہ لوگ ان کے ساتھ سلوک کریں۔

ایک دفعہ ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کے دست اقدس کا بوسہ لیا۔ جب آپ نے اس کے ہاتھ کا بوسہ لینا چاہا تو اس شخص نے آپ کو بوسہ نہ لینے دیا اور عرض کی کہ میں اس قابل نہیں ہوں۔ بلکہ میں تو آپ کے پاؤں کا بوسہ لینا چاہتا ہوں۔ تو شیخ علیہ الرحمۃ نے فرمایا ''اگر تم ہمارے پاؤں کا بوسہ لوگے تو ہم بھی تمہارے پاؤں کا بوسہ لیں گے''۔

Marfat.com

آپ کی یہ خواہش ہوتی تھی کہ آپ بذات خود مہمانوں کی خدمت کریں۔ جب بھی کوئی مہمان یا شاگرد آپ کے ہاں رات بسر کرتا تو آپ خود اس کو کھانا پیش کرتے اور جسمانی کمزوری کے باوجود بستر بھی پیش کرتے۔ ہمیں خود بھی کئی دفعہ اتفاق ہوا کہ اگر ہم نے آدھی رات کو بھی ان کا دروازہ کھٹکھٹایا تو آپ نے فوری دروازہ کھولا اور آپ عام لباس میں ہی ملبوس تھے۔ ہم نے آپ کو سلیپنگ سوٹ میں نہ دیکھا۔ گویا کہ آپ ایک مجاہد کی طرح ہر وقت خدمت کے لئے تیار رہتے۔

آپ انتہائی بردبار اور حلیم تھے۔ آپ اس وقت غصے کا اظہار فرماتے جب احکام الٰہیہ کی مخالفت کی جائے۔ ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ اہل دمشق میں سے ایک شخص آپ کے گھر آیا اور آپ کی شان میں گستاخی کرنے لگا۔ اور آپ کی شان میں انتہائی گھٹیا الفاظ استعمال کئے۔ لیکن شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے صرف یہی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے آپ نے ہمیں ہمارے عیوب سے آگاہ کیا ہے۔ انشاء اللہ ہم ان عیوب کو ترک کر کے اخلاق حسنہ اپنانے میں کوشش کریں گے'' لیکن کچھ عرصہ بعد یہی شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کے ہاتھ پاؤں چومنے لگا اور آپ سے معذرت کرنے لگا۔

آپ انتہائی سخی اور کریم تھے۔ کسی شخص کو خالی ہاتھ نہ لوٹاتے۔ ہم نے خود دیکھا ہے کہ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے آپ انہیں عطا بھی فرماتے، اور ان کی تعظیم بھی کرتے۔ خصوصا خاص موقعوں پر دستر خوان بچھا دیئے جاتے لوگ گروہ در گروہ آتے اور کھانا تناول کر کے چلے جاتے۔ آپ کے چہرہ مبارک پر ہمیشہ مسکراہٹ رہتی آپ کے جود وسخا کی کوئی انتہاء نہ تھی جب آپ نے دمشق میں اپنا مقام بنایا تو اس کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک حصہ اپنے اہل وعیال کے لئے اور دوسرا اپنے مریدین اور شاگردوں کے لئے۔

آپ انتہائی وسیع الظرف اور صابر تھے۔ مصائب ومشکلات کے باوجود آپ کے چہرے پر مسکراہٹ رہتی۔ حتیٰ کہ ایک دفعہ آپ کے صبر پر مجھے انتہائی تعجب ہوا تو آپ

Marfat.com

نے فرمایا: ''ہمارا یہ مشرب جمالی ہے جلالی نہیں''۔ جب بھی کوئی گنہگار آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو آپ اس سے خندہ پیشانی سے پیش آتے۔ اس طرح بہت سے لوگ آپ کے دست اقدس پر تائب ہوئے اور آپ کی صحبت کی برکت سے کامل مومن اور عارف بن گئے۔ ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ آپ مدرسین کو درس دینے کے بعد واپس تشریف لا رہے تھے کہ راستے میں ایک نشئی کو دیکھا۔ آپ نے اس کے چہرے سے گرد وغبار صاف کیا اس کو نصیحت کی اور دعا فرمائی۔ دوسرے دن وہی شخص سب سے پہلے درس میں پہنچ گیا اور آپ کے دست اقدس پر توبہ کی۔

آپ مسلمانوں کے احوال کی طرف خصوصی توجہ دیتے اور ان مصائب وتکالیف دیکھ کر رنجیدہ ہو جاتے۔ اور آپ علماء کی انجمن میں حاضر ہوتے جس کا اجلاس جامع اموی میں ہوتا وہاں مسلمانوں کے احوال کے متعلق غور وفکر کرتے۔ فرقہ واریت کے نقصان سے انہیں آگاہ کرتے حتیٰ کہ آپ نے فرقہ واریت کے اسباب ونقصانات اور اتحاد واجتماعیت کی فوائد پر ایک کتاب تالیف کی، جس کا عنوان **القول الفیصل القویم فی بیان المراد من وصیة الحکیم** ہے۔

آپ غیر ملکی سامراج کے سخت مخالف تھے اور ان کے ظلم وستم سے چھٹکارا حاصل کرنے کے بارے میں غور وفکر کرتے تھے۔ جب حکومت نے آپ کو جنگی تربیت کی دعوت دی اور شہری دفاع کو منظم کیا تو شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے جنگی تربیت کے لئے اپنا نام درج کروا دیا، اور اپنی جسمانی کمزوری اور بڑھاپے کے باوجود مختلف انواع کے ہتھیار چلانے کی تربیت حاصل کی۔ اس طرح آپ نے عوام الناس کے سامنے قوت ایمانی اور جہاد فی سبیل اللہ کی اعلیٰ مثال قائم کی۔ اور ہمارے لیے ان مشائخ عظام کی یاد تازہ کردی جنہوں نے غیر ملکی سامراج کے خلاف علم جہاد بلند کیا۔ ان مشائخ ک میں حضرت عمر مختار شیخ سنوسی اور شیخ عبدالقادر الجزائری پیش پیش تھے۔ یہی وہ صوفیائے کرام تھے۔ جنہوں نے ان علاقوں سے غیر ملکی سامراج کا خاتمہ کیا۔

Marfat.com

آپ بہترین سیرت کے مالک اور حسن معاملہ میں مشہور تھے۔ یہی وجہ تھی کہ لوگ جوق در جوق آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور آپ سے تصوف کی حقیقی تعلیمات حاصل کرتے۔ حتیٰ کہ آپ کے بارے میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ عالم ہونے کے باوجود اپنے علم کی وجہ سے مشہور نہیں ہوئے اور اس طرح کثیر کرامات کے باوجود آپ کو ان کرامات کی وجہ سے شہرت نہیں ملی۔ بلکہ آپ اپنے کریمانہ اخلاق، تواضع اور معرفت الٰہی کی وجہ سے مشہور ہوئے۔ آپ کی مجلس میں حاضر شخص ایسے محسوس کرتا جیسا کہ وہ جنت کے باغیچہ میں بیٹھا ہو۔ کیونکہ آپ کی مجلس میں خلاف شرع کسی کام کا ارتکاب ممکن نہیں تھا۔ آپ اس معاملہ میں انتہائی احتیاط کرتے کہ آپ کی موجودگی میں کسی مسلمان کی تنقیص کی جائے، اور نہ ہی یہ پسند کرتے کہ آپ کی مجلس میں کسی فاسق و فاجر کا ذکر ہو۔ بلکہ آپ فرماتے ''نیک لوگوں کے ذکر کے وقت رحمت الٰہی نازل ہوتی ہے۔

آپ مسلمانوں کو صراط مستقیم کی طرف راہنمائی کرنے اور ان کو گمراہیوں سے نکالنے کے جہاد میں مسلسل مشغول رہے۔ آپ کی علمی مجالس صبح سے شام تک جاری رہتیں۔ آپ علم توحید یعنی علم الکلام پر خصوصی توجہ فرماتے۔ کیونکہ یہ علم حصول دین میں شامل ہے۔ آپ عقیدہ اہلسنت بیان کرنے کے ساتھ ساتھ فاسد اور الحادی عقائد کا بھی رد کرتے۔ اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں رجوع اور صرف اسی کے ساتھ تعلق جوڑنے کی تلقین فرماتے۔

آپ کی تبلیغی سرگرمیاں

آپ کا آستانہ علماء طلباء اور عام ملاقاتیوں کا مرجع و محور تھا۔ آپ کبھی اکتاہٹ کا اظہار نہ کرتے اور اپنی جسمانی کمزوری کے باوجود مساجد اور لوگوں کے گھروں مین علم و ذکر کی محافل کا انعقاد کرتے۔ اسی طرح آپ دمشق کی مساجد میں بھی علمی مجالس اور ذکر الٰہی اور درود پاک کی محافل کا اہتمام کرتے۔ آپ کی یہ تبلیغ و دعوت کی سرگرمیاں آخر دن تک جاری وساری رہیں۔ کثیر طلباء و علماء نے آپ سے اکتساب فیض کیا۔ ان کے علاوہ امت مسلمہ

Marfat.com

کے مختلف طبقات سے تعلق رکھنے والے لوگ آپ کے ارشادات اور علوم و معارف سے مستفید ہوئے۔ اور لوگ اپنے مختلف امور میں آپ کی طرف رجوع کرتے۔ آپ نے بہت سے خلفاء کو دعوت وارشاد کی اجازت دی۔ اس وجہ سے آپ کا روحانی فیض دمشق، حلب اور شام کے مختلف علاقوں میں ہی نہیں پھیلا بلکہ یہ سلسلہ دیگر مسلم ممالک تک بھی پہنچا

مؤلفات

آپ کی تالیفات درج ذیل ہیں:

(۱) مفتاح الجنہ شرح عقیدہ اہلسنت

(۲) الرسالہ الموسومہ بعقیدۃ اہلسنت مع نظمها

(۳) ۔ البحث الجامع والبرق اللامع والغیث الهامع فیما یتعلق بالصنعہ والصانع

(۴) سبیل السعادۃ فی معنی کلمتی الشهادۃ مع نظمها

(۵) الردۃ البهیة

(۶) الحل السدید لما استشکلہ المرید من جواز العکس عن مرشدین

(۷) القول الفصل القویم فی بیان المراد من وصیۃ الحکیم

(۸) شرح شطرنج العارفین الشیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ

(۹) الاجوبہ العشرۃ

(۱۰) شرح نظم عقیدۃ اہلسنہ

اس کے علاوہ دیگر رسائل بھی آپ نے تالیف فرمائے۔ کثیر علماء نے آپ سے تصوف کی تعلیمات حاصل کیں۔ اس طرح شیخ ہاشمی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زندگی جہاد اور تعلیم میں صرف کردی۔ آپ نے کثیر لوگوں کی تربیت فرمائی اور راہ راست سے بھٹکے ہوئے لوگوں کا تزکیہ نفس کر کے ان کو معرفت الٰہی سے سرشار کر دیا۔ کاہلی و سستی آپ سے کوسوں دور تھی۔ آپ قول و عمل اور حال کے اعتبار سے رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ پر ثابت قدم رہے۔ اور

Marfat.com

آخری ایام میں اپنے مریدین کو وصیت فرمائی کہ "کتاب وسنت کو مضبوطی سے تھامے رکھنا"۔ اور آپ کی یہ وصیت اس بات کی غماز ہے کہ آپ کو وراثت محمدی میں کمال حاصل تھا۔

بالآخر آپ کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ اور آپ بروز منگل ۱۲ رجب المرجب ۱۳۸۱ھ بمطابق ۱۹ دسمبر ۱۹۶۱ء میں اپنے خالق حقیقی کو جا ملے۔

نماز جنازہ جامعہ اموی میں پڑھی گئی اور پھر اہل دمشق وحدیٔ قبرستان میں دفن کیا گیا۔ آپ کا مزار مشہور ومعروف اور مرجع خلائق ہے۔ اگرچہ آپ کا جسد خاکی تو اس قبر میں آرام فرما ہے لیکن آپ کا علم وفضل اور معارف وتعلیمات چاردانگ علم میں پھیل چکی ہیں۔ عاملین کے لئے شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی نمونہ ہے۔ انہیں بھی اسی طرح عمل کرنا چاہیے۔ یہ آپ کی سیرت طیبہ کے بحر زخار سے چند قطرات ہیں ورنہ عارفین کی سیرت ان کے مریدین اور شاگردوں میں منعکس ہو جاتی ہے۔ اور ان اسرار ورموز کا احاطہ کرنا انسان کے بس کی بات نہیں۔ اسی قسم کی زندہ جاوید شخصیات کے بارے میں کسی نے کیا خواب کہا ہے۔

فتشبهوا ان لم تكونوا مثلهم　　ان　　بالكرام　　فلاح

"اگر تم ان کی مثل نہیں ہو تو کم از کم ان کی مشابہت اختیار کرو۔ کیونکہ کریم لوگوں کے ساتھ مشابہت میں بھی فلاح ہے"۔

کسی شاعر کا قول ہے [۴۹]

موت التقى حيات لا انقطاع لها　　　قدمات قوم وهم فى الناس احياء

"متقی وپرہیزگار کی موت مسلسل زندگی ہے۔ بعض لوگ ظاہری طور پر مر جاتے ہیں لیکن لوگوں کے دلوں پر زندہ رہتے ہیں"۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اس فانی دنیا سے کوچ فرمانے سے پہلے ہی عام اور خاص اوراد اور تربیت وارشاد کی اجازت فرما دی تھی۔

Marfat.com

سلسلہ شاذلیہ کی سند

سند دین کا حصہ ہے، اگر اسناد نہ ہوتیں تو ہر شخص اپنی مرضی کی بات دین میں شامل کر دیتا۔ کیونکہ صوفیائے کرام کے مشرب و مذہب کی بنیاد تحقیق و تدقیق کے اعلیٰ مرتبہ پر ہے۔ اس لیے کسی سلسلہ میں داخل ہونے والے سالک کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس سلسلہ کی سند کی تحقیق کر لے، کیونکہ مدعی کا قول اسی وقت قابل قبول ہوتا ہے جب وہ اپنے دعویٰ پر مضبوط دلیل قائم کر لے۔

کیونکہ اس سلسلہ عالیہ شاذلیہ کی سند رسول اللہ ﷺ تک متصل ہے۔ اس لیے ہم سلسلہ شاذلیہ کے شجرۂ طریقت کا ذکر کریں گے۔ یہ شجرہ طریقت مختلف شیوخ سے ہوتا ہوا حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچتا ہے۔ وہاں سی حضرت علی رضی اللہ عنہ اور آپ سے حضور سرور کائنات ﷺ سے ملتا ہے۔

بعض علماء کرام نے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سماع کا انکار کیا ہے۔ لیکن مشہور محدث فقیہ حافظ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے سماع کو ثابت کیا ہے۔ عظیم محدث وفقیہ امام ابن حجر ہیثمی مکی نے بھی آپ کی تائید کی ہے۔ ہم ان دونوں محققین کی آراء کو ناظرین کی خدمت میں کرتے ہیں:

Marfat.com

(۱) امام جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ

امام جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''الحاوج للفتاوی'' میں ارشاد فرماتے ہیں کہ بعض حفاظ حدیث نے امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سماع کا انکار کیا ہے۔ بعض متاخرین نے اسی پر اعتماد کرتے ہوئے خرقہ پہننے سے انکار کر دیا۔ لیکن اس کے برعکس علماء کی ایک جماعت نے اس کو ثابت کیا ہے۔ میرے نزدیک یہ قول کئی وجوہ سے راجح ہے۔ حافظ ضیاء الدین مقدسی رحمۃ اللہ علیہ نے احادیث مختارہ میں اسی کو راجح قرار دیا ہے۔ اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اطراف المختارہ میں ان کی تائید کی ہے۔ اس قول کے راجح ہونے کی درج ذیل وجوہات ہیں:

(۱) علمائے اصول نے ترجیح کی وجوہات میں ایک وجہ یہ ذکر کی ہے کہ مثبت کو نافی پر مقدم کیا جائے گا۔ کیونکہ اس میں زیادتی علم ہے۔

(۲) حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت بالاتفاق اس وقت ہوئی جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخری دو سال باقی تھے۔ آپ کی والدہ ماجدہ حضرت خیرہ۔ اُم المؤمنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کی خادمہ تھے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا حصول برکت کے لئے اس بچے کو صحابہ کرام کی خدمت میں بھیجتیں۔ ایک دفعہ آپ نے اسے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیجا تو آپ نے ان کے لئے دعا فرمائی۔

اللهم فقهه فی الدین وحبه فی الناس

(اے اللہ! اسے دین کی سمجھ بوجھ عطا فرما اور اسے لوگوں میں محبوب بنا دے''

حافظ جمال الدین المزی نے اس واقعہ کو تہذیب میں نقل کیا ہے۔

اسی طرح امام عسکری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''المواعظ'' میں اس واقعہ کو اپنی سند کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ حافظ مزی فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت

Marfat.com

کے وقت حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی عمر چودہ برس تھی۔ اور یہ بات واضح ہے کہ سات سالہ کی عمر میں بچے کو نماز کا حکم دیا جاتا ہے۔ آپ نماز کے لئے مسجد میں آتے تھے او حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھتے تھے۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی ان دنوں مدینہ طیبہ میں ہی مقیم تھے کیونکہ آپ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد کوفہ منتقل ہو گئے تھے۔ اس صورت حال میں جب کہ آپ سات سال تک دن میں پانچ مرتبہ مسجد میں تشریف لاتے تو ان کا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سماع کا انکار کیسے کیا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ حضرت علی رضی اللہ عنہ امہات المومنین کی زیارت کے لئے تشریف لے جاتے تھے اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر پرورش پائی۔ تو اس صورت حال میں بھی سماع ممکن ہے۔

(۳) حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے بعض روایات مروی ہیں جو آپ کے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سماع پر دلالت کرتی ہیں۔ حافظ مزی نے اپنی کتاب ''التہذیب'' میں ذکر کیا ہے کہ حضرت یونس بن عبید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے سوال اللہ ﷺ نے فرمایا۔ ابو سعید! آپ حدیث روایت کرتے وقت اکثر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ حالانکہ آپ نے ان کا زمانہ نہیں پایا تو آپ نے جواب دیا: ''اے میرے بھتیجے! تو نے مجھ سے ایک ایسی بات پوچھی ہے جو آج تک کسی نے نہیں پوچھی۔ اگر میری نگاہ میں تمہارا کوئی مرتبہ نہ ہوتا تو میں تمہیں اس بات سے آگاہ نہ کرتا۔ تمہیں معلوم ہے کہ ہم ایک ایسے دور سے گزر رہے ہیں (یہ حجاج بن یوسف کا دور تھا) کہ مجھ سے سنی ہوئی ہر وہ حدیث جس میں میں کہتا ہوں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہوتی ہے۔ لیکن میں اس دور میں آپ کا نام ذکر نہیں کر سکتا''۔ اس کے بعد امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی وہ چند احادیث ذکر کی ہیں جو امام حسن

Marfat.com

بصری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہیں۔

امام احمد بن حنبل اپنی مسند میں روایت کرتے ہیں کہ ہمیں ہثیم نے حدیث بیان کی اور وہ فرماتے ہیں ہمیں یونس نے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کردہ حدیث بیان کی اور انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ آپ نے فرمایا کہ ''میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ تین قسم کے افراد سے قلم اٹھالی گئی ہے: بچے سے بالغ ہونے تک، سونے والے سے اس کے بیدار ہونے تک اور مجنوں سے اس کے صحت مند ہونے تک''۔

اس حدیث پاک کو امام ترمذی نے روایت کر کے اسے حسن قرار دیا ہے۔ اس کے علاوہ نسائی نے سنن میں اور ضیاء مقدسی نے المختارۃ میں اور حاکم نے مستدرک میں روایت کر کے اس کی تصحیح کی ہے۔ حافظ زین الدین عراقی نے ترمذی کی شرح میں اس حدیث پر بحث کرتے ہوئے فرمایا کہ علی بن مدینی فرماتے ہیں کہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں دیکھا۔ اس وقت وہ چھوٹے تھے۔ ابوزرعہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت خلافت کے دن حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی عمر چودہ سال تھی۔ آپ نے مدینہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کوفہ اور بصرہ میں تشریف لے گئے۔ اور اس کے بعد آپ سے ملاقات نہ ہوسکی۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو بیعت کرتے دیکھا۔

مؤلف فرماتے ہیں کہ عقلمند کیلئے اس قدر بحث ہی کافی ہے، جن لوگوں نے سماع کا انکار کیا ہے ان کے قول کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مدینہ طیبہ چھوڑنے کے بعد پر محمول کیا جائے گا۔

(۲) حافظ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا، کیا حسن بصری رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا کلام سنا ہے؟ حتی کہ صوفیائے کرام کے خرقہ پہننے کی سند اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حضرت حسن بصری کا روایت کردہ ذکر کی تلقین ثابت ہوسکی۔

Marfat.com

حواشی باب الاول

(۱) حاشیہ رسالہ قشیریہ (شیخ الاسلام زکریا انصاری) ص ۷

(۲) قواعد تصوف (ابوالعباس احمد زروق) ص ۶

(۳) نورالتحقیق (علامہ حامد صقر) ص ۹۳

(۴) معراج التشوف الی حقائق التصوف (احمد بن عجیبہ حسنی) ص ۴

(۵) کشف الظنون (حاجی خلیفہ) ج ۱، ص ۴۱۳-۴۱۴

(۶) ایقاظ الھمم (ابن عجیبہ) ص ۶

(۷) المسلم مجلہ عشیرہ محمدیہ (ڈاکٹر احمد علوش)

(۸) الانتصار الطریق الصوفیاء، ص ۶ (محدث محمد صدیق الغماری)

(۹) مقدمہ ابن خلدون، ص ۳۲۹

(۱۰) الانتصار الطریق صوفیاء، ص ۱۷-۱۸ (محدث غماری)

(۱۱) کشف الظنون، ج ۱، ص ۴۱۴ (حاجی خلیفہ)

(۱۲) الاشباہ والنظائر، ص ۵۰۴ (امام جلال الدین سیوطی)

(۱۳) شرح جوہرۃ، ص ۱۲۰-۱۲۲ (امام باجوری)

(۱۴) حاشیہ ابن عابدین، ج ۱، ص ۳۱ (علامہ ابن عابدین)

(۱۵) الھدیہ العلائیہ (علاؤالدین عابدین) ص ۳۱۵

(۱۶) فتوحات الالھیہ، ج ۱، ص ۱۰۵

(۱۷) النصرۃ النبویہ، ص ۲۶

(۱۸) ایقاظ الھمم، ص ۷ (ابن عجیبہ)

(۱۹) السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۴ (امام شعرانی)

Marfat.com

حواشی باب الثانی

(۱) فتاویٰ حدیثیہ، ص ۵۵ (امام احمد بن حجر مکی)

(۲) مفاتیح الغیب، ج ا ص ۱۴۲ (امام فخر الدین رازی)

(۳) شرح الجوہرۃ، ص ۱۳۳ (امام باجوری)

(۴) النور المبین علی المرشد المعین ص ۱۷۸ (محمد ابن یوسف)

(۵) تنویر القلوب، ص ۴۴۔۴۵ (شیخ امین کردی)

(۶) شرح الحکم، ج ا ص ۷ (ابن عجیبہ)

(۷) شخصیات صوفیہ، ص ۱۵۴ (طٰہٰ عبد الباقی)

(۸) خلاصہ التصنیف، ص ۱۸ (حجۃ الاسلام امام غزالی)

(۹) احیاء العلوم، ج ۳، ص ۶۵

(۱۰) احیاء العلوم، ج ۳، ص ۵۵

(۱۱) المواقف، ج ا ص ۱۰۵ (امیر عبد القادر الجزائری)

(۱۲) لطائف المنن، ص ۱۶۷ (ابن عطاء اللہ سکندری)

(۱۳) ایقاظ الھمم، ج ا ص ۴۷

(۱۴) فتوح الغیب، ص ۲۰۱ (شاہ عبد القادر جیلانی)

(۱۵) لواقع انوار القدسیہ، ج ا ص ۹۱ (شیخ عبد الوہاب شعرانی)

(۱۶) لطائف المنن والاخلاق، ج ا ص ۴۸ (امام شعرانی)

(۱۷) لطائف المنن والاخلاق، ج ا ص ۲۵ (امام شعرانی)

(۱۸) لطائف المنن والاخلاق، ج ا ص ۵۰ (شیخ عبد الوہاب شعرانی)

(۱۹) طبقات الصوفیہ، ص ۳۶۵ (عبد الرحمٰن مسلم)

(۲۰) النصرۃ النبویہ، ص ۱۳

(۲۱) قوائد تصوف، قاعدہ نمبر ۶۵ (شیخ احمد زروق)

(۲۲) لطائف المنن، ج ا ص ۵۱

Marfat.com

(۲۳) فتوحات الٰہیہ، ج ا،ص ۱۴۲

(۲۴) شرح شطرنج العارفین، ص ۱۴ (شیخ محمد ہاشمی)

(۲۵) مسند احمد، مجمع الزوائد، ج ا ص ۴۲

(۲۶) مسند احمد (نسائی)

(۲۷) الاصابہ، ج ۳ ص ۴۵۸ (شیخ ابن حجر عسقلانی)

(۲۸) حیاۃ الصحابہ، ج ا،ص ۲۳۷

(۲۹) رجال الفکر والدعوۃ فی الاسلام ص ۲۴۸ (شیخ ابوالحسن ندوی)

(۳۰) فتاوی حدیثیہ، ص ۵۵ (ابن حجر مکی)

(۳۱) فتاوی حدیثیہ، ص ۵۵ (ابن حجر مکی)

(۳۲) طبقات الصوفیہ، ص ۴۰۵

(۳۳) طبقات الصوفیہ، ص ۲۸۳

(۳۴) مدارج السلوک الی ملک الملوک، ص ۱۲

(۳۵) مدارج السلوک الی ملک الملوک

(۳۶) فتاوی حدیثیہ ص ۵۵ (شیخ ابن حجر مکی)

(۳۷) تفسیر روح البیان، ج ۲، ص ۱۴۹

(۳۸) رسالہ قشیریہ، ص ۴۸ ـ ۵۰

(۳۹) الحدیقۃ الندیہ شرح طریقہ محمدیہ، ج ا، ص ۴۵۵

(۴۰) ایقاظ الھمم شرح حکم، ج ۲، ص ۳۷۰

(۴۱) کتاب الریاضۃ وادب النفس، ص ۱۲۴ (حکیم ترمذی)

(۴۲) ابن ماجہ، کتاب لادب (ابن حبان) مسند امام احمد

(۴۳) مسلم کتاب الذکر ـ بخاری، کتاب التوحید، ترمذی، کتاب الدعوۃ

(۴۴) مسند امام احمد، ابویعلیٰ، صحیح ابن حبان، سنن بیہقی

(۴۵) مسند امام احمد بن حنبل، مجمع الزوائد، ج ۱۰، ص ۷۶

(۴۶) نور التحقیق، ص ۱۴۷

Marfat.com

(۴۷) مفتاح الفلاح ص۴ (ابن عطاء اللہ سکندری)

(۴۸) احیاء العلوم، ج ۲ ص ۱۵۲

(۴۹) طبقات الصوفیہ، ص ۶۰ (عبدالرحمٰن سلمہ)

(۵۰) احیاء العلوم ج ۲ ص ۲۵۰ (امام غزالی)

(۵۱) احیاء العلوم ج ۲ ص ۲۶۳

(۵۲) غذاالالباب، ج ۱ ص ۱۳۷

(۵۳) الوابل الصیب (ابن قیم جوزیہ)

(۵۴) حلیہ الاولیاء، ج ۱ ص ۲۴۷

(۵۵) شرح الحکیم، جو ۱، ص ۱۶۰ (ابن عجیبہ)

(۵۶) الفتوحات الربانیہ، ج ۱ ص ۲۱۳ (علامہ ابن علان صدیقی)

(۵۷) ایقاظ الھمم، ج ۱ ص ۴۹ (ابن عجیبہ)

(۵۸) ایقاظ الھمم، ج ۱ ص ۱۶۰

(۵۹) الاذکار، ص ۱۳ (امام نووی)

(۶۰) فیض القدیر، ج ۵، ص ۱۶ (امام مناوی)

(۶۱) قواعد تصوف، ص ۳۹ (شیخ زروق)

(۶۲) تفسیر ابوسعید بر حاشیہ تفسیر کبیر

(۶۳) ارشاد الساری، ج ۱ ص ۶۲ (امام قسطلانی)

(۶۴) ارشاد الساری، ج ۱ ص ۶۲

(۶۵) فیض الباری، ج ۱ ص ۲۳

(۶۶) حاشیہ طحطاوی، ص ۶۳۴

(۶۷) فتح الباری، ج ۱ ص ۶۱ (علامہ عینی)

(۶۸) عمدۃ القاری، ج ۱، ص ۶۱ (علامہ عینی)

(۶۹) شرح صحیح بخاری، ج ۱، ص ۳۲ (امام کرمانی)

(۷۰) لوامع الکوکب الدری، ص ۴۸ (امام مناوی)

Marfat.com

(۷۱) فتوحات احمدیہ،ص ۲۱ (شیخ سلیمان الجمل)

(۷۲) سفر السعادۃ،ص ۳۔۴ (فروز آبادی)

(۷۳) بستان العارفین،ص ۴۸ (امام نووی)

(۷۴) احیاء العلوم (امام غزالی) ج ۳،ص ۶۶

(۷۵) المنقذ من الضلال ایضاص ۱۳۱۔۱۳۲

(۷۶) فتوحات مکیہ،ج ۱،ص ۳۱

(۷۷) عذاء الالباب،شرح منظومۃ الاداب (امام محمد سفارینی)،ج ۲ص ۳۸۸

(۷۸) مذکرات فی فقہ السیرۃ (ڈاکٹر مصطفیٰ البسامی) ص ۱۸

(۷۹) غذاء الالباب (عماد الدین الواسطی) ج ۱ص ۴۷

(۸۰) ایقاظ الھمم فی شرح الحکم (احمد بن عجیبہ) ج ۱ص ۳۰

(۸۱) المسند امام احمد بن حنبل

(۸۲) اخرجہ البخاری فی صحیحہ فی کتاب التوحید من ابی ھریرہ

حواشی باب الثالث

(۱) ایقاظ الھمم،ج ۲ص ۲۵۵

(۲) روض الطالبین،ص ۱۵۰ (امام غزالی)

(۳) طریق الہجرتین،ص ۲۲۵۔۲۳۳ (علامہ ابن قیم)

(۴) حلیۃ الاولیاء،ج ۱۰،ص ۹۔۲۴۸

(۵) النصرۃ النبویہ،ص ۵۴ (شیخ مصطفیٰ مدنی)

(۶) طریق الھجرتین،ص ۲۲۷۔۲۳۰ (ابن قیم)

(۷) ایقاظ الھمم،ج ۱،ص ۵۱

(۸) طریق الھجرتین،ص ۲۳۳ (ابن قیم)

(۹) ریاض الصالحین،ص ۱۰ (امام نووی)

(۱۰) رسالہ قشیریہ۔ باب التوبہ ص ۴۷

Marfat.com

(۱۱) قواعد تصوف، ص ۷۴ (شیخ احمد زروق)

(۱۲) البرہان المؤید، ص ۵۶ (سید احمد رفاعی)

(۱۳) قواعد تصوف، ص ۷۵ (شیخ احمد زروق)

(۱۴) الاربعین فی اصول الدین، ص ۱۹۶ (امام غزالی)

(۱۵) قواعد تصوف، ص ۷۴

(۱۶) رسالہ قشیریہ، ص ۶۰

(۱۷) قواعد تصوف، ص ۷۴

(۱۸) معراج التصوف، ص ۶

(۱۹) احیاء العلوم الدین،، ج ۴، ص ۳۳۴

(۲۰) رسالہ قشیریہ، ص ۹۷

(۲۱) شرح ریاض الصالحین، ج ۱، ص ۲۸۲ (ابن علان صدیقی)

(۲۲) طریق الھجرتین (ابن قیم)

Marfat.com

(۳۲) ایقاظ الھمم، ج ا، ص ۳۶

(۳۳) تائید الحقیقہ العلیہ، ص ۶۱ (امام جلال الدین سیوطی)

(۳۴) قواعد تصوف، ص ۷۶ (شیخ احمد زروق)

(۳۵) خمرۃ الحان ورنہ الالحان، ص ۱۷۰

(۳۶) ایقاظ الھمم، ج ا، ص ۵۱

(۳۷) مدارج السالکین، ج ۲، ص ۹۱

(۳۸) شرح زقانی، ج ا، ص ۳

(۳۹) کتاب اللمع، ص ۷۷ (شیخ طوسی)

(۴۰) معراج التشوف الی حقائق التصوف، ص ۶

(۴۱) التعریفات، ص ۱۷۰ (سید جرجانی)

(۴۲) رسالہ قشیریہ، ص ۵۴

(۴۳) ایضاً

(۴۴) معراج التشوف، ص ۷

(۴۵) رسالہ قشیریہ، ص ۵۵

(۴۶) الریاض النضرۃ، ج ۲، ص ۴۷

(۴۷) البدایہ والنھایہ، ج ۷، ص ۳۴ (ابن کثیر)

(۴۸) سیرت عمر بن عبدالعزیز، ص ۳۷ (ابن عبدالحکیم)

(۴۹) فیض القدیر شرح جامع الصغیر، ج ۵، ص ۵۲

(۵۰) اللمع، ص ۱۷ (شیخ طوسی)

(۵۱) طبقات الصوفیہ، ص ۱۹۱

(۵۲) رسالہ قشیریہ، ص ۵۶

(۵۳) الفتوحات اولوہیہ (شیخ ابراہیم)

(۵۴) تاریخ عمر بن الخطاب، ص ۱۰۴، (ابن جوزی)

(۵۵) فتح الربانی (شیخ عبدالقادر جیلانی)

Marfat.com

(۵۶) معراج التشوف، ص ۷، (ابن عجیبہ)

(۵۷) النهایہ فی قریب الحدیث (ابن اثیر)

(۵۸) فیض القدیر، ج ۳ ص ۵۴۵

(۵۹) فیض القدیر، ج ۳ ص ۷۳ (امام مناوی)

(۶۰) طبقات الصوفیہ، ص ۱۵۸، (شیخ عبدالرحمٰن سلمی)

(۶۱) معراج التشوف، ص ۷۔۸ (ابن عجیبہ)

(۶۲) تعریفات، ص ۵۷ (سید شریف جرجانی)

(۶۳) معراج التوف

(۶۴) السیرۃ النبویہ، ص ۲۴۲ (سید احمد دحلان)

(۶۵) رسالہ قشیریہ، ص ۸۹

(۶۶) احیاءعلوم الدین، ج ۴، ص ۳۳۶

(۶۷) التعریفات، ص ۴۸ (سید شریف جرجانی)

(۶۸) معراج التشوف، ص ۸ (ابن عجیبہ)

(۶۹) الطریق الی اللہ، ص ۵۶ (ابو سعید خراز)

(۷۰) رسالہ قشیریہ، ص ۷۶

(۷۱) الاربعین فی اصول الدین، ص ۲۴۶ (امام غزالی)

(۷۲) معراج التشوف، ص ۸ (ابن عجیبہ)

(۷۳) مدارج السالکین، ج ۲ ص ۱۳۶ (ابن قیم)

(۷۴) معراج التشوف، ص ۷ (ابن عجیبہ)

(۷۵) مدارج السالکین، ج ۲، ص ۳۷ (ابن قیم)

(۷۶) طبقات الصوفیہ، ص ۴۹۸، (شیخ عبدالرحمان سلمی)

(۷۷) شرح شرنج العارفین، ص ۱۲، (شیخ محمد ہاشمی)

(۷۸) احیاءالعلوم ج ۴ ص ۲۹۴

Marfat.com

حواشی الباب الرابع

(۱) احیاء العلوم، ج ۴، ص ۲۹۴
(۲) فتوحات المکیہ (شیخ ابن عربیؒ)
(۳) مشارق انوار القلوب، ص ۲۱ (شیخ ابن دباغ)
(۴) مدارج السالکین، ص ۱۸ (ابن قیم)
(۵) نور التحقیق، ص ۸۴
(۶) طبقات الصوفیہ، ص ۱۸، (شیخ عبدالرحمٰن سلمی)
(۷) مشارق انوار القلوب، ص ۳۶ (ابن دباغ)
(۸) فیض القدیر، ج ۱، ص ۱۴۳ (امام مناوی)
(۹) تاریخ الخلفاء، ص ۱۲۸ (علامہ جلال الدین سیوطی)
(۱۰) الریاض النضرہ، ج ۲ ص ۲۹۵
(۱۱) تفسیر قرطبی، ج ۱۰، ص ۴۴
(۱۲) رسالہ قشیریہ، ص ۱۱۰
(۱۳) فتاوی حدیثیہ، ص ۲۲۹، (ابن حجر ہیثمی)
(۱۴) فیض القدیر ج ۵، ص ۳۴۲ (علامہ مناوی)
(۱۵) تفسیر کبیر، ج ۲ ص ۶۶۹
(۱۶) تفسیر کبیر، ج ۲ ص ۶۶۹
(۱۷) روح المعانی، ج ۲۴، ص ۱۰۷
(۱۸) طبقات کبریٰ ۴، ص ۳۶۳ (ابن سعد)
(۱۹) تہذیب التہذیب، ج ۳، ص ۳۰
(۲۰) الحلیہ، ج ۲، ص ۷ (اخرجہ ابونعیم)
(۲۱) المستدرک، ج ۳ ص ۶۰۶ (حاکم ابوعبداللہ)
(۲۲) تفسیر رازی، ج ۵ ص ۶۹۲
(۲۳) کتاب اللمع، ص ۴۰۰ (امام طوسی)

Marfat.com

(۲۳) یواقیت والجواہر ج ۲ ص ۱۱۷

(۲۵) اللمع ص ۹۰۰، (ابونصر طوسی)

(۲۶) نشر المحاسن الغالیہ ص ۱۱۹ (شیخ امام عبداللہ یافعی)

حواشی الباب الخامس

(۱) صحیح مسلم، کتاب الایمان۔ مسند امام احمد، ج ۱ ص ۲۴

(۲) قواعد تصوف (شیخ احمد زروق) ص ۳۳

(۳) حاشیہ ابن عابدین، ج ۳ ص ۳۰۳

(۴) نشر المحاسن الغالیہ، ج ۱ ص ۱۵۴

(۵) کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون، ج ۱ ص ۴۱۳ (حاجی خلیفہ)

(۶) مجموع الفتاوی احمد بن تیمیہ، ج ۱۰ ص ۴۱۱

(۷) مجموع فتاوی احمد بن تیمیہ، ج ۱۰ ص ۵۱۶۔۵۱۷

(۸) الفتح الربانی (شیخ عبدالقادر جیلانی) ص ۲۹

(۹) طبقات الصوفیہ (سلمی) ص ۲۱۰

(۱۰) طبقات الصوفیہ ص ۳۰۰ (شیخ عبدالرحمان سلمی)

(۱۱) الفتوحات الالٰہیہ، ج ۲ ص ۳۰۲ (ابن عجیبہ)

(۱۲) طبقات الصوفیہ ص ۳۰۰ (شیخ عبدالرحمان سلمی)

(۱۳) لطائف المنن والاخلاق، ج ۱ ص ۲۵ (شیخ عبدالوہاب شعرانی)

(۱۴) رسالہ قشیریہ ص ۱۶

(۱۵) قواعد التصوف، ج ۱ ص ۶۷ (ابن عجیبہ)

(۱۶) شرح الحکم، ج ۱ ص ۶۷ (ابن عجیبہ)

(۱۷) البرہان المؤید ص ۲۸ (سید احمد رفاعی)

(۱۸) طبقات الصوفیہ ص ۱۵۹، (شیخ عبدالرحمن سلمی)

(۱۹) رسالہ قشیریہ ص ۲۲۔

(۲۰) طبقات الصوفیہ ص ۴۸۸، (شیخ عبدالرحمان سلمی)

Marfat.com

(۲۱) درمختار، ج۱ص۴۳

(۲۲) حاشیہ ابن عابدین، ج۱ص۴۳

(۲۳) لطائف المنن والاخلاق، ج۱ص۴۳

(۲۴) صحیح بخاری ومسلم، ترمذی

(۲۵) فتاوی حدیثیہ ص۱۴۸، (ابن حجر مکی)

(۲۶) میزان الاعتدال، ج۳ص۱۲۴ (امام ذہبی)

(۲۷) شذرات الذہب، ج۸، ص۳۷۳

(۲۸) یواقیت والجواہر، ج۱ص۸ (شیخ عبدالوہاب شعرانی)

(۲۹) لطائف المنن والاخلاق، ج۱ص۱۲۷

(۳۰) فتاوی حدیثیہ ص۱۴۹، (ابن حجر مکی)

(۳۱) الیواقیت والجواہر، ج۱ص۸ (امام شعرانی)

(۳۲) لطائف المنن والاخلاق، ج۱ص۱۲۷

(۳۳) الیواقیت والجواہر، ج۱ص۸

(۳۴) الیواقیت والجواہر، ج۱ص۹

(۳۵) حاشیہ ابن عابدین، ج۳، ص۳۰۳

(۳۶) الیواقیت والجواہر، ج۲ص۲۰۵ (امام شعرانی)

(۳۷) المسائل الکافیہ ص۱۹، (شیخ محمد بن یوسف کافی)

(۳۸) مجلۃ العشیرہ المحمدیہ ص۲۱

(۳۹) مجلۃ العشیرہ المحمدیہ ص۲۳ (ماہ محرم ۱۳۸۱)

(۴۰) مجموعہ رسائل، ج۱ص۸۰، (ابن تیمیہ)

(۴۱) فتاوی حدیثیہ ص۲۱۴، (علامہ ابن حجر ہیثمی)

(۴۲) فیض القدیر شرح جامع صغیر، ج۲ص۳۱۳ (علامہ مناوی)

(۴۳) الیواقیت والجواہر، ج۱ص۲۲ (امام شعرانی)

(۴۴) عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری، ج۲ص۲۰۴-۲۰۵ (امام عینی)

Marfat.com

(۴۵) صحیح بخاری

(۴۶) قواعد التصوف ص ۷ (شیخ زروق) دہلی

(۴۷) الیواقیت والجواہر ص ۱۹ (امام شعرانی)

(۴۸) حاشیہ ابن عابدین، ج ۳ ص ۳۰۳

(۴۹) فتاوی حدیثیہ ص ۲۱۶ (علامہ ابن حجر مکی)

(۵۰) التصوف الاسلامی والامام شعرانی ص ۱۰۴ (طہٰ عبدالباقی)

(۵۱) انسان کامل ص ۵، (شیخ عبدالکریم جیلی)

(۵۲) لطائف المنن والاخلاق، ج ۲ ص ۱۴۹

(۵۳) کتاب النصرۃ النبویہ ص ۸۲ (شیخ مصطفیٰ مدنی)

(۵۴) قوانین حکم الاشراق الی کافۃ الصوفیہ فی جمیع الافاق، قانون الولایۃ الخاصۃ ص ۵۸

(۵۵) قوانین حکم الاشراق ص ۵۹

(۵۶) الیواقیت والجواہر، ج ۱ ص ۸۰-۸۱

(۵۷) الیواقیت والجواہر، ج ۱ ص ۸۰-۸۱

(۵۸) الیواقیت والجواہر، ج ۱ ص ۸۰-۸۱

(۵۹) الیواقیت والجواہر، ج ۱ ص ۸۰-۸۱

(۶۰) الحاوی للفتاوی ج ۲ ص ۱۳۴ (امام جلال الدین سیوطی)

(۶۱) الحاوی ج ۲ ص ۱۳۴ (امام جلال الدین سیوطی)

(۶۲) مدارج السالکین، ج ۱ ص ۹۰ (علامہ ابن قیم)

(۶۳) مجموعہ رسائل ص ۱۵۲ (ابن تیمیہ)

(۶۴) مجموعہ رسائل ص ۵۲ (ابن تیمیہ)

(۶۵) رسالہ وحدۃ الوجود ص ۲۷-۲۸ (علامہ مصطفیٰ کمال شریف)

(۶۶) مدارج السلوک (عارف باللہ محمد بنانی، المتوفی ۱۲۸۴ھ)

(۶۷) حاشیہ علامہ علی عدوی، ج ۲ ص ۱۹۵

(۶۸) تنویر القلوب ص ۴۰۵ (شیخ امین کردی)

Marfat.com

(۶۹) غذاء الالباب، ج ۱ ص ۱۲۰

(۷۰) کتاب الوصایا، ص ۲۷۔۳۲ (امام حارث محاسبی)

(۷۱) الفرق بین الفرق، ص ۱۸۹، (امام عبدالقاہر بغدادی)

(۷۲) رسالہ قشیریہ، ص ۲، (امام ابوقاسم قشیری)

(۷۳) المنقذ من الضلال، ص ۱۳۱، (امام غزالی)

(۷۴) اعتقادات المسلمین والمشرکین، ص ۷۲۔۷۳ (امام فخر الدین رازی)

(۷۵) مجموعہ فتاوی، ج ۱۰ ص ۵۱۴ (امام تیمیہ)

(۷۶) المسلم مجلۃ العشیرۃ المحمدیہ، ذی قعدہ ۱۳۷۳ھ

(۷۷) مقدمہ ابن خلدون، ص ۳۲۸

(۷۸) معید النعم ومبید النقم، ص ۱۱۹ (امام تاج الدین سبکی)

(۷۹) تائید الحقیقۃ العلیہ، ص ۵۷ (امام جلال الدین سیوطی)

(۸۰) شفاء العلیل وبل الغلیل، ص ۱۷۱۔۱۷۳ (علامہ ابن عابدین)

(۸۱) مجلۃ المسلم، ص ۲۴۔

(۸۲) حاضر العالم الاسلامی، ج ۲ ص ۳۹۶

(۸۳) حاضر العالم الاسلامی، ج ۲ ص ۴۰۰

(۸۴) ایضاً، ج ۱ ص ۳۰۱

(۸۵) مجلۃ المنار، ص ۲۶۷

(۸۶) ثقافت اسلامیہ، ص ۳۰۲۔۳۰۴

(۸۷) مقدمہ نور التحقیق، ص ۱۔۳

(۸۸) المسلمون فی الہند، ص ۱۴۰۔۱۴۶، شیخ ابوالحسن ندوی)

(۸۹) روائع اقبال، ص ۷، (ابوالحسن ندوی)

(۹۰) ابن حجر عسقلانی نے اپنی کتاب تہذیب التہذیب، ج ۲ ص ۲۶۴، میں بھی آپ نے سماع و ثابت کیا ہے۔

(۹۱) الحاوی للفتاوی، ج ۲ ص ۱۰۲۔۱۰۳، (امام جلال الدین سیوطی)

Marfat.com

Marfat.com

جہانِ تازہ کی افکارِ تازہ سے ہے نمود
کہ سنگ و خشت سے ہوتے نہیں جہاں پیدا

حضور اکرم ﷺ کی بعثت مبارکہ کے مقاصد میں تزکیہ نفوس اور تطہیر قلوب کو بنیادی اہمیت حاصل ہے آپ کے وصال کے بعد امت کے اولیاء، صوفیاء اور علمائے ربانیین اسی بنیادی اور اہم منصب کے وارث ہوئے۔ قرآن وسنت کے فیضان کے زیر اثر امت کے اجتماعی شعور نے اس بنیادی فریضہ کو تصوف کی صورت میں ایک باقاعدہ ادارے کی شکل دے دی۔ اور تاریخ اسلام شاہد عادل ہے کہ اسلام کی صحیح ترین تعبیر انہی پاکیزہ نہاد صوفیاء کے ذریعے آئندہ نسلوں تک پہنچ سکی۔ نکتہ نظر کا اختلاف زندگی کے ہر شعبے میں ممکن ہے۔ دیگر اداروں کی طرح تصوف پر بھی اعتراضات ہوئے بلکہ بہت سے ادوار اور مقامات پر شدید مخالفت بھی ہوئی۔ خوش قسمتی سے صوفیاء کرام کی صفوں میں ہر دور میں ایسے رجال کار موجود رہے ہیں جنہوں نے تصوف کی صحیح ترین وضاحت بھی پیش کی اور شبہات کا ازالہ بھی کیا بلکہ اپنی روحانیت کے حوالے سے مسلمانوں میں ایک ولولہ تازہ کا باعث بھی بنے زیر نظر کتاب اثر حاضر کی ایک اہم کتاب ہے۔ جو ایک عالم فاضل اور عارفِ کامل درویش کے قلم سے نکلی ہے اس کتاب میں صوفیاء کے طریقہ تربیت کی خوبصورت اور احسن انداز میں وضاحت کی گئی ہے۔ روایات تصوف کی صحت پر قرآن وسنت سے استشہاد کیا گیا ہے اور مزید برآں یہ کہ جدید ذہنوں میں اٹھنے والے شکوک کا کمال حکمت و دانائی سے ازالہ کیا گیا ہے حضرت ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ کے مرید و شاگرد اور ہمارے فاضل دوست محمد اکرم الازہری نہ صرف تبحر علمی رکھتے ہیں بلکہ خود بھی ایک درویش منش انسان ہیں لہذا اس رواں دواں اور سلیس ترجمہ میں انکا سوز دروں بھی شامل ہے اس طرح اردو دان طبقہ کے لئے اس کتاب کی تفہیم بہت آسان ہوگئی ہے۔...... زاویہ نشین : رضاء الدین صدیقی

زاویہ فاؤنڈیشن (رجسٹرڈ)
8-C دربار مارکیٹ لاہور

زاویہ انٹرنیشنل
والٹن روڈ لاہور کینٹ

Ph: +92-42-37113553, 37117152 Mob: 0300-4360320, 0300-4355534
E-mail: zaviafoundation@hotmail.com
Web: www.zaviainternational.com